[illegible] فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عثمانی

جلد دوم

کتاب الزکاۃ، کتاب الصیام، کتاب الحج، کتاب النکاح
کتاب الطلاق، کتاب الایمان والنذور، کتاب الوقف

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

ترتیب وتخریج
مولانا محمد زبیر حق نواز

مکتبہ معارف القرآن کراچی

ص۲۴۲

فتاویٰ عثمانی جلد ۲ ص ۲۴۲ کی تیسری سطر میں یہ عبارت آئی ہے کہ:

''اگر عبدالکریم زینت کے علاوہ غلام علی کی کسی اور بیوی کے بطن سے ہے اور اس نے زینت کا دودھ بھی نہیں پیا تو فاطمہ اور عبدالکریم کے درمیان کوئی رضاعی رشتہ نہیں ہے''۔

اس جواب میں غلطی ہوئی ہے، صحیح جواب یہ ہے:

اگر عبدالکریم زینت کے علاوہ غلام علی کی کسی اور بیوی کے بطن سے ہے تب بھی عبدالکریم کا فاطمہ سے نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ اس صورت میں بھی عبدالکریم غلام علی کا بیٹا ہونے کی وجہ سے اگرچہ حقیقۃً فاطمہ کا چچازاد بھائی ہے تاہم رضاعت کی نسبت سے عبدالکریم فاطمہ کا باپ شریک رضاعی چچا ہے، لہٰذا ہر دو صورت میں فاطمہ عبدالکریم پر حرام ہے اور دونوں کے درمیان نکاح نہیں ہوسکتا۔ لحرمة لبن الفحل۔

اس کے مطابق آئندہ ایڈیشن میں تبدیلی کردی گئی ہے، جن حضرات نے اس طرف توجہ دلائی ہے بندہ ان کا شکر گزار ہے۔

(البلاغ)
شوال ۱۴۲۹ھ

فتاویٰ عثمانی

پینتالیس سالہ خود نوشتہ فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ عثمانی

جلد دوم

کتاب الزکاۃ، کتاب الصوم، کتاب الحج، کتاب النکاح
کتاب الطلاق، کتاب الایمان والنذور، کتاب الوقف

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم

ترتیب و تخریج

مولانا محمد زبیر حق نواز
استاذ جامعہ دارالعلوم کراچی

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴

باہتمام : محمد مشتاق سنی

طبع جدید : جمادی الثانیہ ۱۴۲۷ھ - جولائی ۲۰۰۶ء

مطبع : زمزم پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر : مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴

فون : 5031565 - 5031566

ای میل : i_maarif@cyber.net.pk

ملنے کے پتے:

* مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴

فون: 5031565 - 5031566

* ادارۃ المعارف کراچی ۱۴

فون: 5049733 - 5032020

فہرستِ موضوعات فتاویٰ عثمانی جلد دوم　　صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

﴿فصل فی صدقة الفطر﴾ ۷۷

(صدقہ فطر کے مسائل کا بیان)

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

﴿فصل فی العشر والخراج﴾ ۱۲۷
(عشر اور خراج سے متعلق مسائل کا بیان)

﴿فصل فی مصارف الزکوٰۃ والعشر وصدقۃ الفطر﴾ ۱۳۱
(زکوٰۃ، عشر اور صدقۂ فطر کے مصارف کے بیان میں)

موضوعات	صفحہ نمبر
گھر کی ملازمہ کو زکوۃ دینے کا حکم............	۱۳۶
زکوۃ سے یتیم خانے کے لئے کمرہ کرایہ پر لینے کا حکم.	۱۳۶
بیوہ کو زکوۃ دینے کا حکم............	۱۳۷
مقروض کو زکوۃ دینے کی تفصیل....	۱۳۷
سادات بنوہاشم کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی.	۱۳۸
مستحق کا زکوۃ لے کر مسجد کو عطیہ کرنے کا حکم.....	۱۳۸
کئی مکانات اور سامان کے مالک کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی..	۱۳۹
زکوۃ وفطرہ وغیرہ کی رقم اسکول اور طلباء کے تعلیمی اخراجات میں خرچ کرنا	۱۳۹
مسجد کی تعمیر اور اساتذہ کی تنخواہ میں زکوۃ نہیں لگ سکتی......	۱۴۰
زکوۃ کی رقم رفاہی کاموں، تعمیرات و مصروفات میں خرچ کرنے کا حکم	۱۴۲
زکوۃ کتنی مدوں میں دی جاسکتی ہیں	۱۴۲
مسجد کی عمارت کی تعمیر یا تنخواہ میں زکوۃ استعمال کرنا	۱۴۳
زکوۃ اور قربانی کی کھالوں سے مستحق امام مسجد کو تنخواہ دینے کا حکم	۱۴۳
زکوۃ سے معلّم قرآن کو تنخواہ دینے کا حکم.....	۱۴۴
زکوۃ سے امامِ مسجد کو تنخواہ دینا...........	۱۴۴
زکوۃ سے تبلیغی کتابیں چھپوانے کا حکم......	۱۴۴
قومی اتحاد کی تحریک میں زکوۃ دینے کا حکم.........	۱۴۵
سال بھر میں تھوڑی تھوڑی کر کے زکوۃ ادا کرنا جائز ہے.......	۱۴۵
مستحق زکوۃ کے لئے زکوۃ فنڈ سے امداد لینے کا حکم.......	۱۴۵
ایدھی ٹرسٹ کو زکوۃ دینے کا حکم	۱۴۶
زکوۃ ڈسپنسری کی تعمیر، ڈاکٹر اور کمپونڈروں کی تنخواہوں پر نہیں لگ سکتی	۱۴۶
زکوۃ، عشر اور قربانی کی کھال کا مستحق کون ہے؟	۱۴۷
۱:- سادات اور ملازم کو زکوۃ دینے کا حکم...	۱۴۸
۲:- زکوۃ رفاہی تعمیرات میں لگانا ممنوع ہے....	۱۴۸
مقروض کو زکوۃ دینے میں تفصیل.....	۱۴۹

صفحہ نمبر	موضوعات

﴿کتاب الصوم﴾

﴿فصل فی رُؤیة الهلال﴾

(چاند دیکھنے سے متعلق مسائل کا بیان)

﴿فصل فی المسائل المتعلقة بالصوم﴾

(روزے سے متعلق مختلف مسائل کا بیان)

﴿باب الاعتکاف﴾

(اعتکاف کے مسائل)

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

مضامین	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

کتاب الطّلاق

باب ایقاع الطّلاق

(طلاق دینے اور طلاق واقع ہونے کا بیان)

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر
''میں آپ کی لڑکی کو طلاق دے رہا ہوں'' کے الفاظ کا حکم	۳۳۸
''میں نے آپ کی بیٹی کو طلاق دی'' اور ''میں انہیں طلاق دیتا ہوں'' الفاظ کا حکم	۳۳۹
''میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' دو مرتبہ کہنے کا حکم اور رجوع کا بہتر طریقہ	۳۴۰
''طلاق دیتا ہوں'' الفاظ کا حکم اور زبان سے رجوع کا طریقہ	۳۴۱
''میں نے اُسے چھوڑ دیا'' کہنے کا حکم	۳۴۱
میمنی زبان میں ''میں تم کو رجاء دیتا ہوں'' کے الفاظ کا حکم	۳۴۲
''ایک طلاق دے رہا ہوں'' الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوگی	۳۴۳
تین مرتبہ لفظ ''چھوڑا'' استعمال کرنے کا حکم	۳۴۴
ایک مرتبہ طلاق کا لفظ کہنے کا حکم	۳۴۵
''طلاق دے دُوں گا'' کے الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی	۳۴۵
طلاق کی تعداد میں شک ہو تو کیا حکم ہے؟	۳۴۶
''میں نے اس کی بہن کو چھوڑا'' کے الفاظ دو مرتبہ کہنے کے بعد طلاق کی خبر کسی کو دینے سے مزید طلاق نہ ہونے کا حکم اور رُجوع کا طریقہ۔	۳۴۸
الفاظ ''طلاق لے لو'' کا حکم	۳۴۹
''المرأة کالقاضی'' کا مطلب	۳۴۹
عددِ طلاق میں زوجین کے اختلاف کا حکم	۳۴۹
''میں نے تجھے چھوڑ دیا'' کے الفاظ تین مرتبہ کہنے کا حکم	۳۶۱
''تجھے طلاق دے دیں گے'' الفاظ کا حکم	۳۶۲
امداد الفتاوی میں دو بیویوں کو طلاق دینے کے مسئلے میں درمختار کا جزئیہ ذکر کرنے میں تسامح ہے (حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب دامت برکاتہم کے سوال کے جواب میں)	۳۶۲
لفظ ''چھوڑ دیا'' طلاقِ صریح ہے یا کنایہ؟	۳۶۳

﴿فصل فی الطّلاق بالکنایات﴾ ۳۶۶

(کنایاتِ طلاق کا بیان)

موضوعات	صفحہ نمبر
''جا اور تو وہیں رہ، میرا تیرے ساتھ کوئی واسطہ نہیں'' الفاظ کا حکم	۳۶۶
''مجھ کو تیری ضرورت نہیں، جا چلی جا'' الفاظ کا حکم	۳۶۷

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر
﴿فصل فی تعلیق الطّلاق﴾ (طلاق کو کسی شرط پر معلق کرنے کا بیان)	۳۸۷

موضوعات	صفحہ نمبر

صفحہ نمبر	موضوعات

موضوعات	صفحہ نمبر

موضوعات	صفحہ نمبر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرضِ مرتب

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، أما بعد

استاذِ محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم کے فتاویٰ کی جلد اوّل آج سے کچھ عرصہ قبل شائع ہوکر منظرِ عام پر آئی تھی، علماء وطلباء کے علاوہ عوام الناس نے بھی ہاتھوں ہاتھ لی، اور الحمد للہ اہلِ فتویٰ نے اسے فتویٰ کا مأخذ بناکر اس کی روشنی میں اہم فتاویٰ تحریر کیے، اُمت کے علمی حلقوں میں بلاشبہ اس سے اہم دینی نفع حاصل کیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت استاذِ محترم دامت برکاتہم کو صحت وعافیت کے ساتھ عمرِ دراز عطا فرمائیں اور ان کے علم وتفقہ کی روشنی پوری دنیا میں پھیلائیں اور ان کے علوم ومعارف اور فیوض کو تاقیامت جاری وساری رکھیں، آمین۔

اب حضرت استاذِ محترم دامت برکاتہم العالیہ کے فتاویٰ کی دوسری جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، اس جلد میں زکوٰۃ، صوم، اعتکاف، حج، نکاح، طلاق، وقف، احکام المساجد اور ایمان ونذور سے متعلق مسائل شامل ہیں۔ جن کی اجمالی اور تفصیلی فہرست کتاب کے شروع میں درج ہے۔ تیسری جلد ان شاء اللہ "کتاب الشرکۃ والمضاربۃ" اور اس کے بعد کے ابواب پر مشتمل ہوگی۔

حضرت والا دامت برکاتہم کے فتاویٰ سے متعلق تفصیل اور اس جلد میں بھی کام کی ترتیب وہی ہے جو جلد اوّل میں تھی، جس کی تفصیل جلد اوّل میں حضرت والا دامت برکاتہم کے پیش لفظ اور عرضِ مرتب میں درج ہے۔ تفصیل کے لئے اس کی طرف مراجعت مناسب ہے، تاہم اس جلد میں درج ذیل نئے اُمور کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے۔

* مذکورہ ابواب سے متعلق کئی مکرر مسائل کو ضخامت وطوالت سے بچنے کے لئے حذف کردیا گیا ہے، مثلاً کتاب الطلاق کی فصل فی الطلاق الثلاث وأحکامہ میں "تین طلاقوں" سے متعلق کئی مسائل کو حضرت والا دامت برکاتہم کے مشورے سے حذف کردیا گیا ہے، تاہم ایک ہی موضوع سے متعلق ایسے مسائل کو باقی رکھا گیا ہے جن میں کوئی نیا علمی فائدہ ہو۔

❊ چونکہ یہ تمام فتاویٰ خود حضرت والا دامت برکاتہم کے تحریر فرمودہ ہیں، لہٰذا حضرت والا دامت برکاتہم کے حکم سے کتاب کی ضخامت سے بچنے کے لئے فتویٰ کے آخر میں حضرت والا دامت برکاتہم کا نام نقل کرنے کی بجائے صرف تاریخ اور فتویٰ نمبر لکھنے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ تاہم جہاں حضرت والا دامت برکاتہم کے فتویٰ پر اکابر بزرگوں میں سے کسی کے تصدیقی دستخط ہیں وہاں فتویٰ کے آخر میں حضرت کے نام کے ساتھ مصدق کا نام بھی درج کیا گیا ہے۔

❊ جلد اول کی طرح جلد ثانی میں بھی ضخامت سے بچنے کے لئے سائل کا نام حذف کیا گیا ہے، تاہم سائل اگر خواص اہلِ علم میں سے کوئی ہیں تو ان کا نام ذکر کیا گیا ہے تاکہ سوال وجواب پڑھتے ہوئے سائل کی شخصیت اور ان کا علمی مقام ملحوظ رہے۔

❊ اس جلد کی کتاب الزکوٰۃ میں ''حکومت کا بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا شرعی حکم'' سے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم کی تحقیق جو پہلے فقہی مقالات میں شائع ہوئی تھی وہ اب کتابوں کے مروجہ اور متداول نسخوں کی تخریج کے ساتھ اس مجموعہ میں شامل ہے۔ اس تحقیق میں ''بینکوں کی رقوم کے اموالِ ظاہرہ میں شامل ہونے'' سے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم نے ایک تازہ وضاحتی نوٹ تحریر فرمایا ہے۔ یہ اہم نوٹ اس تحقیق کے آخر میں درج ہے۔

❊ حضرت والا دامت برکاتہم نے کئی حضرات کو جوابی خطوط میں کئی فقہی سوالوں کے جوابات دیئے ہیں۔ ان کئی حضرات نے توجہ دلائی کہ ان خطوط میں موجود فقہی مسائل کو بھی فتاویٰ کے اس مجموعہ میں شامل کیا جائے۔ مگر چونکہ حضرت والا دامت برکاتہم کے ذاتی خطوط دار الافتاء میں نہیں آتے اس لئے ایسے فتاویٰ تک رسائی کی صورت نظر نہ آتی تھی۔ چنانچہ جلد اول میں ان خطوط میں موجود فتاویٰ شامل نہ ہو سکے، مگر جلد ثانی میں جب حضرت والا دامت برکاتہم نے اپنے فتاویٰ کی ''سوال وجواب'' اور ''قابلِ حفاظت خطوط'' کی فائلیں بندہ کو عنایت فرمائیں تو اس میں کئی ایک خطوط ایسے نکلے جن میں اہم فقہی تحقیقات اور سوالوں کے جوابات تھے، جن میں بعض تفصیلی جوابات بھی تھے، نمونے کے طور پر اس جلد میں کتاب النکاح کی فصل فی الجہیز والمہر میں ایک تفصیلی فتویٰ ''مہر اعزازیہ ہے یا عوض اور اجرت؟'' ملاحظہ فرمائیں۔ ان خطوط میں جلد اول سے متعلق جو مسائل تھے وہ ان شاء اللہ جلد اول کے اگلے ایڈیشن میں شامل کئے جائیں گے، جو مسائل جلد ثانی سے متعلق تھے وہ متعلقہ ابواب کے تحت اس میں شامل کر دیئے گئے ہیں اور حاشیہ میں ایسے مسائل کی نشاندہی کر دی گئی ہے۔ اور اگلی جلدوں سے متعلق ایسے مسائل ان شاء اللہ اگلی جلدوں میں شامل اشاعت ہوں گے۔

❊ جلد اول کی اشاعت اور جلد ثانی کے مسودہ پر نظر ثانی کے بعد حضرت والا دامت برکاتہم

نے جس طرح پسندیدگی اور مسرت کا اظہار فرمایا اور اپنی مشفقانہ دعاؤں سے نوازا، بلا شبہ بندہ کے لئے وہ دُعا میں دنیا و آخرت کا حقیقی سرمایہ ہیں۔ اور حلقۂ قارئین میں جلد اول کی مقبولیت اور نافعیت اور ان کے اصرار و طلب کے پیشِ نظر خواہش اور حتی المقدور کوشش ہے کہ بقیہ جلدیں بھی جلد منظرِ عام پر آجائیں۔ قارئین سے دعا کی درخواست ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کام کی جلد تکمیل فرمادیں اور حضرت والا دامت برکاتہم کے ساتھ ساتھ بندہ کے لئے بھی اس کام کو ذریعۂ مغفرت اور ذخیرۂ آخرت بنادیں، آمین ثم آمین۔

اہم اعلان

قارئین سے درخواست ہے کہ اگر کسی کے پاس حضرت والا دامت برکاتہم کے ایسے خطوط موجود ہوں جن میں حضرت والا دامت برکاتہم نے کسی فقہی سوال کا جواب عنایت فرمایا ہو تو براہِ کرم ایسے خطوط احقر کو دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی یا ''مکتبہ معارف القرآن کراچی'' کے پتے پر فوٹو اسٹیٹ اور ڈاک خرچ کی وضاحت کے ساتھ ارسال فرمائیں تاکہ فتاویٰ کے اس مجموعہ میں متعلقہ ابواب کے تحت انہیں بھی شامل کیا جاسکے۔ ایسے فتاویٰ حضرت والا دامت برکاتہم کے علاوہ خط بھیجنے والے حضرات کے لئے بھی ان شاء اللہ صدقۂ جاریہ ہوں گے۔ والسلام

بندہ
محمد زبیر حق نواز
رفیق دار الافتاء
جامعہ دار العلوم کراچی
۲۱ ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ

کتاب الزکوٰۃ

(مالِ تجارت، نقدی، سونا، چاندی، استعمالی اشیاء،
زمینوں اور مشینوں پر زکوٰۃ کا حکم)

پانچ تولہ سونا اور کچھ نقدی پر زکوٰۃ کا حکم

سوال - ایک آدمی کے پاس پانچ تولہ سونا اور کچھ نقدی دس بیس روپے ہیں تو کیا حولانِ حول کے بعد اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟

جواب - جی ہاں، فرض ہوگی، اگر سونے کے ساتھ تھوڑی سی چاندی یا نقدی موجود ہو تو سونے کی قیمت کا اور چاندی کے نصاب کا حساب کرنا چاہئے، یعنی اگر سونا اور نقدی مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت بن گئی تو زکوٰۃ واجب ہے۔(۱)

واللہ اعلم
۱۳۹۷/۲/۱۴ھ

۱: - مشینری اور آلات پر زکوٰۃ نہیں
۲: - چوزوں اور مرغیوں پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱ - وہ [illegible] جو مشینیں یا آلات [illegible] ہوتے جاتے ہیں کیا ان پر زکوٰۃ ہے؟

جواب ۱: - مشینری اور آلات پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔(۲)

سوال - پولٹری فارم میں چوزے خرید کر ان کو پالا جاتا ہے ۲۲ ہفتوں کے بعد وہ انڈے دینے کے قابل ہوتے ہیں اور ۸۲ ہفتہ تک انڈا دیتے ہیں، اس کے بعد انڈا دینے کی صلاحیت نہیں رکھتے، انڈے اور ان مرغیوں پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب - صورت مسئولہ میں انڈوں کی قیمت پر تو زکوٰۃ ہے لیکن چوزوں اور مرغیوں پر زکوٰۃ

---

(۱) في الهداية ج ۱ ص ۱۹۵ طبع مكتبه [illegible] ويضم قيمة العروض الى الثمنين، والذهب الى الفضة قيمة [illegible] كذا في الكنز حتى لو ملك مائة درهم وخمسة دنانير قيمتها مائة درهم تجب الزكاة عنده خلافا لهما ولو ملك مائة درهم وعشرة دنانير [illegible] وخمسين درهما وخمسة عشر دينارا او خمسين درهما [illegible] وكذا في الهداية ج ۱ ص ۱۹۶ مكتبه شركت علميه ملتان، وكذا في الطحطاوي على مراقي الفلاح ص ۳۹۰ طبع نور محمد كتب خانه وفي الهداية ج ۱ ص ۱۹۶ (طبع شركت علميه) ويضم الذهب الى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية

وفي [illegible] ج ۲ ص ۲۹۹ [illegible] [illegible] وفي [illegible] ج ۲ ص ۲۳۰ وفي المبسوط للسرخسي ج ۲ ص ۹

(۲) وفي [illegible] ج ۲ ص ۲۶۴ و ۲۶۵ [illegible] وكذلك آلات المحترفين، الخ وفي الهداية ج ۱ ص ۱۸۶ (مكتبة شركت علميه ملتان) وليس في دور السكنى [illegible] زكاة [illegible] وآلات المحترفين الخ

نہیں ہے البتہ جب ان کو فروخت کردیا جائے گا تو ان سے حاصل ہونے والے معاوضے پر زکوۃ ہوگی، اگر سال اسی وقت پورا ہو رہا ہو تو اسی وقت، آئندہ کبھی پورا ہو تو اس وقت اس میں سے جتنی رقم باقی رہے اس پر زکوۃ ادا کی جائے گی۔

لما فی الدر المختار والأصل أن ماعدا الحجرین والسوائم انما یزکی بنیة التجارة وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو کسب المال بالمال بعقد شراء او اجارة أو استقراض. ولو نوی التجارة بعد العقد أو اشتری شیئا للقنیة ناویا أنه إن وجد ربحا باعه لا زکاة علیه (شامی قبیل باب السائمة)۔[1]

واللہ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۱۲ھ

دوران سال رقم کی کمی بیشی سے زکوۃ میں کوئی فرق نہیں پڑتا

سوال - یہ زکوۃ کی رقم جو پہلے سال ۱۳۹۶ھ میں دس ہزار تھی اس پر زکوۃ ادا کی گئی اور ۱۳۹۷ھ میں تیس ہزار ہوگئی، اب زکوۃ دس ہزار پر دینا ہوگی، یا تیس ہزار روپے پر، دس ہزار کی زکوۃ ۱۳۹۶ھ میں ادا کردی گئی تھی؟

جواب :- سال پورا ہونے پر جتنی رقم موجود ہو اس سب پر زکوۃ واجب ہے خواہ اس رقم کا کچھ حصہ صرف ایک دن پہلے ہی آیا ہو چنانچہ صورت مسئولہ میں پورے تیس ہزار روپے پر زکوۃ فرض ہے۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۹/۱۲ھ

زمین، مکان اور کار، کی مالیت پر زکوۃ نہیں البتہ ان کے کرایہ پر زکوۃ لازم ہے

سوال - میرے پاس مندرجہ ذیل رہائشی پلاٹ ہیں ان میں سے کس کس پر زکوۃ عائد ہے واضح رہے کہ ہم کرایہ کے مکان میں رہتے ہیں۔

---

(۱) الدر المختار ج ۲ ص ۲۷۲،۲۷۳ (طبع ایچ ایم سعید) وفی البدائع ج ۲ ص ۱۲، واما صفة هذا النصاب فهی أن یکون معدا للتجارة وهو أن یمسکها للتجارة وذلک بنیة التجارة مقارنة لعمل التجارة الخ

(۲) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۲۸۹ (طبع ایچ ایم سعید) والمستفاد ولو بهبة او ارث وسط الحول یضم الی نصاب من جنسه فیزکیه بحول الاصل. وفی الشامیة (قوله ولو بهبة او ارث) ادخل فیه المستفاد بشراء او میراث او وصیة وما کان حاصلا من الاصل کالاولاد والربح الخ. وفی الهدایة ج ۱ ص ۱۸۵ (طبع رشیدیه) ومن کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الی ماله وزکاه، سواء کان المستفاد من نمائه او لا وبای وجه استفاد ضمه الخ وفی مراقی الفلاح علی الطحطاوی، کتاب الزکوة، ص ۳۸۹ طبع نور محمد کتب خانه) وشرط وجوب ادائها حولان الحول علی النصاب الاصلی واما المستفاد فی اثناء الحول فیضم الی مجانسه ویزکی بتمام الحول الاصلی سواء استفید بتجارة أو میراث او غیره الخ (محمد زبیر حق نواز)

الف۔ ایک پلاٹ جو ہمارے پاس ۱۲ سال پرانا ہے اور ہم نے رہائش کی غرض سے لیا تھا لیکن اس علاقے میں مناسب آبادی نہیں ہوئی جس کی وجہ سے زمین کی قیمت بھی نہیں بڑھی اور اس کے خریدار بھی عام طور پر نہیں ملتے۔

ب۔ ایک چھوٹا قطعہ زمین جو تقریباً ڈیڑھ سال پہلے اس مقصد سے لیا تھا کہ زمین کی قیمت بڑھ جائے گی اور جب بھی ضرورت ہوگی مثلاً شادی، مکان وغیرہ کی اور مقصد کے لئے تو اس کو بیچ کر رقم استعمال کرلیں گے۔

ج۔ تقریباً سات ماہ قبل ایک قطعہ زمین لیا ہے اور ارادہ ہے کہ یہاں مکان تعمیر کریں گے لیکن ظاہر ہے کہ ابھی خریدا ہے تو تعمیر مکان کے لئے رقم نہیں ہے۔

د۔ ہمارے دفتر میں ایک ہاؤسنگ سوسائٹی بنائی گئی ہے جس نے کئی ایکڑ کا ایک بڑا قطعہ زمین لاہور میں خریدا ہے جس میں سے ایک پلاٹ میں نے بھی لینے کا ارادہ کیا ہے اس قطعہ زمین کا قبضہ ابھی سوسائٹی کو نہیں ملا، میں نے ابھی پلاٹ کی رقم کا کچھ حصہ ادا کیا ہے اور ابھی یہ میری ذاتی ملکیت میں نہیں آیا، ان میں سے کس پر زکوٰۃ ہوتی ہے تو اس کی قیمت کا تعین کس طرح کیا جائے؟ واضح رہے کہ ابھی ان پلاٹوں کا سرکاری ٹیکس وغیرہ کا کچھ حصہ واجب الادا ہے۔

سوال ۲۔ اگر اپنے ذاتی استعمال کے لئے موٹر یا موٹر کار رکھی جائے تو کیا اس کی قیمت پر بھی زکوٰۃ عائد ہوگی؟

جواب۔ اس سلسلے میں ایک اصول سمجھ لیجئے کہ زمین، مکان، کار یا اسکوٹر کی مالیت پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اور ان پر صرف اس وقت زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جب انہیں خاص تجارت کی غرض سے خرید یا حاصل کیا ہو اور اپنی ملکیت میں آتے وقت ہی نیت تجارت کی ہو، یہاں تک کہ اگر زمین کو محض ڈالنے کے لئے خریدا اور دل میں یہ خیال بھی تھا کہ اگر اچھے پیسے ملے تو فروخت بھی کر دیں گے تب بھی اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، آپ کے سوال کے تحت "الف"، "ج" اور "د" پر زکوٰۃ یقیناً واجب نہیں ہے، البتہ "ب" کے بارے میں یہ دیکھیں کہ کیا یہ پلاٹ تجارت کی غرض سے خریدا تھا، یا لے کر ڈالنے کی غرض سے کہ شاید کبھی نفع دے جائے، پہلی صورت میں زکوٰۃ اس کی موجودہ قیمت پر ڈھائی فیصد کے حساب سے واجب ہوگی، اور دوسری صورت میں نہیں، اور چونکہ ان دونوں میں امتیاز کرنا بعض اوقات مشکل ہوتا ہے اس لئے اس پر احتیاطاً زکوٰۃ ادا کر دیں تو زیادہ بہتر ہے۔

في الدر المختار: وشرط مقارنتها لعقد التجارة وهو كسب المال بالمال بعقد شراء او اجارة او استقراض ولو نوى التجارة بعد العقد او اشترى شيئا للقنية ناويا انه ان وجد ربحا

باعه لا زكوة عليه، شامي۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۹/۸/۹ھ

استعمالی زیورات پر زکوٰۃ کا حکم

سوال - ایسے زیورات سونے کے جو استعمال میں ہوں یا ایسے برتن (سونے چاندی) کے ان کے اوپر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب - سونا چاندی خواہ زیور کی شکل میں ہو یا برتنوں کی شکل میں اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔[2] جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ استعمالی زیوروں پر زکوٰۃ نہیں ہے ان کی بات درست نہیں، البتہ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سونے یا چاندی کے برتنوں کا استعمال جائز نہیں ہے۔[3]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۹/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲۹۱/۲۷ ج)

میکے اور سسرال کی طرف سے ملنے والے زیور پر زکوٰۃ کا حکم

سوال - اس مسئلہ میں علماء دین کیا فرماتے ہیں کہ عورت کا جو زیور سونے کا ہے جو اس کی ماں نے دیا اور جو سسرال والوں کی طرف سے ہے[4] اس کی زکوٰۃ کس کے ذمہ واجب ہے؟ براہ کرم پوری تفصیل سے آگاہ کریں مہربانی ہوگی؟

جواب - میکے سے جو زیور ملا اس کی زکوٰۃ خود عورت پر فرض ہے، اور جو سسرال کی طرف سے ملا، اگر وہ عورت کی ملکیت کر دیا گیا تھا تو عورت پر فرض ہے، ورنہ اس کے شوہر پر۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳۹۹/۹/۲۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۹/ ۳۰ ج)

---

(۱) الدر المختار ج ۲ ص ۲۷۳ و ۲۷۲ طبع سعید وفي البدائع ج ۲ ص [illegible] طبع رشیدیہ کوئٹہ [illegible] هذا [illegible] فهي لا تكون معدة للتجارة [illegible] يمسكها للتجارة وذلك بنية التجارة مقارنة لعمل التجارة
وفي الدر المختار طبع سعيد كراچي، ج ۲ ص ۲۶۷، ونية التجارة في العروض اما صريحا ولا بد من مقارنتها لعقد التجارة .... الخ
(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۲۹۸ طبع سعيد كراچي: ومعمولة ولو تبرا أو حليا مطلقا مباح الاستعمال أو لا ولو للتجمل والنفقة لانهما خلقا أثمانا فيزكيهما كيف كانا الخ وفي الشامية قوله ومعمولة أي ما يعمل من نحو حلية والأواني وغيرها
(۳) وفي الدر المختار ج ۶ ص ۳۴۰ طبع ایچ ایم سعید وكره الأكل والشرب والادهان والتطيب من اناء ذهب وفضة للرجل والمرأة لإطلاق الحديث. الخ نیز دیکھئے امداد الفتاویٰ ج ۳ ص ۱۲۸۔ (محمد زبیر عفی عنہ)
(۴) دیکھئے اسی صفحے کا حاشیہ نمبر۲۔

(زکوۃ سے متعلق متفرق سوالات)

جہیز کے لئے خریدی ہوئی چند اشیاء، زمین اور قرض پر زکوۃ کا حکم

سوال ۱ – وہ قیمتی سامان جو بچیوں کی شادی کے لئے خریدا گیا ہو مثلاً پارچہ جات، ٹی وی، ریفریجریٹر اور دیگر ضروریہ استعمال کی مشینیں وغیرہ ان پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

جواب ۱ – بچیوں کی شادی میں دینے کے لئے جس سامان کا سوال میں ذکر ہے اس پر زکوۃ نہیں،(۱) البتہ زیور خواہ بچیوں کی شادی میں دینے کے لئے خریدا ہو اس پر زکوۃ ہے۔

سوال ۲ – ایسی رقم جو کاروباری مقصد سے زمین کی خریداری کی مد میں ادا کی ہو یعنی جزوی رقم ادا کی اور زمین کی ملکیت کی منتقلی باقی ہو اس رقم پر زکوۃ ہے؟

جواب ۲ – جب تک زمین کی بیع نہیں ہوئی اس وقت تک اس رقم پر زکوۃ فرض ہے، البتہ زکوۃ کی ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب رقم واپس مل جائے یا زمین کی بیع آپ کے نام ہو جائے اس وقت جتنے سال اس رقم کی زکوۃ نہیں دی گئی اتنے سالوں کی زکوۃ یکمشت ادا کرنی ہوگی، تاہم اگر ہر سال اپنے دوسرے اموال کے ساتھ اس رقم کی زکوۃ بھی ادا کرتے رہیں تو زکوۃ ادا ہوتی رہے گی۔(۲) اور زمین اگر اس غرض سے خریدی ہے کہ اسے بیچ کر نفع حاصل کریں گے تو زمین کی ملکیت پر بھی زکوۃ ہر سال فرض ہوگی،(۳) اور ہر سال اس وقت کی بازاری قیمت کا ڈھائی فی صد زکوۃ میں دینا ہوگا۔

سوال ۳ – ایسی زمین جو مستقبل میں رہائشی مکان یا کاروباری دفتر کے لئے خریدی گئی ہو پوری رقم بھی ادا ہو چکی ہو اور زمین کی ملکیت منتقل ہو چکی ہو اس کا کیا حکم ہے؟

جواب ۳ – جس روز اس زمین کی بیع آپ کے نام ہوئی اس دن کے بعد سے نہ اس رقم پر زکوۃ فرض ہے اور نہ اس زمین کی ملکیت پر کیونکہ وہ رہائشی مقصد کے لئے خریدی گئی ہے لیکن بیع ہونے سے

---

(۱) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۲۶۳ (طبع سعید کراچی) (ولا فی ثیاب البدن وأثاث المنزل و دور السکنی ونحوها) ... اذا لم تنو للتجارة، وفی الشامیة تحت (قوله وأثاث المنزل) ... ای کثیاب البدن الغیر المحتاج الیها وکالحوانیت [illegible] وفی الهندیة ج ۱ ص ۱۷۲ (طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه) ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن وأثاث المنزل ودواب الرکوب وعبید الخدمة وسلاح الاستعمال زکوة

(۲) اس کا حوالہ اگلے سوال کے جواب میں آرہا ہے۔

(۳) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۲۶۶ و ۲۶۷ (طبع سعید کراچی) ولو کان الدین علی مقر ملیٔ او علی معسر او مفلس ... فوصل الی ملکه لزم زکوة ما مضی

(۴) وفی الدر المختار ج ۲ ص [illegible] (طبع سعید کراچی) [illegible]

پہلے جو رقم زمین کی خریداری کے لئے دے رکھی تھی اس پر زکوٰۃ فرض تھی اور بیع مکمل ہونے پر اس کی زکوٰۃ لازم ہے لقول الشامی: الظاهر أن منه مال المرصد المشهور في ديارنا لأنه إذا أنفق المستأجر لدار الوقف على عمارتها الضرورية بأمر القاضي للضرورة الداعية إليه يكون بمنزلة استقراض المتولي من المستأجر، فإذا قبض ذلك كله أو أربعين درهما منه ولو باقتطاع ذلك من أجرة الدار تجب زكوته لما مضى من السنين والناس عنه غافلون (شامی)۔(۱)

سوال ۴- ایسی رقم جو زرعی زمین کی خریداری کے لئے ادا کی گئی ہو، اس زمین کی ملکیت حاصل ہوگئی ہو لیکن زمین کسی کام میں نہ آرہی ہو؟

جواب ۴- اس کا جواب بھی نمبر تین کی طرح ہے کہ جس دن بیع مکمل ہوئی اس دن سے رقم پر زکوٰۃ نہیں، لیکن بیع ہونے سے پہلے پہلے رقم پر زکوٰۃ فرض تھی، اگر وہ ادا نہیں کی ہے تو ادا کی جائے۔

سوال ۵- کاروبار کی جگہ کی پگڑی کی مد میں ادا کی ہوئی رقم جو ہر سال بڑھ رہی ہو؟

جواب ۵- یہ سوال واضح نہیں ہے، واضح کر کے لکھئے تو جواب دیا جائے۔

سوال ۶- کاروبار کی جگہ میں نصب شدہ فرنیچر پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب ۶- یہ فرنیچر اگر فروخت کرنے کی غرض سے نہیں خریدا گیا تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔(۲)

سوال ۷- کاروبار کی استعمال میں آنے والی اشیاء اور مشین پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب ۷- یہ چیزیں بھی اگر برائے فروخت نہیں خریدی گئیں تو ان پر زکوٰۃ نہیں۔

سوال ۸- ایسا زیور جو اہلیہ کے روزمرہ اور تقریبات کے مواقع پر استعمال ہوتا ہو؟

جواب ۸- اس پر ہر سال زکوٰۃ فرض ہے(۳) اور جس روز زکوٰۃ واجب ہوئی ہو اس روز

---

(۱) ردالمحتار ج ۲ ص ۳۰۵ (طبع ایچ ایم سعید)

(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۲۶۳ و۲۶۵ طبع ایچ ایم سعید: ولا في ثياب البدن [illegible] وأثاث المنزل ودور السكنى ونحوها [illegible] وكذلك آلات المحترفين. وفي الهداية كتاب الزكوة ج ۱ ص ۱۸۶ (طبع شركت علميه) وليس في دور السكنى [illegible] زكوة [illegible] وعلى هذا [illegible] آلات المحترفين.

(۳) وفي سنن أبي داود باب الكنز ما هو وزكوة الحلي ج ۱ ص ۲۲۵ طبع مكتبه حقانيه ملتان: عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده أن امرأة أتت رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعها ابنة لها وفي يد ابنتها مسكتان غليظتان من ذهب فقال لها: أتعطين زكوة هذا؟ قالت: لا، قال: أيسرك أن يسورك الله بهما يوم القيامة سوارين من نار؟ قال: فخلعتهما فألقتهما إلى النبي صلى الله عليه وسلم وقالت: هما لله ولرسوله. (وكذا في الدراية في تخريج أحاديث الهداية على الهداية ج ۱ ص ۱۹۲ طبع شركت علميه) وفي سنن أبي داود ج ۱ ص ۲۲۵ طبع مكتبه حقانيه ملتان: عن عبد الله بن شداد بن الهاد أنه قال: دخلنا على عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: دخل علي رسول الله صلى الله عليه وسلم فرأى في يدي فتخات من ورق فقال: ما هذا يا عائشة؟ فقلت: صنعتهن أتزين لك يا رسول الله، قال: أتؤدين زكاتهن؟ قلت: لا، أو ما شاء الله، قال: هو حسبك من النار [illegible] (بقیہ [illegible])

[illegible]نے کی بازاری قیمت پر ڈھائی فی صد زکوٰۃ نکالی ہوگی بشرطیکہ وہ زیور نصاب تک پہنچتا ہو اور نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت ہے۔

سوال ۹:- ایسا زیور جو نابالغ بچی کے روزمرہ اور تقریبات کے مواقع پر استعمال ہوتا ہو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں اگر ہے تو کون اس کی زکوٰۃ نکالے؟

جواب ۹:- اگر وہ زیور نابالغ بچی کے باپ یا ماں کی ملکیت ہے تو جس کی ملکیت ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے، بشرطیکہ اس کا کل مملوکہ زیور نصاب تک پہنچتا ہو اور اگر وہ زیور نابالغ بچی کو ہبہ کرکے بچی کو اس کا مالک بنا دیا گیا ہے تو پھر جب تک بچی نابالغ ہے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ بچی کے ذمے نہیں،(۲) بالغ ہونے کے بعد بچی پر واجب ہوگی۔

سوال ۱۰:- خام سونا جو بچوں کی شادیوں کیلئے رکھا گیا ہو؟

جواب ۱۰:- اس کا بھی وہی حکم ہے جو ۹ میں گزرا۔

سوال ۱۱:- ایسی رقم جو دوسروں کو قرض کے طور پر دی گئی ہو اور اس کو کئی سال ہوگئے اور وہ رقم واپس ملنے کی اُمید ہو؟

جواب ۱۱:- اس پر زکوٰۃ فرض ہے لیکن ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب وہ رقم واپس مل جائے گی تو جتنے سال رقم مقروض کے پاس رہی ہے اتنے سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی یکمشت واجب ہوگی،(۳) لیکن اگر رقم ملنے سے پہلے ہی ہر سال اپنے دوسرے اثاثوں کے ساتھ اس کی زکوٰۃ بھی نکال دیں تو زکوٰۃ وقت پر ادا ہوتی رہنے کی وجہ سے بہتر ہوگا۔(۴)

سوال ۱۲:- ایسی رقم جو دوسروں کو قرض کے طور پر دی گئی ہو اور اس کو کئی سال ہوگئے اور وہ رقم

[illegible] طبع سعید کراچی
[illegible]
وكذا في البدائع ج۲ ص۱۷ وفتح القدير ج ۲ ص ۱۶۵ (طبع مكتبه رشيديه كوئٹه)
[illegible]
(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۲۵۸ و ۲۵۹ (طبع سعيد) وشرط افتراضها عقل وبلوغ واسلام، وفي رد المحتار تحت (قوله عقل وبلوغ) فلا تجب على مجنون وصبي لانها عبادة محضة وليسا مخاطبين بها
وفي الهداية ج ۱ ص ۹۶ [illegible]
عبادة فلا تتأدى الا بالاختيار تحقيقا لمعنى الابتلاء ولا اختيار لهما لعدم العقل
(۳) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۰۵ طبع سعيد كراچی [illegible] وموسط
[illegible]
كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض اربعين درهما يلزمه درهم
(۴) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۲۹۳ طبع سعيد كراچی [illegible]
[illegible]
لسنة واكثر الخ وكذا في الهندية ج ۱ ص ۱۷۶

واپس ملنے کی اُمید نہ ہو؟

جواب۱۲ - اگر قرض کے وصول ہونے کی امید نہ ہو تو جب تک وہ وصول نہ ہو جائے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، تاہم چونکہ بعض فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر قرض پر عدالتی ثبوت موجود ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ وصول ہونے پر تمام گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کردی جائے۔(۱)

كما في الدر المختار: ولو على جاحد عليه بينة، وعن محمد لا زكاة وهو الصحيح

وقال الشامي: الحاصل أن فيه اختلاف التصحيح۔(۲)

ثم قال في باب المصرف: ومال الرحمتي الى هذا، وقال بل في زماننا يقر المديون بالدين وبملاءته ولا يقدر الدائن على تخليصه منه فهو بمنزلة العدم(۳) وبه افتى حكيم الامة في امداد الفتاوىٰ ج:۲ ص:۳۱، ۳۲۔(۴)

سوال۱۳ - ایسی رقم جو کئی برس گزر جانے کے باوجود کاروباری لین دین کے سلسلے میں واجب الوصول ہو اور اس کی وصولی کی امید ہو، اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

جواب۱۳ - اگر وصولی کی امید ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب رقم وصول ہو جائے، جب وصول ہوگی تو پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔(۵)

سوال۱۴ - ایسی رقم جو کئی برس گزر جانے کے باوجود کاروباری لین دین کے سلسلے میں واجب الوصول ہو اور اس کی وصولی کی امید نہ ہو؟

جواب۱۴:- اس کا جواب (۱۲) کی طرح ہے۔

سوال۱۵ - ایسی رقم جو ذاتی رہائش کے لئے مکان کی خرید کے سلسلے میں ادا کی ہو، مکان کا قبضہ اور رہائش اختیار کرلی ہو لیکن قیمت کا ایک معمولی حصہ ادا کرنا باقی ہو اور مکان ابھی تک سابق مالک کے نام ہو، اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب۱۵ - جب تک مکان کی بیع مکمل نہیں ہوئی تھی اس وقت تک رقم پر زکوٰۃ فرض تھی

---

(۱) وفي الهندية ج:۱ ص:۱۷۵ طبع ... ولو كان الدين على مقر مليء او على معسر او مفلس تجب الزكاة لإمكان الوصول اليه ابتداء او بواسطة التحصيل وكذا لو كان على جاحد وعليه بينة

وفي الدر المختار (كتاب الزكوة ج:۲ ص:۲۶۶، ۲۶۷) ولو كان الدين على مقر مليء او على معسر او مفلس ... او على جاحد عليه بينة ... فوصل الى ملكه لزم زكوة ما مضى وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند ج:۶ ص:۹۰

(۲) الدر المختار ج:۲ ص:۲۶۷

(۳) رد المحتار ج:۲ ص:۳۰۳ (طبع سعيد)

(۴) ص:۳۰ و ۳۱ (طبع مكتبه دار العلوم كراچی)

(۵) [illegible]

تک جب بیع نہیں ہوئی تو نہ رقم پر زکوٰۃ ہے نہ مکان پر، خواہ قسطیں میں وہ مکان کسی دوسرے کے نام منتقل ہو جائے۔ جب بیع کا ایجاب و قبول ہو گیا تو بیع ہو گئی، اب جو رقم دینی باقی ہے اس پر زکوٰۃ نہیں، بلکہ وہ اس شخص کے ذمے قرض ہے جسے وہ اپنے کل قابل زکوٰۃ سرمایہ سے منہا کر سکتا ہے۔

سوال ۱۶- موٹر جو ذاتی گھریلو استعمال کے علاوہ کاروباری مقاصد کے لئے بھی استعمال ہوتی ہو اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

جواب ۱۶- موٹر جب تک فروخت کرنے کی غرض سے نہ خریدی گئی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔(۱)

سوال ۱۷- وہ قیمتی سامان جو گھریلو استعمال کے لئے خریدا گیا ہو مثلاً ٹی وی، ریفریجریٹر، قالین، فرنیچر وغیرہ ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اور جس چیز پر زکوٰۃ فرض ہے اس پر کتنی زکوٰۃ ادا کرنی ہوتی ہے؟

جواب ۱۷- اس سامان پر زکوٰۃ نہیں،(۲) اور مذکورہ چیزوں میں سے جتنی اشیاء پر زکوٰۃ فرض ہے ان سب پر زکوٰۃ کی شرح ڈھائی فیصد ہے۔(۳)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۱/۱۲/۸ھ
(فتویٰ نمبر ۱۸۳۸/۳۲ ج)

جی پی فنڈ کی رقم سے خریدے گئے مکان کے کرایہ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال - ایک محکمہ سے ریٹائر ہوتے ہی اس محکمہ نے کچھ رقم دی جو کہ جی پی فنڈ کی صورت میں اس کی تنخواہ سے کاٹی جاتی تھی۔ کچھ رقم سے مکان بنوا کر کرایہ پر دیدیا، کچھ رقم بینک اور ڈاکخانے میں اس لئے رکھ دی کہ ایک تو رقم محفوظ رہے گی، دوسری بات یہ ہے کہ اس کی آمدنی سے گزر اوقات ہوتا رہے گا۔ اب دونوں کے بارے میں سود اور زکوٰۃ کے شرعی احکام بتائیں اور مکان کی آمدنی کی بچت پر زکوٰۃ ہوگی یا کل مکان کی قیمت پر؟

---

(۱) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۲۶۳، ۲۶۵ ولا فی ثیاب البدن .... واثاث المنزل ... وکذلک الات المحترفین الخ وفی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۲ (طبع شرکت علمیہ ملتان) ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن واثاث المنازل ... زکوٰۃ ... والات المحترفین ... الخ

(۲) ایضاً۔

(۳) وفی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۸ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ تجب فی کل مائتی درہم خمسۃ دراہم وفی کل عشرین مثقال ذہب نصف مثقال، وایضاً فی الہندیۃ ج ۱ ص ۱۷۹ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) ثم فی کل اربعین درھما درھم وفی کل أربعۃ مثاقیل قیراطان ... الخ

جواب: جی پی فنڈ کی رقم سے آپ نے جو مکان ہوا کر کرایہ پر دیدیا ہے تو اس کی آمدنی آپ کے لئے جائز ہے لیکن جو رقم بینک یا ڈاک خانہ میں رکھی ہے اس پر جو سود ملتا ہے اس کا لینا حلال نہیں صرف اپنی اصل رقم وصول کر سکتے ہیں، صرف یہی نہیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھوائیں جس پر سود نہیں ملتا۔ اور مکان سے جو کرایہ ملتا ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی، مکان کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۱۱/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۲۹/۲۸ ج)

بینک کی طرف سے ملنے والے سود پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: بینک یا ڈاک خانہ میں جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ ہوگی یا اس کے منافع پر؟

جواب: بینک یا ڈاک خانے میں جتنی اصل رقم رکھی ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے لیکن جو اضافہ بینک یا ڈاک خانے نے دیا ہو وہ سود ہے اس کا لینا حلال نہیں اور غلطی سے لیا ہو تو اس کو صدقہ کرنا واجب ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۱۱/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۲۹/۲۸ ج)

زکوٰۃ کن چیزوں پر فرض ہے؟

سوال: زکوٰۃ صرف رقم پر ہوتی ہے اور سونے چاندی پر بھی ہوتی ہے، لیکن کسی اور سامان پر بھی زکوٰۃ ہے یا نہیں اگر نہیں تو کیوں؟

جواب: شرعاً زکوٰۃ صرف سونے چاندی، نقدی، مال تجارت، زرعی پیداوار اور مویشیوں پر فرض ہوتی ہے، دوسری چیزوں پر نہیں، رہا "کیوں؟" کا مختصر جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۱۱/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۲۹/۲۸ ج)

سونا اور این آئی ٹی یونٹ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: میں نے مبلغ بیس ہزار روپے پراویڈنٹ فنڈ سے قرض لیا اور اس سے N I T یونٹس اور سونا خریدا، کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ میری عمر ۵۵ سال ہے اس بیس ہزار روپے قرض کی قسط اپنی تنخواہ سے ہر ماہ کٹوانی پڑتی ہے، اور مجھے پراویڈنٹ فنڈ دو سال کے بعد ملے گا؟

جواب - صورت مسئولہ میں آپ نے جو سونا خریدا اور جو این آئی ٹی یونٹ حاصل کیے ان پر زکوٰۃ آپ کے ذمے واجب ہے، آپ نے اپنے پراویڈنٹ فنڈ سے جو رقم لی ہے وہ شرعاً قرض نہیں ہے بلکہ اپنے باقی ماہانہ حق کی وصولی ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۹/۲۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۸۱/۹ ج)

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے بطور قرض لی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال - زید کے پاس ۴۰ ہزار روپے کے حصص ہیں، اور واجب الاداء زکوٰۃ ۱۰۰۰ روپیہ ادا کرنے کے لئے زید کے پاس نقد رقم نہیں ہے وہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے قرض لینا چاہتا ہے اس طرح قرض ایک ہزار روپیہ سے اس پر زکوٰۃ ادا کرنی ہے۔ تو کیا ۴۰ ہزار روپیہ پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا ۳۹ ہزار پر؟ یعنی یوں کہیے کہ ۱۰۰۰ روپیہ زکوٰۃ میں ادا کرنا ہے یا ۹۷۵ روپے ادا کرے گا؟

جواب:- صورت مسئولہ میں اس کو پورے چالیس ہزار کی زکوٰۃ یعنی ایک ہزار روپے ادا کرنے ہوں گے جو روپے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے قرض لئے گئے انہیں قابل زکوٰۃ رقم سے منہا نہیں کیا جائے گا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۹/۲۳ھ

کچھ زمین، دو تولہ سونا اور کچھ رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال - میرے پاس زمین تھی میں نے گزشتہ سال اسی مہینے میں پچیس ہزار میں بیچ دی تھی یعنی خریدار نے روپے میری جیب میں رکھ دیے اور میں نے کاغذات اس کے حوالے کر دیے لیکن نام کی تبدیلی خریدار کے نام چار مہینے کے بعد ہوئی اس سے پہلے میرے پاس کچھ نہیں تھا صرف دو تولہ سونا تھا اس پچیس ہزار روپے میں سے بیس ہزار اپنے بیٹے کو دوسرے ملک بھیج دیے بیٹے کے پاس رہنے کے لئے مکان نہیں تھا اس نے اس پیسے سے مکان خرید لیا شعبان کے مہینے میں زمین بیچنے کی بات ہوئی تھی روپے پارٹی نے ۵ آدمیوں کے بیچ میں رکھ دیئے تھے اس کے بعد رمضان کا مہینہ آ گیا، رمضان میں میں نے زکوٰۃ نہ نکالی تھی کیونکہ میرے پاس پیسے نہیں تھے ۲ مہینے کے بعد روپے ملے ملتے ہی بیس ہزار بیٹے نے بھیج دیئے اب سارے روپے کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا نہیں؟

جواب - اگر زمین فروخت کرنے سے پہلے دو تولہ سونے کے علاوہ کچھ چاندی یا نقد رقم بھی آپ کے پاس موجود تھی خواہ وہ پانچ دس روپے ہی کیوں نہ ہوں، تو آپ پر رمضان کے بعد سونے

کے علاوہ چوبیس ہزار کی زکوٰۃ نکالنی فرض ہے پوری رقم کی زکوٰۃ نکالنی واجب نہیں، مگر یہ اس وقت ہے

کہ علاوہ کوئی نقد رقم موجود نہ تھی تو مسئلہ دوبارہ پوچھ لیں۔

واللہ سبحانہ اعلم

۲۔۸۔۱۳۹۰ھ

(فتویٰ نمبر ۸۹۲/۲۸ ج)

سونے چاندی کی زکوٰۃ قیمت فروخت کے اعتبار سے نکالی جائے گی

سوال:- تقریباً ۲۰ سال سے کسی عورت نے جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونے سے زیادہ کے زیورات ہیں مگر زکوٰۃ نہیں نکالی اور اب زکوٰۃ نکالنا چاہتی ہیں تو اس کا طریقہ کیا ہوگا؟ کیا سونے کی موجودہ قیمت نکالی جائے گی یا جس سال کی زکوٰۃ نکالنی ہے اس سال جو سونے کی قیمت ہو اس پر زکوٰۃ نکالی جائے گی؟

جواب:- اس عورت پر واجب ہے کہ جتنے سالوں کی زکوٰۃ اس نے ادا نہیں کی ان تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے، واضح رہے کہ زکوٰۃ کا وجوب اس وقت سے شمار ہوگا جب سے عورت کے پاس بقدر نصاب مال آنے کے بعد ایک سال پورا ہوا ہو، اور تمام سالوں کی زکوٰۃ موجودہ قیمت کے اعتبار سے ادا کی جائے گی۔(۱)(۲)

واللہ سبحانہ اعلم

۱۔۱۔۱۳۹۶ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵۵۵/۲۷ د)

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کا مسئلہ

سوال:- کیا پراویڈنٹ فنڈ پر سال بہ سال زکوٰۃ نکالی جائے گی جبکہ وہ اس ملازم کے قبضہ میں نہیں اور ملازمت کے اختتام کے بعد ہی اس ملازم کو ادا کیا جائے گا؟

جواب:- پراویڈنٹ فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب وہ ملازم کے قبضے

---

(۱) دیکھئے ص ۳۹ کا حاشیہ نمبر۱۔

(۲) والخلاف في زكاة المال، فتعتبر القيمة وقت الأداء في زكاة المال على قولهما وهو الأظهر، وقال أبو حنيفة يوم الوجوب كما في البرهان عن [illegible] لأحكام في غنية ذوي الأحكام للشرنبلالي من حاشية درر الحكام ج [illegible] ص ۱۸۱ وفي البرهان شرح مواهب الرحمن ج [illegible] ص [illegible] (مخطوطة) وعندهما يوم الأداء [illegible] وهو وقت الأداء [illegible] وكالسوائم وهو الأظهر، لما قلنا. وكذا في بدائع الصنائع ج ۲ ص:۲۲ (طبع سعيد)

وفي البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۶ طبع سعيد كراچی: ويعتبر القيمة يوم الوجوب وقالا يوم الأداء [illegible] وهو الأصح [illegible] والأصح فيه [illegible] يوم الأداء [illegible]

میں آجائے اس سے پہلے اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، قبضے میں آنے کے بعد بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی بلکہ اس سال کی واجب ہوگی جس میں وہ قبضے میں آیا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶ھ
(فتویٰ نمبر ۵۵۵/۲۰)

ریڈیو، فریج اور فرنیچر پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: کیا زکوٰۃ ریڈیو، صوفہ سیٹ، میز، کرسی، چھودان، ٹیلی ویژن، فریج وغیرہ کی قسم کی دوسری اشیاء پر بھی ان کی قیمت خرید یا موجودہ بازاری قیمت پر نکالی جائے گی؟ اگر ان اشیاء پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

جواب: ریڈیو، فریج، ڈیکوریشن کے سامان اور ریفریجریٹر اگر محض استعمال کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ تجارت کے لئے ہوں تو ان کی بازاری قیمت کے لحاظ سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۵۵۵/۲۰)

مکان پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: کوئی مکان جو قرض لے کر بنایا گیا ہے اور قرض بھی ادا نہیں ہوا، اس کے ایک حصہ میں رہائش ہے اور باقی حصے کرایہ پر دیئے ہیں، اور رہائش کی جگہ کے علاوہ جو حصہ ہے اس سے کرایہ آتا ہے تو کیا اس مکان پر زکوٰۃ نکالی جائے گی اور اگر نکالی جائے گی تو طریقہ کار کیا ہوگا؟

جواب: مکان پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے،(۳) البتہ اس کے کرایہ کی جو رقم اخراجات سے بچ کر رکھی جائے، اس پر دوسری رقموں کے ساتھ زکوٰۃ واجب ہے،(۴) اور جتنا قرض انسان پر واجب ہو اتنی رقم کی زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔(۵)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۱/ھ
(فتویٰ نمبر ۵۵۵/۲۷)

---

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ "... اور سود کا مسئلہ" مرتبہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہٗ مطبوعہ دارالاشاعت۔

(۲) دیکھئے ص ۴۷ کا حاشیہ نمبر۔

(۳) وفي الهداية ج:۱ ص:۸۶ (مكتبه شركت علميه) وليس في دور السكنى ... زكوة.

(۴) واذا آجر داره او عبده بمائتي درهم لا تجب الزكوة ما لم يحل الحول بعد القبض في قول ابي حنيفة (قاضي خان ج ۱ ص:۲۵۳)

(۵) وفي البحر الرائق ج ۲ ص ۲۲۰ طبع رشيديه كوئته: وشرط وجوب الزكوة فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد، سواء كان الدين لله كالزكوة والخراج او للعبد ... الخ. وفي الهداية كتاب الزكوة ج ۱ ص ۱۸۶ (مكتبه شركت علميه ملتان) ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوة عليه وان كان ماله اكثر من دينه زكى الفاضل اذا بلغ نصابا

قومی دفاعی سرٹیفکیٹ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال: ملازمت سے جو تنخواہ وغیرہ ملتی ہے اس پر حکومت کا آمدنی ٹیکس (انکم ٹیکس) دینا ہوتا ہے، زیادہ آمدنی پر ٹیکس سے بچنے کے لیے قومی دفاعی سرٹیفکیٹ مرکزی حکومت کے جاری کردہ خرید لیے جاتے ہیں جن کو دس سال تک اس لیے فروخت نہیں کیا جاتا کہ اس دوران کی مالیت پر آمدنی ٹیکس میں چھوٹ مل جاتی ہے، اگر دس سال سے قبل فروخت کر دیئے جائیں تو پھر فروخت شدہ سرٹیفکیٹ سے حاصل شدہ رقم پر آمدنی ٹیکس دینا ہوتا ہے، یہ مجبوراً خریدے جاتے ہیں، خانگی اخراجات میں خاص کمی کر کے۔ جواب تحریر فرمائیں کہ کیا ایسے خرید کردہ قومی دفاعی سرٹیفکیٹ کی مالیت پر زکوٰۃ سال بہ سال جب تک وہ فروخت نہ کیے جائیں نکالی جائے گی؟

جواب: قومی دفاعی سرٹیفکیٹ دراصل ایک قرض ہے جو حکومت کو دیا جاتا ہے، لہٰذا اس پر زکوٰۃ واجب ہے،[1] کیونکہ وہ دَین قوی ہے خواہ یہ قرض کسی مجبوری سے دیا گیا ہو۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۶/۱۱/۱۷ھ

زکوٰۃ میں قیمتِ خرید کا حساب ہے یا قیمت فروخت کا؟

سوال ۱: ہم اپنے حساب کتاب کی سہولت کے پیش نظر زکوٰۃ کا حساب ہر سال دسمبر کے مہینہ میں کرتے ہیں، لہٰذا اس وقت جو مال ہمارے پاس ہوتا ہے اس وقت اس کی قیمت بازار کے بھاؤ سے، قیمت خرید سے زیادہ ہوتی ہے اور کبھی کم، کیا ہم قیمت خرید کے حساب سے زکوٰۃ ادا کریں یا بازار کے بھاؤ کے حساب سے؟

جواب ۱: جس تاریخ میں زکوٰۃ کا سال پورا ہوتا ہے اس تاریخ میں مال کا جتنا اسٹاک موجود ہے اس کی قیمت اس تاریخ کے بازار کے نرخ کے لحاظ سے لگائی جائے گی،[2] قیمت خرید کے لحاظ سے نہیں، البتہ زکوٰۃ کے لیے قمری مہینے کی کوئی تاریخ مقرر کرنی ضروری ہے۔

سوال ۲: ہمارا ایک چھوٹا سا کارخانہ بھی ہے جس میں ہم کپڑا بناتے ہیں، زکوٰۃ نکالتے وقت

---

(۱) وفي البدائع ج ۲ ص ۱۰ ... فالقوي فهو الذي وجب بدلا عن مال التجارة كثمن عرض التجارة ... ولا خلاف في وجوب الزكوة فيه إلا أنه لا يخاطب بأداء شيء من زكوة ما مضى ما لم يقبض أربعين درهما وكذا في الدر المختار ج ۲ ص ۳۰۵ طبع سعيد، وفي رد المحتار ج ۲ ص ۳۰۵ واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة قوي ومتوسط وضعيف فتجب زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فورا بل عند قبض أربعين درهما من الدين القوي كقرض وبدل مال تجارة الخ [illegible]

(۲) دیکھئے ص ۵۰ کا حاشیہ نمبر ۲۔

کارخانہ میں مندرجہ ذیل مال پڑے ہوتے ہیں ۱-سوت، ۲-خام کپڑا جو ہم نے بنایا ہے، ۳-رنگین کپڑا جو خام کپڑے کو اپنے کارخانہ میں رنگا ہے، ۴-تیار کپڑے کی گانٹھیں جو تیار پڑی ہوتی ہیں تاکہ جہاز سے باہر ملکوں کو روانہ کریں، ان پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب۲ - سوت، خام کپڑے، رنگین کپڑے اور تیار کپڑے میں سے ہر ایک پر زکوٰۃ واجب ہے اور ان میں سے ہر ایک چیز کی قیمت اس تاریخ کی بازاری قیمت کے لحاظ سے لگائی جائے گی، قیمت خرید کے اعتبار سے نہیں۔(۱)

سوال۳ - کیا سوت پر زکوٰۃ قیمت خرید کے اعتبار سے ادا کریں یا وقت کی مارکیٹ قیمت پر، دوسرے ۲ اور ۳ نمبر (یعنی خام کپڑا اور رنگین کپڑا) اس پر زکوٰۃ اپنی لاگت جو اس پر پڑی ہے اس پر ادا کریں یا اس قیمت پر جس پر ہم فروخت کریں گے؟ اس میں کچھ مال آرڈر کے ہوتے ہیں اور کچھ مال بغیر آرڈر کے تیار ویسے ہی ہوتے ہیں؟

جواب۳ - قیمت نہ لاگت کے لحاظ سے ہوگی نہ خوردہ نرخ کے لحاظ سے بلکہ یہ مال اگر آپ اس تاریخ میں اکٹھا فروخت کریں تو جتنی قیمت فروخت ہوسکتی ہو، وہ قیمت لگائی جائے گی۔(۲)

سوال۴ - تیسری بات یہ کہ ۴ نمبر (یعنی تیار کپڑے کی گانٹھوں) پر زکوٰۃ تمام اپنی لاگت پر ادا کریں یا اس قیمت پر جس پر یہ مال جہاز پر روانہ ہوکر ہم کو بینک سے رقم وصول ہوجائے گی، عموماً جہاز کے انتظار میں مال پڑا رہتا ہے؟

جواب۴ - اس کا جواب نمبر ۳ میں آچکا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۶/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۶۶۷-۲۸ب)

زیورات پر زکوٰۃ

سوال - بندہ کے پاس اتنے زیورات ہیں کہ اگر ان کو فروخت کیا جائے تو حج فرض ہوجائے گا، جبکہ نقدی اس کے پاس بالکل نہیں ہے، زکوٰۃ وقربانی کیسے ہوگی؟

جواب:- صورت مسئولہ میں بندہ پر حج، زکوٰۃ وقربانی فرض ہے۔(۳) اگر نقد رقم موجود نہ ہو تو کچھ زیور فروخت کرکے اس سے یہ فرائض ادا کرے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۸۷/۱۲/۱۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲۵-۱۹ف)

---

(۲) دیکھئے ص ۵۰ کا حاشیہ نمبر۲۔ (۳) دیکھئے ص ۴۴ کا حاشیہ نمبر۴۔

زکوٰۃ قرض منہا کرنے کے بعد نکالی جائے گی
اور زکوٰۃ میں یومِ اداء کی قیمت کا اعتبار ہے

سوال:- مندرجہ ذیل املاک پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

۱:- دو عدد مکان، ایک دُکان جس سے ماہانہ آمدنی ۱۲۷۵ روپیہ ہے۔

۲:- سونا جس کی مقدار تیس تولے بعد کٹوتی، بینک میں ۱۲۰۰۰ ہزار کے عوض گروی رکھا ہوا ہے، اگر اس زیور پر زکوٰۃ ہے تو کس حساب سے ہے؟

۳:- بینک کا ملازم ہوں، تنخواہ ۵۰۰ روپے ملتی ہے۔

۴:- نقد دو چار سو ہیں جن پر سال نہیں گزرا۔

۵:- مجموعی طور پر بینک کا سودی قرضہ اور پچاس ہزار غیر سودی قرضہ ہے جس کی ماہانہ اقساط کرایہ مکان و دُکان سے ادا کرتا ہوں۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں آپ کی اہلیہ کے پاس جو سونا ہے وہ اگر آپ کی ملکیت ہے تو
آپ پر زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ سونے کی موجودہ مالیت اور آپ کا نقد روپیہ (جتنا
بھی ہو) آپ کے قرض کی رقم سے اتنا زیادہ ہو کہ اس سے ساڑھے باون تولہ چاندی
خریدی جاسکے، لیکن اگر ایسا نہیں ہے تو آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں، پہلی صورت میں آپ سونے کی
قیمت اس دن کے نرخ کے مطابق لگائیں جس دن آپ کا سال پورا ہو رہا ہے[3] پھر مجموعی قیمت جوڑ کر
اس میں اپنے نقد روپے کا اضافہ کریں جو اس تاریخ میں آپ کے پاس موجود ہے، (پیچھے کتنا رہا؟
اس سے بحث نہیں) پھر اس مجموعی قیمت سے اپنے ذمے جو قرضے باقی ہیں ان کو منہا کرلیں، جتنی رقم
بچے اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی اس کا چالیسواں حصہ نکال دیجئے۔ اور اگر یہ زیور آپ کی بیوی کی ملکیت ہے
تو زکوٰۃ ان پر فرض ہے (بشرطیکہ ان کے ذمہ اتنا قرض نہ ہو جس میں پورا زیور خرچ ہو جائے یا اتنا خرچ
ہو جائے کہ بقدر نصاب باقی نہ بچے)۔ اس صورت میں اگر آپ کے پاس کبھی بھی سو دو سو روپے سے
زیادہ جمع نہیں ہوتے تو آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، مکان اور دکان کی عمارت اور زمین کی قیمت پر زکوٰۃ
نہیں، ہاں ان کا جو کرایہ وصول ہو اس پر مذکورہ تفصیل کے مطابق زکوٰۃ ہے، زکوٰۃ کے مفصل احکام

(۱،۲) وفی الهدایة کتاب الزکوة ج ۱ ص ۱۸۶ (مکتبه شرکت علمیه)، ومن کان علیه دین یحیط بماله فلا زکوة علیه ... وان کان ماله اکثر من دینه زکی الفاضل اذا بلغ نصابا

(۳) دیکھئے ص ۵۰ کا حاشیہ نمبر۲۔

کے لئے تفصیلی زیور کا مسئلہ معلوم فرمانا ہو تو رسالہ احکام زکوۃ مصنفہ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مہتمم دار العلوم کراچی کا مطالعہ فرمائیں۔

واللہ سبحانہ اعلم

۸/۹/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۹۷۹/۲۸ ج)

مشترکہ کاروبار میں ایک شریک کا زکوۃ ادا نہ کرنا

سوال — کچھ عرصہ کے بعد میرے والد صاحب میری طرف متوجہ ہوئے، الحمد للہ تبلیغی جماعت میں شرکت کرتا ہوں انہوں نے پچیس ہزار روپے کاروبار کے لئے دیئے ہیں جس کا نفع و نقصان نہیں مانگتے (واضح رہے کہ رقم نہ تو ہبہ کی ہے اور نہ قرض دی ہے) رقم دستیاب ہوتے ہوئے ایک سال ہو گیا ہے والد صاحب زکوۃ نہیں دیتے ہیں اگر میں زکوۃ دیدوں تو شدید ناراض ہوں گے، کیا میں اس رقم کی زکوۃ ادا کروں یا نہیں؟ میری ملکیت میں کچھ زیورات ہیں، کیا ان کی زکوۃ مذکورہ کاروبار کے منافع سے ادا کردوں تو ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب — صورت مسئولہ میں آپ مال کے اگر حسب قاعدہ یہ متعین کریں کہ کاروبار میں آپ کے سرمایہ اور منافع کی ملکیت کتنی ہے، جتنی ملکیت آپ کی ثابت ہو اتنی ملکیت کی زکوۃ ادا کرنے سے آپ عند اللہ بری ہو جائیں گے، والد صاحب کو آپ اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرتے رہیں کہ وہ بھی اپنے حصہ کی زکوۃ ادا کریں لیکن اگر وہ ادا نہ کریں تو اس کا عذاب و ثواب ان پر ہے، آپ اپنی زکوۃ نکالنے کے بعد بری الذمہ ہیں اور آپ کا کاروبار حلال ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۶/۵/۱۳۹۷ھ

قرض، مملوکہ مال سے زائد ہونے کی صورت میں زکوۃ واجب نہیں

سوال — میرے پاس تقریباً دس بارہ ہزار روپے تھے، حسب معمول زکوۃ ادا کرتا رہا، اس دوران میں نے ایک مکان خریدا تقریباً بارہ ہزار، کچھ گھر کے زیورات تھے ان کو بھی فروخت کر دیا اور پندرہ ہزار روپیہ اپنے ایک بھائی سے قرض لے کر اس میں شامل کر دیا، مکان کا کرایہ دو سو پچیس روپیہ ماہوار آتا ہے، جبکہ مذکورہ قرضہ کو ... سے اب تک ایک پیسہ بھی ادا نہیں کیا ہے، اب میرے پاس کچھ

فی ... ج ۲ ص ۲۹ فی شرح الطحاوی ... [illegible] كملا تجب الزكاة والا فلا سواء كانت شركتهم شركة عنان او مفاوضة او شركة بالارث وغيره من اسباب وكذا في الهندية ج ۱ ص ۱۸۱ (طبع مكتبه رشيديه كوئٹه) وكذا في امداد الفتاوى ج ۲ ص ۵۲۵ سوال نمبر ۴۷ (مكتبه دار العلوم)

پیسہ کرایہ وغیرہ کا جمع ہوا ہے، جو تقریباً دو ہزار چھ سو چالیس روپیہ ہے اور پانچ تولے سونا بھی ہے زکوٰۃ کیوں اور کیسے ادا ہو؟

جواب :- صورتِ مسئولہ میں چونکہ قرضہ کی رقم سائل کے پاس موجود مال سے بہت زائد ہے اس لئے اگر اس کے پاس مذکورہ مال (یعنی پانچ تولہ سونا اور ۲۶۴۰ روپیہ نقد) کے سوا کچھ اور مال نہیں ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ [1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۲-۳-۱۳۸۹ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۸۹/۱۱۸ الف)

پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ

سوال :- ہر سرکاری ملازم کی تنخواہ میں سے ایک آنہ فی روپیہ بمد پراویڈنٹ فنڈ کٹتا ہے، اور اس کو ملازمت کے اختتام کے بعد وہ روپیہ سود کے ساتھ مل جاتا ہے، یہ تمام رقم حکومت کی تحویل میں رہتی ہے، اور ملازم کو یہ پتہ ذرا مشکل سے چلتا ہے کہ اس فنڈ میں اس کا کتنا روپیہ ہے۔ ایسی صورت میں کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟

جواب :- اس معاملے میں اہلِ علم کی تحقیق یہ ہے کہ پراویڈنٹ فنڈ کی رقم جب تک ملازم کو وصول نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اور رقم وصول ہونے کے بعد بھی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی، ایسی رقم پر زکوٰۃ کا وجوب اس وقت سے شروع ہوتا ہے جس وقت سے وہ رقم وصول ہوئی ہے، البتہ جو پراویڈنٹ فنڈ جبری نہ ہو، اور ملازم نے اپنے اختیار سے اس سے لے رقم کٹوائی ہو اس کے معاملے میں احتیاط اسی میں ہے کہ رقم وصول ہونے پر سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے۔

مختصراً اس کی وجہ یہ ہے کہ فقہاء نے دین کی جو تین قسمیں قوی، متوسط اور ضعیف قرار دی ہیں [2] پراویڈنٹ فنڈ کی رقم ان میں سے دین ضعیف ہی میں داخل ہو سکتی ہے، اور دین ضعیف پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔ اس مسئلے کی مکمل تحقیق حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے امداد الفتاویٰ جلد سوم ص ۶۴۸ تا ۶۵۰ مطبوعہ کراچی میں لکھ دی ہے، [3] اور حضرت حکیم الامت مولانا اشرف

---

(۱) وفی الهدایة ج ۱ ص ۱۸۶ مکتبه شرکت علمیه، ومن کان علیه دین یحیط بماله فلا زکوة علیه وقال الشافعی یجب ... ولنا انه مشغول بحاجته الأصلیّة فاعتبر معدومًا
وفی الهندیة کتاب الزکوة ج ۱ ص ۱۷۳ طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه قال اصحابنا رحمهم الله تعالی کل دین له مطالب من جهة العباد یمنع وجوب الزکاة سواء کان الدین للعباد کالقرض الخ
(۲) دیکھئے الدر المختار ج ۲ ص ۳۰۵ (طبع سعید)۔
(۳) مکمل تفصیل کیلئے "پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ اور سود کا مسئلہ" مرتبہ مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد زبیر حق نواز)

علی صاحب تھانوی نے بھی اس کی تصدیق فرما کر اپنے سابقہ فتویٰ سے رجوع فرمایا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۸۷/۵/۲۴ھ (۱)

تنخواہ میں ترقی کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- زید ایک سرکاری دفتر میں ملازم ہے، زید صاحبِ نصاب ہے، مشاہرہ بڑھا ہونے کی تاریخ ۳۰ مارچ ہے، اس دن زید زکوٰۃ کا حساب کرتا ہے کہ کتنی زکوٰۃ کل رقم پر بنتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ زید کی ترقی مثلاً ۲۰ مارچ سے ہوجاتی ہے اور اس سلسلے میں کاغذی کارروائی ۲۰ مارچ کو مکمل ہوجاتی ہے، اب زید ترقی والی رقم کی بابت ۳۰ مارچ سے پہلے مل جائے تو سابقہ نصاب میں شامل کی جاتی ہے لیکن اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کاغذات دفتر سے پاس ہوکر ۳۰ مارچ کے بعد ہی آتے ہیں اور اس کے بعد ۲، ۳ مہینے یا ۱۵ دن لگ جاتے ہیں، تو کیا کاغذی ادائیگی کی بنا پر ۳۰ مارچ کو حساب شدہ زکوٰۃ کی رقم میں اس کو بھی شامل کیا جائے یا نہیں؟ کیونکہ حکم ترقی کا ۲۰ مارچ کو ہوچکا ہے؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں تنخواہ میں ترقی کی رقم جب زید کو مل جائے گی اس وقت اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، محض کاغذی طور پر استحقاق پیدا ہونے سے اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی، لہٰذا ۳۰ مارچ کو جتنی رقم زید کی ملکیت میں ہے صرف اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی، جب اس کی زکوٰۃ آئندہ سال نکالیں تو آئندہ سال زکوٰۃ کی تاریخ میں جتنی رقم ملکیت میں ہو اس کی زکوٰۃ دینی ہوگی جس میں ترقی کی رقم بھی شامل ہوجائے گی۔ لأن الأصح أن الأجرة دين ضعيف لا تجب عليه الزكوة حتى يقبض كالمهر۔(۲)

لیکن یہ مسئلہ امام اعظم ابو حنیفہ کا مسلک ہے، صاحبین کے نزدیک چونکہ اس رقم پر زکوٰۃ واجب ہے اس لئے احتیاطاً اگر پچھلی ترقی کی رقم کی زکوٰۃ اس سال کے نصاب میں شامل کرکے نکال دی جائے تو بہتر ہے۔

واللہ اعلم
۱۳۹۷/۶/۱۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۰/۲۹ ب)

---

(۱) یہ فتویٰ البلاغ کے شمارہ جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ سے لیا گیا ہے۔

(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۰۶ (ایچ ایم سعید) وعند قبض مائتين مع حولان الحول بعده أي بعد القبض (من) دين ضعيف وهو (بدل غير مال) كمهر ودية وبدل كتابة وخلع إلا إذا كان عنده ما يضم إلى الدين الضعيف
وفي البدائع ج ۲ ص ۱۰ ... وأما الدين الضعيف فهو الذي وجب له بدلا عن شيء ... كالميراث أو بصنعه كالوصية أو وجب بدلا عما ليس بمال كالمهر وبدل الخلع والصلح عن القصاص وبدل الكتابة
ولا زكوة فيه ما لم يقبض كله ويحول عليه الحول بعد القبض (محمد زبير)

نقد رقم پر زکوۃ واجب ہونے کا اُصول

سوال - نقد رقم کی زکوۃ میں کچھ اشکال پیدا ہو رہا ہے، سونے چاندی، مویشی، اجناس اور تجارتی مال کا نصاب زکوۃ تو بہت واضح ہے۔

البتہ نقد رقم کی صورت میں اشکال ہے۔ بہشتی زیور حصہ سوم باب زکوۃ کو پورے غور سے پڑھا جس سے مسئلہ (۲) سے ظاہر ہوتا ہے کہ پچپن روپیہ پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی اور مسئلہ (۵) اور مسئلہ (۱۱) میں ظاہر ہوتا ہے کہ ایک سو روپیہ پر زکوۃ واجب ہو جاتی ہے۔

نقدی کے نصاب کے سلسلے میں ترجمان القرآن جلد ۲۹ شمارہ مارچ ۱۹۶۸ء میں پڑھا جس میں بتایا گیا ہے کہ نقد رقم کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر قرار پایا ہے، آپ فرمائیے کیا صورت حال ہے؟

جواب - نقد رقم پر زکوۃ کے سلسلے میں اصول یہ ہے کہ اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا نقد روپیہ ضروریات اصلیہ سے زائد موجود ہو اور اس پر ایک سال گذر جائے تو زکوۃ واجب ہو جاتی ہے۔ اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت چونکہ بدلتی رہتی ہے لہٰذا ہر زمانے کی قیمت کا اسی زمانے میں اعتبار ہوگا۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۲۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۶ /۱۱۹ الف)

مکان کی تعمیر کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوۃ کا حکم

سوال - زید تعمیر مکان کے لئے رقم جمع کرتا ہے، کیا اس رقم پر زکوۃ واجب ہوگی؟

جواب - اگر یہ رقم ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچ جائے اور اس پر ایک سال گذر جائے تو زکوۃ واجب ہے۔ (۲)

واللہ اعلم

۱۳۸۷/۱۲/۱۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲۵ [illegible])

---

(۱) تفصیل کے لئے ذیل کتب ملاحظہ فرمائیں: الدر المختار ج ۲ ص ۲۹۹ (طبع ایچ ایم سعید)، فتاویٰ ہندیہ ج ۱ ص ۱۷۹ (طبع مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)، ہدایہ ج ۱ ص ۹۶ (طبع مکتبہ شرکت علمیہ ملتان)، فتاویٰ تاتارخانیہ ج ۲ ص ۲۳۷ (طبع ادارۃ القرآن)۔

(۲) [illegible] تجب في النقد كيفما أمسكه للنماء أو للنفقة.

(۳) [illegible]

ترکہ کی دکان پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

سوال: ہمارے والد صاحب کا انتقال تقریباً ڈیڑھ سال پہلے ہو گیا تھا، اللہ تعالیٰ ان کی اور ہم سب کی مغفرت فرمائے، تمام نقد اور دوسرا سامان وغیرہ سب شرعی طریقے سے تقسیم ہو گیا ہے، اب ایک دکان باقی ہے، یہ دکان کرائے پر دی ہوئی ہے، اس کا کرایہ ہر ماہ حساب سے بہن بھائیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے کیونکہ ابھی تک کل دکان کے دام مکمل رہتے ہیں اس لئے دام متعین ہونے کا انتظار ہے جس وقت بھی مناسب دام مل گئے اس کو فروخت کر کے حساب سے سب میں تقسیم کر دیا جائے گا، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس دکان پر زکوٰۃ واجب ہے؟ اگر ہے تو اس کی قیمت کس طرح متعین ہوگی کیونکہ ہے کہ ابھی تک اس کی مالیت کا تعین نہیں ہو پاتا ہے، یعنی بازاری قیمت کا تعین شاید فروخت کی صورت میں ہی ہوگا اگر اس دکان (کی مالیت) پر زکوٰۃ واجب ہے اور سال پورا ہونے کے بعد کیا ایک ایک کے پاس نقد رقم نہیں ہے کہ وہ اس کی زکوٰۃ ادا کر سکے تو اس کے لئے کیا حکم ہے (کیونکہ اس سے ملنے والا کرایہ بھی خرچ ہو گیا ہے) ہم سب لوگ شعبان رمضان میں زکوٰۃ کا حساب کرتے ہیں تو زکوٰۃ واجب ہونے کی صورت میں ہم کس طرح حساب کریں؟

جواب: جو دکان کرائے پر چڑھی ہوئی ہے، اس کی مالیت پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، البتہ جو کرایہ ملتا ہے، ہر شخص اپنے مال زکوٰۃ کے مجموعہ پر رکھے، اس کا جتنا حصہ اس وقت خرچ ہو گیا ہے وہ کرایہ اپنے دوسرے قابل زکوٰۃ مال کے ساتھ مل کر نصاب تک پہنچ جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، ورنہ نہیں۔[1]

واللہ اعلم

۱۴۲۰/۱۲/۵ھ

(فتویٰ نمبر ۳۰۳۸۳)

سونے چاندی دونوں کی مجموعی قیمت، چاندی کے نصاب کو پہنچے تو زکوٰۃ واجب ہے

سوال: زید کے پاس پانچ تولہ سونا اور دو تولہ چاندی بصورت زیور ہے، اگر حساب دیکھا جائے تو نصاب زکوٰۃ کو نہ سونا پہنچتا ہے نہ چاندی اور اگر دو تولہ چاندی کی قیمت کا حساب کر کے فرض کیا جائے تب بھی نصاب زکوٰۃ کو نہیں پہنچتا، دوسری طرف سونے کی قیمت کا اگر اس کو چاندی

(۱) وفي التاتارخانية ج ۲ ص ۲۹۷، في شرح الطحاوي: فإن كان نصيب كل واحد منهما على الإنفراد يبلغ نصابًا كاملاً تجب الزكوة وإلا فلا سواء كانت شركتهما شركة عنان أو شركة مفاوضة أو شركة بالإرث وغيره من أسباب الملك. الخ نيز ديكھئے امداد الفتاوى ج ۲ ص ۵۲،۵ (طبع مكتبه دار العلوم كراچي)

ملایا جائے تو دونوں کی ملی ہوئی چاندی ساڑھے باون تولہ چاندی سے بڑھ جائے گی، فتویٰ درکار ہے کیا زید پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

جواب ۱ — صورت مسئولہ میں زکوٰۃ فرض ہے، اور وہ اس طرح کہ سونے کی قیمت لگا کر اسے چاندی کے ساتھ ملا دیا جائے گا، دونوں کی مجموعی قیمت چاندی کے نصاب سے بڑھ جاتی ہے اس لئے زکوٰۃ فرض ہے۔

سوال ۲ — زید کے پاس صرف پانچ تولہ سونا ہے چاندی بالکل نہیں، اسے قیمت سمجھ کر چاندی فرض کریں تو نصاب زکوٰۃ چاندی کا ساڑھے باون تولہ بن جاتا ہے، کیا اس پر زکوٰۃ فرض ہے؟

جواب ۲ — چاندی بالکل نہ ہو تو پیسے کچھ نقدی ضرور ہوتی ہے اور وہ بھی چاندی کے حکم میں ہے اس لئے سونے کی قیمت لگا کر اس صورت میں بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

سوال ۳ — زید کے پاس پانچ تولہ سونے کے علاوہ دس پانچ دس روپے نقد بھی ہیں جو سال بھر تک اس کے پاس موجود رہتے ہیں، کیا پانچ تولہ سونے پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ کیونکہ ان روپوں کو چاندی اور اس مذکورہ پانچ تولہ سونے کو چاندی فرض کرنے سے چاندی کا نصاب پورا ہو جائے گا۔

جواب ۳ — جس سال کی یہ بات ہے اس سال کی قیمت کے لحاظ سے اگر ایک ہزار روپے میں ساڑھے باون تولے چاندی آجاتی ہو تو زکوٰۃ فرض ہے ورنہ نہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۰/۳/۱۳۹۹ھ

(فتویٰ نمبر ۲۹۸/۳۰ د)

قرض منہا کرنے کے بعد جو رقم بچے اگر وہ بقدر نصاب ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال — زید کے پاس اس کی اپنی رقم پانچ ہزار روپے ہے جو کاروبار میں لگی ہے اور اس نے قرض لیا ہے ۵۰۰۰ روپے، کچھ زیور بطور استعمال بھی قرض لے کر بنوایا ہے، زید کو کس رقم پر زکوٰۃ ادا کرنی چاہئے؟

جواب — صورت مسئولہ میں زید کو یہ چاہئے کہ اس کے پاس جتنا نقد روپیہ ہے یا جتنا مال تجارت یا زیور ہے خواہ وہ قرض کے روپے سے ہی حاصل کیا گیا ہو، ان سب کی قیمت لگا کر ان اموال کا مجموعہ نکالے، اس کے بعد جتنا قرض اس پر واجب ہے اس کو اس مجموعے سے منہا کرے، جتنی مالیت

(۱) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۰۳ طبع سعيد ويضم الذهب الى الفضة وعكسه بجامع الثمنية قيمة ... وفي الهداية ج ۱ ص ۱۹۲ طبع مكتبه شركت علميه ملتان: ويضم الذهب الى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية (محمد زبیر حق نواز)

قرض کی منہائی کے بعد باقی بچنے کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کے طور پر ادا کرے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۲۹/۹/۱۳۹۰ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۹۳/۲۰ و)

نصابی سال پورا ہونے پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال: گزشتہ سال میں نے ۴۴ ہزار روپیہ کی ادھاری اور کچھ نقدی کمائی سب کی زکوٰۃ میں نے پورا حساب کر کے نکال دی تھی اور اب وہ ادھاری گھٹ کر ۳۳ ہزار رہ گئی ہے اور کچھ نقدی جمع ہے اب مجھے زکوٰۃ کس صورت سے دینی چاہئے؟

جواب: جس تاریخ میں آپ کی زکوٰۃ کا نصابی سال پورا ہوتا ہے اس تاریخ میں جو کچھ نقد روپیہ، زیور، مال تجارت اور وصول ہونے والے قرضے ہوں ان سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی، لوگوں کے ذمے آپ کے قرضے اب گھٹ کر ۳۳ ہزار رہ گئے ہیں تو اب ۳۳ ہزار پر زکوٰۃ ہوگی۔[۱]

سوال ۲: اگر ادھار میں رقم ڈوبی ہوئی ہو تو اس صورت میں کیا کیا جائے گا؟

جواب ۲: ایسے مال پر ابھی زکوٰۃ واجب نہیں جس کی وصولی کی امید نہ ہو، اگر وہ وصول ہو جائے تو پچھلے سالوں کی زکوٰۃ نکالی جائے یا نہیں؟ یہ مسئلہ اس وقت معلوم کر لیں، کیونکہ اس میں کچھ تفصیل ہے جس کو ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔[۲]

سوال ۳: اگر رقم بینک میں چلی گئی ہو تو اس صورت میں کیا کیا جائے؟

جواب ۳: اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ رقم آپ نے بینک میں جمع کروا رکھی ہے تو اس کا حکم نقد روپیہ جیسا ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہے، اور اگر کچھ اور مطلب ہے تو دوبارہ واضح طریقے پر سوال بھیج کر مسئلہ معلوم کر لیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۹/۹/۱۳۹۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱/۱۵۱ ج)

صرف سو روپے پر زکوٰۃ نہیں

سوال: زکوٰۃ کس شخص پر واجب ہے؟ جس کے پاس ساڑھے سات تولہ تک سونا

---

(۱) وفي الدر المختار ج۲ ص۲۶۳ (ایچ ایم سعید): (فلا زكوة على مكاتب ... ومديون للعبد بقدر دينه) فيزكي الزائد إن بلغ نصابا ... وفي الهندية كتاب الزكوة ج۱ ص۱۷۲ مكتبة رشيدية: ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوة عليه ... وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا.

(۲) وفي الدر المختار ج۲ ص۳۰۵ طبع سعيد: (واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي، ومتوسط، وضعيف، فتجب) زكوتها إذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فورا بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوي كقرض (وبدل مال تجارة) ... الخ وفي الشامية تحت قوله (إذا تم نصابا) والمراد إذا بلغ نصابا بنفسه أو بما عنده مما يتم به النصاب.

(ایک سال گزرنے پر) یا ساڑھے باون تولے چاندی ہو (ایک سال گزرنے پر) اس اوزان میں اگر ایک رتی سونا یا چاندی کم ہو تو ایسے شخص پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ شریعت تو یہ کہتی ہے اتنا سونا چاندی ہو تو زکوۃ نکالے گا۔

دوسری طرف علماء کہتے ہیں کہ اگر ۱۰۰ روپے موجود ہوں اور سال گزر گیا ہے تو اس کو بھی ڈھائی فیصد زکوۃ نکالے، جب نصاب مقرر ہے تو ۱۰۰ روپیہ رکھنے والے پر کیسے زکوۃ ہے۔

جواب:- اگر فی الحال کسی شخص کے پاس ۱۰۰ روپے ہوں اور سونا بالکل نہ ہو تو اس پر زکوۃ واجب نہیں ہوتی، جس شخص نے اس پر زکوۃ فرض قرار دی ہے اس نے غلط کہا ہے۔ ہاں اگر کسی شخص کے پاس کچھ سونا بھی موجود ہو اور کچھ چاندی یا نقدی روپیہ بھی، اور ان دونوں کی مجموعی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو اس پر زکوۃ فرض ہے، مثلاً کسی کے پاس دو تولہ سونا ہے جس کی قیمت ایک ہزار روپیہ ہے اور اس کے ساتھ سو روپے نقد بھی ہیں تو اب اس پر زکوۃ فرض ہو جائے گی لیکن جب سونا بالکل نہ ہو صرف سو روپے ہوں تو زکوۃ فرض نہیں۔ واللہ اعلم

۱۳۷۹/۷/۹ھ

(فتویٰ نمبر ۹۳/۲۸ ج)

۱:- سال کے آخر میں موجود تمام رقم پر زکوۃ واجب ہے
۲:- دیے گئے قرض پر زکوۃ کا حکم

سوال:- میں ایک تاجر ہوں، تجارت کی ابتداء کئے ہوئے ۱۲ سال ہو چکے ہیں، زکوۃ کا مسئلہ دریافت کرنا ہے۔

۱- تجارت میں سال کے آخر میں جتنا نقد ہوتا ہے اس پر زکوۃ ہوتی ہے یا صرف اس حصہ پر جو کہ سال بھر میں نقدی کی صورت میں ہمارے پاس رہے۔ مثلاً سال کے آخر میں ۵ ہزار روپے ہوتے ہیں، چار ہزار روپے ایک ماہ پہلے تھے تو اب زکوۃ ۵۰۰۰ پر یا ایک ہزار پر ادا کرنی ہوگی؟

۲- اپنے مسئلے کی طرح اب تجارت و قرضے کی یہاں بھی وہی اصول ادا زکوۃ کا ہے یا کچھ مختلف ہے؟

جواب ۱،۲- اگر سال کے شروع اور آخر میں انسان کی قابل زکوۃ ملکیت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت سے کم نہ ہو تو سال پورا ہونے کی تاریخ میں اس کے پاس جس قدر نقد یا مال تجارت موجود ہوگا اس پر زکوۃ واجب ہوگی، سال کے دوران جو کمی بیشی ہوتی رہی ہو اس کا کچھ اعتبار

(۱) دیکھئے ص ۳۹ کا حاشیہ نمبر ۱۔

نہیں، چنانچہ آپ نے جو مثال دی ہے اس میں رقم چونکہ پورے بیس ہزار نہیں ہوئی ایک دن پہلے جو رقم آئی ہے وہ بھی شامل کی جائے گی، اور ایک دن پہلے جو رقم نکل گئی ہے وہ شامل نہ ہوگی، لیکن معلوم کر لیں تجارت کا بھی ہے، سال پورا ہونے کی تاریخ میں جتنی مالیت موجود ہے اس پر زکوٰۃ آئے گی۔

سوال ۳ – کیا اس رقم پر بھی زکوٰۃ ہوگی جو ہمارے مقروضوں کے ذمے ہے، اور زکوٰۃ کب ہوگی؟ کیا اس رقم میں سے وہ رقم منہا کی جائے گی جو ہمارے اوپر قرض ہے دوسرے لوگوں کا؟ مثلاً ہم ۸۰۰۰ روپے وصول کرنے ہیں اور ۶۰۰۰ روپے دینے ہیں تو کیا دو ہزار روپے پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟

جواب ۳ – جی ہاں، جو رقم دوسرے لوگوں پر قرض ہے اس پر زکوٰۃ آپ کے ذمے ہے اگرچہ اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب وہ وصول ہو جائے، لیکن اس وقت تمام پچھلے سالوں کا حساب لگا کر ادا کرنی ہوگی، بہتر یہ ہے کہ ہر سال جتنی رقم جتنی قرض دی گئی ہے اس کی زکوٰۃ بھی ادا کی جاتی رہے، اور اسی طرح آپ پر کسی کا جو قرض ہے وہ آپ کی کل مالیت سے مستثنیٰ کیا جائے گا، اور مستثنیٰ کرنے کے بعد جتنی مالیت آپ کے پاس بچے گی اس پر زکوٰۃ ہوگی، مثلاً آپ کی نقد رقم دس ہزار ہے اور آپ پر پانچ ہزار کے قرضے واجب ہیں تو آپ پر صرف پانچ ہزار کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۳ھ
(فتویٰ نمبر ۹۵۳/۲۸ ج)

مقروض کو زکوٰۃ دے کر اپنے قرض میں واپس لینے کا حکم

سوال – ایک مالدار آدمی ہے جو ایک غریب آدمی کو زکوٰۃ دینا چاہتا ہے اور اس شخص پر اس آدمی کا قرضہ ہے، اور وہ آدمی اس وقت اپنا قرضہ اس شخص سے لینا چاہتا ہے جس کو ابھی زکوٰۃ دی ہو؟

جواب – اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے مالدار آدمی غریب کو زکوٰۃ کی رقم سپرد کر دے اس

---

(۱) وفي الهداية [illegible]
خلاله ... الخ وفي الدر المختار ج ۲ ص ۲۸۸، والمستفاد (ولو بهبة أو إرث) وسط الحول يضم إلى نصاب من جنسه فيزكيه بحول الأصل وفي الشامية قوله إلى نصاب ... وأشار إلى أنه لابد من بقاء الأصل ... فإن وجد منه شيئا قبل الحول ولو بيوم ضمه وزكى الكل ... الخ

(۲) [illegible]

(۳) وفي الدر المختار ج۲ ص ۲۶۳ (طبع سعيد كراچي) (فلا زكوة على مكاتب ... ومديون للعبد بقدر دينه) فيزكي الزائد إن بلغ نصابا ... الخ وفي الهندية كتاب الزكوة ج ۱ ص ۱۷۲ طبع ... ومن كان عليه دين يحيط بماله فلا زكوة عليه ... وإن كان ماله أكثر من دينه زكى الفاضل إذا بلغ نصابا

کے بعد اگر غریب آدمی اس رقم میں سے قرض ادا کر دے تو جائز ہے۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۸۸/۲/۹ھ

سونے چاندی کی کتنی مقدار پر زکوٰۃ لازم ہے؟

سوال:- ایک شخص کے پاس تیس تولہ چاندی اور دو ماشے سونا ہے یا چاندی اور چھ ماشہ سونا ہے، ان دونوں چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟ اور کتنی مقدار چاندی اور سونے میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

جواب:- اگر کسی کے پاس سونا بالکل نہیں تو زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب ساڑھے باون تولہ چاندی اس کے پاس اپنی ضروریات سے زائد ہو اور اس پر ایک سال گزر جائے، اور اگر سونا بھی ہے تو سونے اور چاندی دونوں کی قیمت لگائی جائے، دونوں کی قیمت مل کر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

واللہ اعلم
۱۳۸۸/۲/۹ھ

قرض پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- زید نے عارف سے مثلاً ایک لاکھ روپیہ ادھار لئے، عارف پہلے ہی صاحبِ نصاب تھا، زید نے عارف کو یہ رقم دس سال کے بعد واپس کی، کیا عارف کو ایک لاکھ روپے پر دس سالوں کی زکوٰۃ دینی ہوگی مثلاً ایک سال کے ۲۵۰۰ روپے اور دس سالوں کے پچیس ہزار روپے بطور زکوٰۃ دینے پڑیں گے یا دس سال کے بعد صرف اسی سال کی زکوٰۃ ادا کرنی پڑے گی اور ۹ سالوں کی نہیں دینی پڑے گی؟ کیا حکم ہے؟

جواب:- قرض دینِ قوی ہے،(۲) لہٰذا اس پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوتی رہتی ہے، البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت واجب ہوتی ہے جب رقم وصول ہو، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں عارف پر واجب ہے کہ وہ ایک لاکھ روپے وصول ہونے پر گزشتہ پورے دس سال کی زکوٰۃ ادا کرے، صرف ایک سال کی زکوٰۃ ادا کرنا کافی نہیں۔(۳)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۷/۱۳ھ
(فتویٰ نمبر ۶۱۱/۲۸ب)

کرنسی کے تبادلے کے لئے دی ہوئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- زید غیر ملک میں پاکستانی سفارت خانہ میں ملازم ہے، ملازمت کا عرصہ ختم ہونے

---

(۱) وفي الدر المختار ج:۲ ص:۲۰ طبع سعيد [illegible]

(۲) وفي الدر المختار ج:۲ ص:۳۰۵ واعلم أن الديون عند الإمام ثلاثة: قوي ومتوسط وضعيف، فتجب زكاتها إذا تم نصاباً وحال الحول لكن لا فوراً بل عند قبض أربعين درهماً من الدين القوي كقرض وبدل مال تجارة

(۳) نیز دیکھئے ص ۳۶ کا حاشیہ نمبر ۱

یہ سفارت خانہ میں ۲۰۰۰ روبل گھریلو سامان فروخت کرکے اور پانچ ہزار روبل اپنی کار فروخت کرکے یہ رقم حکومت کے پاس جمع کرادیں کہ پاکستان آکر حکومت سے ان کے بدلے پاکستانی روپے لے لے گا۔ روبل کی قیمت یہ ہے کہ ایک روبل کے سرکاری طور پر ۱۴ روپے ملتے ہیں اس لحاظ سے تقریباً ۲۸۰۰۰ روپے گھریلو سامان کے، اور کار کے ۷۰۰۰۰ روپے ہوئے، اب زید نے پاکستان آکر اپنے پرانے دفتر میں کام کرنا شروع کر دیا جہاں سے وہ سفارت خانہ میں کام کرنے گیا تھا، پاکستان میں کچھ قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے زید کو مثلاً دو سال بعد کار کی رقم ستر ہزار مل گئی، زید نے اس رقم کی زکوٰۃ رقم ملنے سے ایک سال پہلے ہی دیدی، اب دوسرے سال کی دینی ہوگی، مگر زید کو قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے ۲۸۰۰۰ ہزار روپے نہیں ملے۔ اب یہ معلوم کرنا ہے کہ اٹھائیس ہزار روپے مثلاً کبھی مل جاتے ہیں تو اس کی دوسرے سال کی زکوٰۃ (جبکہ زید پہلے ہی ایک سال کی رقم اور اس کی زکوٰۃ دے چکا ہے) تو ابھی دینی ہے لیکن یہی رقم اگر زید کو زکوٰۃ کا سال ختم ہونے کے بعد ملے تو کیا صرف اس سال کی زکوٰۃ دینا پڑے گی یا پچھلے سال کی بھی یعنی جس سال رقم ملے اس سال کی زکوٰۃ دینا ہوگی یا پچھلے سال کی بھی؟

جواب - مذکورہ اٹھائیس ہزار روپے آپ کی ملکیت میں آچکے ہیں، اس کے بعد آپ نے وہ سفارت خانے کو تبادلے کے لئے دیدیئے ہیں لہٰذا ان پر ہر سال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی، اور وہ روپے جب بھی آپ کو وصول ہوں پچھلے سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی بھی آپ پر واجب ہوگی مثلاً پانچ سال گزرنے کے بعد وصول ہوئے تو آپ کو ۳۵۰۰ روپے زکوٰۃ میں نکالنے ہوں گے۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۶/۱۳ھ
(فتویٰ نمبر ۶۱/۲۹ ب)

پنشن کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

سوال - میں ایک ملازم پیشہ شخص ہوں حال ہی میں اپنے محکمہ سے ریٹائرڈ ہوا ہوں۔ ریٹائرمنٹ پر مجھے حکومت کی طرف سے ۳۶۰۵۱ روپے ملے میں نے وہ رقم گھر میں غیر محفوظ سمجھ کر بینک میں جمع کرادی، میرا اپنا مکان نہیں ہے اور میری آمدنی بھی اتنی نہیں ہے کہ خرچ پورا ہوسکے، تنگ دستی سے وقت بسر کرتا ہوں، یہ رقم میرے پاس آئے ہوئے صرف دو دن ہوئے تھے کہ بینک والوں نے اس سے ۹۰۲/۵۰ زکوٰۃ کے کاٹ لئے، شرعاً مجھ پر زکوٰۃ واجب ہے؟

---

(۱) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۳۰۵ طبع سعید کراچی: و(اعلم) ان الدیون عند الامام ثلثۃ: قوی ومتوسط وضعیف فتجب زکوتھا اذا تم نصابا وحال الحول لکن لا فورا بل عند قبض اربعین درھما من الدین القوی کقرض وبدل مال تجارۃ.
نیز دیکھئے ص ۳۶ کا حاشیہ نمبر

جواب – جس شخص کے پاس اپنی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ یا زیور یا تجارتی سامان ہو اس کو صاحب نصاب کہتے ہیں، جو شخص سال بھر صاحب نصاب رہا ہو یا سال کے شروع اور آخر میں صاحب نصاب ہو اس پر زکوۃ فرض ہوتی ہے، جو شخص سال کے شروع میں صاحب نصاب ہو مگر سال کے دوران اس کے پاس کچھ نئی رقم اس نصاب کے علاوہ آجائے تو اس نئی رقم کی زکوۃ بھی سابقہ نصاب کے ساتھ ادا کرنی لازم ہوتی ہے، مذکورہ صورت میں آپ اس رقم کے آنے سے کم از کم ایک سال پہلے صاحب نصاب تھے یا نہیں، اگر صاحب نصاب تھے تو بینک میں جو زکوۃ وضع کی گئی وہ درست ہوگئی[۱] اور اگر مہینہ رمضان ۱۴۰۰ھ کو آپ صاحب نصاب نہیں تھے اور اس رقم کے آنے کے بعد صاحب نصاب بنے تو پھر اس رقم سے زکوۃ وضع کرنا جائز نہیں، اب آپ درخواست دے کر اس رقم کی واپسی کا مطالبہ کرسکتے ہیں اور حکام پر واجب ہے کہ وہ یہ رقم واپس کریں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۱/۱۰/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۳۲/۳۲ ج)

۱:- زیورات پر زکوۃ موجودہ قیمت کے حساب سے لازم ہے
۲:- زیورات میں ٹانکہ اور بنوائی کی قیمت پر زکوۃ کا حکم

سوال ۱ – سونے چاندی کی زکوۃ موجودہ بھاؤ کے حساب سے قیمت لگا کر دینی چاہئے؟

جواب ۱:- جی ہاں۔[۲]

سوال ۲ – زیورات میں ٹانکہ اور بنوائی کی قیمت وضع ہوگا یا نہیں؟

جواب ۲ – بنوائی کی قیمت کو نکالا جائے، ٹانکے کی قیمت کو نہیں (بلکہ خود اسی چاندی سے زکوۃ ادا کی جائے، اور اگر قیمت لگا کر زکوۃ نکالی گئی، تو بازار کے نرخ کے مطابق لگے گی جس میں ٹانکے کا لحاظ رکھا جاتا ہے۔ ۱۲ محمد شفیع) والمعتبر وزنهما اداءً ووجوبًا (شامی ج ۲ ص ۳۰)۔[۳]

سوال ۳ – عام طور پر سونے کے زیورات کو جب فروخت کرنے جاتے ہیں تو کم قیمت پر فروخت ہوتے ہیں، کیا اس بات کا بھی لحاظ رکھنا پڑے گا؟

---

(۱) تفصیل کے لئے حضرت والا دامت برکاتہم کی کتاب "جدید فقہی مقالات" ج ۲ ص ۳۵ تا ۵۷ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) وفی البدائع الصنائع كتاب الزكوة فصل وأما صفة الواجب في أموال التجارة ج ۲ ص ۲۲ طبع ایچ ایم سعید: لان الواجب الأصلي عندهما هو ربع عشر العين، وانما له ولاية النقل الى القيمة يوم الأداء فيعتبر قيمتها يوم الأداء والصحيح ان هذا مذهب جميع اصحابنا ... الخ، نیز دیکھئے ص ۵۰ کا حاشیہ نمبر ۲۔

(۳) الدر المختار، باب زكوة المال ج ۲ ص ۲۹۵ طبع ایچ ایم سعید. وفي البدائع ج ۲ ص ۲۰ وانما المعتبر فيهما الوزن ... الخ (محمد زبیر)

جواب ۳ — جس قیمت پر بازار میں فروخت ہو سکتی ہے اس قیمت کا اعتبار کر کے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔(۱) (محمد شفیع عفی عنہ)

واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۲۹/۱۰/۱۳۸۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۲۵/۱۹ الف)

سرکاری ٹیکسوں کی ادائیگی سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

سوال — جو لوگ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں کیا وہ ٹیکس بھی ادا کریں یا نہیں، دونوں صورتوں میں زبردست مالی خسارہ ہوتا ہے، زکوٰۃ نہ دینے کی صورت میں مجرم خدا ہو جاتے ہیں، ٹیکس نہ دیں تو حکومت پیچھا نہیں چھوڑتی، کیا ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟ اب ٹیکس سے بچنے کے لئے اگر کوئی رجسٹروں میں کمی بیشی کرے تو کوئی صورت ہے؟

جواب — سرکاری ٹیکسوں کی ادائیگی سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی(۲) حکومت کو صرف ایسے ٹیکس لگانے چاہئیں جو عوام پر بار نہ بنیں، اگر حق و انصاف سے زائد ٹیکس لگائے گئے ہیں تو ان سے اخفاء کے ذریعہ نجات حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں جھوٹ وغیرہ کا گناہ مول نہ لیا جائے۔

واللہ اعلم
۳/۱۲/۱۳۸۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۸۷/۱۱۸ الف)

زکوٰۃ کا وجوب قمری سال سے ہوتا ہے

سوال:- زکوٰۃ کا وجوب قمری سال سے ہوتا ہے یا شمسی سال سے؟

جواب:- زکوٰۃ کا وجوب، قمری سال سے ہوتا ہے۔(۳)

واللہ سبحانہ اعلم
۸/۱/۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۵۸/۷۵)

زکوٰۃ کی ادائیگی میں قیمت فروخت کا اعتبار ہے

سوال ۱ — زکوٰۃ جس چیز پر واجب ہو اس کی موجودہ بازاری قیمت دیکھی جائے گی یا خرید کی قیمت؟ مثلاً پہلے جب سونے کا ایک تولہ لیا تھا تو سستا ملتا تھا، اب ۵۰۰ روپے کا تولہ ہے تو کس کی قیمت

---

(۱) دیکھئے سابقہ صفحے کا حاشیہ نمبر۲۔
(۲) وفی الشامیة ج ۲ ص ۳۰۰ [illegible] لا تسقط [illegible] الزکوٰۃ [illegible]
[illegible] الزکوٰۃ [illegible]
(۳) وفی الدر المختار فی باب زکوٰۃ المال ج ۲ ص ۲۹۶ طبع سعید وحولها أی الزکوٰۃ قمری [illegible] لا شمسی [illegible]

کا اعتبار کیا جائے؟

۲ – اگر قیمت خرید کی رعایت کی جائے گی تو کیا سامان تجارت میں بھی اس کا لحاظ کیا جائے گا؟

جواب ۱ – قیمت خرید معتبر نہیں، بلکہ جس دن سال پورا ہو رہا ہو اس دن کی قیمت معتبر ہے،(۱) چنانچہ صورت مسئولہ میں ایک تولہ سونا ۵ سو روپے کے حساب سے لگایا جائے گا۔

۲ – دکان کے سامان میں اعتبار اس کا ہے کہ اگر یہ پورا سامان آج فروخت کیا جائے تو کیا قیمت لگے گی؟ قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں۔(۲)

واللہ اعلم
۱۳۹۷/۱۰/۱۲ھ

کمپنی کے ”ریزرو فنڈ“ پر زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱ – عرصہ سولہ سال سے میں ایک کمپنی میں بحیثیت تقسیم کار کے کاروبار کرتا ہوں، گزشتہ سال تک تو سرمایہ کافی تھا مگر اب کام کی وسعت کی وجہ سے یہ سرمایہ بالکل قلیل ہے، شرکاء نے مجبوری سے بینک سے بذریعہ اوور ڈرافٹ روپیہ لینا شروع کیا۔

مندرجہ بالا ادارہ ایک مخصوص رقم بطور ریزرو فنڈ محفوظ رکھتا ہے اس کی کوئی شریک زکوٰۃ نہیں ادا کرتا، اس کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

جواب ۱ – اصل یہ ہے کہ مشترک کاروبار میں ہر حصہ دار پر اتنے مال کی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے جتنا کاروبار میں سے اس کے حصے میں آئے،(۳) جس میں ریزرو فنڈ میں اس کا حصہ بھی شامل ہے(۴) (تقسیم شدہ منافع کی زکوٰۃ اس کے علاوہ ہے) لہٰذا اگر ہر حصہ دار اپنے کل حصے کی زکوٰۃ نکال دے تو ریزرو فنڈ کی زکوٰۃ بھی اس میں خود بخود آجائے گی۔

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۲/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۲ / ۱۹ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی بلند شہری

زکوٰۃ کی رقم کاروبار میں لگانے کا حکم

سوال – میرے پاس گاؤں کے مدرسہ کا فنڈ ہے چونکہ دار العلوم کی کوئی مستقل آمدن نہیں ہے صدقات اور زکوٰۃ سے کام چلاتے ہیں، آج کل میرے پاس پچاس ہزار روپے ہیں۔ شوریٰ والے کہتے ہیں کہ اگر اس رقم کو کسی جائز اور منافع بخش کاروبار میں لگادیں تو اصل بھی محفوظ رہے گا اور منافع

(۱، ۲) دیکھئے سابقہ صفحہ نمبر ۵۰ اور ۶۶ کا حاشیہ نمبر ۲۔ (محمد زبیر عفی عنہ)
(۳) دیکھئے سابقہ صفحہ نمبر ۵۵ کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔
(۴) ریزرو فنڈ کی زکوٰۃ پر حضرت والا دامت برکاتہم کا مستقل فتویٰ آگے ص ۷۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

بھی ملتا رہے گا، اس طرح دارالعلوم کی رقم کاروبار میں لگانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر کاروبار میں نفع کا تقریباً یقین ہو تو فنڈ کی فاضل رقم اس میں لگانے کی گنجائش ہے، لیکن دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں، ایک یہ کہ اگر نقصان ہوگیا تو لگانے والے کو اپنی جیب سے بھرنا ہوگا۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ کی رقم کو زیادہ عرصہ تک کاروبار میں لگائے رکھنا ٹھیک نہیں ہے اسے جلد از جلد مستحقین کو پہنچانا ضروری ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۸/۱/۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۵ ھ ۵۹)

انکم ٹیکس کی ادائیگی سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی

سوال ۱:- جو لوگ انکم ٹیکس ادا کرتے ہیں اور زکوٰۃ نہیں ادا کرتے وہ ضرور خدا کے مجرم ہیں۔ اور اگر زکوٰۃ ادا کریں، اور ٹیکس سے جان چھڑانا چاہیں تو حکومت چھوڑتی نہیں ہے۔ دونوں ادا کرتے ہیں تو زبردست مالی خسارہ اُٹھانا پڑتا ہے، کیا کیا جائے؟

جواب ۱:- انکم ٹیکس کا زکوٰۃ سے کوئی تعلق نہیں، زکوٰۃ عبادت اور اللہ کا حق ہے، اور انکم ٹیکس ایک حکومت کا ٹیکس ہے، لہٰذا ایک کی ادائیگی سے دوسرے کی ادائیگی نہیں ہوتی۔[1] انکم ٹیکس سے بچنے کے لئے حقیقی سرمایہ کو چھپانے میں جب جھوٹ بولنا پڑے یا جھوٹی شہادت دینا پڑے تو وہ جائز نہیں۔

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۴/۱۱/۱۳۸۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۰۱/۱۸ الف)

۱:- بغیر سلے ہوئے کپڑے پر زکوٰۃ کا حکم
۲:- صرف پانچ تولہ سونے پر زکوٰۃ کا حکم
۳:- ساڑھے باون تولہ چاندی کے بقدر نقدی پر زکوٰۃ کا حکم
۴:- زکوٰۃ کے لئے قمری سال کا اعتبار ہے

سوال ۱:- میں صاحبِ نصاب ہوں میرے پاس کچھ کپڑا بغیر سلا ہوا ایک سال سے زائد عرصے سے پڑا ہوا ہے اس پر زکوٰۃ دی جانی چاہئے یا نہیں؟

---

(۱) دیکھئے سابقہ صفحہ نمبر ۶۷ کا حاشیہ نمبر ۲۔

۲- صرف ۵ تولہ سونا ہے، نقدی وغیرہ اور کچھ نہیں ہے کیا اس پر بھی زکوٰۃ دی جائے؟

۳- زید کے پاس نہ سونا ہے نہ چاندی ہے، ہاں اتنی رقم ہے کہ جس سے ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہوئی یا نہیں؟

۴- مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں کہ زکوٰۃ شمسی سال سے دو، مولانا زکریا صاحب لکھتے ہیں فضائل صدقات میں کہ قمری سال سے دو، کس کی بات مانیں؟

جواب ۱- اگر یہ کپڑا بغرض تجارت نہیں لیا گیا تھا تو اس پر زکوٰۃ نہیں ہے۔[1]

۲- پانچ تولہ سونے کے ساتھ اگر ایک روپیہ کے برابر نقدی بھی ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے اور اتنی نقدی تو ہوتی ہی ہے۔ ہاں اگر واقعۃً ایک روپیہ کے برابر بھی نقدی نہ ہو تو بے شک صرف سونے پر زکوٰۃ اس وقت تک نہ ہوگی جب تک وہ ساڑھے سات تولے نہ ہو جائے۔[2]

۳:- جی ہاں فرض ہے۔

۴- زکوٰۃ کے لئے قمری سال کا اعتبار ہے، لقولہ تعالیٰ یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج۔[3] عہد رسالت اور عہد صحابہ میں نیز بزرگانِ دین کے زمانے میں قمری سال ہی کے مطابق زکوٰۃ کا حساب ہوتا رہا ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے، جو صاحب شمسی سال سے زکوٰۃ کا حساب کرنے کے قائل ہوں وہ سخت غلطی پر ہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم

۳۔۹۔۱۳۹۸ھ

(فتویٰ نمبر ۲۰۰۱/۲۹ ن)

کینیڈا میں مکان خریدنے والے مقروض شخص پر زکوٰۃ کا حکم

سوال:- مکرمی محترمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ

کینیڈا میں مکانوں کی قیمت اتنی زیادہ ہے کہ اس کی یک وقت ادائیگی مشکل ہے اس لئے مجبوراً قرض لے کر مکان خریدنا پڑتا ہے اور یہ قرض قسطوں میں 25-30 سال میں ادا کیا جاتا ہے۔

مذکورہ صورت میں گویا مکان کا قرضہ بھی ہر ماہ قسط کی صورت میں ادا ہو رہا ہے۔ اس سے

---

(۱) وفی الدر المختار کتاب الزکوٰۃ ج ۲ ص ۲۶۲ قولہ وفارغ عن حاجتہ الاصلیۃ ... وھی ما یدفع الھلاک عن الانسان تحقیقاً کالنفقۃ ودور السکنی وآلات الحرب والثیاب المحتاج الیھا لدفع الحر والبرد

وفی الدر المختار ج ۲ ص ۲۶۳، ۲۶۵ (طبع سعید) ولا فی ثیاب البدن ... ودور السکنی ونحوھا ... اذا لم تنو للتجارۃ

وفی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۲ (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن ... والسلاح لاستعمال زکوٰۃ ... الخ

(۲) وفی البدائع کتاب الزکوٰۃ ج ۲ ص ۱۸ طبع ایچ ایم سعید فاما اذا کان لہ ذھب مفرد فلا شیء فیہ حتی یبلغ عشرین مثقالا، فاذا بلغ عشرین مثقالا ففیہ نصف مثقال ... الخ

(۳) سورۃ البقرۃ ۱۸۹ وفی الدر المختار ج ۲ ص ۲۹۳ (طبع سعید کراچی) وحولھا ای الزکوٰۃ قمری لا شمسی وسیجئ الفرق ... الخ، وفی الھندیۃ ج ۱ ص ۱۷۵ (مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) العبرۃ فی الزکوٰۃ للحول القمری .. الخ

ہو جو 5 یا 10 ہزار روپے جمع ہوگئے ہیں، کیا ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ اور حج بھی فرض ہوگا؟

جواب: اس رقم پر زکوٰۃ دینی چاہئے کیونکہ مکان کا قرض مؤجل ہے اور قرض مؤجل علی الصحیح مانع وجوب زکوٰۃ نہیں۔ وعن ابی حنیفة لا یمنع وقال الصدر الشهید لا روایة فیه ولکل من المنع وعدمه وجه، زاد القهستانی عن الجواهر والصحیح انه غیر مانع (شامی ج ۲ ص ۵)۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۹/۹/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۶۵۰/۳۰ د)

بیمہ کمپنی میں جمع کرائی گئی رقم پر زکوٰۃ واجب ہے
کمپنی کے شیئرز پر زکوٰۃ واجب ہے

سوال: بیمہ کمپنی میں جو رقم جمع شدہ ہو اس پر ہر سال زکوٰۃ دی جائے گی؟ اگر اس پر زکوٰۃ ہے تو زکوٰۃ دیتے وقت اپنے مال میں اسے شمار کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

جواب: بیمہ کی جو رقم کمپنی میں جمع ہوتی ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے، ہر سال زکوٰۃ ادا کرتے وقت اسے اپنے مال میں ضرور شمار کریں۔

سوال: کسی کمپنی کے شیئرز خریدنے اگر جائز ہیں تو ان کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

جواب: کمپنی کے حصص خریدنا جائز ہے، بشرطیکہ ان کا کاروبار جائز ہو، اور حصص کی قیمت پر زکوٰۃ بھی واجب ہے۔[2]

فقط واللہ اعلم
۱۳۸۸/۵/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱۸/۹ الف)

فروخت شدہ زمین کی رقم اور کمپنیوں کے حصص پر زکوٰۃ کا حکم
زکوٰۃ پورے سرمایہ پر لازم ہے یا صرف منافع پر؟

سوال ۱- زرعی زمین فروخت کردی جائے اور روپے بینک میں رکھیں تو اس پر زکوٰۃ ہوگی یا کسی منافع بخش کاروبار میں لگانے سے زکوٰۃ لازم ہوگی؟

۲- اگر زرعی زمین کی آمدنی پورے سال نہ رکھی جائے بلکہ خرچ ہو جائے تو کیا اس پر زکوٰۃ

---

(۱) ج ۲ ص ۲۶۱ طبع سعید۔
(۲) [illegible] متعلق تفصیل کے لئے حضرت والا دامت برکاتہم کی کتاب "اسلام اور جدید معیشت [illegible]

واجب ہوگی؟

۳- اگر زرعی آمدنی حاصل ہونے کے بعد یہ رقم دورانِ سال کسی کمپنی کے حصص کی خرید پر لگادی جائے تو پورے سرمایہ پر زکوۃ واجب ہوگی یا ان حصص کی سالانہ آمدنی (نفع) پر؟

۴- اگر زرعی آمدنی کی رقم کسی تجارت میں لگادی جائے تو پورے سرمایہ پر زکوۃ ہوگی یا صرف سالانہ نفع پر اور اس نفع کا سال بھر ہمارے پاس رہنا ضروری ہے؟

جواب ۱- نقد روپیہ کے بارے میں اُصول یہ ہے کہ سال کے اختتام پر جتنا روپیہ جمع ہے خواہ وہ کہیں سے حاصل ہوا ہو، اس کا چالیسواں حصہ بطور زکوۃ نکال دیا جائے، زرعی زمینیں فروخت کرکے جو رقم حاصل ہوئی اس میں سے جو رقم اختتامِ سال پر موجود ہو اس پوری رقم پر زکوۃ واجب ہوگی۔

۲- نمبر ا میں بتایا گیا ہے کہ سال کے ختم پر جتنی رقم ہو اس کی زکوۃ نکال دی جائے، جو رقم دورانِ سال خرچ ہوگئی اس پر زکوۃ نہیں ہے۔[۱]

۳- کمپنیوں کے حصص جتنی مالیت کے ہوں، تو اس مالیت کو اور ان پر جو سالانہ منافع حاصل ہو ان کو نقد رقم میں شامل کرلیا جائے پھر مجموعے کی زکوۃ ادا کی جائے۔

۴- پورے مالِ تجارت پر زکوۃ ہوگی[۲] لیکن مالِ تجارت میں عمارت، دکان، مشین، فرنیچر شامل نہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۰/۱۱/۱ھ
(فتویٰ نمبر ۳۰۸/۱۲۱ الف)

قرضے سے زائد رقم بقدرِ نصاب ہو تو زکوۃ واجب ہے ورنہ نہیں

سوال- ایک شخص کے پاس بیس ہزار کا زیور ہے اور رہائشی مکان کی تعمیر کے سلسلے میں ستر ہزار کا مقروض ہے کیا یہ قرض ہوتے ہوئے اس کو اس بیس ہزار کی زکوۃ ادا کرنا ہوگی اور اگر سونے کی قیمت قرض کی رقم سے زیادہ ہو تو پھر زکوۃ اور صدقۂ فطر واجب ہوگا یا نہیں؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں جب تک اس کے پاس ستر ہزار سے بقدرِ نصاب زائد رقم یا زیور نہ ہو، اس پر زکوۃ اور صدقۃ الفطر واجب نہیں۔[۳]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۱/۱۰ھ

---

(۲) وفی الهدایة ج ۱ ص ۱۵۰ (رشیدیه کوئٹه) ومن کان له نصاب فاستفاد فی اثناء الحول مالا من جنسه ضمه الی ماله وزکاه سواء کان المستفاد من نمائه اولا وبای وجه استفاد ضمه ... الخ

(۳) [illegible]

کمپنی کے ریزروفنڈ پر زکوٰۃ کا حکم اور طریقہ

سوال:- محترمی مکرمی حضرت العلام مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب زید مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

بعد سلام مسنون! امید ہے کہ مزاج گرامی بخیر وعافیت ہوگا یہاں بحمد اللہ تعالیٰ سب بخیر و عافیت ہیں دُعا گو طالب دعا ہیں۔

ضروری گزارش یہ ہے کہ بنگلہ دیش میں اسلامی بینکوں کے نفع میں سے ایک معین حصہ قانوناً ریزروفنڈ (Reserve Fund) کے نام سے رکھا جاتا ہے اب اس ریزروفنڈ کی رقم پر ادائے زکوٰۃ واجب ہونے نہ ہونے پر یہاں کے علمائے کرام میں اختلاف ہو رہا ہے۔ معدودے چند علماء کی رائے ہے کہ قانون کی طرف سے جیسے شخص واجب علماء کی رائے ہے اس کے لئے بینک کو شخص قانونی قرار دے کر ادائے زکوٰۃ کو واجب کہا گیا ہے۔

دوسرے علماء کرام کی رائے یہ ہے کہ زکوٰۃ عبادت ہے اس کے لئے عاقل، بالغ، مسلم ہونا ضروری ہے اس لئے نابالغ مجنون کے مال پر زکوٰۃ واجب نہیں اسی طرح ریزروفنڈ کی رقم پر بھی چونکہ مالکان کو تصرف کا قانوناً اختیار نہیں ہے اس لئے زکوٰۃ واجب نہ ہو۔

اس بارے میں حضرت محترم کی رائے سے مطلع ہونے کا خواہش مند ہوں۔ والسلام

مفتی عبدالرحمٰن

مرکز الفکر الاسلامی بنگلہ دیش، گلشن ڈھاکہ

جواب:- مخدوم گرامی قدر حضرت مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

آنجناب کا گرامی نامہ بینکوں کے ریزروفنڈ پر زکوٰۃ کے بارے میں موصول ہوا، میں اس وقت سفر پر تھا، اس لئے جواب میں تاخیر ہوئی، معذرت خواہ ہوں۔

یہ مسئلہ صرف بینکوں کے ریزروفنڈ کا نہیں، بلکہ مشترک سرمائے کی تمام کمپنیوں کے ریزروفنڈ کا ہے، اس مسئلے پر جتنا کچھ بندہ نے غور کیا ہے، اس کا خلاصہ عرض کرتا ہوں

ریزروفنڈ درحقیقت کمپنی ہی کے اثاثوں کا حصہ ہے، جسے آئندہ کے خسارے وغیرہ کی تلافی کے لئے شرکاء نے تقسیم کرنے کی بجائے الگ کرکے رکھ لیا ہے، لیکن وہ انہی کی ملک ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے مملوک مال کا کچھ حصہ الگ کرکے اس لئے رکھ دے کہ آئندہ جب کوئی

بنیادی حیثیت سے کمپنی اس کو خرچ کرے گا، رہا یہ کہ جب تک کوئی رقم ریزرو فنڈ کا حصہ ہے اس پر شرکاء کو تصرف کا اختیار نہیں ہوتا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ پابندی خود شرکاء نے باہمی رضامندی سے لگائی ہے، اور وہ جب چاہیں حصہ داروں کی عمومی میٹنگ بلا کر اس شرط کو ختم کرسکتے ہیں، لہٰذا ان کا تصرف کی حفاظت برقرار ہے۔ نیز جب بھی کمپنی ختم ہوگی تو دوسرے اثاثوں کی طرح ریزرو فنڈ کے اثاثے بھی انہی شرکاء پر تقسیم ہوں گے، نیز اگر کوئی شخص کمپنی کے ختم ہونے سے پہلے اپنا حصہ فروخت کرے گا تو اس کی قیمت میں ریزرو فنڈ میں اس کا جو حصہ ہے وہ بھی منعکس ہوگا۔ لہٰذا ریزرو فنڈ بھی حصہ داروں کی ملکیت ہے، اور قابل زکوٰۃ ہے۔

البتہ ائمہ ثلاثہ، خصوصاً امام شافعی کے مسلک کے مطابق کمپنی پر خلطۃ الشیوع کی بنیاد پر بحیثیت کمپنی زکوٰۃ واجب ہے، لہٰذا وہ اپنے تمام قابل زکوٰۃ اثاثوں کی قیمت لگا کر اس پر زکوٰۃ ادا کرے گی جس میں ریزرو فنڈ بھی شامل ہوگا۔

لیکن حنفیہ کے مسلک میں چونکہ خلطۃ الشیوع معتبر نہیں ہے لہٰذا کمپنی پر بحیثیت کمپنی زکوٰۃ واجب نہیں ہے، بلکہ ہر حصہ دار کے اپنے حصے پر زکوٰۃ واجب ہے۔ ہر حصہ دار اپنی وجوب زکوٰۃ کی تاریخ میں اپنے حصے کی بازاری قیمت معلوم کرے، پھر اگر اس نے وہ حصے فروخت کرنے کی نیت سے خریدے ہیں تو کل بازاری قیمت کا چالیسواں حصہ ادا کرے۔ چونکہ بازاری قیمت میں کمپنی کے تمام اثاثے بشمول ریزرو فنڈ منعکس ہوتے ہیں، اس لئے ریزرو فنڈ کی زکوٰۃ الگ سے نکالنے کی ضرورت نہیں۔ اور اگر فروخت کی نیت سے نہیں، بلکہ شرکت جاری رکھنے کے لئے خریدے ہیں، تو اسے یہ حق ہے کہ کمپنی کے ناقابل زکوٰۃ اثاثوں کا تناسب اپنے حصے کی کل بازاری قیمت سے منہا کرے۔ مثلاً کمپنی کے ناقابل زکوٰۃ اثاثے (عمارت، فرنیچر، گاڑیاں وغیرہ) کل اثاثوں کا تیس فیصد ہیں تو وہ اپنے حصے کی بازاری قیمت میں سے تیس فیصد منہا کرسکتا ہے۔ ریزرو فنڈ چونکہ قابل زکوٰۃ اثاثوں میں شامل ہے، اس لئے اسے ناقابل زکوٰۃ اثاثوں کے تناسب میں شامل کرکے منہا نہیں کیا جائے گا۔ واللہ اعلم

محمد تقی عثمانی

۱۴۲۵/۵/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۸۰/۲۱۶ ط)

مشترکہ دُکان میں سے اپنے حصے کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

سوال - مشترکہ دکان کی زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ مثلاً ایک دکان میں میرا حصہ ۳۵ پیسے ہے، اس کی زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

طلعت محمود (راولپنڈی)

جواب :- برادرِ عزیز و مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محبت نامہ موصول ہوا، زکوٰۃ کے بارے میں آپ نے جو وضاحت طلب کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دکان میں آپ کا حصہ صرف ۳۵ پیسے ہے، باقی کسی اور کا ہے تو آپ پر صرف ۳۵ پیسے کی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ باقی زکوٰۃ اس کے ذمہ ہوگی جو اس کا مالک ہے۔

واللہ اعلم
۳۰/۲/۱۴۰۴ھ (۲)

دُکان کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ اور واجب الاداء وقابلِ وصول قرضوں اور نقد پر زکوٰۃ کا حکم

سوال :- میں اپنی دکان کی زکوٰۃ کس طرح ادا کروں اور حساب کیا کروں؟ اور کس سے سامان کی قیمت معلوم کی جائے؟ چھوٹے لوگوں سے مجھے لینے ہوتے ہیں، کچھ میں نے دینے ہیں، اور کتنی رقم ہونے پر زکوٰۃ ادا کروں؟

شجاعت محمود ([illegible])

جواب :- زکوٰۃ کا طریقہ یہ ہے کہ قمری حساب سے جس تاریخ کو آپ نے دکان قائم کی ہو اس کا ٹھیک ٹھیک اندازہ کرلیں، پھر ہر سال جب بھی وہ تاریخ آئے تو دیکھیں کہ اس تاریخ کو نقد روپیہ کتنا موجود ہے؟ اور بیچنے کے لائق سامان کتنا ہے؟ اس کی دکان میں قیمت لگالیں، پھر جتنی رقمیں دوسروں سے وصول ہونے والی ہیں وہ جوڑ لیں، ان تینوں چیزوں کی مجموعی قیمت لگالیں، پھر آپ کے اوپر جو قرضے واجب ہیں وہ اس مجموعی قیمت میں سے منہا کریں، جو رقم باقی بچے اگر وہ ۵۲ تولے چاندی کی قیمت کے برابر یا اس سے زائد ہو تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ نکال دیں۔ (۵)

دُعا میں یاد رکھنے کی درخواست ہے۔ والسلام

واللہ اعلم
۱۲/ربیع الاول ۱۴۰۷ھ (۶)

---

(۱) حوالے کے لئے دیکھئے ص ۵۹ کا حاشیہ نمبر ۱۔

(۲) یہ جواب حضرت والا دامت برکاتہم نے ایک جوابی خط میں تحریر فرمایا۔

(۳) حوالے کے لئے دیکھئے ص [illegible] کا حاشیہ نمبر ۳۔

(۴) حوالے کے لئے دیکھئے ص [illegible] کا حاشیہ نمبر [illegible]۔

(۵) حوالے کے لئے دیکھئے ص ۳۵ کا حاشیہ [illegible]۔

(۶) یہ جواب حضرت والا دامت برکاتہم نے خط کی صورت میں دیا۔

قرض پر وجوب زکوٰۃ کی تفصیل اور کس قسم کے قرض پر زکوٰۃ واجب ہے؟

سوال - میرا کسی پر قرض ہے، لیکن اس مقروض کی طرف سے ادائیگی کا پتہ نہیں، دے گا یا نہیں؟ کیونکہ اب اس کی استطاعت شاید نہیں ہے، اگر وہ ادا کردے کبھی، تو کیا مجھے اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟ اور اگر دینی ہوگی تو پچھلے تمام سالوں کی دینی ہوگی؟

طلعت محمود (راولپنڈی)

جواب - جہاں سے رقم ملنے سے بالکل مایوسی ہوگئی ہو، اس پر زکوٰۃ واجب نہیں،(۱) اگر آئندہ کبھی مل جائے تو صرف اسی سال کی زکوٰۃ دینی ہوگی، جس سال ملی ہے۔ ہاں اگر بالکل مایوسی نہ ہوئی ہو بلکہ دونوں احتمال ہوں کہ ملے یا نہ ملے تو اس کی زکوٰۃ موخر کرسکتے ہیں، لیکن جب ملے اس وقت پچھلے سالوں کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔(۲)

واللہ اعلم

۱۸/۹/۱۴۱۴ھ (۳)

(۱، ۲) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۴۶ کا جواب نمبر۱۲، ونمبر۱۳، اور اس کا حاشیہ نمبر۱ تا ۵۔

(۳) یہ فتویٰ حضرت والا دامت برکاتہم نے ایک جوابی خط میں تحریر فرمایا۔

فصل فی صدقة الفطر
(صدقہ فطر کے مسائل کا بیان)

چاول سے "صدقۃ الفطر" ادا کرنے کا طریقہ اور حکم

سوال :- حضرت والا کو جیسا کہ معلوم ہے کہ برمی اور بنگالی لوگوں کی خوراک چاول ہے لہٰذا ایک صاع گندم یا نصف صاع آٹے کی بجائے ایک صاع چاول درجہ اوّل یا نصف صاع چاول کا آٹا، فطرہ میں دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- نصوص میں چاول کی مقدار وارد نہیں ہوئی، لہٰذا اگر چاول سے صدقۃ الفطر نکالنا ہو تو پہلے نصف صاع گندم کی قیمت معلوم کی جائے، اس کے بعد اس قیمت میں جتنے چاول آتے ہوں، اتنے چاول نکال دیئے جائیں، لما فی الدر المختار: وما لم ینص علیه کذرة وخبز یعتبر فیه القیمة (شامی)۔[1]

واللہ اعلم
۱۳۹۶/۱۲/۲۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۲۶/۲۷ و)

زکوٰۃ اور فطرہ میں فرق

سوال :- زکوٰۃ مقبولہ اور صدقہ فطر میں کیا فرق ہے؟

جواب :- زکوٰۃ سالانہ مالی فریضہ ہے اور صدقۃ الفطر خاص عید کے دن کا فریضہ ہے۔

واللہ اعلم
۱۳۹۹/۹/۱۸ھ

صدقہ فطر کی مقدار

سوال :- "حیات المسلمین" نے صدقہ فطر فی کس دو روپیہ اعلان کیا ہے صحیح رقم کیا ہوتی ہے؟

جواب :- اصل میں فطرہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے، اس سال (۱۳۹۷ھ میں) پونے تین روپے تھی۔

واللہ اعلم
۱۳۹۷/۱۰/۱۰ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۲۴/۲۸ ج)

---

(۱) کتاب الزکوٰۃ باب صدقۃ الفطر ج ۲ ص ۳۶۳ طبع سعید کراچی، [illegible] کذا فی البحر ج ۲ ص ۳۱۲ (جدید ایڈیشن دار الاشاعت)۔

(۲) وفی تنویر الابصار (طبع سعید ج ۲ ص ۳۶۳) نصف صاع من بر او دقیقه او سویقه او زبیب وکذا فی الهدایة [illegible] ص ۱۹۱

صدقۂ فطر اور قربانی کے وجوب میں اپنے اور اپنے عیال کا نفقہ حوائجِ اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟

سوال:- صدقۂ فطر یا قربانی واجب ہونے میں قوت نفس خود و عیال، حوائج اصلیہ میں داخل ہے یا نہیں؟ اگر داخل ہے تو کتنے روز کا؟ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ''قوت یومیہ'' سے کیا مراد ہے؟

جواب:- اپنے اور اپنے عیال کا نفقہ بتصریح فقہاء حوائج اصلیہ میں داخل ہے، لیکن کتنے یوم کا نفقہ حوائج اصلیہ میں شمار ہوگا؟ اس کی تصریح فقہاء کے کلام میں نہیں ملی۔

صدقۃ الفطر کے معاملے میں ایک دن سے زائد کا نفقہ حاجت اصلیہ میں شمار نہیں ہوگا، اور لفظ ''قوت'' عام طور پر ''نفقۃ الیوم'' کے لئے بولا جاتا ہے۔ حنفیہ کی طرف سے وجوب صدقہ کے لئے ملک نصاب کی جو شرط عائد کی گئی ہے اس کی دلیل میں لا صدقة الا عن ظهر غنی، والید العلیا خیر من الید السفلی کی حدیث ذکر کی گئی ہے (فتح القدیر ج ۲ ص ۳۱)[1]۔

اور حرمت سوال، قوت یوم کی موجودگی میں ثابت ہے، ویؤیدہ ما فی الاشباہ والنظائر: الزکوة واجبة بقدرة میسرة فتسقط بهلاک المال بعد الحول وصدقة الفطر وجبت بقدرة ممکنة فلو افتقر بعد یوم العید لم تسقط (الاشباہ والنظائر مع شرحه ج: ۱ ص ۲۲۵ الفن الثانی)[2]۔

امام شافعیؒ کے نزدیک قوت یومیہ سے مراد مطلق ہے خواہ بغیر ملک نصاب کے ہو، لاستدلاله بحدیث ابن عمرؓ عنایه علی هامش الفتح ج ۲ ص ۳۱[3]۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۱/۱۹ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۱۴۳/۱۹ الف)

---

(۱) ج ۲ ص ۲۱۹ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
(۲) (طبع ادارة القرآن کراچی)۔
(۳) عنایة علی فتح القدیر ج ۲ ص ۲۱۹ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)

جس زمانے میں حکومت نے زکوٰۃ و عشر آرڈیننس کے نفاذ کا اعلان کیا تھا، اور اس آرڈیننس میں بینکوں اور دیگر اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا تھا، اس پر غور کرنے کے لئے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ کے تین اجلاس ہوئے، جن میں:

* حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب
  مفتی و مہتمم دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی۔
* حضرت مولانا مفتی محمد ولی حسن صاحبؒ
  مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
* حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
  مفتی دارالعلوم کراچی۔
* حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب
  استاذ و ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی۔
* حضرت مولانا مفتی سحبان محمود صاحب
  مفتی و شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی ۱۴۔
* حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب
  معین مفتی دارالعلوم کراچی ۱۴۔

شامل تھے، مجلس کی طرف سے جو متفقہ تحریر تیار کی گئی تھی وہ پیش خدمت ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکومت کا بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا شرعی حکم
(پہلا حصہ)

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، امّا بعد!

حکومت پاکستان نے سرکاری سطح پر زکوٰۃ اور عشر کی وصولی اور تقسیم کے لئے ایک آرڈیننس نافذ کیا ہے، جس کے ذریعے مسلمانوں پر واجب الادا زکوٰۃ کا ایک حصہ حکومت وصول کرکے اس کی تقسیم کا انتظام کرے گی۔

زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اسلامی حکومت کی ایک اہم ذمہ داری ہے، اور اگر حکومت یہ کام ٹھیک ٹھیک نظام کے مطابق قائم کرنے میں کامیاب ہوجائے تو یہ نفاذ شریعت کی طرف ایک نہایت مبارک قدم ہوگا اور انشاء اللہ اس ملک کے مسلمان اس کی دینوی اور اخروی برکات سے بہرہ ور ہوسکیں گے لیکن اس نظام کو سرکاری سطح پر جاری کرتے وقت حکومت کو یہ بات پوری طرح ذہن نشین رکھنی چاہئے کہ نظام زکوٰۃ کا نفاذ اسلامی معیشت کے قیام کے لئے جتنا ضروری اور اہم ہے اتنا ہی نازک اور توجہ طلب بھی ہے، زکوٰۃ دوسرے محاصل یا ٹیکسوں کی طرح کوئی ٹیکس نہیں ہے، بلکہ یہ وہ عظیم الشان عبادت ہے جو اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک اہم رکن قرار دی گئی ہے، لہٰذا اس میں عبادت اور اطاعت خداوندی کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

حکومت، زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم کا انتظام اپنے ذمے لے کر ایک ایسی گراں بار اور نازک ذمہ داری اپنے سر لے رہی ہے جو اس کے دینی جذبے، اس کے اخلاص اور اس کے حسن انتظام کے لئے ایک زبردست آزمائش اور امتحان کی حیثیت رکھتی ہے، اس میں حکومت کو ایک طرف تو اس بات کا پورا لحاظ رکھنا ہوگا کہ کسی مسلمان کے ساتھ زکوٰۃ کی وصولی میں کوئی ناانصافی نہ ہونے پائے، اور جتنی رقم

اس کے نفاذ سے شرعاً واجب الاداء ہے اس سے ایک پائی بھی زائد وصول نہ ہو، کیونکہ حدیث پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:-

اَلْمُعْتَدِیْ فِی الصَّدَقَۃِ کَمَانِعِھَا.[1]

یعنی زکوٰۃ وصول کرنے میں زیادتی کرنے والا ایسا ہی گنہگار ہے جیسے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والا۔

اور دوسری طرف اس بات پر کڑی نظر رکھنی ہوگی کہ زکوٰۃ سے حاصل ہونے والی یہ مقدس رقوم ٹھیک شریعت کے مطابق اس کے صحیح مستحقین تک پہنچیں، اور اس میں کوئی خیانت، خورد برد، بدنظمی یا شرعی احکام سے تجاوز نہ ہونے پائے، زکوٰۃ کے تقدس کا اندازہ اس بات سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے مصارف کا تعین انبیاء علیہم السلام پر بھی نہیں چھوڑا، بلکہ اسے بذات خود قرآن کریم میں متعین فرما دیا ہے، چنانچہ جب تک زکوٰۃ کو ان مصارف پر صحیح طور سے خرچ کرنے کا اطمینان بخش انتظام نہ ہو جائے زکوٰۃ کا مقصد پورا نہیں ہوسکتا، لہٰذا اگر حکومت زکوٰۃ کی وصولی اور تقسیم دونوں کا نظام صحیح طور سے منظم کرنے میں کامیاب ہو جاتی ہے تو یہ اس کا ایک عظیم کارنامہ ہوگا، جس کی برکات انشاء اللہ کھلی آنکھوں محسوس ہوں گی!

لیکن اگر خدانخواستہ زکوٰۃ کی ان مقدس رقوم کو مستحقین تک پہنچانے کا انتظام صحیح نہ ہوا تو کروڑوں مسلمانوں کی عبادت خراب ہونے کا وبال بھی حکومت پر دنیا و آخرت میں بڑا سنگین ہوسکتا ہے، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حکومت کو اس کڑی آزمائش میں پورا اترنے کی توفیق کامل عطا فرمائے اور اس نازک مرحلے کو اس کے لئے آسان فرمائے، آمین۔

لیکن اس مقصد کے حصول کے لئے پہلا قدم یہ ہونا چاہئے کہ زکوٰۃ وعشر کا جو قانون نافذ کیا جائے، وہ شرعی اعتبار سے درست ہو اور اس میں شرعی لحاظ سے کوئی سقم باقی نہ رہے، اور دوسرا قدم یہ ہونا چاہئے کہ اس قانون کے مطابق عمل بھی درست ہو، جہاں تک قانون کا تعلق ہے مجلس تحقیق مسائل حاضرہ نے جنوری میں جاریہ زکوٰۃ وعشر آرڈیننس پر غور کیا اور شرعی نقطۂ نظر سے اس کا جائزہ لینے کے بعد مندرجہ ذیل تبصرہ اتفاق رائے کے ساتھ منظور کیا گیا۔

نصابِ زکوٰۃ

اس آرڈیننس کی سب سے زیادہ سنگین غلطی یہ ہے کہ اس میں ہر اس شخص پر زکوٰۃ کی

---

(۱) جامع الترمذی باب المعتدی فی الصدقۃ ج ۱ ص ۱۴۰ (طبع ایچ ایم سعید)

کٹوتی لازم کردی گئی ہے، جس کے بینک اکاؤنٹ میں زکوٰۃ منہا کرنے کے دن ایک ہزار روپے سے زائد رقم جمع ہو، اور بینکوں کے علاوہ دوسرے مالیاتی اداروں میں یہ ایک ہزار روپے کی قید بھی نہیں ہے، چنانچہ ان اکاؤنٹس کے حامل افراد کو ان کے اکاؤنٹوں کی مالیت کا لحاظ کئے بغیر لازمی طور پر زکوٰۃ کا مستوجب قرار دے دیا گیا ہے، یہ شرعی لحاظ سے انتہائی سنگین غلطی ہے، اور عملاً اس قانون سے بہت سے لوگوں کے ساتھ یہ زیادتی ہوسکتی ہے کہ ان پر شرعاً زکوٰۃ واجب نہ ہونے کے باوجود ان سے زکوٰۃ وصول کرلی جائے۔

شریعت کی رو سے زکوٰۃ صرف اس شخص پر فرض ہے جو نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی ہی مالیت کی نقدی یا سونے یا مال تجارت کا مالک ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر اس کی ملکیت میں ہو، البتہ اگر کسی شخص کے پاس سونے کے سوا کوئی چیز موجود نہ ہو تو اس کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ہے، پھر اگرچہ شرعاً زکوٰۃ کی فرضیت کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر ہر رقم پر علیحدہ سال پورا ہو، لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ سال کی ابتداء میں اور آخر میں کم از کم بقدر نصاب مالیت کا مالک رہا ہو، آرڈیننس میں زکوٰۃ کی ان بنیادی شرائط کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔

لہٰذا اگر نظام زکوٰۃ کو واقعۃً شرعی اصولوں کے مطابق قائم کرنا ہے تو آرڈیننس میں ایک ترمیم ناگزیر ہے، جس کی رو سے زکوٰۃ صرف انہی افراد سے وصول کی جائے جن کے ذمے شرعاً زکوٰۃ فرض ہے، اور اس کا عملی طریقہ یہ ہے کہ دفعہ ۲ ذیل ۲۳ میں ''صاحب نصاب'' کی جو تعریف لکھی گئی ہے یعنی:-

صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کے ذمے اس آرڈیننس کی رو سے زکوٰۃ واجب الاداء ہو۔

اسے تبدیل کرکے ''صاحب نصاب'' کی تعریف اس طرح کی جائے:-

''صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ یا سونا یا سامان تجارت ہو، یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو''

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کرکے اس کی قیمت کو وصولی زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے، یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

سال گزرنے کا مسئلہ

زکوۃ کی فرضیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ مقدار نصاب پر پورا سال گزر چکا ہو، پورا سال گزرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص ایک مرتبہ صاحب نصاب ہو جائے اور سال کے اختتام پر صاحب نصاب رہے (درمیان میں اگرچہ نصاب سے کم رہ جائے، البتہ بالکل ختم نہ ہو) تو سال کے اختتام پر جتنی بھی رقم اس کی ملکیت میں ہو، اس ساری رقم پر شرعاً زکوۃ واجب الاداء ہوتی ہے، خواہ اس رقم کا کچھ حصہ ایک دن پہلے ہی اس کی ملکیت میں آیا ہو، لہذا ہر رقم پر سال گزرنا ضروری نہیں ہے۔

موجودہ آرڈیننس کے تحت ایسی صورتیں عملاً ممکن ہیں کہ جس تاریخ میں کسی شخص کے کھاتے سے زکوۃ وضع کی جائے، اس سے صرف چند روز پہلے ہی وہ صاحب نصاب بنا ہو، ایسی صورت میں اس سال ایسے شخص سے جبراً زکوۃ وضع کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔

لہذا آرڈیننس میں ایسی گنجائش موجود ہونی چاہئے کہ اگر کوئی شخص یہ ثابت کر دے کہ اسے مقدار نصاب کا مالک بنے ہوئے سال پورا نہیں ہوا تو اس کی زکوۃ وضع نہ کی جائے!

قرضوں کا مسئلہ

آرڈیننس میں قرضہ جات کو قابل زکوۃ رقم سے منہا کرنے کی بھی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی، اس سلسلے میں فقہائے امت کے مذاہب کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہر طرح کے قرضے زکوۃ سے منہا کرنے کے بعد زکوۃ واجب ہوتی ہے، امام شافعی کا قدیم قول بھی یہی ہے، امام مالک کے نزدیک قرضے اموال باطنہ کی زکوۃ سے مانع ہیں، اموال ظاہرہ کی زکوۃ سے نہیں، اور امام شافعی کا قول جدید یہ ہے کہ کسی بھی طرح کا قرض زکوۃ سے منہا نہیں ہوگا۔ (ملاحظہ ہو المجموع شرح المہذب ج: ۵ ص: ۳۱۳، ۳۱۴)۔[1]

موجودہ حالات ایسے ہیں کہ جس کسی شخص نے اپنی ضروریات زندگی کے لئے کوئی قرض لیا ہو، اس کو زکوۃ سے منہا نہ کرنا اس شخص پر زیادتی ہوگی۔ البتہ یہ مسئلہ ہمیشہ اہل علم کے نزدیک زیر غور رہا ہے کہ آج کل بڑے بڑے سرمایہ دار اپنی پیداواری اغراض کے لئے جو قرضے لیتے ہیں، اگر ان سب کو منہا کیا جائے تو ان پر بعض صورتوں میں شاید کبھی بھی زکوۃ واجب نہ ہو، جو مقاصد شریعت کے بالکل خلاف ہے، اس لئے ایسے قرضوں کے بارے میں اگر امام شافعی کے مسلک پر عمل کرتے ہوئے یہ کہا جائے کہ وہ زکوۃ سے منہا نہیں کئے جائیں گے تو یہ مناسب ہے۔

---

(۱) المجموع شرح المہذب، کتاب الزکاۃ، باب هل يمنع الدين وجوب الزكاة فيه، ج: ۵ ص: [illegible] طبع دار الفكر للطباعة

۱۲ ربیع الاول ۱۳۹۹ ہجری کو زکوٰۃ آرڈیننس کے جس مسودے کو رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے مشتہر کیا گیا تھا، اس میں بھی قرضوں کی منہائی کی گنجائش موجود تھی۔ اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے "مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" نے اس وقت بھی یہی رائے ظاہر کی تھی (ملاحظہ ہو ماہنامہ "بینات" جمادی الثانیہ ۱۳۹۹ھ صفحہ: ۸)۔

لہٰذا مجلس کی رائے میں نصاب، زکوٰۃ اور قرضوں کے بارے میں تجاویز کو مدنظر رکھتے ہوئے، آرڈیننس کی دفعہ ۳ مجوزہ ترمیم کے بعد اس طرح ہونی چاہئے:-

> آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحبِ نصاب شخص سے شیڈول نمبر ۱ میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق ہر سال زکوٰۃ کے انتظام پر لازمی زکوٰۃ وصول کی جانے کی شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ تاریخِ زکوٰۃ سے ایک دن اس سے قبل زکوٰۃ بمد مشمولات و نصاب کی مقدار تک پہنچتے ہوئے پورا سال نہیں گزرا تو اس سے مذکورہ تاریخ سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی، مزید شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ وہ مقروض ہے اور اس نے قرضہ کسی پیداواری غرض سے نہیں لیا تو اس کے قرضے کی رقم کو قابلِ زکوٰۃ رقم سے منہا کیا جائے گا۔

اموالِ ظاہرہ و باطنہ

بینک اکاؤنٹ اور دوسرے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ منہا کرنے پر ایک علمی اشکال یہ ہے کہ فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق حکومت کو صرف اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہوتا ہے، اموالِ باطنہ سے نہیں، عام طور پر فقہاء نے صرف چار اموال میں چرنے والے مویشیوں، کھیتوں اور باغات کی پیداوار اور اس مالِ تجارت کو جو شہر سے باہر لے جایا جا رہا ہو، اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا ہے اور نقدی، زیورات وغیرہ باقی تمام قابلِ زکوٰۃ اموال کو اموالِ باطنہ قرار دیا ہے۔ بینک اکاؤنٹس چونکہ بصورتِ نقد ہوتے ہیں، اس لئے علمی طور پر یہ سوال قابلِ غور ہے کہ حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

اس مسئلے پر غور کرنے کے بعد مجلس اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ:-

موجودہ دور میں بینک اکاؤنٹس کو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا جا سکتا ہے۔

اس مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کے عہدِ مبارک میں اموالِ ظاہرہ و باطنہ کی کوئی تفریق نہیں تھی، بلکہ دونوں قسم کے

اموال سے زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی جاتی تھی، لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے عہد خلافت میں جب قابل زکوٰۃ اموال کی کثرت ہوئی اور آپ نے یہ محسوس فرمایا کہ عاملین زکوٰۃ لوگوں کے گھروں اور دکانوں میں تفتیش کرنے کی اجازت کی چھان بین کریں گے تو اس سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، اور اس سے ان کے مکانات، دکانوں، گوداموں اور محفوظ شخصی مقامات کی نجی حیثیت مجروح ہوگی تو آپ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ صرف ان اموال کی زکوٰۃ حکومت کی سطح پر وصول کی جائے جن کی زکوٰۃ وصول کرنے میں یہ مشکلات لاحق نہ ہوں، اور جن کا حساب کرنے کے لئے گھروں اور دکانوں کی تلاشی نہ لینی پڑے، ایسے اموال اس زمانے میں صرف دو قسم کے تھے، یعنی مویشی اور زرعی پیداوار، چنانچہ صرف ان کی زکوٰۃ آپ نے سرکاری سطح پر وصول کرنے کا اعلان فرمایا اور باقی اموال کو اموال باطنہ قرار دے کر ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی خود مالکان کی ذمہ داری قرار دے دی۔

بعد میں جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا دور آیا تو انہوں نے شہروں کے باہر سڑکوں پر چوکیاں مقرر فرمائیں کہ جب کوئی شخص مال تجارت لے کر یہاں سے گزرے تو اس سے وہیں زکوٰۃ وصول کرلی جائے، اس موقع پر شہر سے باہر جانے والے مال تجارت کو بھی اموال ظاہرہ میں شمار کیا گیا، کیونکہ حکومت کو اس کی زکوٰۃ وصول کرنے اور اس کا حساب رکھنے کے لئے مالکان کے گھروں، دکانوں اور نجی مقامات کی تلاشی کی ضرورت نہیں تھی۔

مذکورہ بالا صورت حال کی وضاحت کے لئے حضرات فقہاء کرام کی تصریحات درج ذیل ہیں:

۱- علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

ظاهر قوله تعالى خذ من أموالهم صدقة الآية توجب حق أخذ الزكاة مطلقا للإمام، وعلى هذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده، فلما ولي عثمان وظهر تغير الناس كره أن تفتش السعاة على الناس مستور أموالهم، ففوض الدفع إلى الملاك نيابة عنه ولم تختلف الصحابة عليه في ذلك وهذا لا يسقط طلب الإمام أصلا، ولهذا لو علم أن أهل بلدة لا يؤدون زكاتهم طالبهم بها. (فتح القدير ج ١ ص ٣٨٧)[1]

۲:- امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

وقوله تعالى خذ من أموالهم صدقة، يدل على أن أخذ الصدقات إلى الإمام وأنه متى أداها من وجبت عليه إلى المساكين لم يجزه، لأن حق

(١) طبع قديم مطبعة كبرى اميريه مصر

الامام قائم في اخذها فلا سبيل له الى اسقاطه، وقد كان النبي صلى الله عليه وسلم يوجه العمال على صدقات المواشي ويأمرهم بان يأخذوها على المياه في مواضعها.

آگے تحریر فرماتے ہیں:-

اما زكوة الأموال فقد كانت تحمل الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وابي بكرؓ وعمرؓ وعثمانؓ ثم خطب عثمانؓ فقال "هذا شهر زكاتكم، فمن كان عليه دين فليؤده، ثم ليزك بقية ماله" فجعل لهم اداءها الى المساكين، وسقط من اجل ذلك حق الامام في اخذها، لأنه عقد عقده امام من ائمة العدل، فهو نافذ على الأمة لقوله عليه السلام "ويعقد عليهم اولهم" ولم يبلغنا انه بعث سعاة على زكاة الأموال كما بعثهم على صدقات المواشي والثمار في ذلك، لأن سائر الأموال غير ظاهرة للامام، وانما تكون مخبوة في الدور والحوانيت والمواضع الحريزة ولم يكن جائزا للسعاة دخول احرازهم ولم يجز ان يكلفوهم احضارها.

ولما ظهرت هذه الأموال عند التصرف بها في البلدان اشبهت المواشي فنصب عليها عمالا يأخذون منها ما وجب من الزكاة، ولذلك كتب عمر بن عبدالعزيزؒ الى عماله أن يأخذوا مما يمر به المسلم من التجارات من كل عشرين دينارا نصف دينار.

(احكام القرآن ج:۳ ص:۱۵۵، مطبوعه استنبول ۱۳۳۵ھ)[1]

۳:- فقہ حنفی کی معروف کتاب الاختیار میں ہے:-

لأن الاخذ كان للامام وعثمان رضي الله تعالى عنه فوّضه الى الملاك وذلك لا يسقط حق طلب الامام، حتى لو علم ان اهل بلدة لا يؤدون زكاتهم طالبهم بها ولو مر بها على الساعي كان له اخذها.

(الاختيار ج:۱ ص:۱۰۰)[2]

۴ - اور صاحب ہدایہ تحریر فرماتے ہیں:-

(۱) وكذا في طبع سهيل اكيڈمي لاهور

(۲) طبع مكتبه مصطفى البابى مصر.

ومن مر على عاشر بمائة درهم واخبره ان له في منزله مائة اخرى وقد حال عليها الحول لم يزك التي مر بها لقلتها، وما في بيته لم يدخل تحت حمايته. (فتح القدير ج ۲ ص:۵۳۶)[1]

فقہاءِ کرام کی مندرجہ بالا تصریحات سے یہ بات واضح ہے کہ نقد روپیہ اور سامانِ تجارت اس وقت تک اموالِ باطنہ رہتے ہیں جب تک وہ پوشیدہ نجی مقامات پر مالکان کے زیرِ حفاظت ہوں، ایسے اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے میں چونکہ ان نجی مقامات میں دخل اندازی کرنی پڑتی ہے، اس لئے انہیں حکومت کی وصولیابی سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، لیکن جب یہی اموال مالکان خود نجی مقامات سے نکال کر باہر لے آئیں، اور وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں تو وہ اموالِ ظاہرہ کے حکم میں آجاتے ہیں، اور حکومت کو ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کا اختیار ہو جاتا ہے، گویا کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شمار ہونے کے لئے دو بنیادی امور ضروری ہیں:-

ایک یہ کہ وہ ایسے نجی مقامات پر رکھے ہوئے نہ ہوں جہاں سے ان کا حساب کرنے کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کرنی پڑے، كما في العبارة الاولى والثانية، اور دوسرے یہ کہ وہ حکومت کے زیرِ حفاظت آجائیں، كما في العبارة الرابعة۔

اگر اس معیار پر موجودہ بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیا جائے تو ان میں یہ دونوں باتیں پوری طرح موجود ہیں، ایک طرف تو یہ وہ اموال ہیں جنہیں ان کے مالکان نے اپنی حرز (حفاظت) سے نکال کر خود حکومت پر ظاہر کر دیا ہے، اور ان کے حساب میں نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہیں ہے، دوسرے یہ کہ یہ اموال حکومت کے زیرِ حمایت ہی نہیں، بلکہ زیرِ ضمانت آچکے ہیں، بالخصوص جبکہ بینک سرکاری ملکیت میں ہیں اور ان کو جو سرکاری تحفظ حاصل ہے وہ عاشر پر گزرنے والے اموال کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اس لئے مجلس کی رائے یہ ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھے ہوئے اموال، اموالِ ظاہرہ کے حکم میں ہیں اور حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کر سکتی ہے۔

اور اگر بالفرض انہیں یا ان میں سے بعض کو اموالِ باطنہ ہی قرار دیا جائے تب بھی فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ جس علاقے کے لوگ از خود زکوٰۃ ادا نہ کریں تو وہاں حکومت اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کا بھی مطالبہ کر سکتی ہے، جیسا کہ فتح القدیر اور تفسیرات احمدیہ کی عبارتوں میں اس کی تصریح گزر چکی ہے اور یہی مسئلہ بدائع الصنائع جلد:۲ صفحہ:۷ میں بھی موجود ہے۔

(۱) فتح القدير ج ۱ ص ۵۳۶ طبع مكتبه كبرى اميريه مصر

زکوٰۃ کی نیت کا مسئلہ

بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے جبراً زکوٰۃ وضع کرنے کے بارے میں ایک دوسرا علمی اشکال یہ ہوسکتا ہے کہ زکوٰۃ ایک عبادت ہے اور دوسری عبادتوں کی طرح اس کی ادائیگی میں بھی نیت ضروری ہے، لیکن جب مذکورہ اداروں میں جبراً زکوٰۃ وضع کی جائے گی تو اس میں مالکان کی طرف سے شاید نیت نہ ہوسکے؟

فقہائے کرام کی تصریحات میں اس اشکال کا بھی حل موجود ہے، اور وہ یہ کہ حکومت کو جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے، ان میں حکومت کا وصول کرلینا بذاتِ خود نیت کے قائم مقام ہوجاتا ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

> وفي مختصر الكرخي رحمه الله تعالى اذا اخذها الامام كرها فوضعها موضعها اجزأ لان له ولاية اخذ الصدقات فقام اخذه مقام دفع المالك، وفي القنية فيه اشكال، لان النية فيه شرط ولم توجد منه اهـ قلت قول الكرخي رحمه الله تعالى فقام اخذه الخ يصلح للجواب، تامل
>
> (رد المحتار ج:۲ ص:۳۳)(۱)

بینک اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی حیثیت

بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر تیسرا اشکال یہ بھی ہوسکتا ہے کہ بینکوں میں جو رقوم جمع کرائی جاتی ہیں، وہ فقہی اعتبار سے قرض کے حکم میں ہیں اور مقروض کو یہ حق نہیں پہنچتا ہے کہ وہ قرض خواہ کی رقم سے زکوٰۃ وصول کرلے۔

لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض بن جانے کے بعد تو یہ اموال مضمون ہونے کی بنا پر اور زیادہ سرکاری تحفظ میں آگئے ہیں، ان کے قرض ہونے سے حکومت کے وصولِ زکوٰۃ کے حق پر کوئی منفی اثر نہیں پڑتا، یہ بلاشبہ دینِ قوی ہے، جس پر بالاتفاق زکوٰۃ فرض ہے، اور بینکوں کے سرکاری ملکیت ہونے کی وجہ سے یہ رقوم حکومت کے صرف علم ہی میں نہیں، بلکہ اس کے قبضے اور ضمانت میں آجاتی ہیں، اس لئے اگر حکومت ولایتِ عامہ کی بنا پر ان سے زکوٰۃ وضع کرے تو اس میں کوئی شرعی قباحت نہیں ہے۔

محتاط طریقہ

لیکن مجلس یہ سمجھتی ہے کہ بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے کا

(۱) رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۰ (طبع ایچ ایم سعید)

متعلقہ حکومت پر ہوتا ہے جب کوئی شخص ان اداروں میں اپنی رقم رکھوانے کے لئے آئے تو وہ ایک فارم پر کرے جس میں اس کی طرف سے متعلقہ ادارے کو یہ اختیار دیا گیا ہو کہ وہ تادیۂ زکوۃ کے لئے اس کی رقم سے زکوۃ منہا کر کے زکوۃ فنڈ میں دے دے، اس طرح یہ ادارے مالکان کی طرف سے باقاعدہ وکیل بالادائے زکوۃ بن جاتے ہیں، لہٰذا اس میں نہ اصول [illegible] کی بنیاد پر کوئی اشکال باقی رہتا ہے، نہ نیت کی بنیاد پر، اور نہ اکاؤنٹس کے قرض ہونے کی بنیاد پر۔

سودی اکاؤنٹس اور زکوۃ

بینک اکاؤنٹس سے زکوۃ وصول کرنے پر ایک مرتبہ بعض حلقوں میں یہ بحث اٹھی کہ یہ سودی اکاؤنٹس ہیں، اور سود اور زکوۃ دونوں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک اسلامی حکومت میں سودی کاروبار کا وجود ملک کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے اور [illegible] زکوۃ کا نظام جاری کرنے کے بعد [illegible] آمدنی کو باقی رکھنے کا کوئی جواز نہیں ہے، لہٰذا حکومت کا فرض ہے کہ وہ جلد از جلد مسلمانوں کو سودی نظام کی اس لعنت سے نجات دلائے۔

لیکن جہاں تک زکوۃ کی ادائیگی کا تعلق ہے تو یہ بات ہے کہ اگر کسی شخص کی آمدنی حلال و حرام سے مخلوط ہو اور وہ مجموعے پر سے زکوۃ نکالے تو اس میں کوئی قباحت نہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ حلال آمدنی کا ڈھائی فیصد شرعاً زکوۃ ہوگا اور حرام آمدنی کا ڈھائی فیصد زکوۃ نہیں ہوگا، بلکہ وہ صدقہ ہوگا جو حرام آمدنی سے جان چھڑانے کی غرض سے دیا جاتا ہے، اصل شرعی حکم یہ ہے کہ سود [illegible] کوئی شخص وہ وصول کرے تو وہ سارے کا سارا واجب التصدق ہے۔ اب اگر حکومت نے اس میں سے ڈھائی فیصد زکوۃ فنڈ میں لے لیا ہے (جبکہ زکوۃ فنڈ میں صدقات نافلہ اور عطیات بھی شامل ہیں) تو [illegible] باقی [illegible] صدقہ [illegible] زکوۃ نہیں [illegible]۔

مثال کے طور پر ایک شخص کے ایک ہزار روپے بینک میں جمع ہیں اور اس پر سو روپے سود کا اضافہ ہوا تو حکومت گیارہ سو روپے پر ڈھائی فیصد کے حساب سے ساڑھے ستائیس روپے وصول کرے گی، ان ساڑھے ستائیس روپوں میں سے پچیس روپے تو اس شخص کے اصل ایک ہزار روپے کی زکوۃ ہے اور ڈھائی روپے زکوۃ نہیں [illegible] پوری کی پوری صدقہ ہونی چاہئے تھی اس کا [illegible] بھی زکوۃ فنڈ میں چلا جائے تو اس میں کوئی قباحت نہیں ہے کیونکہ اس کا مصرف بھی فقراء ہی ہیں۔

نابالغ کی زکوٰۃ

امام ابوحنیفہ کے نزدیک وجوب زکوٰۃ کے لئے صاحب نصاب کا عاقل و بالغ ہونا شرط ہے، جبکہ امام شافعی اور امام مالکؒ کے نزدیک نابالغ اور فاتر العقل کے مال پر بھی زکوٰۃ لازم ہے، آرڈیننس میں چونکہ بالغ یا نابالغ کے اکاؤنٹس میں کوئی فرق نہیں کیا گیا اس لئے اس میں غالباً شافعی مسلک اختیار کیا گیا ہے، اور لوگوں کے موجودہ حالات کے پیش نظر اگر ضرورت داعی ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

ترکے کا مال

البتہ بینک اکاؤنٹس میں بعض ایسے بھی ہوسکتے ہیں جو کسی مرحوم شخص کا ترکہ ہوں، چونکہ مرحوم کے انتقال کے ساتھ ہی ان اموال پر ورثاء کا حق ثابت ہوجاتا ہے اور ورثاء میں سے ہر ایک کا صاحب نصاب ہونا ضروری نہیں، اس لئے اس مال سے بھی زکوٰۃ وصول کرنا درست نہیں ہوگا، لہذا آرڈیننس میں یہ استثناء بھی ہونا چاہئے کہ:

> جو شخص زکوٰۃ وضع کرنے کے دن انتقال کرچکا ہو، اس کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

کمپنیاں اور شیئرز

آرڈیننس میں "کمپنیوں" کو بھی صاحب نصاب قرار دیا گیا اور کمپنیوں کے حصص کو بھی شیڈول نمبر (۱) میں درج کرکے ان سے زکوٰۃ وضع کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر کمپنی کے بینک اکاؤنٹ سے بحیثیت فرد قانونی الگ زکوٰۃ وصول کی جائے گی اور اس کمپنی کے حصہ داروں سے ان کے حصص پر الگ زکوٰۃ وصول ہوگی، اگر واقعہ یہی ہے تو یہ طریقہ شریعت کے خلاف ہے، کیونکہ اس میں ایک ہی مال سے سال میں دو مرتبہ زکوٰۃ وصول ہونے کا احتمال ہے جو کسی طرح جائز نہیں، لہذا اگر کمپنیوں سے زکوٰۃ وصول کی جارہی ہے تو حصہ داروں سے الگ زکوٰۃ وصول نہ کی جائے، اور اگر حصہ داروں سے وصول کی جارہی ہے، تو کمپنیوں سے وصول نہ کی جائے۔ ان دونوں صورتوں میں سے مجلس کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ حصص پر وصول کی جائے۔

عشر بصورت نقد

آرڈیننس میں عشر کا بھی ایک حصہ لازماً وصول کرنے سے مستثنیٰ رکھا گیا ہے، مثلاً بارانی زمینوں کی پیداوار کا پانچ فی صد اور اس کے علاوہ ہر قسم کی زمینوں میں کاشت کار کا حصہ مستثنیٰ رکھا گیا،

لیکن ساتھ ہی یہ تصریح کردی ہے کہ ان پر شرعاً عشر واجب ہے جسے مالکان اپنے طور پر ادا کریں گے، اس عمل میں شرعاً کوئی خرابی نہیں، البتہ آرڈیننس کی دفعہ ۵ ذیل ۵ میں صراحت کی گئی ہے کہ عشر بصورت نقد وصول کیا جائے گا، صرف سندھ اور بلوچستان کے بارے میں یہ استثناء رکھا گیا ہے کہ اگر صوبائی زکوۃ کونسل چاہے تو اسے بصورتِ جنس وصول کرلے۔

مجلس کی رائے میں یہ حصہ بھی قابلِ ترمیم ہے کیونکہ شرعاً عشر کو بصورتِ نقد ادا کرنا لازم نہیں بلکہ شریعت نے اس میں مالک پیداوار کی سہولت کو ملحوظ رکھا ہے، لہٰذا یہ پابندی ختم کرکے اس معاملے کو مالک پیداوار کی صوابدید پر چھوڑنا چاہیے۔

چوتھائی پیداوار کا عشر سے استثناء

آرڈیننس میں زرعی پیداوار کے چوتھائی حصے کو اخراجات کی مد میں عشر سے مستثنیٰ کرنے کی گنجائش رکھی گئی ہے اگرچہ بعض اسلاف کے اقوال اس قسم کے منقول ہیں کہ زرعی پیداوار کے چوتھائی حصے کو اخراجات کی مد میں سے مستثنیٰ کیا جاسکتا ہے (ملاحظہ ہو فتح الباری، باب خرص التمر ج ۳ ص ۳۴۴) لیکن فقہائے حنفیہ اور اکثر فقہاء کے مسلک میں یہ چھوٹ نہیں ہے، لہٰذا اگر حکومت یہ چوتھائی حصہ سرکاری وصولی سے مستثنیٰ کرنا چاہتی ہے تو ساتھ ہی یہ اعلان بھی کرنا چاہئے کہ اس حصے کا عشر مالکان خود ادا کریں۔

تاریخ زکوۃ

موجودہ آرڈیننس کے مطابق یہ زکوۃ کا سال یکم رمضان المبارک سے شروع ہوکر شعبان کے آخری دن پر ختم ہوگا، اور یہ بات اطمینان بخش ہے کہ شریعت کے مطابق زکوۃ کی تقسیم کے لئے ہجری سال کو اختیار کیا گیا ہے، لیکن مختلف اثاثوں کی قیمت لگانے کے لئے شیڈول نمبر (۱) میں مختلف تاریخیں مقرر کی گئی ہیں، یہ صورت حال شرعاً درست نہیں ہے، شرعی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص صاحبِ نصاب بن جائے تو اس کی ہر رقم کے لئے الگ سال شمار نہیں کیا جاتا، بلکہ اس کے تمام اثاثوں کے لئے زکوۃ کے وجوب کی ایک ہی تاریخ ہوتی ہے، لہٰذا صحیح طریقہ یہ ہے کہ تمام اثاثوں میں قیمت لگانے کی تاریخ ایک ہی رکھی جائے۔

البتہ اس قیمت کی بنیاد پر زکوۃ وضع کرنے کی تاریخیں مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہوسکتی ہیں۔

---

(۱) فتح الباری باب خرص التمر ج ۳ ص ۳۴۴ الی ص ۳۴۷ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور.

قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کی زکوٰۃ

آرڈیننس کے شیڈول نمبر (۲) میں ان اشیاء کی فہرست دی گئی ہے جن پر حکومت از خود زکوٰۃ وصول نہیں کرے گی، بلکہ مالکان پر بطور خود ان کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہے۔ اس فہرست میں قیمتی پتھروں اور مچھلیوں پر بھی زکوٰۃ عائد کی گئی ہے حالانکہ ان دونوں اشیاء پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں ہے جب تک تجارت کی نیت سے نہیں خریدا گیا ہو، لہٰذا ان دونوں اشیاء کو اس شیڈول سے خارج کرنا چاہئے، کیونکہ بہ نیت تجارت خریداری کی صورت میں "اموال تجارت" میں شامل ہو جائیں گے، جن کا ذکر شیڈول نمبر (۲) میں موجود ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ

مصارف زکوٰۃ کے بیان میں آرڈیننس میں براہ راست فقراء اور زکوٰۃ کے مستحقین کے علاوہ مختلف اداروں کے توسط سے فقراء کی امداد کا بھی ذکر ہے، اس میں یہ وضاحت ہونی چاہئے کہ ہر صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی مستحق زکوٰۃ کو باقاعدہ مالک بنا کر کی جائے گی۔

یہ وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ آرڈیننس کے اردو ترجمے سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ مذکورہ ادارے اسے تعمیر اور عملے کی تنخواہوں پر صرف کر سکیں گے، جو شرعاً جائز نہیں، انگریزی متن اگرچہ بہتر ہے، لیکن اس میں بھی یہ وضاحت ضروری ہے۔

خلاصہ تجاویز برائے حکومت

۱- صاحب نصاب کی موجودہ تعریف کی جگہ حسب ذیل تعریف رکھی جائے -

صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ، سونا یا سامان تجارت ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو۔

پھر ہر سال تاریخ زکوٰۃ سے پہلے ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو قیمت ہو اس کا اعلان کر کے اس قیمت کو وصولی زکوٰۃ کا معیار مقرر کیا جائے، یعنی صرف ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کی جائے جن کی اتنی مالیت کی رقوم بینکوں یا دیگر مالیاتی اداروں میں جمع ہوں۔

۲- آرڈیننس کی دفعہ نمبر (۳) میں ترمیم کر کے اس کو اس طرح بنایا جائے

آرڈیننس کے دوسرے احکام کے تابع ہر مسلمان صاحبِ نصاب شخص سے شیڈول نمبر (۱) میں دی ہوئی تفصیل کے مطابق زکوٰۃ ہر سال کے اختتام پر لازماً

وصول کی جائے گی۔

شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ تاریخ زکوٰۃ سے پہلے اس کی قابل زکوٰۃ مملوکات کو نصاب کی مقدار تک پہنچے ہوئے پورا سال نہیں گزرا تو اس کے مذکورہ اثاثوں سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

مزید شرط یہ ہے کہ جو شخص یہ ثابت کر دے کہ وہ مقروض ہے اور اس نے قرضہ کی پیداوار وقت سے نہیں لیا ہے تو اس کے قرضے کی رقم کو قابل زکوٰۃ رقم سے منہا کیا جائے گا۔

مزید شرط یہ ہے کہ جس شخص کے بارے میں باضابطہ تحریری تحقیق کے ذریعہ یہ ثابت ہو جائے کہ وہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخ میں انتقال کر چکا تھا تو بھی اس کے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ وضع نہیں کی جائے گی۔

۳۔ کمپنیوں اور دیگر مالیاتی اداروں میں رقم رکھنے والوں سے ایک وکالت نامہ تحریر کیا جائے جس میں وہ متعلقہ مالیاتی اداروں کو یہ اختیار دے دیں کہ تاریخ زکوٰۃ آنے پر وہ ادارہ ان کی طرف سے زکوٰۃ وضع کر کے زکوٰۃ فنڈ میں جمع کرا دے۔

۴۔ کمپنیوں کی صورت میں ہر شخص پر الگ الگ زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی بلکہ اگر کمپنیوں سے وصول کی جاتی ہے تو ہر شخص پر الگ الگ زکوٰۃ وصول نہیں کی جاتی، اور اگر ہر شخص پر وصول کی جاتی ہے تو کمپنیوں سے وصول نہیں کی جاتی۔ ان دونوں صورتوں میں سے بہتر یہ ہے کہ ہر شخص پر وصول کی جائے۔

۵۔ عشر کی صورت میں نقد وصول کرنے کی پابندی ختم کی جائے، بلکہ یہ امر مالک پیداوار پر چھوڑا جائے کہ وہ چاہے تو بصورتِ جنس ادا کرے اور چاہے تو بصورتِ نقد۔

۶۔ زرعی پیداوار میں سے جو تہائی حصہ حکومت نے بطور تہائی اخراجات چھوڑ رکھا ہے، اس کے بارے میں یہ اعلان کیا جائے کہ اس حصے کا عشر مالکان خود ادا کریں۔

۷۔ شیڈول نمبر (۱) کے تمام اثاثوں کے لئے قیمت مقرر کرنے کی تاریخ (یکم رمضان) ایک ہی مقرر کی گئی ہے، مختلف اثاثوں کے لئے مختلف تاریخیں مقرر کی جائیں، بلکہ زکوٰۃ وضع کرنے کی تاریخیں مختلف اثاثوں کے لحاظ سے مختلف ہو سکتی ہیں۔

۸۔ قیمتی پتھروں اور مچھلیوں کو شیڈول نمبر (۲) سے خارج کیا جائے۔

۹۔ شیڈول نمبر (۲) میں کمپنیوں کی زکوٰۃ کی شرح بیان کرتے ہوئے ... کے تحت ... کی شرح بہت کم ہے جس سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ... کے تحت ... تک یہ

اونٹ واجب ہے، اس کی اصلاح کرکے واضح طور پر لکھنا چاہئے کہ پانچ سے پچیس اونٹوں تک ہر پانچ اونٹوں پر ایک بکری واجب ہوگی۔

۱۰۔ مصارف زکوٰۃ میں یہ وضاحت کی جائے کہ ہر صورت میں مستحق زکوٰۃ کو زکوٰۃ کا مالک و قابض بنایا جانے کا ارادہ رہے، یہ رقمیں تعمیرات اور اساتذہ کی تنخواہوں میں صرف نہیں کی جاسکیں گے۔

یہ چند تجاویز ہیں، جو آرڈیننس کے فوری مطالعے سے سامنے آئیں۔

﴿وَلَعَلَّ اللّٰهَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِکَ اَمْرًا﴾

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

دستخط

❊ حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب

مفتی و مہتمم دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

❊ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب

مفتی و مہتمم دارالعلوم کراچی ۱۴

❊ حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی صاحب

خادم دارالافتاء دارالعلوم کراچی ۱۴

❊ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب

مفتی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

❊ حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب

مفتی و ناظم تعلیمات جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

❊ حضرت مولانا مفتی سحبان محمود صاحب

دارالعلوم کراچی ۱۴

❊ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب

نائب مفتی دارالعلوم کراچی ۱۴

❊❊❊

بینکوں اور مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ کا مسئلہ
(دوسرا حصہ)

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد!

"مجلس تحقیق مسائل حاضرہ" نے اپنے ۲۱؍شعبان ۱۳۹۹ھ کے اجلاس میں زکوٰۃ و عشر آرڈیننس پر تبصرہ کرتے ہوئے جو تحریر مرتب کی تھی، اسے اظہارِ رائے کے لئے ملک بھر کے معروف اہل فتویٰ علماء کی خدمت میں بھیج دیا گیا تھا، الحمد للہ ان میں سے اکثر کے جوابات موصول ہوگئے، مندرجہ ذیل حضرات نے اس تحریر پر اصل مسئلے میں کسی ترمیم کے بغیر مجلس کی آراء سے اتفاق کرتے ہوئے تصدیقی دستخط ثبت فرمادیئے:

۱- شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب، مہتمم دارالعلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک۔

۲- حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب، مفتی و مہتمم مدرسہ قاسم العلوم، ملتان۔

۳- حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب، مفتی مدرسہ اشرفیہ، سکھر۔

۴- حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم، مہتمم جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل کالونی، کراچی (آپ نے نیت کے مسئلے میں قدرے تردد فرمایا، اور باقی امور سے اتفاق فرمایا)۔

۵- حضرت مولانا فاضل حبیب اللہ صاحب، مہتمم جامعہ رشیدیہ، ساہیوال۔

۶- حضرت مولانا مفتی محمد سعید صاحب، مفتی مدرسہ مطلع العلوم، بروری روڈ، کوئٹہ۔

۷- حضرت مولانا فضل محمد صاحب، مہتمم مدرسہ مظہر العلوم، مینگورہ، سوات۔

۸- حضرت مولانا مفتی محمد وجیہ صاحب، مفتی دارالعلوم اسلامیہ، ٹنڈوالہ یار، سندھ۔

۹- حضرت مولانا مفتی محمد خلیل صاحب، مدرسہ نصرۃ العلوم، باغبان پورہ، گوجرانوالہ۔

۱۰- حضرت مولانا حبیب الحق صاحب، مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم، باغبان پورہ، گوجرانوالہ۔

۱۱- حضرت مولانا قاضی سعداللہ صاحب، رکن مجلس شوریٰ قلات ڈویژن، مستونگ بلوچستان (وحال رکن اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان)

۱۲- حضرت مولانا قاضی بشیر احمد صاحب، دارالافتاء راولاکوٹ، آزاد کشمیر۔

۱۳- حضرت مولانا مقبول الرحمن صاحب قاسمی، دارالافتاء راولاکوٹ، پونچھ، آزاد کشمیر۔

۴:- حضرت مولانا عبداللہ صاحب، ناظم دار العلوم تعلیم القرآن، باغ، پونچھ، آزاد کشمیر۔

۵:- حضرت مولانا شاہ اللہ صاحب خطیب جامع مسجد باغ، پونچھ، آزاد کشمیر۔

ان حضرات کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات نے مجلس کی تحریر پر مفصل یا مختصر تبصرہ تحریر فرمایا اور اس کے بعض نکات سے اختلاف بھی فرمایا:-

۱:- حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی، مفتی جامعہ اشرفیہ لاہور۔

۲:- حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب، مفتی خیر المدارس، ملتان۔

۳:- حضرت مولانا عبدالشکور صاحب ترمذی، دار العلوم حقانیہ، ساہیوال ضلع سرگودھا۔

۴:- حضرت مولانا سرفراز خان صاحب صفدر، مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ۔

ان حضرات میں سے بعض نے کچھ تو مجلس کی تحریر کی چند فروگزاشتوں پر مجلس کو متنبہ فرمایا، جس پر مجلس ان حضرات کی تہ دل سے ممنون ہے۔ وہ فروگزاشتیں درج ذیل ہیں -

۱- مجلس کی تحریر میں "حولان حول" کی شرط کی وضاحت کرتے ہوئے یہ لکھا گیا تھا کہ زکوۃ کے وجوب کے لئے یہ ضروری ہے کہ مال کم از کم بقدر نصاب سارے سال کسی شخص کی ملکیت میں موجود رہا ہو، حالانکہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر سال کے اول و آخر میں نصاب کامل ہو اور درمیان میں ناقص ہو جائے تب بھی زکوۃ واجب ہوتی ہے۔ مجلس کی تحریر سابق میں یہاں تسامح ہو گیا تھا، اب اس عبارت کو مجلس کی طرف سے کالعدم سمجھا جائے جس سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ زکوۃ کے وجوب کے لئے کامل نصاب کا سارے سال ملکیت میں رہنا ضروری ہے۔

۲:- صاحبِ نصاب کی تعریف سابقہ تحریر میں اس طرح کی گئی تھی:-

> صاحب نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ یا سونا یا سامان تجارت ہو یا ان چاروں اشیاء میں سے بعض یا سب کا مجموعہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو۔

اس تعریف میں اس صورت کا حکم بیان سے رہ گیا تھا جس میں کسی شخص کے پاس صرف سونا ہی سونا ہو، چاندی یا نقدی بالکل نہ ہو، ایسی صورت میں سونے کا نصاب یعنی ساڑھے سات تولہ سونا

---

(۱) [illegible]
[illegible] کے طرفین میں نصاب کا کامل ہونا شرط ہے، اگرچہ درمیان میں ناقص رہ گیا ہو۔

(۲) [illegible]

(حواشی از حضرت والا دامت برکاتہم) مرتب۔

شرط معتبر ہوتا ہے، چنانچہ اس فروگزاشت پر متنبہ ہونے کے بعد مجلس نے صاحبِ نصاب کی مجوزہ تعریف میں تبدیلی کر کے اسے اس طرح کر دیا ہے:-

> زرعی پیداوار اور مویشیوں کے علاوہ دیگر قابلِ زکوٰۃ اموال میں صاحبِ نصاب سے مراد وہ شخص ہے جس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ (۶۱۲.۳۵ گرام) چاندی یا ساڑھے سات تولہ (۸۷.۴۸ گرام) سونا یا ان دونوں میں سے کسی کی قیمت کے برابر روپیہ یا سامانِ تجارت ہو یا مذکورہ بالا اشیاء میں سے بعض کا یا سب کا مجموعہ مل کر سونے یا چاندی کے وزنِ مذکور کی قیمت کے برابر ہو جائے۔

مجلس نے اس ترمیم شدہ تعریف سے اسلامی نظریاتی کونسل کو بھی مطلع کر دیا تھا، چنانچہ اب حکومت نے جو نیا ترمیم شدہ زکوٰۃ آرڈیننس ۱۹۸۰ء نافذ کیا ہے، اس میں بفضلہ تعالیٰ اس کی روشنی میں ترمیم کر دی گئی ہے[۱] (ملاحظہ ہو زکوٰۃ و عشر ترمیمی آرڈیننس ۱۹۸۰ء، دفعہ ۳ ذیل الف)۔

۳- مجلس کی تحریر میں لکھا گیا تھا کہ شہر سے باہر جانے والے اموالِ تجارت سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے چوکیاں مقرر فرمائی تھیں، اس سے تأثر یہ ہوتا تھا کہ ان چوکیوں کا یہ سلسلہ سب سے پہلے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے شروع فرمایا تھا، حالانکہ یہ بات درست نہیں، واقعہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ کے زمانے ہی میں ان چوکیوں پر زکوٰۃ وصول کرنے کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، (ملاحظہ ہو مبسوط و کتاب الآثار وغیرہ)۔[۲]

یہ تو چند جزوی فروگزاشتیں تھیں، لیکن مذکورہ چاروں حضرات نے بنیادی طور پر جس مسئلے سے اختلاف فرمایا ہے یا جس پر اپنے تردد کا اظہار کیا ہے وہ بینک اکاؤنٹس یا دوسرے مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وضع کرنے کا مسئلہ ہے، اس مسئلے میں ان حضرات کے دلائل یا شبہات پر مجلس نے دوبارہ غور کیا، لیکن غور و تحقیق کے بعد اس مسئلے میں مجلس کی رائے تبدیل نہیں ہوئی، لہٰذا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے پر قدرے تفصیل کے ساتھ گفتگو کی جائے۔

بینک اکاؤنٹس اور دیگر مالیاتی اداروں سے زکوٰۃ وصول کرنے پر جن شبہات کا اظہار کیا گیا ہے، بنیادی طور پر وہ تین شبہات ہیں:-

۱- حکومت کو صرف اموالِ ظاہرہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے، اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ

---

(۱) نئے آرڈیننس میں مجلس کی دوسری تجاویز بھی شامل کر لی گئی ہیں، مثلاً [illegible] کی شرط، تمام اثاثوں کے لئے ایک ویلیوایشن ڈیٹ کی تجویز وغیرہ۔ (حاشیہ از حضرت والا دامت برکاتہم)

(۲) المبسوط للسرخسی ج ۲ ص ۱۹۹ (طبع دار المعرفة بیروت) (مرتب)

وصول کرنے کا حق حکومت کو نہیں، بلکہ مالکان پر ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی اپنے طور پر فرض ہے۔ اور نقود چونکہ اموالِ باطنہ میں سے ہیں، اس لئے بینک اکاؤنٹس بھی اموالِ باطنہ میں سے ہوئے، ان سے حکومت کو زکوٰۃ وصول کرنے کا حق نہیں ہے۔

۲- بینک اکاؤنٹس درحقیقت بینک کے ذمے اکاؤنٹ ہولڈروں کا قرض ہے، جب یہ رقم مالک نے بینک کو دے دی تو وہ اس کی ملکیت سے نکل گئی، اور بینک کی ملکیت میں داخل ہوگئی، اب اصل مالک پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوگی جب وہ بینک سے اس کو واپس وصول کرے گا، اس سے پہلے جو زکوٰۃ بینک اکاؤنٹس سے وضع کی جارہی ہے، وہ وجوبِ ادا سے پہلے لئے گئے مال سے وصول کی جارہی ہے، جس پر زکوٰۃ واجب ہی نہیں، اور جو اکاؤنٹ ہولڈر کی ملکیت نہیں ہے، لہٰذا اس کا کوئی جواز نہیں ہے۔

۳- زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ادا کنندہ کا نیت کرنا ضروری ہے، اور بینک اکاؤنٹس میں سے زکوٰۃ وضع کرتے وقت مالک کی نیت بسا اوقات نہیں ہوتی۔

ان تینوں مسائل پر قدرے تفصیل کے ساتھ ذیل میں بحث کی جاتی ہے۔

﴿واللہ سبحانہ الموفق﴾

اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ

جیسا کہ ''مجلس'' کی تحریرِ سابق میں امام ابوبکر جصاصؒ اور دوسرے فقہائے کرام کی تصریحات کے حوالے سے عرض کیا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے عہدِ مبارک میں اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی کوئی تفریق نہیں تھی، بلکہ ہر قسم کے قابلِ زکوٰۃ اموال سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی، لیکن حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں جب اموال اور آبادی کی کثرت ہوئی اور اندیشہ ہوا کہ لوگوں کے نجی مکانات وغیرہ میں زکوٰۃ کے کارندوں کی مداخلت سے لوگوں کو تکلیف ہوگی، اور اس سے فتنے پیدا ہوں گے تو آپ نے صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ کی تحصیل سرکاری سطح پر باقی رکھی اور اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں مالکان کو حکومت کا نائب بنادیا۔

حضرات فقہائے کرام کی تصریحات کی روشنی میں یہ عرض کیا گیا تھا کہ کسی مال کے ''اموالِ ظاہرہ'' میں سے ہونے کے لئے دو اُمور ضروری ہیں:-

ایک یہ کہ ان اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مالکان کے نجی مقامات کی تفتیش کرنی نہ پڑے۔

دوسرے یہ کہ وہ اموال، حکومت کے زیرِ حمایت ہوں۔ پھر عرض کیا گیا تھا کہ بینکوں اور دوسرے مالیاتی اداروں میں رکھوائی ہوئی رقموں میں یہ دونوں اُمور موجود ہیں، لہٰذا ان کو ''اموالِ ظاہرہ'' میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

اس پر بعض حضرات نے یہ اعتراض کیا ہے کہ کسی مال کے ظاہر ہونے کی اصل علت "خروج من المصر" ہے، چونکہ اس دور میں شہر کے ناکوں پر حکومت کی طرف سے عاشر اس لئے بٹھائے جاتے تھے کہ وہ گزرنے والوں کی جان ومال کی حفاظت کریں، اس لئے شہر سے نکل کر تمام اموال حکومت کی حمایت میں آجاتے تھے، اور اسی بناء پر حکومت ان کی زکوٰۃ وصول کرتی تھی، نجی مقامات کی تلاشی وتفتیش کی ضرورت نہ ہونا اس حکم کی حکمت ہے، علت نہیں، لہٰذا حکم کا مدار "خروج من المصر" پر ہوگا اور چونکہ یہ علت بینکوں اور مالیاتی اداروں میں نہیں پائی جاتی، اس لئے ان کو اموال ظاہرہ میں داخل کرکے ان سے سرکاری سطح پر زکوٰۃ وصول کرنا درست نہیں۔

مجلس نے اس نقطۂ نظر پر مزید غور کیا اور اس مسئلے میں فقہ وحدیث کے متعلقہ مواد کی روشنی میں غور وتحقیق کے بعد یہ نتیجہ سامنے آیا کہ سرکاری سطح پر زکوٰۃ کی وصولی کے لئے "خروج من المصر" کو علت قرار دینا اور اس پر حکم کا مدار رکھنا درست نہیں، بلکہ اصل علت وہی ہے کہ وہ اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ کی وصولی کے لئے نجی مقامات کی تفتیش کی ضرورت نہ ہو، اس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:-

حدیث وفقہ کی کتابوں سے یہ بات ثابت ہے کہ حضرات خلفائے راشدین اور بعد کے خلفاء وامراء، تنخواہوں اور وظائف کی تقسیم کے وقت انہی تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ کاٹ لیا کرتے تھے، اور اس پر صحابہ وتابعین اور دوسرے فقہاء نے نہ صرف یہ کہ کوئی نکیر نہیں فرمائی، بلکہ اس طریقے کی تصدیق وتائید فرمائی ہے، چنانچہ موطا امام مالک میں روایت ہے:

قال القاسم بن محمد: وكان ابو بكر الصديق اذا اعطى الناس اعطياتهم يسأل الرجل: هل عندك من مال وجبت عليك فيه الزكاة؟ فان قال نعم، اخذ من عطائه زكاة ذلك المال، وان قال لا، سلم اليه عطاءه ولم يأخذ منه شيئاً

(مؤطا امام مالکؒ ص:۱۰۳ و ۱۰۴ الزکاۃ فی العین من الذھب والورق(۱) ومصنف ابن ابی شیبۃ ج:۳ ص:۱۸۴ ما قالوا فی العطاء اذا اخذ(۲) ومصنف عبدالرزاق ج:۴ ص:۸۲(۳) (کتاب الاموال لأبی عبید ص:۴۱۱)(۴)

ترجمہ: حضرت قاسم بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبرؓ جب

---

(۱) مؤطا امام مالکؒ ص:۲۷۴ (طبع نور محمد کتب خانہ) (۲) طبع ادارۃ القرآن کراچی۔
(۳) طبع مجلس علمی کراچی (۴) کتاب الاموال لأبی عبیدؒ نحو، ثالث ص ۴۰۶ دار الکتب العلمیہ بیروت

لوگوں کو (بیت المال سے ملنے والی) تنخواہ یا وظائف دیتے تو ہر شخص سے پوچھتے کہ کیا تمہارے پاس کوئی ایسا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں تو اس کی تنخواہ سے اس مال کی زکوٰۃ لیتے، اور اگر وہ کہتا کہ "نہیں" تو اس کی تنخواہ پوری دے دیتے، اور اس میں سے کچھ نہ لیتے۔

اور امام ابوعبیدؒ نے اس روایت کے یہ الفاظ نقل فرمائے:-

فان اخبره ان عنده مالا قد حلت فيه الزكاة قاصه مما يريد ان يعطيه، وان اخبره ان ليس عنده مال قد حلت فيه الزكاة سلم اليه عطاءه.

(کتاب الأموال لأبی عبید ص: ۴۱۱ فقرہ: ۱۲۵۰ باب فروض زکاۃ الذهب والورق)[1]

ترجمہ: اگر وہ شخص یہ بتاتا کہ اس کے پاس ایسا مال ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہے تو جو تنخواہ آپ اسے دینا چاہتے اس میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتے تھے، اور اگر وہ بتاتا کہ اس کے پاس ایسا مال نہیں ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوگئی ہو تو اس کی تنخواہ اسے پوری دے دیتے تھے۔

نیز امام ابن ابی شیبہؒ نے حضرت عمرؓ کا یہ معمول نقل فرمایا ہے -

عن عبدالرحمن بن عبدالقاری، وكان على بيت المال في زمن عمر مع عبدالله بن الارقم فاذا خرج العطاء جمع عمر اموال التجارة، فحسب عاجلها واجلها، ثم يأخذ الزكاة من الشاهد والغائب.

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۸۴)[2]

ترجمہ: عبدالرحمن بن عبد القاری جو حضرت عمرؓ کے دور میں عبداللہ بن ارقمؓ کے ساتھ بیت المال پر مقرر تھے، فرماتے ہیں کہ جب (سالانہ) تنخواہوں کی تقسیم کا وقت آتا تو حضرت عمرؓ تمام اموال تجارت کو جمع فرما کر ان کے نقد اور ادھار کا حساب فرماتے، پھر حاضر اور غائب ہر طرح کے مال سے زکوٰۃ وصول فرماتے تھے۔

اور امام ابوعبیدؒ نے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل فرمائی ہے:-

فكان اذا خرج العطاء جمع اموال التجار، ثم حسبها شاهدها وغائبها، ثم

(۱) کتاب الأموال لأبی عبیدؒ، الجزء الثالث ص: ۴۱۶ دارالکتب العلمیہ بیروت

(۲) طبع ادارة القرآن کراچی

اخذ الزكاة من شاهد المال على الشاهد والغائب.

(كتاب الأموال ص: ٣٢٥ فقره ١١٧٨ باب الصدقة في التجارات والديون)[1]

ترجمہ: جب تنخواہوں کی تقسیم ہوتی تو حضرت عمرؓ تمام تاجروں کے مال جمع فرما کر اس میں سے حاضر و غائب سب کا حساب فرماتے، پھر موجود مال سے حاضر و غائب ہر طرح کے مال کی زکوٰۃ وصول فرماتے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس روایت کے راویوں کی تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ:

وسنده حسن

(اعلاء السنن ج ١٢ ص: ٤٣٠ كتاب السير باب العطاء يموت صاحبه بعد ما يستوجبه)[2]

یعنی اس روایت کی سند حسن ہے۔

پھر حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے بارے میں تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے دور میں اموال ظاہرہ اور اموال باطنہ کی کوئی تفریق نہ تھی، اس لئے وہ ہر قسم کے اموال سے زکوٰۃ وصول فرماتے تھے، لیکن روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ، جنہوں نے یہ تفریق قائم فرمائی تھی، ان کے دور میں بھی تنخواہوں سے زکوٰۃ وضع کرنے کا یہ سلسلہ برابر جاری رہا، چنانچہ مؤطا امام مالک میں مروی ہے:

عن عائشة بنت قدامة عن أبيها أنه قال: كنت إذا جئت عثمان بن عفان أقبض عطائي، سألني هل عندك من مال وجبت فيه الزكاة؟ قال فإن قلت نعم، أخذ من عطائي زكاة ذلك المال، وإن قلت لا، دفع إلي عطائي. (مؤطا امام مالكؒ ص: ١٠٣[3] ومصنف عبدالرزاق ج ٤ ص: ٧٧ حديث ٧٠٢٩ وكتاب الأم للشافعيؒ ج ٢ ص: ١٤، طبع بولاق، وكتاب الأموال لأبي عبيدؒ ص: ٤١٢ فقره ١١٢٧)[4][5]

ترجمہ: عائشہ بنت قدامہ اپنے والد کا قول نقل فرماتی ہیں کہ جب میں حضرت عثمان بن عفانؓ سے اپنی تنخواہ وصول کرنے جاتا تو وہ مجھ سے پوچھتے کہ کیا تمہارے پاس کوئی مال ایسا ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہو؟ چنانچہ اگر میں یہ کہتا کہ

(١) كتاب الأموال لأبي عبيدؒ الجزء الثالث ص ٤٣٠ (دار الكتب العلمية بيروت)
(٢) اعلاء السنن ج ١٢ ص ٥٦١ (طبع ادارة القرآن كراچی)
(٣) مؤطا امام مالك كتاب الزكوة الزكوة في العين من الذهب والورق ص ١٠٣ طبع نور محمد كتب خانه
(٤) طبع مجلس علمی کراچی
(٥) ص ٤١٢ الجزء الثالث (دار الكتب العلمية بيروت).

"ہاں" تو میری تنخواہ سے اس مال کی زکوۃ وصول فرما لیتے، اور میں کہتا کہ "نہیں" تو میری تنخواہ مجھے دے دیتے۔

نیز بعض روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے زمانے میں بھی تنخواہ سے زکوۃ وضع کرنے کا یہ سلسلہ جاری رہا، البتہ ان کے بارے میں یہ صراحت ملتی ہے کہ وہ صرف ان لوگوں سے اموال باطنہ کی زکوۃ وصول کرتے تھے، جن کی تنخواہیں یا وظائف بیت المال سے جاری ہوں، دوسرے لوگوں کی نہیں، حضرت معاویہ کا بھی یہی عمل تھا۔ (موطا امام مالک صفحہ ۲۷۳)[1] اور حضرت ابن عباسؓ وابن عامرؓ بھی اسی کے قائل تھے (حاشیہ موطا امام مالک صفحہ ۲۷۳)۔[2]

نیز حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ وہ تنخواہیں تقسیم کرتے وقت خود تنخواہ کی زکوۃ بھی اسی تنخواہ میں سے وصول فرمالیتے تھے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:۔

عن هبيرة قال: كان ابن مسعودؓ يزكي عطياتهم من كل الف خمسة وعشرين. (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص:۱۸۳)[3]

ترجمہ: حضرت ہبیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لوگوں کی تنخواہوں کی زکوۃ (اس حساب سے) وصول فرمایا کرتے تھے کہ ہر ہزار پر پچیس وصول کرلیتے تھے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس روایت کے راویوں کی تحقیق فرمانے کے بعد فرمایا ہے کہ:۔

فالاسناد حَسَنٌ. (اعلاء السنن ج ۱۲ ص ۲۲۹، ۲۳۰)[4]

یعنی یہ سند حسن ہے۔

البتہ چونکہ یہاں زکوۃ ان تنخواہوں کی وصول کی جاتی تھی، جو صاحب تنخواہ کی ملکیت میں قبضہ کرنے کے بعد آتی ہے، اس لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا طریق کار یہ تھا کہ وہ پہلے تنخواہ دے دیتے پھر اس سے زکوۃ وصول فرماتے تھے، چنانچہ مصنف عبدالرزاق میں ہے:

عن هبيرة بن يريم عن عبدالله بن مسعودؓ قال: كان يعطي ثم يأخذ زكاته (مصنف عبدالرزاق ج:۴ ص:۸۰ حدیث: ۷۰۳۶ باب لا صدقة في مال حتى يحول عليه الحول)[5]

(۱، ۲) ص ۲۷۳ (طبع نور محمد کتب خانہ)
(۳) طبع ادارۃ القرآن کراچی
(۴) اعلاء السنن کتاب السیر باب العطاء یموت صاحبہ بعد ما یستوجبہ ج ۱۲ ص ۵۵۹ طبع ادارۃ القرآن کراچی
(۵) طبع مجلس علمی (محمد زبیر حق نواز)

ترجمہ:- ہبیرۃ بن یریمؒ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ وہ تنخواہ دے دیتے پھر اس کی زکوٰۃ وصول کرتے تھے۔

اور معجم طبرانیؒ میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

كان يعطي العطاء ثم يأخذ زكاته.[1]

اور علامہ نورالدین ہیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے:-

رجاله رجال الصحيح، خلا هبيرة، وهو ثقة.[2]

نیز امام ابوعبیدؒ نے اس روایت کو زیادہ تفصیل اور وضاحت سے نقل فرمایا ہے:

عن هبيرة بن يريم قال: كان عبدالله بن مسعودؓ يعطينا العطاء في زبل صغار، ثم يأخذ منه الزكاة. (كتاب الأموال ص ۳۱۲ فقره ۱۱۲۸ باب فروض زكاة الذهب والفضة)[3]

ترجمہ:- حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہمیں چھوٹی چھوٹی تھیلیوں میں تنخواہ دیتے پھر اس سے زکوٰۃ وصول فرماتے۔

تنخواہوں اور وظائف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا سلسلہ خلفائے راشدینؓ کے بعد بھی جاری رہا، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہؒ میں روایت ہے:-

عن ابن عون عن محمد قال: رأيت الامراء اذا اعطوا العطاء زكوه

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج:۳ ص:۱۸۵)[4]

ترجمہ:- ابن عون حضرت محمد (غالباً ابن سیرین) کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے امراء کو دیکھا کہ جب وہ تنخواہ دیتے تو اس کی زکوٰۃ وصول کر لیتے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے زمانے میں اگرچہ اموال ظاہرہ و باطنہ کی تفریق قائم ہو چکی تھی، لیکن ان کے بارے میں بھی مروی ہے:-

عن عمر بن عبدالعزيز انه كان يزكي العطاء والجائزة

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص:۱۸۵)[5]

ترجمہ:- حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے مروی ہے کہ وہ تنخواہوں اور انعامات سے

(۱،۲) مجمع الزوائد للهيثميؒ، باب أخذ الزكوة من العطاء ج ۳ ص ۶۸ دار الكتاب العربي بيروت

(۳) الجزء الثالث ص ۳۱۷ دار الكتب العلميه بيروت

(۴) طبع ادارة القرآن كراچی

(۵) ایضاً

زکوٰۃ وصول فرماتے تھے۔

اور مصنفؒ عبدالرزاق میں اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

عن جعفر بن برقان ان عمر بن عبدالعزيز كان اذا اعطى الرجل عطائه او عمالته أخذ منه الزكاة. (مصنف عبدالرزاق ج:۴ ص ۷۸، فقره ۷۰۳۷)[1]

ترجمہ - جعفر بن برقان کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب کسی شخص کو اس کا وظیفہ یا اس کی اُجرت دیتے تو اس سے زکوٰۃ وصول فرمالیتے تھے۔

یہ معاملہ صرف تنخواہوں اور وظائف کی حد تک محدود نہیں تھا، بلکہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المال پر جس کسی مسلمان کا کوئی مالی حق ہوتا تو اس کی ادائیگی کے وقت اس کی زکوٰۃ وصول کرنے کا معمول قرونِ اُولیٰ میں جاری تھا، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ اور سنن بیہقیؒ میں مروی ہے -

عن عمرو بن ميمون قال اخذ الوالي في زمن عبدالملك مال رجل من اهل الرقة يقال له ابوعائشة عشرين الفا فادخلت في بيت المال، فلما ولي عمر بن عبدالعزيز اتاه ولده، فرفعوا مظلمتهم اليه فكتب الى ميمون ادفعوا اليهم اموالهم وخذوا زكاة عامهم هذا، فلولا انه كان مالا ضمارا اخذنا منه زكاة ما مضى (مصنف ابن ابي شيبة ج ۳ ص ۲۰۲ طبع ادارة القرآن كراچي (ما قالوا في الرجل يذهب له المال السنين واخرجه ايضا البيهقي في السنن الكبرى ج:۴ ص:۱۵۰)

ترجمہ - عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ عبدالملک[2] کے زمانے میں اہل رقہ کے ایک شخص ابوعائشہ سے ایک گورنر نے زبردستی بیس ہزار وصول کرکے بیت المال میں داخل کردیئے تھے، جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ ہوئے تو اس شخص کے لڑکوں نے آکر دادرسی چاہی، اس پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے میمون کو لکھا کہ ان کو ان کے اموال دے دو اور اس سے اس سال کی زکوٰۃ وصول کرلو، اس لئے کہ اگر یہ مال ضمار نہ ہوتا تو ہم اس سے پچھلے سالوں کی زکوٰۃ بھی وصول کرتے۔

حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ نے اس حدیث کی سند کی تحقیق فرماکر ثابت فرمایا ہے

---

(۱) طبع مجلس علمی کراچی

(۲) مصنف ابن ابی شیبہ کے مطبوعہ نسخے میں عبدالملک ہے، لیکن دوسرے نسخے میں اور دوسری کتابوں میں ولید بن عبدالملک کا ذکر ہے اور وہی صحیح ہے۔ (حاشیہ از حضرت والا دامت برکاتہم العالیہ)

کی ہے، اس کے رجال ثقات ہیں اور سند متصل ہے۔ (اعلاء السنن ج ۹ ص ۹ باب زکوٰۃ فی مال ضمار)(۱)

نیز یہی واقعہ اجمالی طور پر دوسری سند سے مؤطا امام مالک میں بھی مروی ہے، اور اس میں بھی ایک سال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا ذکر موجود ہے، اس کے الفاظ یہ ہیں:

ان عمر بن عبد العزيز كتب في مال قبضه بعض الولاة ظلما يأمر برده الى اهله، ويؤخذ زكاته لما مضى من السنين، ثم عقب بعد ذلك بكتاب: ان لا تؤخذ منه الزكاة الا زكاة واحدة، فانه كان ضمارا.

(مؤطا امام مالکؒ ص ۲۷۰ الزكاة في الدين)(۲)

ترجمہ: حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایک ایسے مال کے بارے میں جس پر بعض حکام نے ظلماً قبضہ کر لیا تھا، تحریر فرمایا کہ وہ مال اس کے مالکوں کو واپس کر دیا جائے، اور اس کی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ بھی وصول کی جائے، لیکن اس کے بعد ایک اور خط بھیجا کہ اس پر صرف ایک سال کی زکوٰۃ وصول کی جائے، پچھلے سالوں کی نہیں، کیونکہ وہ مال ضمار تھا۔

ان تمام واقعات میں نقد روپے کی زکوٰۃ سرکاری سطح پر وصول کی گئی، اور وہ بھی عاشر پر گزرنے کی صورت میں نہیں، اور نہ مال کے شہر سے باہر ہونے کی حالت میں، بلکہ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہم کا طرزِ عمل تو یہ تھا کہ وہ تنخواہیں جاری کرتے وقت ان اموال کی زکوٰۃ تنخواہوں سے کاٹ کر باقی تنخواہ لوگوں کے حوالے کیا کرتے تھے، اور حضرت علی، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ بھی تنخواہوں کی زکوٰۃ وصول فرماتے تھے، کیونکہ اگر مالک پہلے سے صاحبِ نصاب ہو تو تنخواہ کی رقم پر مالِ مستفاد ہونے کی وجہ سے زکوٰۃ واجب ہوتی تھی، البتہ یہ حضرات تنخواہوں سے زکوٰۃ کاٹنے کے بجائے پہلے تنخواہ حوالہ فرما دیتے، پھر مالک سے زکوٰۃ وصول فرماتے تھے، بہرصورت! اس نقد رقم سے سرکاری طور پر زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی، اور یہ سلسلہ اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ کی تفریق قائم ہونے کے بعد بھی جاری رہا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان رقوم سے بھی زکوٰۃ وصول فرمائی جو بیت المال میں ظلماً داخل کر دی گئی تھیں۔

ان طریقِ کار سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ کسی مال کے اموالِ ظاہرہ میں شمار

(۱) اعلاء السنن ج ۹ ص ۱۲، ۱۳ (طبع ادارۃ القرآن کراچی)
(۲) موطا امام مالک، الزکوٰۃ فی الدین ص ۲۸۲ طبع نور محمد کتب خانہ ... میں "لا یوجد منہ الزکوٰۃ" کے بجائے "الا یوجد منہ ... الخ" ہے جو غلط ہے، صحیح عبارت وہ ہے جو موطا مالک کے حوالے سے حضرت والا دامت برکاتہم نے اوپر تحریر فرمائی ہے۔ (محمد زبیر)

ہوئے اموال سے سرکاری طور پر زکوۃ وصول کرنے کے لئے اس کا شہر سے باہر جانا ضروری نہیں، بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ان سے زکوۃ وصول کرنے کے لئے مقامات کی تلاش و تفتیش کی ضرورت پیش نہ آئے، اور وہ فی الجملہ حکومت کے زیر حفاظت آگئے ہوں۔

تنخواہوں وغیرہ سے زکوۃ وصول کرنے کا یہ طریقہ اس دور میں بھی جاری رہا ہے، اور خود فقہائے حنفیہ نے بھی ان واقعات کو نقل کرنے کے ساتھ ان کی تصدیق و تائید فرمائی ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عثمان کا تنخواہوں اور عطیات سے زکوۃ وصول کرنا خود امام محمد نے بھی نقل فرمایا ہے اور لکھا ہے:-

> قال محمد: وكان أبو بكر إذا أعطى الناس عطاءهم سأل الرجل هل عندك من مال قد وجبت فيه الزكاة؟ فإن قال نعم، أخذ من عطائه زكاة ذلك المال، وإن قال لا، سلم له عطاءه. قال محمد: وبهذا نأخذ، وهو قول أبي حنيفة (موطأ امام محمد ص ١٧٢، باب الرجل يكون له الدين هل عليه فيه الزكاة؟)(١)

اور اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے بارے میں عائشہ بنت قدامہ کی وہ روایت نقل کی ہے جو پیچھے موطا امام مالک کے حوالے سے گزر چکی ہے۔

نیز علامہ ابن ہمامؒ اور شمس الائمہ سرخسیؒ نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مذکورہ بالا واقعہ جس میں تنخواہ کی ادائیگی کے وقت ان سے زکوۃ وصول کرنے کا ذکر ہے، ذکر فرما کر اس سے مال مستفاد پر زکوۃ واجب نہ ہونے کے مسئلے میں استدلال فرمایا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ بات مسلم ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے وصول فرمائی، اور حنفیہ کے نزدیک بھی مسلم ہے، ورنہ وہ اس کی تردید یا توجیہ فرماتے۔

بلکہ امام طحاویؒ کی ایک عبارت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اموال باطنہ کی زکوۃ کے بارے میں بھی حنفیہ کے نزدیک امام کو یہ اختیار ہے کہ وہ چاہے تو ان کی زکوۃ کی وصولیابی کے لئے مصدق مقرر کر کے سرکاری طور پر ان کی زکوۃ وصول کرے، اور چاہے تو مالکوں کے اوپر چھوڑ دے کہ وہ اپنے طور پر زکوۃ ادا کریں، چنانچہ انہوں نے شرح معانی الآثار میں ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے "باب الزكاة هل يأخذها الامام ام لا" اور اس میں پوری بحث کے بعد دونوں نقطہ نظر بیان فرمانے کے بعد آخر میں لکھا ہے:-

(١) الموطا للامام محمدؒ ص ١٧٢ طبع قدیمی کتب خانہ

واما وجهه، من طريق النظر فانا قد رأيناهم انهم لا يختلفون ان للامام ان يبعث الى ارباب المواشي السائمة حتى يأخذ منهم صدقة مواشيهم اذا وجبت فيها الصدقة وكذلك يفعل في ثمارهم يضع ذلك في مواضع الزكوات على ما أمره به عزوجل، لا يأبى ذلك أحد من المسلمين، فالنظر على ذلك ان يكون بقية الأموال من الذهب والفضة وأموال التجارات كذلك .... و هذا كله قول أبي حنيفةؒ وابي يوسفؒ ومحمدؒ.

(شرح معانی الآثار للطحاویؒ ج ١ ص: ٢٦٣، ٢٦٤) (١)

ترجمہ - قیاس و نظر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں صورت حال یہ ہے کہ ہمارا اس مسئلے میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ امام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مفت ... میں چرنے والے مویشیوں کے مالکان کے پاس بھیجے ... ان سے مویشیوں کی زکوٰۃ وصول کرے جبکہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو، اسی طرح ان کے پھلوں میں بھی یہ حق حاصل ہے، پھر وہ حاصل شدہ زکوٰۃ کو مصارف زکوٰۃ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کے بموجب صرف کرے، اس بات سے کوئی مسلمان انکار نہیں کرتا، لہٰذا نظر و قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ باقی اموال یعنی سونا چاندی اور مال تجارت کا بھی یہی حکم ہو ... اور یہ سب کچھ امام ابوحنیفہ، امام ابویوسف اور امام محمد کا قول ہے۔

یہاں امام طحاویؒ نے کسی قید و شرط کے بغیر امام کا یہ حق بیان فرمایا ہے کہ وہ سونا، چاندی اور مال تجارت سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدق بھیج سکتا ہے، یہاں انہوں نے اموال ظاہرہ اور باطنہ کی بھی کوئی تفریق نہیں کی، اور نہ عاشر کے پاس سے گذرنے کا کوئی ذکر فرمایا ہے، امام طحاویؒ کی عبارت کا یہ اطلاق قابل توجہ ہے ... دوسری تصریحات ... سے سیاق و سباق میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ ان کی یہ مراد ہو کہ ما مر علی العاشر سے متعلق ہو، لیکن جہاں تک مذکورہ عبارت کا تعلق ہے، اس میں کوئی قید یا شرط نہیں ہے، جس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ امام طحاویؒ کا مقصد یہ ہے کہ ان اموال باطنہ سے بھی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حنفیہ کے مذہب میں اصلاً امام کو ہے، لیکن اس مصلحت کے پیش نظر جو حضرت عثمان غنیؓ کے پیش نظر تھی کہ جہاں لوگوں کے نجی مقامات کی تفتیش یا پڑتال کی ضرورت پڑتی ہو، وہاں مالکوں کو خود زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دے دی گئی ہے اور جہاں یہ مصلحت داعی نہ ہو، وہاں وہ اپنے اصل حق کے مطابق زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے، چونکہ

(١) شرح معانی الآثار للطحاویؒ ج ١ ص: ٣٤٤ (طبع مکتبہ حقانیہ ملتان)

حاصل پر نظر رکھنے والے اموال میں اس قسم کا کوئی مفسدہ نہیں ہے، اس لئے وہ اپنے اصل حق کے مطابق ان سے زکوٰۃ وصول کر سکتا ہے، اور اگر کچھ مزید اموال ایسے ہوں جن سے زکوٰۃ وصول کرنے میں یہ مفسدہ نہ ہو، وہاں بھی امام کا اصل حق عود کرے گا، اور وہ ان اموال سے زکوٰۃ وصول کر سکے گا، جس کی نظیریں آگے تقویم، وظائف اور اموال مغصوب کے سلسلے میں پیچھے گزر چکی ہیں، بلکہ اگر کسی جگہ یہ معلوم ہو کہ لوگ اموال باطنہ کی زکوٰۃ نہیں دے رہے ہیں، وہاں اس مفسدے کے باوجود امام اپنے اصل حق کے مطابق ان اموال کی زکوٰۃ وصول کر سکے گا، کیونکہ ترک زکوٰۃ کا مفسدہ اس مفسدے سے شدید تر ہے، یہی بات تقریباً تمام فقہائے حنفیہ نے تحریر فرمائی ہے، مثلاً علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں-

ظاهر قوله تعالى خذ من اموالهم صدقة الاية توجب حق اخذ الزكاة مطلقا للامام، وعلى هذا كان رسول الله صلى الله عليه وسلم والخليفتان بعده. فلما ولي عثمان وظهر تغير الناس كره ان تفتش السعاة على الناس مستور اموالهم ففوض الدفع الى الملاك نيابة عنه، ولم تختلف الصحابة عليه في ذلك وهذا لا يسقط طلب الامام اصلا، ولهذا لو علم ان اهل بلدة لا يؤدون زكاتهم طالبهم بها (فتح القدير ج ٢ ص ١١٩)(١)

ترجمہ:- آیت قرآنی "خذ من اموالهم صدقة الاية" کے ظاہری الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام کو مطلقاً (ہر قسم کے اموال کی) زکوٰۃ وصول کرنا واجب ہے، اور اسی طرز عمل پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دو خلفاء قائم رہے، لیکن جب حضرت عثمان خلیفہ بنے اور لوگوں کے حالات بدل گئے تو آپ نے یہ بات پسند نہ فرمائی کہ محصلین زکوٰۃ لوگوں کے پوشیدہ اموال کی تفتیش کریں، چنانچہ انہوں نے مالکوں کو ادائے زکوٰۃ کا حق سونپ کر اس معاملے میں انہیں اپنا نائب بنا دیا، اور صحابہ کرامؓ نے اس معاملے میں ان سے اختلاف نہیں فرمایا، لیکن یہ طرز عمل امام کے حق مطالبہ کو بالکلیہ ساقط نہیں کرتا، چنانچہ اگر کسی شہر کے لوگوں کے بارے میں امام کو یہ معلوم ہو کہ وہ زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو وہ ان سے زکوٰۃ کا مطالبہ کرے گا۔

اس عبارت سے صاف واضح ہے کہ اصلاً تمام اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق امام کو ہے، اور اموال باطنہ کے سلسلے میں یہ حق ایک مصلحت سے چھوڑا گیا ہے، اور بالکلیہ اب بھی ساقط نہیں

(١) فتح القدير كتاب الزكوة ج ٢ ص ١١٩ (طبع مكتبه رشيديه كوئٹه)

ہے، لہٰذا ان اموال کی زکوٰۃ جو مالکان ادا کرتے ہیں وہ بھی امام کے نائب کی حیثیت میں ادا کرتے ہیں، اسی لئے ان کو یہ اختیار بھی نہیں تھا، اور اسی لئے اصحاب بدائع نے زکوٰۃ کو دین فقہاء نے له مطالب من جهة العباد قرار دیا ہے۔

یہاں بعض حضرات کو یہ شبہ پیش آیا ہے کہ امام ابوبکر جصاصؒ نے حضرت عثمانؓ کے عمل کا ذکر فرماتے ہوئے لکھا ہے:

فجعل لهم اداءها الى المساكين وسقط من اجل ذلك حق الامام في اخذها لأنه عقد عقده امام من ائمة العدل، فهو نافذ على الأمة

(احكام القرآن للجصاص ج ۳ ص ۱۹۰)(۱)

ترجمہ: حضرت عثمان غنیؓ نے زکوٰۃ کے مالکوں کو یہ حق دے دیا کہ وہ مساکین کو اپنے طور پر زکوٰۃ دے دیا کریں، اور اس لئے اب ان اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کے سلسلے میں امام کا حق ساقط ہو گیا، اس لئے کہ یہ ائمہ عدل میں سے ایک امام کا کیا ہوا فیصلہ ہے، جو پوری امت پر نافذ ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کے اس فیصلے کے بعد اموال باطنہ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا حق کسی کو نہیں رہا، لیکن امام ابوبکر جصاصؒ کی پوری عبارت کو غور سے پڑھنے سے سمجھ میں آتا ہے کہ حق امام سے ان کی مراد ایسا حق ہے جس کے بعد مالکان اموال کو خود زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار باقی نہ رہے، اور ان کی ادائیگی کو شرعاً تسلیم نہ کیا جائے، چنانچہ ان کی مذکورہ عبارت سے پہلے کے الفاظ یہ ہیں:-

وقوله تعالى خذ من اموالهم صدقة يدل على ان اخذ الصدقات الى الامام، وانه متى اداها من وجبت عليه الى المساكين لم يجزه، لان حق الامام قائم في اخذها فلا سبيل له الى اسقاطه.(۲)

ترجمہ: اور باری تعالیٰ کا ارشاد "خذ من اموالهم صدقة" اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ زکوٰۃ وصول کرنے کا کام امام کے سپرد ہے اور یہ کہ وہ شخص جس پر زکوٰۃ واجب ہے، وہ زکوٰۃ اپنے طور پر مساکین کو ادا کر دے تو یہ اس کے لئے جائز نہیں، اس لئے کہ امام کا وصولیابی کا حق قائم ہے، اور اسے ساقط کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔

مذکورہ جملے سے صاف واضح ہے کہ وہ امام کے جس حق کا تذکرہ فرما رہے ہیں اس کی

(۱، ۲) احكام القرآن للجصاصؒ ج ۳ ص ۱۵۵ طبع سهيل اكيڈمی لاهور

مویشیوں میں مالک اگر خود زکوٰۃ ادا کرنا چاہے تو نہیں، جبکہ اس سے زکوٰۃ وصول نہ کی گئی ہو کی حق سے بارے میں کہا گیا ہے کہ چونکہ حضرت عثمانؓ امام عادل تھے اور انہوں نے اموالِ باطنہ کی حد تک یہ حق ساقط کر دیا تھا، اس لئے یہ حق اب ساقط ہو گیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ سے پہلے لوگوں کے اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ خود مالکان ادا نہیں کر سکتے تھے بلکہ امام ہی کو ادا کرنی ہوتی تھی، حضرت عثمانؓ نے یہ قید ختم کر دی اور اب یہ بات طے ہو گئی کہ ایسے اموال کے مالکان اگر خود زکوٰۃ ادا کر دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ امام کا حق مطالبہ بالکل ساقط ہو گیا، اور اب امام زکوٰۃ وصول کرنا چاہے تو وصول نہیں کر سکتا، چنانچہ فتح القدیر میں خود اس بات کی تصریح ہے کہ:-

وهذا لا يسقط طلب الامام اصلًا.[۲]

امام ابوبکر جصاصؒ کی اس پوری بحث اور دوسرے فقہاء و محدثین کی عبارتوں اور روایات کو دیکھنے کے بعد اس مسئلے میں جو صورتِ حال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ:-

* حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمرؓ کے عہدِ مبارک اور حضرات شیخینؓ کے زمانوں میں اموالِ ظاہرہ اور اموالِ باطنہ دونوں سے زکوٰۃ سرکاری طور پر وصول کی جاتی تھی، البتہ اتنا فرق ضرور تھا کہ مویشیوں اور زرعی پیداوار کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدق بھیجے جاتے تھے، اور نقد اور اموالِ تجارت کی زکوٰۃ وصول کرنے کے لئے مصدق نہیں بھیجے جاتے تھے بلکہ مالکوں کو حکم تھا کہ وہ خود زکوٰۃ لے کر آئیں، لیکن دونوں قسم کے اموال میں ادائے زکوٰۃ کا راستہ یہی تھا کہ وہ حکومت کو ادا کی جائے۔

* حضرت عمرؓ نے تجارت پیشہ لوگوں کے اموال کے بارے میں یہ تبدیلی فرمائی کہ ان کی وصولیابی کے لئے مصدق مقرر فرمائے، اور باقی اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ حسبِ سابق مالکان خود لا کر دیتے رہے۔

* حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اموالِ باطنہ کی کثرت ہوئی، آبادی پھیل گئی، اور انہوں نے محسوس فرمایا کہ اب اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کی سرکاری سطح پر وصولیابی کا یہ سلسلہ اس کے بغیر اگر زکوٰۃ جاری نہ ہو اور باقی رکھا گیا تو اس کے لئے اموالِ ظاہرہ کی طرح مصدق مقرر کرنے پڑیں

[illegible] ... المبسوط ج ۲ ص ۱۱، ۱۲ طبع دار المعرفة بيروت (حاشیہ از حضرت والا دامت برکاتہم)۔

(۲) فتح القدير ج ۲ ص ۱۱۹ (طبع مكتبه رشيديه كوئٹه)

[illegible]
اجازت دے دی کہ وہ ان اموال کی زکوٰۃ خود ادا کرلیا کریں۔

* [illegible]

* [illegible]

[illegible]
جاتی تھی، جس کی فقہاء نے تصریح فرمائی ہے۔

[illegible]

جب یہ اصول مقرر ہوگیا تو اگر کسی جزوی واقعے میں کوئی شخص اپنے مالِ باطن کو اشتہار یا اقرار کے ذریعے ظاہر بھی کردے تو یہ ایک استثنائی واقعہ ہوگا، جس سے اصول تبدیل نہیں ہوسکتا، اس لئے اس صورت میں بھی بطورِ اصول اس سے زکوٰۃ وصول نہیں کی جائے گی۔

ہاں اگر کچھ ایسے اموال پائے جائیں جن کی نوعیت ہی ایسی ہو کہ وہ سب کے سب بذات خود حکومت پر بغیر تفتیش کے ظاہر ہوجاتے ہوں، اور حکومت ان تمام اموال کے بارے میں یہ طے کرلے کہ ان تمام اموال سے زکوٰۃ وصول کی جائے گی تو اس میں شرعی ممانعت کی کوئی دلیل نہیں ہے، بلکہ تنخواہوں، وظائف اور اموالِ مغصوبہ سے جو زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی وہ اس کے جواز کی واضح نظیر ہے۔

دوسرے الفاظ میں "خروج من المصر" عاشر کے لئے زکوٰۃ وصول کرنے کی اجازت کی تو علت ہے لیکن امام کے لئے وصولِ زکوٰۃ کے اختیار کی علت نہیں، بلکہ اس کے لئے علت اموال کا تفتیش کے بغیر ظاہر ہوجانا ہے، چنانچہ جن اموال کی نوعیت ایسی ہو کہ وہ بغیر تفتیش کے ظاہر ہوجاتے ہوں، ان سے ما مرّ علی العاشر کی طرح وہ زکوٰۃ وصول کرنے کا حکم جاری کرسکتا ہے، جیسے کہ تنخواہوں وغیرہ کے معاملے میں کیا گیا۔

یہی وجہ ہے کہ فقہائے کرام "خروج من المصر" کا تذکرہ "باب فیمن یمر علی العاشر" میں تو فرماتے ہیں، جس کا موضوع یہ ہے کہ عاشر کن لوگوں سے اموالِ زکوٰۃ وصول کرسکتا ہے، لیکن جس جگہ امام کے وصولِ زکوٰۃ کے اختیار کا بیان ہے، وہاں عموماً "خروج من المصر" کو بطور علت ذکر نہیں کیا جاتا، بلکہ وہاں علت یہی بیان کی جاتی ہے کہ اموالِ باطنہ سے زکوٰۃ وصول کرنے میں لوگوں کے نجی معاملات میں خلل اندازی اور ان کی تفتیش لازم آجاتی ہے جس سے عوام کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہے، جیسا کہ فتح القدیر کی عبارت پیچھے گزر چکی ہے، اور امام ابوبکر جصاص کی عبارت مجلس کی تحریرِ سابق میں نقل کی جاچکی ہے۔

بینک اکاؤنٹس کے قرض ہونے کا مسئلہ

بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ جب کوئی شخص بینک میں رقم رکھواتا ہے تو شرعاً وہ رقم بینک کے ذمے قرض ہوتی ہے، امانت نہیں، اس لئے وہ بینک پر مضمون بھی ہوتی ہے اور اس پر زیادتی وصول کرنا سود ہوتا ہے، اور جب کسی شخص نے کوئی رقم کسی دوسرے فرد یا ادارے کو بطور قرض دے دی تو وہ اس شخص کی ملکیت سے نکل کر مقروض کی ملکیت میں داخل ہوگئی، اب

کی بنا پر زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب وہ رقم اسے وصول ہو جائے، اس سے پہلے زکوٰۃ واجب الاداء نہیں، لہٰذا بینک اکاونٹس سے زکوٰۃ وضع کرنے پر پہلا اعتراض تو یہ ہے کہ زکوٰۃ واجب الاداء ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ وضع کرلی گئی ہے، اور دوسرا اعتراض یہ ہے کہ وہ زکوٰۃ دائن سے وصول کرنے کے بجائے مدیون کے مال سے وصول کی گئی ہے، حالانکہ اس کی کوئی نظیر معہود فی الشرع نہیں ہے کہ ایک شخص کی زکوٰۃ دوسرے کے مال سے وصول کی جائے۔

ذیل میں ان دونوں اعتراضات کی تحقیق مقصود ہے:-

ان دونوں مسائل کی تحقیق کے لئے پہلے بینک اکاونٹس کی صحیح حیثیت متعین کرنا ضروری ہے۔

اس میں شک نہیں کہ فقہی اعتبار سے بینک اکاونٹ قرض ہے لیکن دائن کے تصرف کے لحاظ سے یہ ایک بالکل نئی قسم کا قرض ہے جو فقہائے کرام کے عہد میں موجود نہیں تھا اور جس کی نظیریں بھی اس دور میں کم ملتی ہیں، لہٰذا زکوٰۃ کے حق میں بینک اکاونٹس کو بالکلیہ دوسرے دیون و قرضوں پر قیاس کرنا درست نہیں ہوگا، وجوب زکوٰۃ کے حق میں دین کے اندر اصل دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ دائن کے لئے کس حد تک مرجو الوصول ہے، اور دائن کا تصرف اس پر کس حد تک برقرار ہے، اسی بناء پر فقہائے کرام نے وجوب زکوٰۃ کے معاملے میں دین قوی، دین متوسط اور دین ضعیف کی تقسیم فرمائی ہے، اور اسی بناء پر دین مجحود کو مال ضمار میں شامل کرکے اسے زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ جب ہم اس نقطۂ نظر سے بینک اکاونٹس کا جائزہ لیتے ہیں تو وہ دین ہونے کے باوجود اس معاملے میں دوسرے عام دیون سے بالکل ممتاز نظر آتا ہے، جس کی وجوہ درج ذیل ہیں:-

---

[illegible]

(حاشیہ از حضرت والا دامت برکاتہم)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۳۱۶ (طبع ایچ ایم سعید)

(۲) الدر المختار کتاب الایداع ج ۵ ص ۶۶۹ (طبع ایچ ایم سعید)

(۳) طبع مکتبہ دارالعلوم کراچی　　(محمد زبیر)

۱- عام قرضوں کا حال یہ ہوتا ہے کہ مقرض کے قبضے سے نکلنے کے بعد ان پر مقرض کا کوئی تصرف باقی نہیں رہتا، بلکہ وہ مقروض کے رحم و کرم پر ہوتا ہے کہ وہ جب چاہے اسے ادا کرے، اس کے برعکس بینک اکاؤنٹس میں مقرض کے طلب کرنے پر فوری ادائیگی نہ ہونے کا سوال ہی نہیں ہوتا، اور یہ بینک کی طرف سے صرف زبانی اقرار نہیں ہوتا، بلکہ بینکوں کا مسلسل بلا تخلف طرز عمل یہی ہے، جس کے بغیر بینک چل ہی نہیں سکتے، لہٰذا یہ قرض کی وہ قسم ہے جس میں مقرض اپنی رقم جب چاہے فوراً بلا تخلف واپس لے سکتا ہے، اور عملاً وہ یکسر اسی طرح قادر ہے جیسے اپنی تجوری میں رکھی ہوئی رقم، بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ تجوری کی رقم میں ہلاک ہونے کا خطرہ ہے، لیکن بینک اکاؤنٹ میں ایسا خطرہ بھی نہیں ہے۔

۲- بینک اکاؤنٹس میں رکھی ہوئی رقم پر ہر اکاؤنٹ ہولڈر ٹھیک اسی طرح تصرف کرتا ہے جس طرح اپنی الماری میں رکھی ہوئی رقم پر تصرف کرتا ہے، اس وقت تجارت کا سارا کاروبار بینک اکاؤنٹس ہی پر چل رہا ہے اور بیشتر ادائیگیاں بینک ہی کے ذریعے ہوتی ہیں۔

۳- عرف عام میں بھی بینک میں رقم رکھوانے کے بعد کوئی شخص یہ نہیں سمجھتا کہ اس نے یہ رقم کسی کو قرض دے دی ہے، بلکہ وہ اسے اپنی ہی رقم سمجھتا ہے، اور اس کے ساتھ اپنی رقم ہی کا سا معاملہ کرتا ہے، جب کوئی شخص اپنے حاضر و غائب مال کی فہرست بناتا ہے تو بینک اکاؤنٹس کو مال حاضر میں شمار کیا جاتا ہے، مالِ غائب میں نہیں۔

۴- عام قرضوں کا حال یہ ہے کہ معاملہ قرض کا محرک مستقرض ہوتا ہے، لیکن یہاں محرک مقرض ہوتا ہے اور اس کا اصل منشا قرض دینے کے بجائے اپنے مال کی حفاظت ہوتا ہے۔

عام قرضوں کے مقابلے میں بینک اکاؤنٹس کی ان وجوہ فرق کو ذہن میں رکھ کر قرضوں پر زکوٰۃ کے مسئلے پر غور فرمایئے۔

بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر پہلا اعتراض یہ کیا جا رہا ہے کہ قرضے پر اگرچہ زکوٰۃ فرض تو ہوتی ہے، لیکن اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوتی ہے، جب وہ دائن کے قبضے میں واپس آ جائے، اور زیر بحث صورت میں دائن کے قبضے میں آنے سے پہلے ہی زکوٰۃ وضع کی جا رہی ہے۔

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے کہ قرضوں پر زکوٰۃ کا نفس وجوب تو متفق علیہ ہے، البتہ امام ابوحنیفہ نے مقرض کو یہ سہولت دی ہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی اس پر واجب اس وقت ہوگی جب قرضے کی رقم اسے وصول ہو جائے گی، چنانچہ جب بھی چالیس درہم کی مقدار اس کے پاس واپس آ جائے گی، ایک درہم بطور زکوٰۃ ادا کرنا اس پر واجب ہوگا، اس سہولت کا پس منظر اور اس کی اصل وجہ مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہوتی ہے:-

۱- امام بیہقیؒ روایت فرماتے ہیں:-

عن حميد بن عبدالرحمن بن عبدالقاري، وكان على بيت مال عمر قال كان الناس يأخذون من الدين الزكاة، وذلك ان الناس اذا خرجت الاعطية حسب لهم العرفاء ديونهم وما بقي في ايديهم اخرجت زكاتهم قبل ان يقبضوا، ثم دان الناس بعد ذلك ديونا هالكة فلم يكونوا يقبضون من الدين الصدقة الا من نص منه ولكنهم كانوا اذا قبضوا الدين اخرجوا عنها لما مضى.

(السنن الكبرى للبيهقي ج:۴ ص:۱۵۰ باب زكاة الدين اذا كان على معسر أو جاحد)[1]

ترجمہ: حمید بن عبدالرحمن سے روایت ہے کہ عبدالرحمن بن عبد قاری جو حضرت عمرؓ کے زمانے میں بیت المال میں مقرر تھے، فرماتے ہیں کہ لوگ دیون سے زکوٰۃ وصول کرتے تھے، جس کا طریقہ یہ تھا کہ جب لوگوں کی تنخواہوں کی ادائیگی کا وقت آتا تو عرفاء ان کے دیون کا حساب کرتے، اور جو باقی بچتا اس کی زکوٰۃ ان کے قبضہ کرنے سے پہلے ہی نکال لی جاتی، لیکن اس کے بعد لوگوں نے ایسے دیون کا معاملہ شروع کردیا جو بعض وقت ضائع ہوجاتے تھے، اس لئے وہ کام صرف اس دین سے زکوٰۃ وصول کرتے جو نقد شکل میں آجاتا، لیکن اب جب اپنے قرضوں پر قبضہ کرتے تو زمانہ گزشتہ کی زکوٰۃ بھی نکالتے تھے۔

اس روایت سے واضح ہے کہ سارے دیون کا حکم بھی یہی تھا کہ سال بسال ان کی زکوٰۃ ادا کی جائے، خواہ وہ قبضے میں نہ آئے ہوں، لیکن چونکہ بعض مرتبہ لوگ زکوٰۃ نکال دیتے ہیں، اور بعد میں دیون وصول نہیں ہوتے، اس سے یہ بات دی گئی کہ دیون کی زکوٰۃ دیون وصول ہونے کے بعد دی جائے، لیکن جب ادا کی جائے تو سارے سالہائے گزشتہ کی بھی ادا کی جائے، اس کے باوجود صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین کی ایک بڑی جماعت کا مسلک یہی رہا ہے کہ دیون اگر قابل اعتماد ہے تو زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے وصولیابی کا انتظار نہ کیا جائے، بلکہ سال کے سال زکوٰۃ ادا کی جاتی رہے، چنانچہ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ، حضرت جابر بن زیدؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت ابراہیم نخعیؒ، حضرت میمون بن مہرانؒ، حضرت قتادہؒ اور حضرت سعید بن المسیب وغیرہ کا مسلک یہی تھا۔

(كتاب الأموال لأبي عبيد ص ۳۳۲ باب الصدقة في التجارات والديون فقره نمبر ۱۲۳۶[2] ومصنف عبدالرزاق ج ۴ ص:۱۰۴ باب لا زكاة الا في الناض)[3]

---

(۱) طبع نشر السنه، ملتان.

(۲) كتاب الأموال لأبي عبيد الجزء الثالث ص ۳۳۹ (طبع دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) طبع مجلس علمی

اسی کو امام ابو عبیدؒ نے ترجیح دی ہے، اور یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔

(نہایۃ المحتاج ج:۳ ص:۱۳۰)(۱)

لیکن امام ابو حنیفہؒ کا موقف یہ ہے کہ دین خواہ کتنے قابل اعتماد شخص کے پاس ہو، اس میں چونکہ عدم ادائیگی کا احتمال بھی رہتا ہے، لہٰذا جب تک وہ مالک کے قبضے اور تصرف میں نہ آجائے اس وقت تک وجوب ادا نہیں ہوتا، اس کے لئے انہوں نے حضرت علیؓ کے اس ارشاد سے استدلال فرمایا ہے جسے امام محمدؒ نے روایت کیا ہے، امام محمدؒ فرماتے ہیں:-

عن علی بن ابی طالبؓ قال اذا کان لذلک دین علی الناس فقبضہ فزکاہ لما مضی قال محمدؒ: و بہ ناخذ وھو قول أبی حنیفةؒ

(کتاب الآثار صفحہ ۱۰۸)(۲)

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب کسی کا دین لوگوں پر ہو اور وہ اس پر قبضہ کرلے تو زمانہ ماضی کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ امام ابو حنیفہؒ نے اس مسئلے میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت علیؓ کے ارشاد پر رکھی ہے۔

اور حضرت علیؓ کا یہ ارشاد امام بیہقیؒ(۳) اور امام ابو عبیدؒ وغیرہ(۴) نے ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے:-

عن علیؓ فی الدین المظنون قال ان کان صادقا فلیزکہ اذا قبضہ لما مضی

ترجمہ: جس دین کی وصولیابی مشکوک ہو اس کے بارے میں حضرت علیؓ نے فرمایا کہ اگر وہ سچا ہے تو دین پر قبضہ کرنے کے بعد پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے۔

امام ابو عبیدؒ نے "دین ظنون" کی تعریف ان الفاظ میں فرمائی ہے کہ:-

هو الذی لا یدری صاحبه أیقضیه الذی علیه الدین أم لا؟

(بیہقی ج ۴ ص:۱۵۰(۵) و کتاب الأموال ص:۴۳۱ فقرہ:۱۲۲۰(۶) و مصنف ابن ابی شیبةؒ ج:۳ ص:۱۶۳(۷))

---

(۱) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت (۲) کتاب الآثار للامام محمد ص ۵۲ طبع کتب خانہ مجیدیہ ملتان۔
(۳) دیکھئے السنن الکبری للبیہقیؒ ج ۴ ص ۱۵۰ (طبع نشر السنۃ ملتان)
(۴) کتاب الاموال لابی عبید الجزء الثالث ص ۴۳۲ دار الکتب العلمیہ بیروت
(۵) طبع نشر السنہ ملتان (۶) الجزء الثالث ص ۴۳۲ دار الکتب العلمیہ بیروت (۷) طبع دار القرآن کراچی

یعنی یہ وہ دین ہے جس کے بارے میں یہ معلوم نہ ہو کہ مدیون اسے ادا کرے گا یا نہیں کرے گا؟

اور اس ارشاد کی تفصیل امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں روایت فرمائی ہے:

عن الحسن قال: سئل علي عن الرجل يكون له الدين على الرجل، قال: يزكيه صاحب المال، فإن توى ما عليه وخشي أن لا يقضي، قال: يمهل فإذا خرج أدى زكاة ماله. (مصنف ابن ابی شیبۃ ج۳ ص۱۶۲)(۱)

ترجمہ: حضرت حسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ کسی شخص کا دین دوسرے پر واجب ہو (تو وہ کیا کرے؟) آپؓ نے فرمایا کہ مالک اس کی زکوٰۃ نکالے، لیکن اگر اسے یہ اندیشہ ہو کہ مدیون ادا نہیں کرے گا تو وہ ٹھہر جائے اور جب دَین وصول ہوجائے تو اس وقت ادا کردے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اس باب میں حضرت علیؓ کا موقف وہی ہے جو حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ وغیرہ کا ہے یعنی:-

أن عبدالله بن عباسؓ وعبدالله بن عمرؓ قالا: من أسلف مالاً فعليه زكاته في كل عام إذا كان في ثقة (سنن الكبرى للبيهقي ص ۱۴۹)(۲)

ترجمہ: عبداللہ بن عباسؓ اور عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی کو مال قرض دے تو اس پر ہر سال اس کی زکوٰۃ واجب ہے، اگر وہ قابلِ اعتماد جگہ پر ہو۔

اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مکمل الفاظ یہ ہیں:-

زكوا ما كان في أيديكم، وما كان من دين في ثقة فهو بمنزلة ما في أيديكم، وما كان في دَين ظنون فلا زكاة فيه حتى يقبضه.

(بیہقی ج ۴ ص ۱۵۰ ومصنف ابن ابی شیبہ ج ۳ ص ۱۶۲)(۳)

ترجمہ: جو مال تمہارے ہاتھوں میں ہو اس کی زکوٰۃ نکالو اور جو دین قابلِ اعتماد جگہ پر ہو، وہ ایسا ہی ہے جیسے تمہارے قبضے کا مال، اور جو دین مشکوک ہو تو اس پر اس وقت تک زکوٰۃ واجب نہیں جب تک وہ قبضے میں نہ آجائے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے اس ارشاد کا ایک حصہ حضرت امام محمدؒ نے بھی نقل فرمایا ہے اور اس

---

(۱) طبع ادارۃ القرآن کراچی۔
(۲) ج۴ طبع نشر السنہ ملتان
(۳) ایضاً
(۴) طبع ادارۃ القرآن کراچی

سے دَین کے مسئلے میں مالکیہ کے خلاف استدلال فرمایا ہے:-

عن نافع عن ابن عمرؓ انه قال فی الدین یرجی، قال: زکه کل عام.

(کتاب الحجة علی اهل المدینة ج:١ ص ٤٧٢)(١)

ترجمہ - حضرت ابن عمرؓ نے اس دین کے بارے میں فرمایا جس کی وصولیابی کی اُمید ہو کہ اس کی زکوٰۃ ہر سال نکالو۔

اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقہائے حنفیہ نے اس باب میں اپنے مسلک کی بنیاد حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے اقوال پر رکھی ہے، اور ان کے نزدیک اگرچہ قبضے کے بعد زکوٰۃ کا وجوب صرف اس صورت میں ہے جبکہ دین کی وصولیابی مظنون ہو، جہاں وصولیابی کا وثوق ہو، وہاں ان کے نزدیک وجوب ادا بھی قبضے سے پہلے ہی ہو جاتا ہے، لیکن فقہائے حنفیہ نے اس پہلو پر نظر فرمائی کہ معروف دیون میں سے ہر دین میں، خواہ وہ کتنے ہی قابل اعتماد شخص کے پاس ہو، عدم ادائیگی کا کچھ نہ کچھ خطرہ ضرور ہوتا ہے، لہٰذا انہوں نے ہر دین قوی کو "دین ظنون" قرار دے کر یہ عام حکم لگا دیا کہ اس پر نفس وجوب تو ہو جاتا ہے، لیکن وجوب ادا قبضے کے بعد ہوگا۔

اس پس منظر کو ذہن میں رکھ کر جب ہم بینک اکاؤنٹس کا جائزہ لیتے ہیں، اور عام دیون سے مقابلے میں ان کی جو وجوہ فرق شروع میں بیان کی گئیں، ان کو دیکھتے ہیں تو واضح ہو جاتا ہے کہ یہ دَین قوی کی وہ قسم ہے جو فقہائے کرام کے عہد میں موجود نہیں تھی، یا اس کی نظیریں شاذ و نادر تھیں، اور اس قسم کو "دین ظنون" کسی طرح قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ یہ وصولیابی کے یقینی، دائن کے آزادانہ تصرفات اور عرف عام کی رُو سے بالکل اس طرح دائن کی ملکیت اور تقدیری قبضے میں رہتا ہے جیسے اپنے گھر میں رکھا ہوا مال، لہٰذا حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے الفاظ میں "بمنزلة ما فی أیدیکم" کا اطلاق اس سے زیادہ کسی دَین پر نہیں ہو سکتا۔

اس کے علاوہ اگر بینک اکاؤنٹس پر زکوٰۃ کے وجوب ادا کے لئے دوسرے دیون کی طرح ان کے نقد ہونے کی شرط لگائی جائے تو اس سے اتنی عملی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی کہ زکوٰۃ کی ٹھیک ٹھیک ادائیگی بہت مشکل ہو جائے گی۔ امام ابو عبیدؒ نے تو عام دیون کے بارے میں بھی یہ فرمایا ہے کہ:-

وانما اختاروا او من اختار منهم - تزكية الدين مع عين المال لان من ترك ذلك حتى يصير الى القبض لم يكد يقف من زكاة دينه على حد، ولم يقم بأدائها، وذلك ان الدين ربما اقتضاه ربه منقطعا، كالدراهم

(١) طبع دار المعارف النعمانیة

الخمسة والعشرة واكثر من ذلك واقل، فهو يحتاج في كل درهم يقبضه فما فوق ذلك الى معرفة ما غاب عنه من السنين والشهور والايام، ثم يخرج من زكاته بحساب ما يصيبه وفي اقل من هذا ما تكون الملالة والتفريط، فلهذا اخذوا له بالاحتياط، فقالوا يزكيه مع جملة ماله في رأس الحول، وهو عندي وجه الأمر.

(كتاب الأموال ص: ۴۳۴ فقره ۱۲۳۶)[1]

ترجمہ - جن حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ دین کی زکوٰۃ عین مال کے ساتھ ہی ادا کی جائے، انہوں نے یہ مسلک اس لئے اختیار فرمایا کہ جو شخص دین کی زکوٰۃ کو قبضہ ملنے تک مؤخر کرے گا وہ اپنے دین کی زکوٰۃ وصول کے مطابق معلوم کرکے اس کی صحیح ادائیگی نہ کر سکے گا، اس لئے کہ دین بعض اوقات قسطوں میں وصول ہوتا ہے، مثلاً کبھی پانچ ملے، کبھی دس، کبھی زیادہ، کبھی کم، اب اسے جو درہم بھی حاصل ہوگا اس کے بارے میں یہ معلوم کرنا پڑے گا کہ وہ کتنے سال، کتنے مہینے، کتنے دن اس کے قبضے سے خارج رہا ہے، پھر وہ اسی کے حساب سے زکوٰۃ نکالے گا، اور اس عمل میں مشقت اور کوتاہی کا خطرہ ہے، اس لئے ایسے شخص کے لئے علماء نے احتیاط پر عمل فرمایا، اور یہ حکم دے دیا کہ وہ ہر سال اپنے دوسرے مال کے ساتھ دین کی زکوٰۃ بھی نکال دیا کرے، اور یہی میرے نزدیک صحیح طریقہ ہے۔

عام دیون کے بارے میں یہ دشواری قابل لحاظ ہو یا نہ ہو، لیکن بینک اکاؤنٹس کے بارے میں تو اس قسم کا حساب و کتاب عملی اعتبار سے تقریباً ناممکن ہے، کیونکہ عام طور پر ان اکاؤنٹس سے بعض وقت ایک ایک دن میں کئی کئی مرتبہ رقمیں نکالی اور نئی داخل کی جاتی ہیں، اور قبضے کے بعد زکوٰۃ کی ادائیگی کی صورت صرف یہی ہو سکتی ہے کہ ہر اکاؤنٹ ہولڈر اپنے اکاؤنٹ کے ہر ہر روپے کے بارے میں یہ ریکارڈ پوری طرح محفوظ رکھے کہ وہ کتنے عرصے بینک میں رہا ہے، تاکہ اس پر واجب ہونے والی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کر سکے، اور جب کوئی رقم بینک سے نکالے تو پہلے یہ حساب لگائے کہ یہ رقم کتنے سال بینک میں رہی ہے، اور اس پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوئی ہے، پھر زکوٰۃ ادا کرے، اور اس میں جو عملی تعذر ہے وہ مخفی نہیں۔ اور خود فقہاء حنفیہ نے مال مستفاد کا الگ سال شمار نہ کرنے پر یہ دلیل

(۱) الجزء الثالث ص ۴۳۹ (طبع دار الكتب العلمية بيروت)

کی عملی تعذر پیش آتی ہے۔ چنانچہ امام محمدؒ نے تو مال مستفاد پر الگ سال شمار کرنے والوں پر طعن فرماتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ:-

أينبغي لصاحب هذا المال أن يقعد حساباً يحسبون زكاة ماله متى تجب؟ أرأيتم الرجل إذا كان يفيد اليوم ألفاً وغداً ألفين وبعد غد ثلاثة آلاف، وبعد ذلك خمسة آلاف وبعد ذلك بعشرين يوماً عشرة آلاف، أينبغي له أن يزكي كل مال من هذه الأموال على حدة؟ وهذا قول ضيق لا يوافق ما عليه الناس، ينبغي له أن يجمع ماله كله ثم يزكيه إذا وجبت الزكاة على ماله الأول. (كتاب الحجة على اهل المدينة ج ۱ ص:۳۹۱، ۳۹۲)(۱)

ترجمہ: (ان حضرات کے قول کے مطابق) تو ہر صاحبِ مال کو چاہئے کہ وہ باقاعدہ منشی اس کام کے لئے بٹھائے کہ وہ اس کی زکوٰۃ کا حساب کیا کریں کہ وہ کب واجب ہوتی ہے؟ ذرا غور تو فرمائیے کہ ایک شخص کے پاس آج ایک ہزار آتے ہیں، کل دو ہزار، پرسوں تین ہزار، اس کے بعد پانچ ہزار، پھر بیس دن کے بعد دس ہزار، تو کیا وہ ان تمام رقموں کی الگ الگ زکوٰۃ نکالے گا؟ یہ تو بڑا تنگ قول ہے جو لوگوں کے طرزِ عمل کے موافق نہیں، اس کے بجائے اسے چاہئے کہ وہ اپنا سارا مال جمع کرے پھر سارے مال کی زکوٰۃ ایک ساتھ اس وقت نکالے جب اس کے پہلے مال پر زکوٰۃ واجب ہوئی تھی۔

اور حضرت ابراہیم نخعیؒ ''جو فقہ حنفی کا بہت بڑا ماخذ ہیں'' ان کا ایک ارشاد امام ابن ابی شیبہؒ نے ان الفاظ میں روایت فرمایا ہے کہ:-

ومن كان له من دين ثقة فليزكه، وما كان لا يستقر يعطيه اليوم ويأخذ إلى يومين فليزكه. (مصنف ابن ابی شیبةؒ ج ۳ ص:۱۶۲)(۲)

ترجمہ: جس شخص کا مالی دین کسی قابلِ اعتماد شخص پر ہو، اس کو چاہئے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کرے، اور جو دین ایک حالت پر نہ رہتا ہو، آج وہ کسی کو دیتا ہو اور دو دن تک واپس لے لیتا ہو اس کی بھی زکوٰۃ نکالے۔

ان کا منشا بھی ظاہر یہی ہے کہ دیون کی جو رقمیں آتی جاتی رہتی ہوں ان کا الگ الگ حساب رکھنا چونکہ متعذر ہے، اس لئے ان سب کی زکوٰۃ ایک ساتھ ہی نکالنی چاہئے، اور اس قسم کے دیون کی

---

(۱) طبع دار المعارف العثمانية　　(۲) طبع نشر السنة ملتان

جتنی مکمل مثال بینک اکاؤنٹس میں آتی مکمل مثال شاید کوئی اور ممکن نہ ہو، لہٰذا ان تمام دلائل کی روشنی میں بینک اکاؤنٹس سے زکوٰۃ وصول کرنے پر یہ اعتراض درست نہیں رہتا کہ ان کی زکوٰۃ وجوبِ ادا سے پہلے وصول کرلی گئی ہے، بلکہ مذکورہ بالا دلائل کی رو سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ ان اکاؤنٹس کا وجوبِ ادا بھی اسی وقت ہوجاتا ہے، جب دوسری رقموں کا سال پورا ہو۔

بینک اکاؤنٹس کے دین ہونے کی بنیاد پر ان سے زکوٰۃ وضع کرنے پر دوسرا اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ جب ایک شخص نے کوئی رقم بینک کو قرض دے دی تو وہ اس کی ملکیت سے نکل کر بینک کی ملکیت میں آگئی، لہٰذا جس رقم سے حکومت زکوٰۃ وصول کررہی ہے وہ بینک کی ملکیت ہے، اور اس کی کوئی نظیر شریعت میں نہیں ہے کہ ایک شخص کی زکوٰۃ دوسرے کے مال سے وصول کی جائے۔

اس اعتراض کے جواب میں عرض یہ ہے کہ جس دین کی وصولیابی اتنی متیقن ہو جتنی بینک اکاؤنٹس میں متیقن ہوتی ہے، اس سے زکوٰۃ کی وصولیابی کی متعدد نظیریں موجود ہیں کہ اس کو تقدیراً دائن کے قبضے میں قرار دے کر اس سے زکوٰۃ وصول کی گئی ہے، چند نظائر درج ذیل ہیں

- پیچھے ذکر آچکا ہے کہ حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر، حضرت عثمان رضی اللہ عنہم زکوٰۃ کی رقم، دی جانے والی تنخواہوں سے کاٹ لیتے تھے، امام ابوعبیدؒ کی روایت کے یہ الفاظ پیچھے گزرے ہیں کہ:-

فإن أخبره أن عنده مالا قد حلت فيه الزكاة قاصه مما يريد أن يعطيه (۱)

(کتاب الاموال ص: ۴۱۱)

ترجمہ:- اگر تنخواہ لینے والا یہ بتاتا کہ اس کے پاس ایسا مال ہے جس پر زکوٰۃ واجب ہے تو حضرت صدیقؓ جو تنخواہ اسے دینا چاہتے تھے اس میں سے زکوٰۃ کاٹ لیتے تھے۔

ظاہر ہے کہ تنخواہ کی وصولیابی سے پہلے وہ بیت المال پر دین ہی تھا، اور چونکہ صاحب تنخواہ کا اس پر قبضہ نہیں ہوا تھا، اس لئے ابھی وہ حقیقۃً اس کی ملکیت اور قبضے میں نہیں آیا تھا، لیکن قبضے میں آنے سے پہلے ہی اس سے زکوٰۃ وضع کرنا اس لئے تھا کہ وہ دین متیقن ہونے کی بناء پر تقدیراً صاحب تنخواہ کے قبضے میں آچکا تھا۔ چنانچہ امام محمدؒ نے یہ واقعہ موطا میں نقل کرکے اس پر ترجمۃ الباب یہ قائم فرمایا ہے۔

باب الرجل يكون له الدين هل عليه فيه الزكاة؟

---

(۱) کتاب الاموال لأبی عبید الجزء الثالث ص۴۱۲۰ (دار الکتب العلمیة بیروت)

اور پھر یہ روایت نقل فرمائی ہے کہ:-

کان أبوبکر اذا اعطی الناس اعطیاتهم یسئل الرجل هل عندک من مال قد وجبت فیه الزکاة؟ فان قال نعم، أخذ من عطائه زکاة ذلک المال، وان قال: لا، سلم الیه عطاءه.

اور پھر فرمایا ہے:-

قال محمد: وبهذا نأخذ، وهو قول أبی حنیفة رحمه الله.
(مؤطا امام محمد ص ۱۷۰)[1]

اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی نے حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ وغیرہ کے اس عمل کو نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ:-

وفیه دلالة علی أنهم کانوا یأخذون زکاة العطاء لکونه دینا مستحقا علی بیت المال والا لم یکن لأخذ الزکاة منه معنی (اعلاء السنن ج ۲ ص: ۴۳۰ کتاب السیر، باب العطاء یموت صاحبه بعد ما یستوجبه)[2]

ترجمہ: ان روایات سے معلوم ہوا کہ وہ تنخواہوں سے زکوٰۃ اس لئے وصول کرتے تھے کہ وہ بیت المال پر دَین ہوتی تھیں (حالانکہ دَینِ اُجرت، دَینِ قرض سے ضعیف ہے) ورنہ ان تنخواہوں سے زکوٰۃ وصول کرنے کے کوئی معنی نہیں تھے۔

ان تمام روایات وعبارات میں اس بات کی واضح دلیل موجود ہے کہ دَینِ مستحق کے قبضے میں آنے سے پہلے ہی اس سے زکوٰۃ وصول کی جاسکتی ہے، کیونکہ وہ مستحق ہونے کی بناء پر تقدیراً مالک کے قبضے میں ہے۔

۲:- حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں امام ابوعبیدؒ فرماتے ہیں کہ:-

عن نافع عن ابن عمرؓ انه کان یکون عنده الیتامی فیستسلف اموالهم لیحرزها من الهلاک، ثم یخرج صدقتها من اموالهم وهی دین علیه (کتاب الأموال ص ۴۵۱ فقره ۱۳۰۹[3] مزید ملاحظہ: السنن الکبری للبیهقی ج ۴ ص: ۱۴۹[4] ومصنف عبدالرزاق ج ۴ ص: ۷۰ و ۹۸، ۹۹)[5]

---

(۱) المؤطا للامام محمدؒ ص ۱۷۳ (طبع قدیمی کتب خانه)
(۲) اعلاء السنن حکم الزکوٰة فی العطاء ج ۱۲ ص: ۵۵۹ (ادارة القرآن کراچی)
(۳) ص: ۴۵۲ (دار الکتب العلمیة بیروت)
(۴) طبع ادارة القرآن کراچی
(۵) طبع مجلس علمی کراچی

ترجمہ - حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی سرپرستی میں یتامی ہوتے تھے، تو حضرت ابن عمرؓ ان کے اموال کو اپنے ذمے قرض بنالیتے تھے، تاکہ ان کو ضائع ہونے سے بچائیں، پھر ان کے اموال سے ان کی زکوۃ نکالتے تھے، درآنحالیکہ وہ مال ان کے ذمے دین ہوتا تھا۔

یہاں یہ مسئلہ تو علیحدہ ہے کہ نابالغ کے مال پر زکوۃ واجب ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ واقعے میں "یتامی" سے مراد نابالغ یتامی ہیں یا بالغ یتامی؟ لیکن یہاں جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ ان یتامی پر زکوۃ فرض سمجھتے تھے، اور ان کے اموال کو خود قرض لے لیتے تھے پھر ان سے قرض ہونے کی حالت ہی میں زکوۃ نکالتے تھے۔ یہ صورت موجودہ بینک اکاؤنٹس کی صورت سے بہت قریب ہے کہ دونوں جگہ رقم "ودیعت" کے بجائے قرض بننے کا مقصد ان اموال کو مضمون بنانا ہے اور باوجودیکہ وہ رقمیں قرض بننے کے بعد حضرت ابن عمرؓ کی ملکیت میں آگئیں، لیکن انہوں نے انہی رقموں سے اصل مالکوں کی زکوۃ ادا فرمائی۔ اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین متیقن کو تقدیراً دائن کے قبضے میں قرار دے کر اس سے زکوۃ ادا کی جاسکتی ہے۔

زکوۃ کی نیت کا مسئلہ

بینک اکاؤنٹس سے زکوۃ کی وصولیابی پر تیسرا شبہ یہ کیا گیا ہے کہ بینکوں سے جبراً زکوۃ وصول کرنے کی صورت میں اصحاب اموال کی طرف سے نیت متحقق نہیں ہوگی، حالانکہ نیت ادائے زکوۃ کے لئے شرط ہے۔

اس سلسلے میں مجلس کی سابقہ تحریر میں عرض کیا گیا تھا کہ جن اموال کی زکوۃ وصول کرنے کا اختیار حکومت کو ہے، ان میں حکومت کا وصول کرلینا بذات خود نیت کے قائم مقام ہوجاتا ہے اور دلیل میں علامہ شامیؒ کی یہ عبارت بھی پیش کی گئی تھی کہ:-

وفي مختصر الكرخي اذا أخذها الامام كرها فوضعها موضعها أجزأ، لأن له ولاية أخذ الصدقات فقام أخذه مقام دفع المالك، وفي القنية فيه اشكال لأن النية فيه شرط ولم توجد منه اهـ قلت. قول الكرخي فقام أخذه الخ يصلح للجواب – تامل. (شامی ج ۲ ص:۳۵)(۱)

اس پر بعض حضرات نے یہ شبہ ظاہر فرمایا ہے کہ علامہ شامیؒ نے مذکورہ عبارت کے متصل بعد تحریر فرمایا ہے -

---

(۱) رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۰ (ایچ ایم سعید)

ثم قال في البحر والمفتى به التفصيل إن كان في الأموال الظاهرة يسقط الفرض لأن للسلطان أو نائبه ولاية أخذها وإن لم يضعها لا يبطل أخذه، وان كان في الباطنة فلا.[1]

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ اگر جبراً وصول کرلی جائے تو وہ ادا نہیں ہوگی۔

اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ مجلس نے اپنی تحریر سابق میں جو الفاظ لکھے تھے کہ "حکومت جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق ہے ان میں حکومت کا وصول کرلینا بذاتِ خود نیت کے قائم مقام ہوجاتا ہے۔" وہ اسی عبارت کے پیشِ نظر لکھے تھے، کیونکہ مذکورہ عبارت میں مدار اس پر ہے کہ سلطان کو "ولایتِ اخذ" حاصل تھی یا نہیں؟ اور جیسا کہ اوپر عرض کیا "ولایتِ اخذ" کے دلائل پیچھے تفصیل کے ساتھ بیان کئے جاچکے ہیں، لہٰذا زیرِ بحث مسئلے میں مذکورہ عبارت سے حکم میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

اور جن اموال کی زکوٰۃ وصول کرنے کا حق حکومت کو ہے ان میں حکومت کی وصولی کا نیت کے قائم مقام ہوجانا ائمہ اربعہ کے نزدیک مسلّم ہے، اگرچہ ائمہ ثلاثہ نیت کے معاملے میں اتنے سخت ہیں کہ بعض صورتوں میں دلالۃً نیت کو بھی معتبر نہیں مانتے، مثلاً اگر کوئی شخص اپنا سارا مال بغیر نیتِ زکوٰۃ کے صدقہ کردے تو حنفیہ کے نزدیک اس کی زکوٰۃ ساقط ہوجاتی ہے۔ (شامیہ ج ۲ ص ۱۱)[2]

لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک نیت کے فقدان کی وجہ سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوتی۔

(المغنی لابن قدامہ ج:۲ ص: ۶۳۹[3] والحطاب ج:۲ ص:۳۵۷)[4]

لیکن حکومت کی وصولیابی کے سلسلے میں ائمہ ثلاثہ بھی اس پر متفق ہیں کہ وہ نیت کے قائم مقام ہوجاتی ہے، چنانچہ فقہ مالکی کی معروف کتاب "مواہب الجلیل" میں ہے:

اذا اخرج رجل الزكاة بغير علم من هي عليه وعن اذنه في ذلك، فان كان مخرج الزكاة الامام فالزكاة مجزئة.

(مواهب الجليل للحطاب ج:۲ ص:۳۵۶)[5]

اور فقہ شافعیؒ کی معروف کتاب "نهاية المحتاج" میں ہے:-

الاصح عند الشافعية ان نية السلطان تكفي اذا أخذ زكاة الممتنع

(نهاية المحتاج ج:۳ ص:۱۳۸)[6]

---

(۱) رد المحتار ج ۲ ص ۲۹۰ (ایچ ایم سعید)		(۲) طبع مکتبہ حقانیہ پشاور

(۳) المغنی لابن قدامہ مسئلہ ۲۲۲۰ ج ۳ ص ۸۹ (طبع دار عالم الکتب، ریاض)

(۴) طبع دار الفکر		(۵) طبع دار الفکر

(۶) طبع دار احیاء التراث العربی بیروت

اور علامہ ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:-

ولا یجوز اخراج الزکاۃ الا بنیۃ الا أن یأخذها الامام منه قهرًا.

(المغنی لابن قدامہ ج:۲ ص:۲۳۸)[1]

پھر یہ ساری تفصیل تو زکوٰۃ کی وصولیابی کے وقت زکوٰۃ کی ادائیگی میں ہے، اور اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو اس کے لئے یہ راستہ موجود ہے کہ وہ زکوٰۃ وضع ہونے کے فوراً بعد نیت کرلے، کیونکہ اگر کوئی فضولی کسی کے مال سے زکوٰۃ ادا کردے تو جب تک مال فقیر (یا اس کے وکیل) کے قبضے میں ہو، اس وقت تک اصل مالک زکوٰۃ کی نیت کرکے اس کی اجازت دے سکتا ہے، اس کی تصریح فقہائے حنفیہؒ کے کلام میں موجود ہے، چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:-

رجل ادی زکوۃ غیرہ عن مال ذلک الغیر، فأجازہ المالک، فان کان **المال قائما فی ید الفقیر جاز وإلا فلا، کذا فی السراجیۃ.**

(عالمگیریۃ ج:۱ ص:۱۷۱)[2]

واللہ سبحانہ وتعالی أعلم بالصواب!

دستخط

۱- حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب
دارالافتاء جامعۃ العلوم الاسلامیہ، کراچی

۲- حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب
دارالافتاء والارشاد، ناظم آباد، کراچی

۳- حضرت مولانا مفتی سحبان محمود صاحب
دارالعلوم کراچی

۴- حضرت مولانا مفتی عبدالحکیم صاحب
مدرسہ اشرفیہ، سکھر

۵- حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب
مہتمم دارالعلوم کراچی

۶- حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب
دارالعلوم کراچی

۷- حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی صاحب
دارالعلوم کراچی

۸- حضرت مولانا مفتی وجیہ [illegible] صاحب
دارالعلوم بھاگ، ضلع کچھی، بلوچستان

اہم وضاحتی نوٹ

(از حضرتِ والا دامت برکاتہم)

نوٹ! چونکہ ڈپازٹ کو اموالِ ظاہرہ میں شامل کرنے کی جو تجویز اس فتوے میں دی گئی ہے، اس کے بارے میں یہ تصریح مناسب ہے کہ یہ مسئلہ بندہ کے والد ماجد حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے بھی آیا تھا۔ حضرت

(۱) المغنی لابن قدامہ مسئلہ ۴۲۲ ج ۳ ص ۸۸ (طبع دار عالم الکتب، ریاض)

(۲) طبع مکتبہ حقانیہ پشاور

والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تحریر تو اس بارے میں بندہ کو نہیں ملی، لیکن زبانی طور پر اُن سے یہ سنا ہوا ہے کہ بینکوں کے ڈپازٹس کو اموالِ ظاہرہ میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اس بارے میں ایک تحریر بھی شائع ہوئی ہے جو انہوں نے ایک سوال نامے کے جواب میں تحریر فرمائی تھی اور ماہنامہ ''ترجمان القرآن'' اور ماہنامہ ''الصدیق'' ملتان میں شائع ہوئی تھی۔ اس میں حضرتؒ کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

''حکومت کو اموالِ باطنہ کی زکوٰۃ کے مطالبے کا حق نہیں (الا بضرورۃ شدیدۃ) بلکہ وہ صرف اموالِ ظاہرہ کی زکوٰۃ وصول کرنے کی حق دار ہے، جیسے مویشیوں کی زکوٰۃ جو سال کے زیادہ حصے میں گھر پر نہیں بلکہ جنگل میں چرتے ہوں اور ان تاجروں کے تجارتی مال کی زکوٰۃ جو ایک شہر سے دُوسرے شہر میں مال لے جاتے ہوں اور باہر سے مال منگاتے ہوں، نیز عشری و خراجی زمینوں کا عشر و خراج بھی اموالِ ظاہرہ سے ہیں، اور جو تاجر اپنے شہر ہی میں تجارت کرتا ہے نہ باہر سے مال منگاتا ہے، نہ بھیجتا ہے اس کا تجارتی مال اموالِ باطنہ میں داخل ہے، اسی طرح جو نقد اور زیور کسی کے گھر میں ہے وہ بھی اموالِ باطنہ سے ہے، البتہ جو روپیہ بینک یا لمیٹڈ کمپنیوں میں ہے اس کو اموالِ ظاہرہ میں داخل کیا جاسکتا ہے۔''

(''ترجمان القرآن'' جمادی الاولیٰ ۱۳۷۰ھ ص ۳۵۵ و ۳۵۶ جلد ۳۳ عدد ۵)

فصل فی العشر والخراج
(عشر اور خراج سے متعلق مسائل کے بیان میں)

پاکستان کی عشری وخراجی زمینوں کا حکم

سوال:- عشر کس زمین پر واجب ہے؟ سرکار جو خراج لیتی ہے کیا اس زمین پر عشر واجب رہتا ہے اور کتنا ہوتا ہے؟ مزارع اور زمیندار میں سے ہر ایک الگ الگ دے یا ایک پر لازم ہے؟ عشر مدرسہ یا مسجد کو دینا جائز ہے؟ اگر دینا جائز ہو تو طلباء مدرسہ کو دیں یا کتب برائے مدرسہ خریدنا جائز ہے؟ عشر دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟

جواب:- پاکستان کی بیشتر اراضی عشری ہیں، جن زمینوں کا خراجی ہونا کسی خاص دلیل سے ثابت نہ ہو ان کو عشری ہی سمجھنا چاہئے، لہٰذا اگر وہ بارانی ہوں یعنی صرف بارش سے سیراب ہوتی ہوں تو اس کی پیداوار میں سے دسواں حصہ اور اگر نہری ہوں یعنی ان کی سینچائی پر محنت یا خرچ کرنا پڑتا ہو تو بیسواں حصہ بطور عشر نکالنا واجب ہے۔[۱] اس عشر کا حکم زکوٰۃ کا سا ہے لہٰذا اسے مصارف زکوٰۃ ہی میں صرف کیا جاسکتا ہے۔ حکومت جو ٹیکس وصول کرتی ہے اس سے عشر ادا نہیں ہوتا،[۲] عشر الگ نکالنا ضروری ہے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱/۹ الف)

عشر ادا کی گئی پیداوار کی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہونے کا حکم

سوال:- ایک زمیندار آدمی کے پاس پہلے سے رقم موجود ہے جو حولان حول کی بناء پر قابل ادائیگی زکوٰۃ ہے، اسی دوران سال میں دوسری فصل کی پیداوار زمین فروخت کرکے کچھ رقم حاصل ہوئی جس سے ۱/۱۰ حصہ یا ۱/۲۰ حصہ کی شرح سے عشر بھی ادا کیا گیا ہے، اب صورت یہ ہوئی کہ چار مہینے یا آٹھ

---

(۱) وفی التنویر مع شرحہ ج ۲ ص ۳۲۵ الی ۳۲۸، طبع ایچ ایم سعید، باب العشر: فی ... مسقی سماء أی مطر و (سیح) ... ویجب نصفه فی مسقی غرب أی دلو کبیر (ودالیة) أی دولاب لکثرة المؤنة ... الخ

(۲) دیکھئے صفحہ نمبر ۷۰ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر۲۔

مہینے کے بعد سب اس کی رقم پر سال پورا ہو کر زکوۃ قابل ادا ہوگی مگر دوران سال میں سے (زمینی پیداوار سے) جو رقم حاصل ہوتی ہے، اس پر پورا سال نہیں گزرا ہے اور عشر بھی ادا کیا ہے، تو کیا آخر الذکر رقم کو اول الذکر رقم کے ساتھ جمع کیا جائے گا جس پر زکوۃ فرض ہے یا کہ سال میں اس رقم پر زکوۃ نہ ہوگی؟ بعض علماء کی رائے ہے کہ ایک چیز پر ایک وقت میں دو وظیفے لاگو نہیں ہو سکتے کہ دوران سال عشر بھی ادا کیا ہو اور زکوۃ بھی ادا کرے، آپ صحیح صورت حال تحریر فرمائیں؟

جواب - صورت مسئولہ میں زمینی پیداوار کو فروخت کرکے جو رقم سال کے دوران حاصل ہوتی ہے اس کو اصل نقد رقم کے ساتھ ملا دیا جائے گا اور جب اصل نقد رقم کا سال پورا ہو تو اس کی زکوۃ بھی اصل رقم کے ساتھ ادا کی جائے گی، اس سے پہلے جو عشر ادا کیا گیا ہے اس کی بنا پر اس رقم کی زکوۃ ساقط نہ ہوگی، کیونکہ عشر زمین کا وظیفہ ہے، نقد کا نہیں، چنانچہ تمام فقہاء نے اس کی تصریح کی ہے، علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں: واتفقوا على ضم ثمن طعام ادى عشره ثم باعه وثمن ارض معشورة وثمن عبد ادى صدقة فطره. اما عندهما فظاهر واما عنده فلان البدل ليس بدلا لمال الزكوة لان العشر لا يجب باعتبار الملك (فتح القدير ج ۱ ص ۵۰۱)[1] ومثله في البحر[2] وقال الشامي: لو ادى عشر طعام او ارض او صدقة فطر عبد ثم باع حيث يضم اثمانها اجماعا (شامی ج ۲ ص: ۳۲)[3]۔

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۳۳۲/۱۹ الف)

حکومت برطانیہ کی طرف سے کسی کو دی گئی زمین پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

سوال - ایک جگہ پاکستان بننے سے پہلے جنگل تھی۔ حکومت برطانیہ نے اس جنگل کی زمین کو چند سو روپیہ مربع پر عوام کے نام الاٹ کردیا تھا اور مالک اس زمین کے عوام مسلمان ہیں تو اس کی پیداوار پر عشر لازم ہے یا نہیں؟ سنا ہے کہ کافر سے خرید کردہ زمین پر عشر لازم نہیں ہے؟

---

(۱) فتح القدير ج:۲ ص:۱۴۸۰ (طبع مكتبه رشيديه كوئٹه)
(۲) البحر الرائق ج ۲ ص:۲۲۳ (طبع ايچ ايم سعيد)
(۳) رد المحتار ج ۲ ص:۲۸۸ (طبع سعيد) نیز دیکھئے احسن الفتاوی ج ۴ ص ۳۶۰

جواب – مذکورہ زمین جس وقت حکومت برطانیہ کی طرف سے دی گئی اس وقت وہ بنجر تھی، لہٰذا وہ غیر مملوک ہوئی، اور مسلمانوں نے ہی اس کو احیاء کیا، اس بناء پر اس زمین پر عشر ہی واجب ہوگا۔

لما فی الدر المختار: وموات احیاه ذمی باذن الامام او رضخ له کمن خراجی ولو حیزه مسلم فعشریة شامی۔ (۱) کافر سے خریدنے کی صورت میں خراج اس وقت آتا ہے جبکہ کافر نے زمین کو آباد کیا ہو، پھر وہ مسلمان کو بیچ دے۔ مذکورہ صورت میں چونکہ مسلمانوں نے آباد کیا ہے اس لئے یہ زمین عشری ہے۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۵/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۹/۲۲ ب)

۱:- ٹیوب ویل سے سیراب کی جانے والی زمین پر نصف عشر واجب ہے
۲:- اخراجات نکالے بغیر عشر دیا جائے گا

سوال ۱ – نہری آبادی پر بیسواں حصہ ادا کرتے ہیں، جبکہ نہری کی بہ نسبت ٹیوب ویل پر زیادہ خرچ آتا ہے اور ٹیوب ویل پر بھی بیسواں حصہ ادا کرتے ہیں، حالانکہ زیادہ خرچ ہونے کی وجہ سے عشر اس سے کم ہونا چاہئے۔

۲ – آج کل کاشت پر کھاد کے زیادہ استعمال کا رواج ہے، اور اس کے بغیر پیداوار حاصل کرنا ناممکن ہے، کھاد کا خرچ فی ایکڑ ۷۰ سے ۸۰ روپے آتا ہے، اس حساب سے پورے ایکڑ مربع پر خرچ آتا ہے۔ کل پیداوار کا عشر کس حساب سے ادا کیا جائے؟ کیا کھاد کے اخراجات نکال کر عشر ادا کرنا درست ہے؟

جواب ۱ – ٹیوب ویل سے جو زمین سیراب کی جاتی ہے اس کی پیداوار کا بیسواں حصہ ہی بطور عشر ادا کرنا واجب ہوگا۔ ٹیوب ویل پر جو زیادہ خرچ ہوتے ہیں ان کی وجہ سے عشر کی شرح اس سے کم نہیں ہوگی۔

۲ – کاشت پر جو اخراجات آتے ہیں انہیں نکال کر عشر کا حساب کرنا غلط ہے، عشر کل پیداوار پر ہوتا ہے، کھاد وغیرہ کے اخراجات عشر سے مستثنیٰ نہیں کئے جا سکتے۔

یجب العشر فی الاول ونصفه فی الثانی بلا رفع اجرة العمال ونفقة البقر وکری

(۱) رد المحتار کتاب الجهاد باب العشر والخراج والجزیة ج ۴ ص ۱۸۴ (طبع سعید)

الابار واجرة الحفظ ونحو ذلك (شامی ج ۲ ص ۳۲۵) لہٰذا پورے اخراجات بلا [illegible] ہیں تو پیداوار میں [illegible] ہے، پھر عشر میں [illegible] فرق ہونی چاہئے۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۱/۴/۲۳ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۵۴۵/۱۲۲ الف)

پاکستانی زمینوں میں عشری اور خراجی زمینوں کی تعیین اوران کا حکم

سوال:- واضح فرمائیں کہ عشری اور غیر عشری زمین سے کیا مراد ہے؟

جواب:- عشری کا مسئلہ یہ ہے کہ جو زمینیں پاکستان بننے کے بعد آباد ہوئیں وہ سب عشری ہیں اور جو پہلے سے آباد ہیں ان میں سے صرف وہ خراجی ہیں جو کسی غیر مسلم کے قبضہ میں ہوں یا کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم سے خریدا ہو، اور عشر کا مطلب یہ ہے کہ بارانی زمین ہو تو پیداوار کا دسواں حصہ اور نہری یا چاہی زمین ہو تو بیسواں حصہ ادا کیا جائے۔

واللہ اعلم

۱۳۹۰/۱/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۶۸۸/۳۰ د)

زمین خودکاشت کرنے یا ٹھیکے پر دینے کی صورت میں زکوٰۃ کا حکم

سوال ۱:- اگر زمین خود کاشت کی جائے تو اس کی پیداوار پر زکوٰۃ کی کیا شکل ہے؟

۲:- زمین ٹھیکہ پر دی گئی ہو اور اس سے سالانہ نقدی حاصل ہو تو اس پر زکوٰۃ کس شرح سے واجب ہے؟

جواب ۱:- پاکستان کی بیشتر زمینیں عشری ہیں، لہٰذا اگر وہ بارانی ہیں یعنی بارش سے سیراب ہوتی ہیں تو پیداوار کا دسواں حصہ نکالنا واجب ہوگا، اور اگر مصنوعی ذرائع سے سیراب کی جاتی ہیں تو بیسواں حصہ۔[2]

۲:- ٹھیکہ کی اجرت اگر نقد وصول کی گئی ہے تو وہ نقد رقم میں شامل ہوگی اور اس پر نقدی کے حساب سے (یعنی چالیسواں حصہ) زکوٰۃ آئے گی۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۰/۱۱/۱ھ

(فتویٰ نمبر ۳۰۹/۲۱ ب)

(۱) رد المحتار باب العشر ج ۲ ص ۳۲۸ (طبع سعید)

(۲) وفی التنویر مع شرحه باب العشر ج ۲ ص ۳۲۵ الی ۳۲۸ یجب العشر [illegible] فی مسقی سماء ای مطر وسیح [illegible] ویجب نصفه فی مسقی غرب ای دلو کبیر ودالیة ای دولاب لکثرة المؤنة ... الخ.

فصل فی مصارف الزکوٰۃ والعشر وصدقۃ الفطر

(زکوٰۃ، عشر اور صدقۂ فطر کے مصارف کے بیان میں)

مستحقِ زکوٰۃ کون ہے؟

سوال:- میں ایک نہایت غریب آدمی ہوں، پاکستان سوسائٹی میں ایک ادنیٰ ملازم ہوں اور کُل چار سو پینسٹھ (۴۶۵) روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے، میرے دس بچے ہیں اور دونوں میاں بیوی ہیں، اس طرح بارہ آدمیوں کے خاندان کی گزر اوقات سے آپ اندازہ فرماسکتے ہیں کہ 465 روپے ماہانہ میں کس طرح گزر ہوتی ہوگی، مکان کا کرایہ اور آمد و رفت کا خرچ نکال کر کھانے پینے کا خرچ بھی پورا نہیں ہوتا، تھوڑا تھوڑا کرکے کئی ہزار روپے کا مقروض بھی ہوگیا ہوں جس کی ادائیگی کی کوئی صورت نہیں۔ میرے ایک رشتہ دار صاحبِ ثروت شریف آدمی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر مفتی صاحب فتویٰ دے دیں کہ تم زکوٰۃ کے مستحق ہو تو میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں کیونکہ میرے پاس زکوٰۃ کی رقم موجود ہے، اب میں اس درخواست کے ذریعہ آپ سے التجا کرتا ہوں کہ آپ میری مندرجہ بالا حیثیت اور حالت کو مدِنظر رکھتے ہوئے یہ فرمادیں کہ میں زکوٰۃ کا مستحق ہوں یا نہیں؟ یہ بھی عرض کردوں کہ میں سید نہیں ہوں۔

جواب:- اگر آپ کے پاس نقد روپیہ، زیور یا ضرورت سے زائد سامان اتنا نہیں ہے کہ آپ اگر اس سے اپنا قرض ادا کردیں تو بقایا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر بچ جائے تو آپ مستحقِ زکوٰۃ ہیں، اور آپ کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۰/۶/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۷۲۴/۳۱ ب)

حقیقی بہن کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- کیا حقیقی بہن کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؟

جواب:- حقیقی بہن اگر صاحبِ نصاب نہیں تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔[2]

واللہ اعلم

۱۴۱۴/۹/۱۸ھ

---

(۱) فی الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹ طبع سعید کراچی: مصرف الزکاۃ ... هو فقیر وهو من له أدنی شیء أی دون نصاب أو قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجۃ، وفیه أیضاً ج ۲ ص ۳۴۳: ومسکین لا یملک شیئاً ... (درمختار)

(۲) حوالہ کے لئے صفحہ نمبر ۱۳۳ اور ۱۵۲ کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

برما کے مظلوم مسلمانوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال — برما میں ظالم حکمرانوں کے خلاف مجاہدین کی جو جماعت ہے، اس میں زکوٰۃ دینے کے مستحق افراد بھی شامل ہوں تو زکوٰۃ کی رقم ان مستحقین کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

جواب — ان مستحقین کو زکوٰۃ دینا درست ہے، بلاشبہ زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے۔[۱] واللہ اعلم

۱۳۹۷/۸/۲۹ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۱۲۰ ج)

عشر و صدقۃ الفطر امامت کی تنخواہ میں دینے کا حکم

سوال — والیان ریاست کی جانب سے کوئی زمین امام مسجد کو دی گئی، وہ وقف ہو یا نہ ہو، اس کا عشر اور فطرانہ امام مسجد کو دیا جاتا ہے، اور دیگر یہ کہ امام مسجد گاؤں کی امامت بشکل ملازمت کر کے عشر اور فطرانہ لیتا ہے، اس پر امام صاحب کہتے ہیں کہ اگر امامت نہ کرے تو مقتدی ناراض ہوتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ امام مسجد کو چرم قربانی، عشر، فطرہ دینا جائز نہیں ہے، شریعت کا کیا حکم ہے؟

جواب — عشر یا صدقہ فطر کو امامت کی اجرت میں مقرر کرنا جائز نہیں ہے، امامت کی تنخواہ الگ مقرر کرنی چاہئے، پھر اگر تنخواہ دینے کے باوجود امام صاحب صاحب نصاب نہ ہوں یعنی ان کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت یا اس کی قیمت کا زائد از ضرورت سامان نہ ہو تو انہیں عشر اور صدقہ فطر بھی دیا جا سکتا ہے،[۲] لیکن اس کا امامت سے کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے، اور تنخواہ کا جزء نہیں بنایا جا سکتا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۱۰۳۲ ج)

زکوٰۃ کے واجب ہونے یا مستحق زکوٰۃ ہونے کا معیار

سوال — ٹیکسٹائل فیکٹریاں جن میں کپڑا بننے کے کارخانے، جن میں تقریباً ... کے کارخانے وغیرہ شامل ہیں، یہ کاریگر مشین کی خرابی ختم ہونے پر فارغ کر دیئے جاتے ہیں تنگی پیدا ہوتی ہیں ان میں چند ایسے ہیں جو بند ہونے کی تنگی کارخانہ بند ہونے کی صورت میں چند ماہ سے کوئی دوسرا کام تلاش کرتے ہیں، باقی بیکار رہتے ہیں اور آئندہ مشین کا کام شروع ہونے پر تمام کاریگر

---

(۱) وفي الهندية كتاب الزكوٰة الباب السابع في المصارف ج ۱ ص ۱۹۰ مكتبة ماجدية كوئٹہ: [illegible] لم يجزه [illegible] ولا [illegible]
وفيه أيضاً كتاب الزكوٰة ج ۱ ص ۱۷۰: فهي تمليك المال من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه بشرط قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالىٰ.
(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹ طبع سعيد كراتشي: مصرف الزكوٰة هو فقير وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة … الخ

[illegible] کا حصہ پا جاتے ہیں [illegible] مذکورہ کارکنوں کی آمدنی [illegible] سے مختلف [illegible]
[illegible] حکومت کے [illegible]
[illegible] الاؤنس وغیرہ شامل کر کے ۲۵۰ روپے ماہوار بنتی ہے اور [illegible]
[illegible] آمدنی ۱۵۰۰ روپے بنتی ہے [illegible]
[illegible] آمدنی ۱۵۰۰ روپے
[illegible] حکومت کے [illegible] زکوٰۃ [illegible] نصاب مبلغ ۲۰۰۰
روپے ہے تو ۲۵۰ روپے [illegible] مستحق زکوٰۃ [illegible]؟

جواب ۔ زکوٰۃ [illegible] مستحق زکوٰۃ ہونے کے [illegible]
[illegible] چاندی [illegible] کی قیمت [illegible]
ضرورت [illegible] مستحق زکوٰۃ نہیں [illegible]
[illegible] چاندی [illegible] کی قیمت [illegible]
مستحق زکوٰۃ نہیں [illegible]
ضرورت [illegible]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۱/۳/۱۴۰۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۵۳/۳۳ ج)

زکوٰۃ کی ادائیگی میں اپنے مستحق اعزاء واقارب کو مقدم رکھنا چاہئے

سوال ۔ ([illegible]) مذکورہ [illegible]
[illegible] زکوٰۃ کی رقم [illegible]؟

جواب ۔ [illegible] زکوٰۃ [illegible]
[illegible] زکوٰۃ کی رقم [illegible]
[illegible] اپنے عزیز و اقارب [illegible] مقدم [illegible]
[illegible] عزیز و اقارب کے بعد

( ) وفي تنوير الأبصار ج ۲ ص ۲۹۵ و۲۹۸ (طبع سعيد كراچي) نصاب [illegible] الفضة مائتا درهم ... أو في عرض تجارة قيمته نصاب
وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹ (طبع سعيد) مصرف الزكوة (هو فقير وهو من له أدنى شئ) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة [illegible] الخ
[illegible]
وفي [illegible] ج [illegible] ص [illegible] الأفضل في الزكوة [illegible]
ثم إلى أولادهم [illegible] ثم إلى الجيران [illegible] الخ.

زیادہ مستحق ہوں سے بشرطیکہ وہ مستحق رہتے ہوں، لہٰذا فنڈ کی کمیٹی کو چاہئے کہ وہ ان کو ترجیح دے، لیکن ان کو بذریعہ قانون اس کا پابند نہیں کیا جا سکتا، البتہ جس علاقے سے جو زکوٰۃ حکومت وصول کرے، اس میں بہتر یہی ہے کہ وہ اسی علاقے کے لوگوں پر صرف کرے،(١) اور ان بیکار افراد کی اس مد سے مدد کرے۔

واللہ اعلم
١/٣/١٤٠٢ھ
(فتویٰ نمبر ٥٣١٦/٣٣ ق)

مسجد کے لئے زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- مرحوم کی نمازوں کا فدیہ اور زکوٰۃ کی رقم اگر مسجد میں دیدی جائے تو فدیہ اور زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

جواب:- مسجد میں دینے سے زکوٰۃ اور فدیہ ادا نہ ہوگا، کسی فقیر کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے۔(٢)

واللہ سبحانہ اعلم
١٨/٩/١٣٩٧ھ
(فتویٰ نمبر ٩١٥١/٢٩ ق)

زکوٰۃ کی رقم تعمیر مسجد اور اساتذہ کی تنخواہوں میں استعمال کرنے کا حکم

سوال ١- ہماری سوسائٹی نے قرآن پاک کی تعلیم کے لئے ایک مدرسہ کھولا ہے، جس میں تقریباً ١٥٠ طلبہ وطالبات زیر تعلیم ہیں، مدرسہ اور سوسائٹی کی کوئی آمدنی نہیں ہے، بچوں کو قرآن پاک مدرسہ کی جانب سے دیئے جاتے ہیں، کیا زکوٰۃ، فطرہ، صدقہ، قربانی کی کھال وغیرہ متفرق مال کے پیسے مدرسے کے تعمیراتی کام پر خرچ کیا جا سکتا ہے؟ ٢- کیا یہ پیسہ مسجد میں لگایا جا سکتا ہے؟ ٣- کیا ان پیسوں سے اساتذہ، مؤذن اور امام کو تنخواہ دی جا سکتی ہے؟

جواب ١- زکوٰۃ، صدقۃ الفطر اور چرم قربانی کی قیمت کسی غیر صاحب نصاب کو مالک و مستحق بنا کر دینی ضروری ہے، تعمیر مدرسہ میں اس کا استعمال ہرگز جائز نہیں۔(٣)

٢- نہیں۔ ٣- نہیں۔(١)

واللہ اعلم
٢٢/٧/١٣٩٨ھ
(فتویٰ نمبر ٢٩/٨٣٩ ب)

---

(١) وفي الهندية كتاب الزكوة الباب السابع في المصارف ج ١ ص ١٩٠ طبع مكتبه رشيديه كوئٹه: ويكره نقل الزكوة من بلد إلى بلد إلا أن ينقلها الإنسان إلى قرابته أو إلى قوم هم أحوج إليها من أهل بلده وكذا في الدر المختار مع رد المحتار ج٢ ص ٣٥٣ (طبع سعيد)

(٢) وفي تنوير الأبصار مع شرحه ج ٢ ص ٣٤٤ طبع سعيد كراچی: ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة ... لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ... الخ

(٣) وفي الهندية كتاب الزكوة الباب السابع في المصارف ج ١ ص ١٩٠ طبع رشيديه كوئٹه: ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه وإلا فلا ... الخ

مستحق زکوٰۃ کی تفصیل

سوال:- ایک شخص کے پاس دس بیگھے زمین مزروعہ تقریباً ۵ ایکڑ زمین ہے (جس کی پیداوار [illegible] ہے، ان سے ضروریات پوری نہیں ہوتیں)۔

۲- زیر کفالت افراد ۳- ملازمت کی ۲۲۹ روپیہ ماہوار تنخواہ جو خورد و نوش سے کم ہے، اس کی ضروریات میں سے ایک بڑے لڑکے کی شادی کرنا ہے، دو چھوٹے نابالغ بچوں کو دینی تعلیم دلانے کا ارادہ ہے، ابھی حفظ قرآن کر رہے ہیں، اہلیہ فوت ہو چکی ہے، خود شادی کرنے کا بھی ارادہ رکھتے ہیں، ایسے شخص کو عشر یا زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اور کیا اس کو لینا جائز ہے؟

جواب:- اس میں اصول یہ ہے کہ اگر شخص مذکور کے پاس اس کی ضروریات خورد و نوش، لباس و رہائش سے فاضل اتنی رقم نقد یا ضرورت سے زائد چیز ہے، فرنیچر وغیرہ جو کہ اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جاتی ہے، تو اس کے لئے زکوٰۃ و عشر لینا جائز نہیں، اور اگر اتنی رقم یا ضرورت سے زائد چیز، فرنیچر اس قیمت کا نہیں تو اس کے لئے زکوٰۃ و عشر لینا جائز ہے۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
[illegible] ۱۳۹۶ھ

صدقۂ فطر کی مقدار اور اس کے مستحقین

سوال ا:- صدقۂ فطر کے مستحقین کون ہیں؟
جواب ا:- جو لوگ بھی صاحب نصاب نہ ہوں۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۱۰/۱۰ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۳۳/۳۱ ج)

ایک شخص کو ایک سے زائد فطرہ دینے کا حکم

سوال:- انفرادی حاجت مند کو ایک سے زیادہ فطرہ دیا جاسکتا ہے؟
جواب:- دیا جاسکتا ہے۔[3]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۱۰/۱۰ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۳۳/۳۱ ج)

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹ باب المصرف: مصرف الزكوة والعشر ... هو فقير وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة ... الخ.

(۲) وفي الهندية كتاب الزكوة باب صدقة الفطر ج ۱ ص ۱۹۴ طبع رشيدية كوئٹه: ومصرف هذه الصدقة ما هو مصرف الزكوة

(۳) وفي التنوير مع شرحه ج ۲ ص ۳۶۷ طبع سعيد كراچي: وجاز دفع كل شخص فطرته الى مسكين أو مساكين على المذهب كما جاز دفع صدقة جماعة الى مسكين واحد بلا خلاف

یتیم خانے میں فطرہ دینے کا حکم

سوال - یتیم خانے میں منتظمین کے ہاتھ یتیموں کی خاطر کیا فطرہ دیا جاسکتا ہے؟

جواب - اگر یتیم خانے والے یتیموں کو مالک بنا کر دیتے یا کھانا کھلانے کا استعمال کرتے ہوں تو دیا جاسکتا ہے، اور اگر وہ اس کو تعمیر وغیرہ پر صرف کریں تو نہیں۔(۱) واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۱۰ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۲۳/۲۸ ج)

گھر کی ملازمہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال - میری ملازمہ غریب ہے اور اس کی لڑکی بالغ ہے کیا میں اس کی شادی زکوٰۃ کی رقم سے کرسکتی ہوں؟ اگر کرسکتی ہوں تو کیا کیا چیزیں دے سکتی ہوں؟ اسی طرح ایک غریب بے سہارا عورت میرے ساتھ رہتی ہے، کیا میں اس کو زکوٰۃ دے سکتی ہوں؟ گھر کے کام کاج میں بھی برابر کا حصہ لیتی ہے۔

جواب - اگر آپ کی ملازمہ کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کی نقدی یا زائد از ضرورت سامان موجود نہیں ہے، تو وہ مستحق زکوٰۃ ہے، آپ اس کو زکوٰۃ کی رقم مالک بنا کر قبضہ میں دے سکتی ہیں، وہ اپنی لڑکی کی شادی پر بھی اس کو خرچ کرسکتی ہے، نیز اگر لڑکی بھی مذکورہ تفصیل کے مطابق مستحق زکوٰۃ ہے تو اس کو بھی زکوٰۃ کی رقم مالک بنا کر دی جاسکتی ہے، یا زکوٰۃ سے اس کے کپڑے بنا کر دیئے جاسکتے ہیں لیکن زکوٰۃ سے برات کی دعوت وغیرہ کرنا جائز نہیں۔(۲) واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۸/۸/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۱۸/۲۹ ب)

زکوٰۃ سے یتیم خانے کے لئے کمرہ کرایہ پر لینے کا حکم

سوال - یتیم خانے کے سرپرست جو رقم دینا چاہتے ہیں وہ زکوٰۃ وصدقہ کی رقم ہے جو یتیم بچوں کی ضروریات میں خرچ ہونے کے لئے دے رہے ہیں، کیا ایسی رقوم سے یتیم خانہ کمرہ لے سکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) وفی الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۳۴۴ (طبع سعید کراچی) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه ... الخ وفی الشامیة تحت قوله نحو مسجد) کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات ... الخ.
(۲) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹ (طبع سعید کراچی) مصرف الزکوٰة هو فقیر وهو من له ادنی شیء ای دون نصاب أو قدر نصاب غیر تام مستغرق فی الحاجة
(۳) وفی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۹ (طبع رشیدیه کوئٹه) ولا یجوز دفع الزکوة الی من یملک نصابا ... الخ

جواب:- زکوٰۃ، صدقۂ فطر، چرم قربانی کی رقوم کسی مستحق کو مالک وقابض بنا کر دینا ضروری ہے، لہٰذا یہ رقوم کسی رفاہِ عامہ کے کام میں خرچ نہیں کی جاسکتیں(۱) اور ان سے تعمیر خانہ کے لئے کوئی کمرہ کرائے پر لینا بھی جائز نہیں۔(۲)

واللہ اعلم

۱۳۹۷/۱/۲۹ھ

بیوہ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال:- ۱- جو رقم میرے داماد نے بینک سے نکالی ہے جو کہ زکوٰۃ میں سے دی ہے۔ میری بہن بیوہ ہے، کیا میں ان پر خرچ کرسکتی ہوں؟ بطور امداد دو مرتبہ میں یہ رقم دو لاکھ ہیں، چونکہ وہ بیوہ ہے کوئی آمدنی اور کوئی جائیداد نہیں ہے۔

۲- اور یہ رقم تعمیر مسجد میں لگائی جاسکتی ہے (زکوٰۃ کا روپیہ ہے) یا کسی خانقاہ میں لگائی جاسکتی ہے یا اسلامی لائبریری میں لگائی جاسکتی ہے یا نہیں؟ ۳- کسی کا بیٹا اگر جائیداد وغیرہ سب کا مالک ہو جائے لیکن ماں کے نام ہوتے ہوئے ماں کو محروم کردے اور ماں بیوہ ہے اور وہ مجبور ہے تو اس رقم کو وہ اپنے اوپر لگاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:- ۱،۲- زکوٰۃ کی رقم صرف ایسے شخص کو دی جاسکتی ہے جو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت سے زائد از ضرورت سامان کا مالک نہ ہو، لہٰذا اگر وہ بیوہ خاتون صاحبِ نصاب نہیں ہیں اور ان کے پاس مذکورہ قیمت کا زیور یا نقد روپیہ یا زائد از ضرورت سامان موجود نہیں ہے تو آپ یہ رقم ان کو دے سکتی ہیں، مسجد کی تعمیر یا لائبریری کے قیام میں زکوٰۃ کی رقم استعمال نہیں ہوسکتی۔

۳- اگر وہ بیوہ مذکورہ تفصیل کے مطابق صاحبِ نصاب نہ ہوں تو زکوٰۃ کی رقم لے سکتی ہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۲/۱۲/۱۹ھ

(فتویٰ نمبر ۳۳/۱۹۲۲ د)

مقروض کو زکوٰۃ دینے کی تفصیل

سوال:- ایک عورت بیوہ ہے اس کے بچے ہیں، خود محنت کرتی ہے، اور ایک بچہ نوکری کرتا ہے، اس نے کافی بڑی رقم کچھ عزیزوں سے قرض لے کر مکان خریدا ہے جس میں اب وہ رہتی ہے، وہ تھوڑا تھوڑا بھی رقم دیتی ہے جس کی ماہوار قسط دیتی تھی، کیا اس کو اب بھی زکوٰۃ دینی ہے اگر نہیں تو کیا اس کی وجہ

---

(۱) و (۲) وفی تنویر الابصار مع شرحہ ج ۲ ص ۳۴۴ طبع سعید کراچی ویشترط ان یکون التصرف تملیکا لا اباحۃ لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ وفی الشامیۃ تحت قولہ نحو مسجد کبناء القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار الخ

علم میں لائے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب:- اگر اس پر واجب الاداء قرض اس زیور کی قیمت کے برابر یا اس سے زیادہ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں[1] اور اس کو زکوٰۃ بھی دی جاسکتی ہے، اور اگر زیور کی مالیت قرض سے ساڑھے باون تولے چاندی کی مقدار سے زائد ہے تو وہ صاحبِ نصاب ہے، اس کو زکوٰۃ ادا کرنی ضروری ہے[2] اور اسے زکوٰۃ بھی نہیں دی جاسکتی۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۸/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۱۷/۲۹ ب)

سادات بنوہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی

سوال:- سید خاندان کو زکوٰۃ دینا منع ہے، اگر سید خاندان کی کوئی خاتون پردہ نشین ہو اور مالی حالت سے پریشان ہے تو اس کی کفالت اور کنبہ پروری پر سید اگر اس کی مدد کرے جبکہ دونوں سید ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟

جواب:- سادات بنوہاشم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی[3] البتہ ان کو ہدیہ پیش کرنا نہایت موجبِ اجر وثواب ہے، خاص طور پر اگر وہ ضرورت مند ہوں تو ہدایا کے ذریعے ان کی اعانت سب مسلمانوں کو کرنی چاہئے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۷/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۸۷۵/۲۹ ب)

مستحق کا زکوٰۃ لے کر مسجد کو عطیہ کرنے کا حکم

سوال:- ہمارے محلہ کی مسجد کمیٹی نے پہلی دفعہ اس ماہ رمضان میں چندہ فطرہ، زکوٰۃ کی رقم مسجد کے لئے اکٹھی کی تھی تاکہ دینی مدرسہ کو ترقی ہو، مگر صدر کمیٹی نے وہ رقم فطرہ وزکوٰۃ مسجد فنڈ میں شامل کردی، پہلے یہ رقم ایک طالب علم کو دی اس شخص نے وہ رقم مسجد کو بطور عطیہ دی، کیا یہ رقم اس طرح منتقل ہوسکتی ہے؟ اور یہ طریقہ جائز ہے؟

جواب:- زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی رقم کسی مستحق کو مالک وقابض بنا کر دینا ضروری ہے، اور

---

(۱) وفي الهندية كتاب الزكوٰة ج:۱ ص:[illegible] (طبع مكتبه رشيديه كوئٹه) قال اصحابنا رحمهم الله كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكوٰة ... الخ.

(۲) وفي الهندية كتاب الزكوٰة ج:۱ ص:۹۲ (طبع مكتبه شركت علميه ملتان) ومن كان عليه دين يحيط بماله ... وان كان ماله اكثر من دينه زكى الفاضل اذا بلغ نصابا.

(۳) وفي الهندية كتاب الزكوٰة باب المصارف ج:۱ ص:۱۸۹ طبع رشيديه كوئٹه ولا يدفع الى بني هاشم ... الخ.
تفصیلی حوالہ جات صفحہ نمبر ۱۵۹ کے حاشیہ نمبر [illegible] میں ملاحظہ فرمائیں۔

یہ رقم مسجد یا مدرسہ کی تعمیر میں یا تنخواہوں میں صرف کرنا جائز نہیں، البتہ اگر وہ مستحق شخص اس رقم کو مالک و قابض کی حیثیت سے وصول کرلے اور یہ سمجھے کہ یہ رقم اس کی ہوگئی اور اس کے بعد اپنی مرضی سے بغیر کسی دباؤ یا لالچ کے وہ رقم مسجد میں اپنی طرف سے دیدے تو اب اس کا استعمال جائز ہے۔(۲) لہٰذا اگر مذکورہ طالب علم واقعۃً اس رقم کا مالک بنادیا گیا تھا اور اس نے اس پر قبضہ بھی کرلیا تھا اور یہ سمجھ چکا تھا کہ یہ رقم اس کی ہے، اور اس کے استعمال میں وہ خود مختار ہے، پھر کسی دباؤ کے بغیر اس نے وہ رقم مسجد میں دیدی تو اب اس رقم کا استعمال مسجد میں جائز ہے ورنہ نہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۱/۷/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۵ /۲۸ الف)

کئی مکانات اور سامان کے مالک کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی

سوال: الف کے پاس پانچ مکان ہیں اور ضروریات زندگی کے سب سامان کے علاوہ ریڈیو، فرج، ٹی وی بھی موجود ہے، پہلے وہ زکوٰۃ بھی دیتا رہا ہے، مگر اب مندرجہ بالا چیزوں کے علاوہ کوئی چیز نہیں ہے اور گزارہ مشکل سے ہوتا ہے، وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے یا اس کے علم میں لائے بغیر اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں اگر اس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا زیور یا نقد، کھانے پینے کی روزمرہ ضروریات سے فاضل موجود نہ ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں، لیکن صورت مسئولہ میں اس کے لئے زکوٰۃ وصول کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۸/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۰ /۲۹ ب)

زکوٰۃ وفطرہ رفاہی کاموں اور طلباء کے تعلیمی وظائف میں خرچ کرنا

سوال: السلام علیکم میں پہلے اپنا تعارف کراتا ہوں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ میں یہ ساری

---

(۱) في الدر المختار مع رد المحتار كتاب الزكوة باب المصرف ج ۲ ص ۳۴۴ طبع سعيد كراچي ويشترط ان يكون الصرف تمليكا لا اباحة كما مر لا يصرف الى بناء نحو مسجد ولا الى كفن ميت وقضاء دينه. وفي الشامية تحت (قوله نحو مسجد) كبناء القناطر ... وكل ما لا تمليك فيه
وفي الهندية كتاب الزكوة باب المصارف ج ۱ ص ۱۹۰ طبع رشيدية كوئته ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستأجره ان كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا اجزأه والا فلا. اهـ
(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۲۷۱ طبع سعيد وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد

معلومات کس لئے چاہتا ہوں؟ میں کوئی عرصہ پانچ سال سے یہاں سے مراد انگلینڈ برطانیہ سے پیسہ اکٹھا کر کے انڈیا اور پاکستان کے غریب طلبہ کو دینی و دنیوی تعلیمی وظائف کے لئے بھیجتا ہوں۔ الحمدللہ یہ کام اب بہت اچھی طرح چل رہا ہے، چونکہ اس رقم میں فطرہ، زکوۃ، بینک کا سود، صدقہ، خیرات، کفارے کی رقم اور ہدیہ کی رقم شامل ہے، اس لئے میں دار العلوم سے درخواست کرتا ہوں کہ ہر ایک موضوع یعنی فطرہ، زکوۃ، بینک کا سود، صدقہ، خیرات، کفارہ اور ہدیہ پر یہ فتویٰ صادر کریں کہ مذہب کی روشنی میں یعنی دینی علوم اور موجودہ حالات کی روشنی میں دار العلوم کا کیا فیصلہ ہے؟

اوپر درج کی ہوئی بات کو میں تفصیل سے بیان کرتا ہوں فطرہ اور زکوۃ کے بارے میں بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ فطرہ اور زکوۃ رفاہی کاموں میں اور تعلیمی مقاصد کے لئے استعمال ہو سکتی ہے، مگر اس کا ضرور خیال رکھنا ضروری ہے کہ کس کو دیا جا رہا ہے، اس سلسلے میں آپ لوگوں کی رائے درکار ہے۔

بینک کے سود اور ہدیہ کے سلسلے میں چند سوالات یہ ہیں کہ یہ دونوں رقمیں ہیں اور قرآن میں صاف صاف بیان کر دیا گیا ہے۔ بینک کا سود ایک صورت ہی میں مل سکتا ہے اور دوسری صورت میں نہیں، یعنی اگر پیسہ سیونگ اکاؤنٹ میں رکھا جائے تو سود مل سکتا ہے اور اگر یہی پیسہ کرنٹ اکاؤنٹ میں رکھیں تو نہیں ملتا، اس کا کیا حکم ہے؟ سیونگ اکاؤنٹ میں رقم رکھ کر جو سود مل رہا ہو وہ لے لیں اور رفاہی کاموں میں استعمال کریں تو کیا یہ جائز ہوگا؟ اور ہم کسی گناہ کے مرتکب تو نہیں ہوں گے؟

صدقہ، خیرات اور کفارے کی رقم غریب طلبہ کو وظائف جاری کرنے میں استعمال کر سکتے ہیں؟ ساتھ میں یہ بھی درخواست کرتا ہوں کہ برائے شرع کفارہ کا کیا حکم ہے؟ یعنی یہ کہ انگلینڈ اور امریکہ اور دیگر یورپی ممالک میں رہنے والے یہاں کے حساب سے کفارہ دیں یا انڈیا پاکستان بھیجنے کی صورت میں انڈیا اور پاکستان کے حساب سے دیا جا سکتا ہے؟ آخر میں ایک اور سوال دریافت طلب ہے وہ یہ کہ یہاں لوگ قربانی کرتے ہیں مگر وقت کی کمی کے سبب نہیں کرتے، یا وہاں یہ غریب بچے جن میں غریب کا حصہ بھی ہے کی قربانی کے سلسلے میں دار العلوم کیا فتویٰ دیتا ہے؟

جواب - پہلے اصولی طور پر یہ سمجھ لیجئے کہ زکوۃ، صدقۃ الفطر اور کفارہ کی رقم کسی ایسے غریب شخص کو مالکانہ حق بنا کر دی جانی ضروری ہے، جو صاحب نصاب نہ ہو، یعنی اس کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا نقد روپیہ، زیور یا گھر کا ضرورت سے زائد سامان نہ ہو، لہذا جو طلبہ مستحق زکوۃ ہوں انہیں تعلیمی وظیفہ اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ رقم ان کو مالک بنا کر ان کے حوالے کر دی جائے اور پھر وہ اپنے تعلیمی مصارف میں اس کو خرچ کریں یا پھر وہ آپ کے

(۱) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۴ (طبع سعید کراچی) ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا اباحة

اجازت نامہ تحریر فرما دیں کہ ہم آپ کو اپنی طرف سے زکوٰۃ کی رقم وصول کرنے اور پھر ہماری طرف سے اس کو ہماری تعلیمی ضروریات پر خرچ کرنے کی اجازت دیتے ہیں، لیکن زکوٰۃ کی مذکورہ رقم کو کسی تعمیر یا اساتذہ کی تنخواہوں یا کسی اور ایسے کام پر خرچ کرنا جائز نہیں۔ یہ تفصیل تو زکوٰۃ، صدقۃ الفطر اور عشر کی رقم کے بارے میں ہے۔

جہاں تک بینک کے سود کا تعلق ہے، اس کا لینا دینا قطعی حرام ہے، اور مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ بینک سے سود وصول نہ کریں، یا تو کرنٹ اکاؤنٹ میں رقم رکھوائیں، یا سیونگ اکاؤنٹ میں اس شرط کے ساتھ رکھوائیں کہ ہماری رقم پر سود نہ لگایا جائے، تاہم اگر کسی شخص نے غلطی یا لاعلمی سے بینک سے سود کی رقم وصول کرلی تو اسے ثواب کی نیت کے بغیر صدقہ کرنا ضروری ہے اور اس صدقہ کے بارے میں بھی وہی شرائط ہیں جو اوپر زکوٰۃ کے بارے میں عرض کی گئیں، یعنی وہ کسی غیر صاحب نصاب کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے، اسے بھی مصارف کی کاموں میں نہیں لگایا جاسکتا۔[2] رہی اگر کسی ادارے کو وہ شرط قبول ہے، جس میں صدقہ لینا حرام ہے۔[3] اور غلطی سے اس کی رقم وصول کرلے تو اس کا بھی وہی حکم ہے جو سود کا بیان ہوا۔

واللہ سبحانہ اعلم

۶/۱۱/۱۴۰۰ھ

(فتویٰ نمبر ۳۱ / ۳۱ ج)

مسجد کی تعمیر اور اساتذہ کی تنخواہ میں زکوٰۃ نہیں لگ سکتی

سوال ۱ – کیا زکوٰۃ، صدقہ، فطرہ کا پیسہ مسجد کی تعمیر پر خرچ کیا جاسکتا ہے؟

۲:- کیا زکوٰۃ، فطرہ اور صدقہ کا پیسہ استادوں کی تنخواہ میں دیا جاسکتا ہے؟

جواب :- زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی رقم کا مستحق افراد کو مالکانہ طور پر دینا ضروری ہے، لہٰذا

---

(۱) فی الدر المختار مع رد المحتار کتاب الزکوۃ باب المصارف ج ۲ ص ۳۴۴ (طبع سعید کراچی) ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا اباحۃ کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینہ وفی الشامیۃ تحت (قولہ نحو مسجد) کبناء القناطر وکل ما لا تملیک فیہ

وفی الھندیۃ کتاب الزکوۃ باب المصارف ج ۱ ص ۱۹۰ (طبع ماجدیہ کوئٹہ) ولو نوی الزکوۃ بما یدفع المعلم الی الخلیفۃ ولم یستأجرہ ان کان الخلیفۃ بحال لو لم یدفعہ یعلم الصبیان ایضاً اجزأہ والا فلا

(۲) بینک کے سود سے متعلق تفصیلی فتاویٰ ان شاء اللہ "کتاب الحظر والاباحۃ" میں درج کی جائے گی۔

(۳) [illegible]

(۴) حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد زبیر حق نواز)

ان رقوم کو مسجد یا مدرسے کی تعمیر یا مدرسین واساتذہ کی تنخواہوں پر صرف کرنا جائز نہیں۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۵/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۵۵۵/۲۹ ب)

زکوٰۃ کی رقوم اکٹھی کرکے تعمیرات ومواصلات میں خرچ کرنے کا حکم

سوال — اگر زکوٰۃ کی رقم کو جمع کرکے حکومت کی تحویل میں دیدیں تو اس کا استعمال کہاں کہاں ہوگا؟ مثلاً فوج، تعمیرات، مواصلات اور دیگر فلاحی کام جو کچھ بھی ترقی پذیر ممالک میں درکار ہوتے ہیں ان میں یہ پیسے خرچ ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب — زکوٰۃ کا مصرف غرباء اور مساکین ہیں اور یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ ان کو قبضہ ومالک بنا کر دی جائے، فوج، تعمیرات، مواصلات اور دوسرے ایسے رفاہی کاموں میں زکوٰۃ خرچ کرنا جائز نہیں جن میں کسی فرد واحد کو زکوٰۃ کا مالک نہ بنایا جاتا ہو۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۲/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۴/۱۲۸الف)

زکوٰۃ میں دوائیں دی جاسکتی ہیں

سوال — ہم نے ہفتے میں تین چار دن کا کچھ وقت غریبوں کے علاج کے لئے وقف کیا ہے کچھ دوائیں ہم اپنی طرف سے دیدیتے ہیں باقی مہنگی دوائیں ہم بازار سے لکھ دیتے ہیں جو بازار سے خریدنی پڑتی ہیں جو غریب آدمی کے لئے مشکل ہے۔ کیا یہ ہوسکتا ہے کہ ہم وہ دوائیں بھی ان کو زکوٰۃ کے پیسوں سے دیدیں؟ کیا یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کے پیسوں کی دوائیں ہیں؟

جواب — زکوٰۃ میں دوائیں بھی دی جاسکتی ہیں البتہ شرط یہ ہے کہ جس شخص کو دی جارہی ہیں وہ مستحق زکوٰۃ ہو اور اس کو یہ دوائیں مالک وقابض بنا کر دی جائیں(۳) لیکن اسے یہ بتانا ضروری نہیں کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے۔(۴)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۲/۲۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶۶/۱۲۸الف)

---

(۱) وفی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الزکوٰۃ باب المصرف ج ۲ ص ۳۴۴، طبع سعید کراچی: ویشترط أن یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه. وفی الشامیة تحت (قوله نحو مسجد) کبناء القناطر ... وکل ما لا تملیک فیه.
وفی الهندیة کتاب الزکوٰۃ باب المصرف ج ۱ ص ۱۹۰ طبع رشیدیہ کوئٹہ: ولو نوی الزکوٰۃ بما یدفع المعلم الی الخلیفة ولم یستأجره ان کان الخلیفة بحال لو لم یدفعه یعلم الصبیان ایضاً أجزأه والا فلا. الخ
(۳و۴) اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

اسکول کی عمارت کی تعمیر یا تنخواہ میں زکوٰۃ استعمال کرنا

سوال: زکوٰۃ کی رقم اسکول کی عمارت کی تعمیر یا دیگر مصارف مثلاً عملہ کی تنخواہوں پر خرچ کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: زکوٰۃ کی رقم فقیر کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے، اسکول کی عمارت کی تعمیر یا عملے کی تنخواہ پر صرف کرنا جائز نہیں۔ (۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۸/۷/۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر [illegible] ۳۳ ج)

زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں سے مستحق امام مسجد کو تنخواہ دینے کا حکم

سوال ۱- امام مسجد کو بچوں کو درس قرآن دینے کے عوض قربانی کی کھالیں یا اس کی قیمت دینی جائز ہے یا نہیں؟

۲- امام کو زکوٰۃ کا پیسہ، فطرہ اور صدقہ کی کھالیں دینا جائز ہے یا نہیں؟

۳- ایسی صورت میں جبکہ اس کی گزر اوقات کے لئے اور کوئی ذریعہ نہیں، یا وہ مقروض ہے تو لیکن اتنا نہیں کہ گزارہ ہوسکے، تو ایسی صورت میں اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب ۱- قربانی کی کھالیں کسی کو کسی خدمت کے معاوضہ میں یا تنخواہ میں دینا جائز نہیں۔ (۲)

۲- زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر اور صدقے کی کھالوں کا بھی یہی حکم ہے کہ وہ اجرت یا تنخواہ میں نہیں دی جاسکتیں۔ (۳)

۳- ایسی صورت میں ان صاحب کے لئے تنخواہ الگ سے مقرر کرنی چاہئے، اس کے باوجود اگر وہ صاحب نصاب نہ ہوں تو زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں سے بھی ان کی مدد کی جاسکتی ہے، لیکن زکوٰۃ، فطرے اور کھالوں کو تنخواہ میں نہیں لگایا جاسکتا۔ (۴)

واللہ سبحانہ اعلم
۲۲/۱/۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۶/۲۸ الف)

---

(۱) وفي الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف ج ۲ ص ۳۴۴ طبع سعيد: ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر، لا يصرف إلى بناء نحو مسجد، ولا إلى كفن ميت وقضاء دينه [illegible]
للتسمية فلو سماها هبة أو قرضاً تجزيه في الأصح. الخ

(۳) وفي الهندية كتاب الزكاة باب المصرف ج ۱ ص ۱۹۰ طبع رشيدية [illegible]

(۴) وفي الشامية كتاب الزكاة باب المصرف ج ۲ ص ۳۳۹ طبع ايچ ايم سعيد: مصرف الزكاة والعشر [illegible]
وهو مصرف أيضاً لصدقة الفطر

زکوٰۃ سے معلم قرآن کو تنخواہ دینے کا حکم

سوال — بچوں کو دینی تعلیم دینے کے لئے ایک مولوی صاحب مقرر ہیں محلے کے بچے ایک دو گھنٹے قرآن پڑھ کر اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں، مدرسہ کی جانب سے طعام وقیام کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ کیا عوام انہیں زکوٰۃ، فطرہ، چرم قربانی کی رقم سے تنخواہ دے سکتے ہیں؟ ایسی صورت میں زکوٰۃ وغیرہ ادا ہو جائیگی؟

جواب: — زکوٰۃ سے مذکورہ معلم صاحب کی تنخواہ شرعاً نہیں دی جاسکتی، ہاں اگر وہ مستحق زکوٰۃ ہوں یعنی ان کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا زائد از ضرورت سامان نہ ہو تو تنخواہ کے علاوہ ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، یعنی تنخواہ الگ مقرر ہو اور زکوٰۃ اس کے علاوہ دی جائے، یا پھر معلم صاحب کی کوئی تنخواہ مقرر نہ ہو وہ توجہ سے پڑھائیں پھر جس شخص کو جتنی زکوٰۃ دینے کا موقع ملے انہیں دیدیا کرے لیکن مقرر نہیں ہوگی۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۱/۱۰/۲۵ھ

(فتوی نمبر ۳۲/۱۲۰۹ ج)

زکوٰۃ سے امام مسجد کو تنخواہ دینا

سوال: — کیا مال زکوٰۃ سے امام مسجد کو جو بچوں کو قرآن بھی پڑھاتا ہو، تنخواہ دینا جائز ہے؟

جواب: — زکوٰۃ کے مال سے کسی مسجد کے امام یا مدرسے کے مدرس کو تنخواہ دینا جائز نہیں۔[۱]

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۶/۱۸ھ

(فتوی نمبر ۱۹۳/۱۲۸ الف)

زکوٰۃ سے تبلیغی کتابیں چھپوانے کا حکم

سوال: — کیا مال زکوٰۃ سے اسلامی تبلیغی کتابیں چھپوا کر تقسیم کی جاسکتی ہیں جبکہ ان کی قیمت وصول نہ کی جائے؟

جواب: — زکوٰۃ سے تبلیغی کتابیں خریدی جاسکتی ہیں لیکن ایسی کتابیں صرف ان لوگوں کو دی جاسکتی ہیں جو مستحق زکوٰۃ ہوں۔

واللہ اعلم

۱۳۹۷/۶/۱۸ھ

(فتوی نمبر ۱۹۳/۱۲۸ الف)

(۱) دیکھئے گزشتہ صفحہ نمبر ۱۴۳ کے حواشی۔

قومی اتحاد کی تحریک میں زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال - موجودہ وقت میں قومی اتحاد کی تحریک کو جہاد کہیں گے یا نہیں؟ اور اس میں زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب - دین کی سربلندی کے لئے ہر کوشش اجر و ثواب کے لحاظ سے جہاد میں داخل ہے بشرطیکہ وہ خلوص نیت سے ہو اور شرعی قواعد کے مطابق ہو، جو لوگ اس نیت سے شریعت کے احکام کی رعایت کرتے ہوئے دین کی سربلندی کے لئے کوشاں ہوں گے انشاء اللہ انہیں جہاد کا ثواب ملے گا۔(۱) البتہ زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی غیر صاحب نصاب شخص کو مالک بنا کر دی جائے، محض رفاہی کاموں یا تحریکی فنڈ میں پیسے دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۶/۱۸ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹۳/ ۱۲۸الف)

سال بھر میں تھوڑی تھوڑی کر کے زکوٰۃ ادا کرنا جائز ہے

سوال - کیا مکمل زکوٰۃ فوری ادا کرنا ضروری ہے یا تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کی جا سکتی ہے؟

جواب - بہتر یہ ہے کہ زکوٰۃ جتنی جلدی ہو سکے ادا کر دینی چاہئے، ورنہ تھوڑی تھوڑی کر کے سال بھر میں بھی ادا کر دینا جائز ہے۔(۲)

واللہ اعلم
۱۴۰۵/۳/۲۸ھ

مستحق زکوٰۃ کے لئے زکوٰۃ فنڈ سے امداد لینے کا حکم

سوال - عرض یہ ہے کہ میں نے مکان بنانے کے واسطے قرض لیا تھا، اور مکان گروی رکھ دیا ہے، چونکہ میری بیوی کینسر کے مرض میں مبتلا رہی اور اسی میں اس کا انتقال ہو گیا ہے، زیر بار ہو جانے کی وجہ سے قرضہ مع سود اور صرف قرض بھی ادا کرنے سے قاصر ہوں، سوائے مکان کے، جو قرضہ میں گروی کر دیا ہے کوئی جائیداد یا ذریعہ آمدنی نہیں ہے، عاجز ہو کر زکوٰۃ فنڈ سے امداد لینا چاہتا ہوں، مہربانی فرما کر فتویٰ مرحمت فرمائیں کہ میں امداد لینے کا مستحق ہوں یا نہیں؟

جواب - سائل سے زبانی معلوم ہوا کہ اس کے پاس کوئی سونا چاندی یا بقدر نصاب ضرورت سے زائد سامان نہیں ہے، اس لئے وہ زکوٰۃ فنڈ سے زکوٰۃ وصول کرنے کا مستحق ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
[illegible]ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۵/ ۱۳۴الف)

---

(۱) دیکھئے [illegible]
(۲) [illegible] الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص [illegible] طبع سعید اور فتح القدیر ج ۲ ص ۱۵۵ [illegible]

ایدھی ٹرسٹ کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال - ایدھی ٹرسٹ وغیرہ کو زکوٰۃ کی رقم دینا درست ہے یا نہیں؟

جواب - زکوٰۃ کے لئے ضروری ہے کہ مستحق شخص کو مالک بنا کر دی جائے، اور وہ اس پر قبضہ کرے، اور وہ اپنی صوابدید سے جس طرح چاہے اسے خرچ کرنے کا اختیار اسے حاصل ہو، لہٰذا رفاہی کاموں پر مثلاً کنویں یا مدرسے کی تعمیر یا مُردوں کی تکفین وغیرہ پر خرچ نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً مستحق زکوٰۃ شخص جو مقروض ہو اس کو مالک بنا کر دیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہوگی، اور اگر غریبوں کے لئے کوئی چیز مثلاً ایمبولینس خریدی جائے یا میت کا کفن خریدا جائے تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، کیونکہ وہ کسی مستحق کی ذاتی ملکیت نہیں ہوتی۔ اب اگر مذکورہ ادارے زکوٰۃ کو اس طرح صرف کرنے کا اہتمام کریں تو ان کو زکوٰۃ دینا درست ہے، لیکن اگر ان کے یہاں زکوٰۃ اور غیر زکوٰۃ کا حساب الگ نہ ہو یا زکوٰۃ کو مذکورہ بالا طریقے پر خرچ نہ کریں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔[۲۰]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴۰۸/۱۱/۱۹ھ

(فتویٰ نمبر ۹۲۹/۳۹ ج)

زکوٰۃ ڈسپنسری کی تعمیر، ڈاکٹر اور کمپونڈرز کی تنخواہوں پر نہیں لگ سکتی

سوال - ہماری سوسائٹی غریبوں، بیواؤں، یتیموں، معذوروں کی مختلف قسم کی امدادی خدمات انجام دے رہی ہے، مثلاً بیوگی میں مدد، نادار بچوں کی درسی کتابیں، بیواؤں کے لئے سلائی کی مشینیں وغیرہ، طالبات کو جہیز وغیرہ، تو کیا ہم ان سب صورتوں میں زکوٰۃ وفطرہ کی رقم خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ سوسائٹی کا پروگرام ہے کہ ایک رفاہی ڈسپنسری کھولی جائے تاکہ غریبوں کو

---

(۲۰) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹ مصرف الزکاة (هو فقیر وهو من له ادنی شئ).
وفیه ایضاً ج ۲ ص ۳۴۴ ویشترط ان یکون الصرف تملیکاً لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد ولا الی کفن میت وقضاء دینه. الخ وفی الهندیة ج ۱ ص ۱۸۸ (طبع رشیدیه کوئٹه) ولا یجوز ان یبنی بالزکوٰة المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه ولا یجوز ان یکفن بها میت ولا یقضی بها دین المیت کذا فی التبیین. وفی المبسوط للسرخسی ج ۲ ص ۲۰۲ ولا تحصل الا بالتملیک فکل ما لا تملیک فیه لا یجزی عن الزکوٰة وفی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۰۱ ... وفی فتح القدیر ج ۲ ص ۲۰۵، ۲۰۶ ... ولا یبنی به مسجد ولا یکفن به میت لانعدام التملیک وهو الرکن ...
علاوہ دیگر بھی لازم ہے فقہ حنبلی کی کتاب الفروع ج ۲ ص ۶۱۹، فقہ مالکی کی کتاب الشرح الصغیر ج ۱ ص ۶۶۳ والقوانین الفقهیة ص ۷۵، فقہ شافعی کی کتاب روضة الطالبین ج ۲ ص ۳۲۷ ملاحظہ فرمائیں۔

[illegible] مدرسین [illegible] اس مسجد میں فطرہ، زکوۃ اور چرم قربانی کی رقوم مستحقین کو دی جا سکتی ہیں؟

جواب – زکوۃ اور چرم قربانی کی رقم [illegible] کی تعمیر [illegible]

کی تنخواہوں پر تو خرچ نہیں کی جا سکتی، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس رقم سے [illegible]

ہوں ان میں مستحقین زکوۃ میں تقسیم کردی جائیں، لیکن واضح رہے کہ [illegible]

مستحقین زکوۃ پر خرچ کی جا سکیں [illegible]

میں [illegible] قیمت وصول کرنا جائز نہ ہوگا [illegible]

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۹/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۹۸۹ /۲۸ ج)

زکوۃ، عشر اور قربانی کی کھال کا مستحق

سوال – ایک بستی میں ایک حافظ قرآن نے مدرسہ کا رو بار شروع کیا ہے، اس حافظ قرآن کی

کوئی آمدنی نہیں ہے اور نہ ہی تنخواہ مقرر ہے۔ بستی والوں سے عشر وصول کر کے اپنی زندگی پر خرچ کرتا

ہے، کیا اس حافظ کو یہ عشر لینا جائز ہے یا نہیں؟

۱- کیا حافظ قرآن، قربانی کی کھالیں اپنے مصرف میں لا سکتا ہے؟

۲- فطرانہ کا پیسہ مدرسہ کی عمارت، مدرس کی تنخواہ یا طالب علم کے خرچ پر لگایا جا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب ۱ – اگر اس حافظ قرآن کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا زائد

از ضرورت سامان موجود نہیں ہے تو اس کے لئے عشر وصول کرنا جائز ہے، البتہ یہ [illegible]

[illegible] خدمت [illegible]

عشر کے ذریعہ وقتاً فوقتاً اس کی امداد کردیا کریں تو درست ہے۔

۲- قربانی کی کھالوں کا بھی یہی حکم ہے جو اوپر عشر کا بیان ہوا ہے۔

۳- صدقۃ الفطر کی رقم مدرسہ کی تعمیر، مرمت یا تنخواہ پر خرچ نہیں کی جا سکتی، [illegible]

[illegible] قبضہ میں دیدی جائے۔

۱۳۹۶/۶/۲۳ھ

(فتویٰ نمبر ۲۹۲۵ / ۲۷ ج)

[illegible] مصرف الزکاۃ [illegible]

[illegible] وکفن میت . الخ (نیز دیکھئے سابقہ فتویٰ کا حاشیہ)۔

(۲) فی التنویر مع شرحہ ج ۲ ص ۳۳۹ (طبع سعید کراچی) مصرف الزکاۃ . (وهو فقیر وهو من له ادنی شئ) أی دون نصاب أو قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة (ومسکین من لا شئ له) علی المذهب

(۳) حوالہ کے لئے دیکھئے صفحہ نمبر ۱۴۳ کا حاشیہ نمبر ۳۔

[illegible]

[illegible]

والسقایات واصلاح الطرقات وکری الأنهار والحج والجهاد وکل ما لا تملیک فیه

۱:- سادات اور ملازم کو زکوٰۃ دینے کا حکم
۲:- زکوٰۃ رفاہی تعمیرات میں لگانا ممنوع ہے

سوال ۱:- محتاج سید خواہ رشتہ دار ہو یا غیر رشتہ دار ہو، مستحق زکوٰۃ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲:- اپنا ملازم یا ملازمہ جب ضرورت مند ہوں تو مستحقِ زکوٰۃ ہوسکتے ہیں؟

۳:- اپنے ملازم یا ملازمہ کی اولاد جس کی پرورش کے بعد شادی کردی گئی ہو، کس طرح گزر اوقات کرتی ہے پسماندہ رقم کرنے کی صلاحیت نہیں، ایسی حالت میں زکوٰۃ کے پیسے ان کی نجی مکانِ رہائش گاہ کے لئے مہیا کئے جاسکتے ہیں؟

۴:- مذکورہ بالا فیملی کو رہائش مہیا کرادینا بذریعہ زکوٰۃ، اور روزمرہ کی ضروریات کی خاطر کپڑے، پیسے کی شکل میں زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟

۵:- کیا زکوٰۃ کے پیسے سے تعمیر مسجد کے علاوہ از قسم تعمیرات شفاء خانہ و دیگر عمارات، رفاہ عامہ کے واسطے سب ممنوع ہیں؟

۶:- کسی شخص (صاحبِ نصاب) کے پاس ماندہ یعنی جمع کئے ہوئے پیسے غیر ملک کے بینکوں میں ہوں تو کیا اپنے ملک میں مروّجہ زرمبادلہ کے مطابق کل واجب الادا پیسے زکوٰۃ میں دیئے جاسکتے ہیں؟

جواب ۱:- سادات کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے،[۱] ہدیہ سے ان کی امداد کیجئے۔

۲:- ملازم کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ اجرت میں نہ لگایا جائے نہ اس کا احسان جتایا جائے۔[۲]

۳:- اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں ہیں تو ان کو زکوٰۃ کے پیسے دے کر ان کی رہائش کا مکانہ انتظام کرنا دُرست ہے۔

۴:- اگر وہ صاحبِ نصاب نہیں ہیں تو دے سکتے ہیں۔

۵:- ہر قسم کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم لگانا ممنوع ہے۔[۳]

۶:- دے سکتے ہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۰ھ

---

(۱) وفي مشكاة المصابيح باب من لا تحل له الصدقة ج ص طبع قديمي كتب خانه عن عبد المطلب بن ربيعة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان هذه الصدقات انما هي اوساخ الناس وانها لا تحل لمحمد ولا لآل محمد رواه مسلم

وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۵۰ طبع سعيد كراچی، ولا الى بني هاشم الا من ابطل النص قرابته وهم بنو لهب

وفي البحر الرائق ج ۲ ص ۲۴۶ باب المصرف قوله وبني هاشم ومواليهم اي لا يجوز الدفع لهم

(۲) وفي الهندية ج ص ۱۹۰ مكتبه رشيديه كوئٹه ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستأجره ان كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا اجزاه والا فلا

(۳) دیکھئے صفحہ نمبر ۳۶ کا حاشیہ نمبر ۱و۲۔

مقروض کو زکوٰۃ دینے میں تفصیل

سوال – ناچیز کو ایک چھوٹا سا مسئلہ درپیش ہے جس کی تصدیق وہ آپ سے کرانے کی خواہش رکھتا ہے، اُمید ہے کہ خصوصی توجہ فرمائیں گے۔

مسئلہ – کیا فرماتے ہیں مفتی حضرات اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص جو کہ بے حد مقروض ہے، ضعیف العمر ہے، اس کا صرف ایک ہی بڑا بیٹا ہے جو کہ حافظ قرآن ہے۔

صاحب مقروض صوبہ سرحد کی ایک چھوٹی سی مسجد کے پیش امام تھے اچانک اور یک وقت چار بیماریوں کے مریض ہوگئے جس میں سب سے بڑی بیماری ٹی بی کی ہے۔

صاحب مقروض امامت کی حالت میں بھی تنگ دست تھے، اپنی بیماریوں کا علاج اور گھر کا خرچہ ادھر ادھر سے قرضہ لے کر کرتے رہے، یہاں تک کہ پونے دو لاکھ روپے کے مقروض ہوگئے۔

یہ گھرانہ دس افراد پر مشتمل ہے، بڑے بیٹے نے قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد درس نظامی کا کورس کرنے کا ارادہ کیا تھا، قرضہ معلوم ہونے کی صورت میں اس نے اپنی تعلیم موقوف کردی اور پڑھنے کا ارادہ چھوڑ دیا لیکن یہ ایک جان زیادہ سے زیادہ ماہانہ صرف دو ہزار روپے کما سکے گا، جس سے گھر کا خرچہ وغیرہ تو چل سکے گا، مگر قرضہ ادا کرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ جس کی وجہ سے گھر کا ہر ایک فرد پریشان ہے، روز بروز قرضہ بڑھتا چلا جارہا ہے۔ کیا ان کا قرضہ ادا کرنے کے لئے زکوٰۃ یا کسی بھی مد میں رقم دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو ازراہ کرم اس کی تصدیق فرمائیں جس سے صاحب خیر حضرات بھرپور تعاون فرمائیں تاکہ یہ گھرانہ قرضے کے بوجھ سے آزاد ہوسکے۔ محرر اس گھرانے سے اچھی طرح واقف ہے اور ساتھ ساتھ مدرسہ کی کمیٹی بھی یہ بتاتے ہیں کہ آپ کی تصدیق پر کسی بھی مد سے ملنے والا ہر ایک پیسہ مقروض تک پہنچایا کرے گا، امید ہے کہ ضرور تصدیق فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اجر جزیل سے نوازیں، فقط والسلام۔

جواب – اگر یہ صاحب جو پونے دو لاکھ روپے کے مقروض ہیں ان کے پاس کوئی ذریعہ اور دوسری ملکیت اتنی نہیں ہیں جس سے یہ قرض ادا ہوسکے تو یہ زکوٰۃ کے مستحق ہیں اور انہیں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۱۸/۸/۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹۰۳۰)

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۳ طبع سعید: ومدیون لا یملک نصابا فاضلا عن دینه. وفي الشامية تحت (قوله مدیون): فانما جاز الدفع اليه لأنه فقير يدا.

فیکٹری کے غریب چوکیدار کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال - ایک صاحب ہیں جن کی کوئی جائیداد نہیں ہے، بمشکل اپنا گزر بسر کرتے ہیں ان کی خفیہ پونجی تو ہر ہے، تاہم ان کو جاننے والے ان کے حال سے واقف ہیں، یہ صاحب جس فیکٹری میں چوکیدار ہیں فیکٹری والے اس نوکری کے ساتھ انتظام کر کے انہیں سعودی عرب بھیج رہے ہیں، وہاں کی محنت سے ان کی مالی حالت بہتر ہو جانے کی امید ہے اور یہ صاحب صاحبِ نصاب نہیں ہیں، کیا کرایہ کے لئے ان کو زکوٰۃ کی رقم دی جا سکتی ہے؟

جواب - اگر یہ صاحب واقعی صاحبِ نصاب نہیں ہیں یعنی ان کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے بقدر نقد روپیہ یا زائد از ضرورت سامان نہیں ہے تو ان کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۹ھ
(فتویٰ نمبر ۹/۱۰۲۹ ج)

تین تولہ سونے کی مالک عورت کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال - ایک شخص کی دو لڑکیاں ہیں وہ ان کی شادی کرنا چاہتا ہے، مرحوم کی بڑی بیٹی ہیں، کوئی سہارا نہیں ہے، والد قرض دار ہے، دوسرے گھر کے کسی سے ذکر نہیں کرتی ہیں، ان میں سے ایک میرے پاس آئی تھی کہ مجھے زکوٰۃ دی جائے، میں نے معلوم کیا کہ سونا چاندی کتنی ہے؟ اور نقد کتنی ہے؟ اس نے کہا کہ والدہ کا کچھ زیور ہے جس کا وزن تین تولہ سونا ہے اور وہ والدہ کے پاس ہے اور والدہ مدد کے طور پر بچیوں سے ... ہیں۔ اب معلوم نہیں زکوٰۃ کے حوالے میں یا کچھ ذات ہے؟ اس نے کہا کہ میں خرچ میں سخت تنگدست ہوں مجھے زکوٰۃ دی جائے کیا اس کو یا اس کی والدہ کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

جواب - صورت مسئولہ میں تین تولہ سونا اگر بچی کی ماں کی ملکیت میں ہے اس کے ساتھ کچھ نقد رقم بھی ہے تو ماں کو زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی، ہاں لڑکیاں صاحبِ نصاب نہ ہوں تو ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، البتہ اگر ماں نے سونا کسی بچی کو ہبہ کر کے اس کو اس کا قبضہ دے دیا ہے تو زکوٰۃ اس کو نہیں دی جا سکتی لیکن اس صورت میں ماں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۹۹۳/۲۹ ج)

---

(۱) وفی التنویر مع شرحہ ج ۲ ص ۳۳۹ (ایچ ایم سعید) مصرف الزکوٰۃ ... (هو فقير وهو من له ادنى شئ) أى دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق فى الحاجة، ومسكين من لا شئ له ... الخ

(۲) وفى الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۷ ... ولا الى غنى يملك قدر نصاب فارغ عن حاجته الاصلية من اى مال كان كمن له نصاب سائمة لا تساوى مائة درهم

قرضہ معاف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

سوال — [illegible]

[illegible]

[illegible]

لکھ کر وصول سمجھ لے تو جائز ہے یا نہیں؟ بکر کا کوئی کمانے والا نہیں ہے۔

جواب — [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

اس سے اپنا قرضہ وصول کرلے۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۲۶ھ
([illegible] ۹۲ [illegible] ۲۹ [illegible])

کاروباری ترقی کے لئے زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال — [illegible]

[illegible]

چاہتے ہیں، اور یہ لوگ زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں۔

[illegible]

[illegible]

جواب — [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

---

(۱) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۲۷۱ (ایچ ایم سعید) وحیلة الجواز ان یعطی مدیونه الفقیر زکوته ثم یأخذها عن دینه، وفی الشامیة (قوله وحیلة الجواز) ای فیما اذا کان له دین علی معسر واراد ان یجعله زکوة عن عین عنده [illegible] الخ

(۲) [illegible] ج ۲ ص ۳۳۹ [illegible] ج ۲ ص ۳۴۴ (طبع [illegible]) ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة

جہاں چاہیں صرف کر سکتے ہیں محض حیلے کے طور پر انہیں نہ دی جا رہی ہو، اس کے بعد وہ خوشی سے دیں تو لے لی جائے۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۳/۱۱ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲۳/۲۸ب)

داماد کی لڑکی (جو حقیقی نواسی نہ ہو) کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال - سائل اپنے والدین، برادران وہمشیرگان ودیگر عزیزان وجملہ مرحومین کے واسطے صدقہ جاریہ دینا چاہتا ہے۔

۲- چونکہ سائل بعارضہ اختلاج قلب و پیشاب میں دس گیارہ سال سے مبتلا ہے، رمضان شریف کے روزے نہیں رکھ سکا اس کا کفارہ بھی دینا ہے۔

۳- زکوٰۃ وفطرہ بھی دینا ہے۔

میری دختر کی سوتیلی جوان لڑکی ہے اس کی والدہ بھی نہیں ہے، والد معمولی حیثیت کا ہے اس کی شادی میں رقوم مذکورہ بالا دی جا سکتی ہیں یا نہیں؟ اور مرحومین کو ثواب پہنچتا رہے گا اور زکوٰۃ، فطرہ اور کفارہ بھی ادا ہو جائے گا؟ جواب جلد مرحمت فرمائیں۔

جواب - اپنی لڑکی کے شوہر کی لڑکی جو حقیقی نواسی نہ ہو، اگر مستحق زکوٰۃ ہو تو اس کو زکوٰۃ، فطرہ اور کفارہ وفدیہ کی رقم دی جا سکتی ہے، صدقہ نافلہ بھی دیا جا سکتا ہے، لانہ لیس بین السائل وبینھا ولاد ولا زوجیۃ۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۱۰/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۴/۲۸ ج)

مقروض کو زکوٰۃ دے کر اپنے قرض میں وصول کرنے کا حکم

سوال - ایک شخص کی طرف میرے پانچ سو روپیہ بقایا ہیں اور وہ دوسروں کا بھی قرض دار ہے، لیکن وہ اقرار کرتا ہے کہ آپ کے میرے ذمہ پانچ سو بقایا ہیں، مگر مجبور ہوں زکوٰۃ میں وصول کر لئے جائیں تو بہتر ہیں، کیا حکم ہے؟

جواب - اگر اس مقروض شخص کے پاس واقعی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار روپیہ نہیں

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۵ طبع سعید کراچی: وقدمنا ان الحيلة ان يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الاشياء، وهل له ان يخالف امره؟ لم اره، والظاهر نعم. وفي الشامية قوله والظاهر نعم لانه مقتضى صحة التمليك قال الرحمتي والظاهر انه لا شبهة فيه لانه ملكه اياه عن زكوة ماله وشرط عليه شرطا فاسدا الخ

(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۶ طبع سعيد: ولا الى من بينهما ولاد ولو مملوكا لفقير او بينهما زوجية ولو مبانة الخ

ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، لیکن اس کی صورت یہ کرنی ہوگی کہ پہلے اس کو زکوٰۃ کے طور پر روپے مالک بنا کر دیدیے جائیں اور ان کا قبضہ بھی دیدیا جائے اور پھر اس سے اپنا قرض وصول کرلیا جائے،[1] محض زبانی طور پر قرض سے سبکدوش کر دینا کافی نہ ہوگا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۹۹ ۲۸ ج)

رفاہی کاموں پر زکوٰۃ خرچ کرنے کا حکم

سوال - ایک رفاہی ادارہ ہے، سب سے اہم خدمت جو ادارہ انجام دے رہا ہے وہ تحصیل وتقسیم زکوٰۃ کا کام ہے، ادارہ کے منتظمین شرعی اعتبار سے ان شرطوں کی نشاندہی چاہتے ہیں تاکہ منتظم کمیٹی زکوٰۃ کو صحیح صرف کرسکے اور غلط روی کے عذاب سے محفوظ رہ سکے۔

جواب :- زکوٰۃ کا مستحق وہ شخص ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کا نقد روپیہ یا سامان تجارت یا ضرورت سے زیادہ ساز وسامان موجود نہ ہو، زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایسے شخص کو مالک وقابض بنا کر ادا کی جائے۔ عام رفاہی کام مثلاً تعمیر مسجد یا شفاخانے کی تعمیر یا ملازمین کی تنخواہ وغیرہ میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں ہے بلکہ کسی مستحق کو مالک بنانا ضروری ہے۔

یہ تو زکوٰۃ کا ایک حکم ہے، اس کے علاوہ زکوٰۃ کے اور بھی مفصل احکام بہشتی زیور میں یا رسالہ "احکام زکوٰۃ" مؤلفہ حضرت مولانا محمد رفیع عثمانی صاحب، میں اچھی طرح مطالعہ کرلیں بلکہ بہتر یہ ہے کہ کسی مستند عالم سے باقاعدہ پڑھ لیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۳/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۲۶)

زکوٰۃ وفطرہ کی رقوم اپنے گاؤں بھیجنے کا حکم

سوال - ایک فیڈریشن کے زیر اہتمام تمام جمعہ سوسائٹیاں اپنے اپنے ارکان سے رمضان میں فطرہ وغیرہ جمع کرتی ہیں اور پھر جمع کرکے ہر ایک سوسائٹی اپنے اپنے طور پر بصورت اجتماعی، فطرہ کی تمام رقم اپنے اپنے گاؤں کے غریب، نادار، یتیموں اور بیواؤں وغیرہ کو بھیجنے کا انتظام کرتی ہے اور عید سے پہلے صدقہ کی رقم پہنچ جاتی ہے۔ یہ زکوٰۃ وفطرہ کی رقم گاؤں میں بھیجنا درست ہے؟

جواب :- زکوٰۃ اور فطرے کی رقوم اپنے گاؤں میں بھیجنا جائز ہے۔

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۲ ص [illegible] وحيلة الجواز أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه

فی الدر المختار: وکره نقلها الا إلی قرابة ... أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمین الخ، وقال الشامی: قوله وکره نقلها أی من بلد إلی بلد آخر لأن فیه رعایة حق الجوار فکان أولی (زیلعی) والمتبادر منه أن الکراهة تنزیهیة تأمل. فلو نقلها جاز لأن المصرف مطلق الفقراء۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۹ـ۹ـ۱۳۹۰ھ

(فتویٰ نمبر ۹ـ۲۱ ج)

زکوٰۃ وفطرہ سے سیلاب زدگان اور زلزلہ کے متاثرین کی امداد کا حکم

سوال:- ایک رفاہی ادارہ جو کہ اپنے ممبران سے زکوٰۃ، فطرہ اور چرمِ قربانی وصول کرکے غریب بیوہ، محتاج اور مستحقین کی اعانت کرتا ہے، کیا وہ اس رقم سے سیلاب و زلزلہ زدگان کے امدادی فنڈ میں رقم دے سکتا ہے؟ جبکہ مصیبت زدگان میں ہر قسم کے لوگ شامل ہیں، نیز حکومت امدادی فنڈ سے بھی مکانات، نہریں، سڑکیں، ریلوے لائن، پل وغیرہ کی مرمت کرتی ہے۔

جواب:- زکوٰۃ، فطرہ اور چرمِ قربانی کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقوم میں یہ ضروری ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو مالک بنا کر دی جائیں جو صاحبِ نصاب نہ ہو، اور سیلاب زدگان یا زلزلہ زدگان کے امدادی فنڈ میں جو رقمیں جمع ہوتی ہیں ان میں اس کا اہتمام نہیں ہوتا کہ وہ مستحقین کو مالک بنا کر دی جائیں، بلکہ بسا اوقات سیلاب زدگان سے متعلق رفاہی کاموں مثلاً سڑکیں بنانے، بند باندھنے وغیرہ میں بھی خرچ ہوتی ہیں، لہٰذا زکوٰۃ، فطرہ اور چرمِ قربانی کی رقوم اس فنڈ میں دینا درست نہیں، بلکہ اس فنڈ میں الگ سے امداد کرنی چاہئے۔ مسلمان کا کام یہ نہیں ہے کہ وہ زکوٰۃ کے علاوہ ایک پائی بھی خرچ نہ کرے، بلکہ ایسے کاموں میں زکوٰۃ کے علاوہ دوسری مدات سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینا چاہئے۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم

۱/۱۰/۱۳۹۶ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳۵۴/۳۰ ج)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۳۵۳ طبع ایچ ایم سعید، وفی الهندیة کتاب الزکوة باب المصارف ج ۱ ص ۱۹۰ طبع مکتبه رشیدیه کوئٹه: ویکره نقل الزکوة من بلد إلی بلد إلا أن ینقلها الإنسان إلی قرابته أو إلی قوم هم أحوج إلیها من أهل بلده ... الخ۔

(۲) دیکھئے ص ۱۳۶ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔

زکوۃ کی رقم مسجد، مدرسہ یا جنازہ گاہ کی تعمیر پر خرچ نہیں کی جاسکتی

سوال:- میرے ایک عزیز کے پاس زکوۃ کے کافی روپے موجود ہیں، گاؤں میں جنازہ گاہ تعمیر ہورہی ہے، چاردیواری، فرش اور برآمدہ ہوگا تاکہ دھوپ اور بارش سے محفوظ رہیں، کیا زکوۃ کی رقم اس تعمیر میں لگ سکتی ہے؟

جواب:- زکوۃ کی رقم کسی مسجد، مدرسے یا جنازہ گاہ کی تعمیر میں نہیں دی جاسکتی، زکوۃ کے لئے ضروری ہے کہ کسی غیر صاحب نصاب مستحق زکوۃ کو مالک و قابض بنا کر دی جائے، جنازہ گاہ کی تعمیر میں زکوۃ کے علاوہ چندہ دینا چاہئے۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۶/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۶۷۰/۲۸ب)

زکوۃ کی رقم سے تبلیغی لٹریچر شائع کرنے کا حکم

خلاصۂ سوال:- ایک تعلیمی تبلیغی ادارہ جو زکوۃ وخیرات دینا چاہتا ہے، جس کا واحد مقصد تبلیغ کے سلسلے میں نماز، حج، روزہ، وضو، غسل، تیمم وغیرہ پر لٹریچر شائع کرنا ہے، اور وہ لٹریچر مفت تقسیم کرتا ہو، یا معاونین اور غیر معاونین ادارہ اس لٹریچر سے استفادہ کرسکتے ہیں جو صرف اب زکوۃ وعطیات سے شائع ہورہا ہے؟ یہ لٹریچر دینی مسائل سیکھنے میں بہت مفید ثابت ہوتے ہیں۔ تو کیا جو لوگ اس سے استفادہ کا حق رکھتے ہیں ان پر وہ خرچ کردیا جائے اور جو لوگ استفادہ کا حق نہیں رکھتے ان پر واضح کردیا جائے تاکہ زکوۃ کا صحیح مصرف میں استعمال ہوسکے۔

جواب:- زکوۃ میں جمہور کے نزدیک کسی غریب کو مالک بنانا شرط ہے، لہٰذا زکوۃ کی رقم وصول کرکے اس سے تبلیغی لٹریچر تو شائع کرنا جائز نہیں۔ تبلیغی کاموں کے لئے زکوۃ کے علاوہ دوسرے عطیات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ البتہ اگر غلطی سے زکوۃ کی رقم سے ایسا لٹریچر شائع کرلیا گیا ہے تو پھر اس کو صرف غریب ونادار (غیر صاحب نصاب) افراد پر تقسیم کیا جائے، غیر مستحق افراد سے اس کی کوئی قیمت مقرر کرلی جائے اور جب قیمت حاصل ہو تو اسے غریب ونادار افراد کو دیدیا جائے، اس سے

(۱) دیکھئے ص ۳۶ کا حاشیہ نمبر ۱و۲۔

بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی بلند شہری

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۹/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۱/۱۹ الف)

زکوٰۃ میں دیئے گئے پلاٹ پر مسجد تعمیر کرنے کا حکم

سوال۔- جمعیت تعلیم القرآن (ٹرسٹ) کو ایک صاحب نے ایک پلاٹ عطیہ دیا اور فرمایا کہ میں اس پلاٹ کے عوض اپنی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہوں، اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ آپ اس رقم سے اندرون سندھ، بلوچستان وغیرہ میں مساجد تعمیر کرائیں، جہاں ضرورت ہو اور ایک مسجد کی لاگت تقریباً پچاس ساٹھ ہزار ہونی چاہئے۔ ہم نے فتویٰ طلب کیا اور اس کی روشنی میں اسے بتایا کہ زکوٰۃ مشروط طور پر نہیں دی جا سکتی، آپ غیر مشروط دیں، لیکن آپ کی خواہشات کا احترام کیا جائے گا۔ انہوں نے وہ پلاٹ غیر مشروط طور پر ہماری یقین دہانی پر دیدیا، پلاٹ جمعیت نے فروخت کر دیا، پھر اپنی شاخوں سے ایسی مساجد کی درخواستیں طلب کیں جس میں کافی درخواستیں آگئیں، جمعیت میں آمدنی زکوٰۃ فنڈ سے کی ہوتی ہے، اس کو کام میں لانے کے لئے آپ سے رجوع کیا گیا تھا، آپ نے جو فیصلہ دیا تھا اس کی کاپی ہمراہ تھی، گویا ہم اس طریقہ سے زکوٰۃ کو متعدد طلباء میں وظیفہ دے کر ان سے فیس وصول کرتے ہیں اور پھر جمعیت کے جملہ کاموں پر وہ پیسہ خرچ ہوتا ہے، کیا اس طرح اس روپے کو جو انہوں نے پلاٹ کے ذریعہ زکوٰۃ ادا کی ہے اور ہم نے فروخت کر دیا ہے، حسب معمول طلباء کو وظیفہ دے کر جب ہمارے پاس فیس واپس آئے اس سے ان کی خواہش کے مطابق مساجد بنا سکتے ہیں یا نہیں؟

اگر مساجد نہیں تعمیر کر سکتے اور عطیہ کنندگان خواہش کریں کہ آپ میری رقم واپس کر دیں کیا ہم واپس دینے کے مجاز ہیں؟

جواب۔- عطیہ دہندہ سے رقم وصول کرتے وقت جو بات بھی ہوئی تھی اس کی پابندی ضروری ہے، لہٰذا اپنے طور پر ان کی خواہش کا احترام کرنے کے لئے اگر کوئی بے غبار تملیک کی شکل ہو جائے تو مسجد کی تعمیر کریں، ورنہ ان کو بتا دیں کہ تعمیر مسجد میں زکوٰۃ نہیں لگ سکتی، لہٰذا آپ چاہیں تو رقم واپس لے لیں اور چاہیں تو مصرف زکوٰۃ میں ہم اپنے یہاں خرچ کر لیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۲/۱۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲۴/۴۷)

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۴ (طبع سعيد كراچی) ويشترط أن يكون الصرف تمليكاً لا إباحة كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد... الخ نیز دیکھئے ص ۱۳۶ کا حاشیہ نمبر ۱و۲۔

زکوٰۃ وفطرہ مدرّسین کی تنخواہ، کرایہ مکان اور بجلی کے بل پر خرچ کرنے کا حکم

سوال - زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی رقم کو بوقتِ تنگ نداری مہتمم مدرسہ مدرّسین کی تنخواہوں، مکان کے کرایہ، بجلی کے خرچ، حسبِ کتب وغیرہ مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب - زکوٰۃ اور صدقۃ الفطر کی رقم کا کسی مستحق کو بلا معاوضہ مالک بنانا ضروری ہے، اس کے بغیر زکوٰۃ یا صدقہ ادا نہیں ہوتا، لہٰذا مدرسہ کی تعمیرات، کرایہ مکان، بجلی کے خرچ اور مستعار دیئے جانے والے ظروف اور کتابوں پر زکوٰۃ کی رقم صرف نہیں کی جاسکتی، کیونکہ ان میں تملیک کی شرط مفقود ہے، اسی طرح مدرّسین وملازمین کی تنخواہیں بھی مدِ زکوٰۃ سے نہیں دی جاسکتیں۔[١]

الجواب صحیح　　　　　　　　واللہ سبحانہ واعلم

بندہ محمد شفیع　　　　　　　　احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

٢٨ ـ ١٠ ـ ١٣٩٨ھ

زکوٰۃ وفطرہ امامِ مسجد و مدرّس کو بطورِ تنخواہ یا نذرانہ پیش کرنے کا حکم

سوال - مسجد کے ایک امام صاحب ہیں، محلّہ کے مدرسہ کے مدرّس بھی ہیں، فطرہ کی رقم سے ان کی خدمت میں بطورِ نذرانہ پیش کیا جائے تو کیا یہ صحیح ہے؟

جواب - زکوٰۃ اور فطرہ کی رقم امامِ مسجد یا مدرّس کو اُن کی خدمت کے معاوضہ میں دینا جائز نہیں ہے،[٢] ان کو تنخواہ الگ فنڈ سے دینی چاہئے، ہاں اگر تنخواہ الگ سے بقدرِ ضرورت مقرر ہو، اس کے باوجود وہ صاحبِ نصاب نہ ہو تو کبھی کبھی اس کی زکوٰۃ یا فطرہ سے امداد کردینے میں مضائقہ نہیں، لیکن زکوٰۃ اور فطرے کی اس رقم کو نہ تنخواہ کا جزء بنایا جائے اور نہ تنخواہ مقرر کرتے وقت یہ بات پیشِ نظر رکھی جائے کہ آئی رقمیں کو زکوٰۃ یا فطرے سے بھی ملتی ہے۔　　　　واللہ سبحانہ اعلم

٢١/٢/١٣٩٧ھ

(فتویٰ نمبر ٢٦٤/٢٨ ب)

---

(٢) وفي الدر المختار ج ٢ ص ٣٤٤ (طبع سعيد كراچي) ويشترط أن يكون الصرف تمليكا لا إباحة كما مر لا يصرف إلى بناء نحو مسجد ... الخ وفي الهندية ج ١ ص ١٩٠ مكتبه رشيديه كوئٹه ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم إلى الخليفة ولم يستأجره إن كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان أيضا أجزأه وإلا فلا ... الخ

دینی مدارس کو علی الاطلاق زکوٰۃ دینا جائز ہے یا شرائط کے ساتھ؟

خلاصۂ سوال - مدارس عربیہ میں زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو علی الاطلاق جواز ہے یا مع شرائط کے؟ سنا ہے زکوٰۃ کے مال سے مدرسین کی تنخواہ، تعمیر وغیرہ جائز نہیں ہے، لہٰذا مطلع فرمائیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہیں اور آخرت کا مواخذہ بھی باقی رہے؟

جواب - جو دینی مدارس جو غریب طلباء کے کھانے وغیرہ کا بندوبست کرتے ہیں، انہیں اس تصریح کے ساتھ زکوٰۃ دینا جائز ہے کہ یہ رقم غریب طلباء کو نقد یا کھانے، کپڑے کی صورت میں دی جائے، مدرسین و ملازمین کی تنخواہوں، مکانات کی تعمیر وغیرہ میں اسے صرف نہ کیا جائے۔ جس مدرسے کے بارے میں یہ اطمینان ہو تو اسے زکوٰۃ دینے کے بعد آپ انشاء اللہ بری ہیں، لیکن جس مدرسے کے بارے میں یہ معلوم ہو کہ اس میں مدات زکوٰۃ کو اس کے صحیح مصرف میں خرچ نہیں کیا جاتا، اس کو رقم دینے سے آپ بری نہ ہوں گے، ویسے عام طور سے وقیع دینی مدارس میں زکوٰۃ کو صحیح مصرف پر ہی صرف کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۷/۱۲/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۹۲۹/۱۹ الف)

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

اولاد کو زکوٰۃ دینے کا حکم

سوال - ایک شخص کی لڑکی ہے جو شادی شدہ ہے، بچوں کی ماں بھی ہے، مگر غریب ہے، والدین ان کو زکوٰۃ دیں تو جائز ہے یا نہیں؟

جواب - ماں باپ، دادا دادی اور اولاد اپنے ماں باپ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، اسی طرح شوہر بیوی کو، اور بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی،(۲) اس کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۲/۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳۸/۱۸ الف)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

---

(۱) وفي الهندية ج ۱ ص ۱۹۰ (مكتبة رشيدية كوئته) ولو نوى الزكوة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستأجره ان كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا أجزأه والا فلا. وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند ج ۶ ص [illegible]

(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۶ [illegible] ولا الى من بينهما ولاد ولو مملوكا لفقير [illegible]

۱:- بنی ہاشم پر مالِ زکوٰۃ کی حرمت کیوں؟
۲:- موجودہ زمانے میں ’’تألیف قلب‘‘ کا مصرف کیا ہے؟
۳:- اجتماعی نظامِ زکوٰۃ قائم کرنا حکومت کی ذمہ داری ہے
۴:- فقیر اور مسکین میں فرق

سوال ۱:- خاندان بنی ہاشم پر مالِ زکوٰۃ کی حرمت کیوں ہے؟

۲- موجودہ زمانے میں تألیفِ قلب کا مصرف کیا ہوسکتا ہے؟

۳- اجتماعی نظامِ زکوٰۃ کا قیام کس کی ذمہ داری ہے؟ کیا حکومت کے علاوہ کسی اور شخص یا ادارے کے ذریعہ بھی ہوسکتی ہے؟

۴- فقیر اور مسکین میں کیا فرق ہے؟ اور مساکین کا اطلاق سورہ توبہ آیت نمبر ۶۰ میں کن لوگوں پر ہوتا ہے؟

جواب ۱:- ان کی شرافت اور احترام کے پیشِ نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو زکوٰۃ لینے سے منع فرمادیا ہے۔[1]

۲- اگر کسی غریب حاجت مند مسلمان کی تألیفِ قلب کی ضرورت ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، کافر یا صاحبِ نصاب مسلمان کو تألیفِ قلب کے لئے زکوٰۃ دینا جائز نہیں، تفصیل کے لئے معارف القرآن ج:۴ ص:۳۹۰ سے ج:۴ ص:۴۰۴ تک ملاحظہ ہو۔

۳- اصل کی حیثیت سے تو نظامِ زکوٰۃ کے نفاذ کی حد تک تو ذمہ داری حکومت کی ہی ہے،[2] البتہ ہر شخص یا ادارہ اپنے وسائل کی حد تک اس سلسلے میں کوشش ضروری ہے۔

---

(۱) وفی المشکوۃ ج ۱ ص ۱۶۱ [illegible] علیه السلام یا بنی هاشم ان الله تعالی حرم علیکم غسالة الناس واوساخهم

[illegible] وکذا فی مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر ج:۱ ص ۲۲۳

(۲) آیت ’’الَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوةَ [illegible]

ج ۶ ص ۲۷۱)۔ (محمد زبیر)

۴- فقیر اور مسکین کے اصلی معنی میں اگرچہ فرق ہے، ایک کے معنی ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو، دوسرے کے معنی ہیں جس کے پاس نصاب سے کم ہو،(۱) لیکن حکم زکوٰۃ میں دونوں یکساں ہیں، جس شخص کے پاس اس کی ضرورتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ نصاب مال نہ ہو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

واللہ اعلم
۱۳۰۸/۷/۶ھ
(فتویٰ نمبر ۳۳۱۰/۳۹ و)

زمین کی پیداوار ہاریوں کو بنیتِ زکوٰۃ دینے کا حکم اوراس کا جائز طریقہ

سوال:- زید نے اپنی زمین کاشت پر ہاریوں کے حوالہ کر رکھی ہے، پہلے وہ ہر سال پیداوار کا نصف حصہ دیا کرتے تھے لیکن کئی سالوں سے دینا بند کر دیا ہے، زید اپنی زمین حاصل نہیں کرسکتا اس لئے کہ مقدمہ کرنا اور ساری عدالتی کارروائی کرنے کے بعد بھی بازیابی کی صورت نظر نہیں آتی، کیا زید اس پیداوار کے بقدر ہر سال مال زکوٰۃ سے نیت کر کے منہا کرسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر مقصد یہ ہے کہ پیداوار کا جتنا حصہ زید کو ملتا، زید یہ نیت کرے کہ اتنی مقدار پیداوار میں کاشتکار کو اپنی زکوٰۃ میں دیدی تو یہ طریقہ دُرست نہیں، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، اس کے بجائے یہ کرسکتے ہیں کہ کاشتکار کو کچھ رقم بطور زکوٰۃ دیدیں پھر اس سے اپنا حصہ پیداوار وصول کریں، اس غرض کے لئے کاشتکار کو پہلے سے سمجھایا بھی جاسکتا ہے کہ اس طرح کرنے سے تم بھی گناہگار نہیں ہوگے اور ہماری زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی۔

وفي رد المحتار وفي صورتين لا يجوز الأولى أداء الدين عن العين كجعله ما في ذمة مديونه زكوة لماله الحاضر ... وحيلة الجواز (أي فيما إذا كان له دين على معسر وأراد أن يجعله زكوة عن عين عنده) أن يعطي مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه (شامي ج ۲ (۲))۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۱/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۲۹/۲۰ و)

---

(۱) فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۳۹ ایچ ایم سعید، مصرف الزكاة والعشر ... (هو فقير وهو من له أدنى شئ) أي دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة (ومسكين من لا شئ له) على المذهب ... نیز دیکھئے فتاوى عالمگيرية ج ... ص ۱۸۷، ومعارف القرآن ج:۴ ص:۳۹۴، وفتاوی دارالعلوم دیوبند ج ۶ ص:۱۹۳
(۲) فتاوى شامية ج:۲ ص:۲۷۱ (ایچ ایم سعید)۔ (محمد زبیر حق نواز)

زکوٰۃ کی رقم تعمیر مدرسہ پر لگانے کے لئے طلبہ سے تملیک کا صحیح طریقہ

زکوٰۃ کی رقم دیتے وقت زکوٰۃ کا نام لینا ضروری نہیں

سوال ۱:- ہمارے گاؤں میں ابھی ایک مدرسہ قائم ہوا ہے جس میں تیس طلبہ پڑھتے ہیں، مدرسے کے مہتمم غریب ہیں جو طلبہ کو پڑھاتے ہیں، چونکہ مدرسہ ابھی زیر تعمیر ہے اس لئے مدرسے کے لئے جو لوگ زکوٰۃ کی رقم دیتے ہیں یہ مہتمم صاحب خود یا دارالعلوم کے طلبہ میں زکوٰۃ کی رقم ایجاب وقبول کراکر دارالعلوم کی تعمیر کی مد میں خرچ کرتے ہیں، تو اس طرح زکوٰۃ کی رقم کا ایجاب وقبول کرنا اور دارالعلوم کی تعمیر پر خرچ کرنا شریعت کی رو سے جائز ہے یا نہیں؟

سوال ۲:- زکوٰۃ کی رقم دیتے وقت دینے والے کو یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے یا بتانا ضروری نہیں، وضاحت فرمائیں؟

جواب ۱:- اگر زکوٰۃ کی رقم مستحق زکوٰۃ طلبہ کو اس طرح دیدی جاتی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اس رقم کا مکمل مالک ومختار سمجھتے ہیں، اور پھر خوشی خوشی دل سے کسی دباؤ کے بغیر وہ رقم یا اس کا کچھ حصہ مدرسے کو چندے کے طور پر دیدیتے ہیں تو اس رقم کو تعمیر کے کام میں خرچ کرنا جائز ہے۔(۱)

لیکن اگر محض رسمی حیلہ کیا جاتا ہے کہ طلبہ اپنے آپ کو رقم کا مالک نہیں سمجھتے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ یہ رقم بہرحال مدرسے میں دینی ہے، یا دباؤ کے تحت دیتے ہیں تو ایسا کرنا جائز نہیں ہے اور مہتمم صاحب کو خود تملیک نہ کرنی چاہیے، البتہ کوئی زکوٰۃ کی رقم دینے والے نے مہتمم صاحب ہی کو مستحق زکوٰۃ سمجھ کر دی ہو تو وہ رقم اگر چاہیں تو مدرسے میں داخل کر سکتے ہیں، مگر جو رقم مدرسے کے نام پر زکوٰۃ میں دی گئی، اس کا مالک خود کو بنا کر مدرسے میں داخل کرنا درست نہیں۔

جواب ۲:- نہیں بتانا ضروری نہیں، ہدیہ کے نام سے بھی دے سکتے ہیں اور بتائے بغیر بھی دے سکتے ہیں بشرطیکہ نیت زکوٰۃ کی ہو۔(۲)

واللہ اعلم
۱۴۱۲/۱/۸ھ
(فتویٰ نمبر ۵۱/۵۹)

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۴۴ طبع سعيد: وحيلة التكفين بها التصدق على فقير ثم هو يكفن فيكون الثواب لهما وكذا في تعمير المسجد ... ص ۲۴۳ ... ص ۳۲۵

(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۲۶۸ طبع مذكور: وشرط صحة أدائها نية مقارنة له أي للأداء ... وفي الشامية قوله ... الى أنه لا اعتبار للتسمية فلو سماها هبة أو قرضا تجزيه في الأصح ...

مقروض کو زکوٰۃ دینے کا حکم اور کیا قرض کو زکوٰۃ میں منہا کیا جاسکتا ہے؟

سوال :- راولپنڈی کی مین مارکیٹ میں ایک صاحب سے ہم کاروبار کرتے تھے، جس کا کاروبار میں لین دین ہوتا تھا، یہ صاحب جو کافی مالدار اور جائیداد کے مالک تھے، ان پر زوال آگیا سب کچھ ختم ہوگیا، کاروبار تباہ ہوگیا، جائیداد فروخت کرکے لوگوں کے قرض ادا کئے، وہ شخص بالکل ختم ہوگئی۔ اب صورت حال یہ ہے کہ یہ صاحب کسی کے پاس ملازمت کرتے ہیں، بڑی مشکل سے وقت گذار رہے ہیں۔ محترم مفتی صاحب! مجھے آپ سے یہ دریافت کرنا ہے، ان کی صاحب نے ہمارا ۱۳۰۰۰ روپیہ دینا ہے، ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں کہ ہمارا قرض جو ان کے ذمہ برقرار ہے ادا کرسکیں۔ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ہم زکوٰۃ کی صورت میں یہ رقم جو ان کے ذمہ ہے منہا کرلیں، کیا اس صورت حال میں ہماری زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور ان صاحب کا قرض ادا ہوجائے گا، اس طرح دونوں پارٹیوں کا فائدہ دکھائی دیتا ہے۔ آپ کے فتویٰ کا شدت سے منتظر رہوں گا، جس کے لئے میں آپ کا شکر گزار رہوں گا۔

طلعت محمود (راولپنڈی)

جواب :- برادر عزیز ومکرم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

اگر ان صاحب کا قرضہ ختم ہوچکا ہے اور وہ قرض ادا کرنے کی طاقت سے عاری ہیں یا ان کے پاس ۵۲ تولہ چاندی کی قیمت کا روپیہ پیسہ یا ضرورت سے زائد سامان نہ بچا ہو، تو آپ انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں، مگر قرض کو صرف معاف کردینا کافی نہیں، اس کا طریقہ یہ ہے کہ آپ انہیں رقم دے دیں، پھر ان سے مطالبہ کریں کہ اب آپ کے پاس جتنی رقم آگئی ہے، وہ قرض میں ادا کردیجئے۔ اگر وہ خود یہ نہ کریں تو رقم کسی اور سے دلوادیں اور قرض خود وصول کرلیں۔ والسلام

واللہ اعلم
۱۴۱۵/۴/۲۰ھ (۳)

(۱) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۱۴۹ کا حاشیہ نمبر ا۔

(۲) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۱۵۳ کا حاشیہ نمبر ا۔

(۳) یہ فتویٰ حضرت والا دامت برکاتہم نے ایک جوابی خط کی صورت میں دیا۔ (محمد زبیر)

کتاب الصوم

(روزے کے مسائل)

﴿فصل فی رُؤیة الهلال﴾
(چاند دیکھنے سے متعلق مسائل کا بیان)

حسابات کی بنیاد پر قمری مہینوں کا تعین کرنا کیسا ہے؟

سوال - ایک ضروری علمی سوال جو آپ کی خصوصی توجہ کا مستحق ہے۔ زید کہتا ہے کہ عرب ممالک میں رؤیت ہلال نظری و بصری ضروری قرار نہیں دی جاتی بلکہ علم ہیئت و نجوم کی رو سے جس دن قران شمس وقمر ہوتا ہے یعنی ایک درجہ فلک پر شمس وقمر کا اجتماع ہوتا ہے اسی دن و بشرطیکہ قران قبل دوپہر ہو، چاند کی پہلی تاریخ شمار کی جاتی ہے، زید نے اس کی چھان بین کئی بار کی ہے ضروری خیال فرمائیں تو آپ بھی اس کی تحقیق فرمائیں۔

مثلاً آئندہ ماہ یعنی محرم کا چاند انگریزی تاریخ کی ۱۰-۱۱ نومبر قبل دوپہر قران شمس وقمر ہے لہذا پہلی ذی الحجہ ۱۳۹ھ شمار ہوگی، حالانکہ رؤیت کا قانون یہ ہے کہ اجتماع شمس وقمر کم از کم بیس گھنٹے کے بعد چاند بصورت ہلال شفق غربی پر نظر آیا کرتا ہے کیونکہ اس وقت وہ سورج سے دس بارہ درجہ دور آگے نکل جاتا ہے اور تحت الشعاع نہ ہونے کے سبب نظر آجاتا ہے قبل ازیں وہ سورج کے تحت الشعاع ہوتا ہے اور نظر آنا اس کا ممکن نہیں ہوتا، اگر گرہن شمسی کا وقت بھی اجتماع شمس کا ہی ہوتا ہے ایسے وقت میں زمین پر سورج کی روشنی بوجہ اس کے کہ سورج کے سامنے چاند آجاتا ہے کل زمین کو نہیں ملتی اور ہم اسے گہنایا ہوا دیکھتے ہیں، علم ہیئت میں اس کو نیا چاند کہتے ہیں یعنی اس کے بعد چاند سورج سے آگے نکلنا اور بڑا ہونا شروع ہوجاتا ہے حتی کہ وقت گرہن سے کم وبیش ۲۴ گھنٹے بعد ہلال نظر آتا ہے اسی کو رؤیت ہلال کہتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ جب عرب ممالک میں رؤیت ہلال کے بجائے نیا چاند بروئے علم ہیئت بنیاد قرار پایا تو کیا اس کی شرعاً گنجائش ہے؟

جواب - سعودی عرب اور مصر کے بارے میں ہم کو تحقیق سے معلوم ہے کہ وہاں حسابات پر مدار نہیں بلکہ ہلال کی رؤیت پر ہے اور یہی طریقہ شرعاً درست ہے، حسابات کی بناء پر قمری مہینوں کا تعین شرعاً درست نہیں، اس کی تفصیل مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس سرہ

کے رسالہ ''رویتِ ہلال'' میں درج ہے، اسے ملاحظہ فرمایا جائے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۹/۱۰/۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸۸/۳۰ ج)

مستند علماء کی ''رُویتِ ہلال کمیٹی'' اگر شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کرلے تو عوام کو اس پر عمل کرنا لازم ہے

سوال:- کویت میں رُویتِ ہلال کا اعلان حکومت کی طرف سے ہوتا ہے، اور اس کے لئے حکومت نے ایک کمیٹی تشکیل دی ہوئی ہے، دیگر ایام میں تو اس کی کارکردگی سے ہم عوام کو کوئی خاص تعلق نہیں ہوتا، لیکن رمضان اور شوال کے لئے ان کے اعلان کا انتظار ہوتا ہے، بندہ کو تین رمضان کویت میں گزارنے کا موقع ملا اور بعض احباب کئی سال سے کویت میں ہیں، اپنا تین سالہ تجربہ اور دیگر احباب کا کئی سال کا مشاہدہ یہ ہے کہ کویت میں رمضان المبارک کبھی تیس ایام کا نہیں ہوا، ہر سال اُنتیس کا ہوتا ہے۔

گزشتہ سے پیوستہ سال یعنی ۱۳۹۵ھ میں صبح کی نماز کے بعد اٹھائیس رمضان المبارک کو مشرق میں چاند دیکھا گیا جو کہ مکانوں کی چھتوں کے اُوپر تھا اور محتاط اندازے کے مطابق چاند کا طلوع آفتاب کے طلوع سے ۱ ۱/۲ گھنٹہ پہلے تھا اور ہر ایک کا گمان یہی تھا کہ اس بار تیس روزے پورے ہوجائیں گے اور تقویم میں بھی تیس رمضان کے بعد شوال کے چاند کا غروب سورج سے چھ منٹ بعد تھا لیکن عشاء کی نماز سے کچھ دیر بعد حکومت کی طرف سے اعلان ہوگیا کہ شوال کا چاند ہوگیا ہے اور TV پر کچھ احباب کی تعلیق بھی سنائی نہیں کہ کن لوگوں نے چاند دیکھا ہے، مطلع اس دن صاف تھا اور باوجود کوشش کے نہ تو اس دن کسی کو چاند نظر آیا تھا اور نہ ہی اگلے دن نظر آسکا۔

گزشتہ سال رمضان کے آخری ایام میں اعلان ہوا کہ شوال کا چاند کویت کے اُفق پر نظر نہیں آئے گا کیونکہ اس کا غروب سورج کے غروب سے چند منٹ پہلے ہے، یکم شوال کو بھی چاند واضح نہیں ہوگا، اس کے اگلے دن چاند صاف دیکھا جاسکے گا، رمضان المبارک ۲۹ یوم کا ہی ہوا۔

اس سال تقویم میں روزے تو تیس ہی کے ہیں لیکن چاند کا غروب سورج کے غروب سے تین منٹ قبل ہے، یعنی چاند کا شہود کچھ بھی نہیں ہوگا اور عین ممکن ہے کہ گزشتہ روایات کو قائم رکھتے ہوئے ۲۹ رمضان ہی کو شوال کے چاند کا اعلان ہو۔ مندرجہ بالا کوائف کو مدنظر رکھتے ہوئے شرعی نقطۂ نظر سے عید کا کیا حکم ہے؟ گزشتہ سے پیوستہ سال یعنی ۱۳۹۵ھ میں کچھ لوگوں نے حکومت کے اعلان پر عید نہیں

دوسروں کا استدلال یہ تھا کہ جب مشرق میں فجر کے وقت چاند اتنا اونچا تھا تو یہ ممکن ہی نہیں کہ شام تک سورج، چاند سے آگے نکل جائے، اور جب مطلع صاف ہو تو ان ملکوں میں کسی کو تو نظر آنا ہی چاہئے تھا، اس کے برخلاف کچھ احباب کی رائے تھی کہ عید تو حکومت کے اعلان پر عوام کے ساتھ ہی منانی چاہئے تھی البتہ نماز عید سنت کی مسجد الگ نہیں بنانی چاہئے تھی، اس اختلاف رائے کی وجہ سے لوگوں میں کافی تلخی اور کھچاؤ رہا، آپ فرمائیے کیا حکم ہے؟

تنقیح

مندرجہ ذیل سوالات کا جواب اس استفتاء کے ساتھ بھیج دیں تو اس مسئلے کا جواب دیا جاسکے گا۔

۱- یہ رویت ہلال کمیٹی میں کون کون شامل ہیں؟ یہ محض انتظامیہ کے افراد ہوتے ہیں؟

۲- کمیٹی کا طریقہ کار کیا ہے؟ کیا وہ شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کرتی ہے یا تقویم کے حساب پر؟

۳- ۳۹۵ھ میں رمضان کا جو اعلان کیا گیا وہ کتنی شہادتوں کی بنیاد پر کیا گیا؟ یا ٹی وی پر کتنے افراد کی شہادت دکھائی گئی؟

۴- کویت کے عام باشندوں کا فقہی مسلک کیا ہے؟

جوابِ تنقیح از مستفتی

۱- رویت ہلال کمیٹی پانچ افراد پر مشتمل ہے جن میں ایک عالم ہیں، باقی تعلیم یافتہ ہیں، کمیٹی کا سربراہ انتظامیہ سے متعلق ہے۔

۲- کمیٹی کے فیصلہ کی بنیاد شہادتوں پر ہوتی ہے، رمضان کے چاند کے لئے ایک شہادت پر فیصلہ ہوتا ہے اور شوال کے چاند کے لئے دو شہادتوں پر، مطلع گرد آلود ہو یا صاف ہو۔

سعودی عرب میں شوال کے چاند کا اعلان ہو جائے تو کویت میں بھی بغیر شہادتوں کے عید کا اعلان کر دیا جاتا ہے۔

۳- پہلے سوال کا جواب نمبر ۲ میں آ چکا ہے، دوسرے کا جواب اس وقت معلوم نہیں کیا جا سکا۔

۴- کویت کے عام باشندے مالکی اور حنبلی مسلک پر ہیں۔

الجواب:- جب رویت ہلال کمیٹی تعلیم یافتہ افراد پر مشتمل ہے اور وہ شہادتوں کی بنیاد پر فیصلہ کرتی ہے نہ کہ حسابات کی بنیاد پر، تو پھر عوام کو اس کے فیصلے کے مطابق عمل کرنا چاہئے، اور زیادہ تحقیق کا ان میں پڑ کر تشدد پیدا کرنا مناسب نہیں، البتہ جب کمیٹی کے فیصلے میں کوئی تسامح پیش آئے تو مقامی علماء کو کمیٹی

کے علماء سے رجوع کرنا چاہئے، البتہ مطلع صاف ہونے کی صورت میں جم غفیر کی شہادت ہونی چاہئے تھی اس بات کی طرف کمیٹی کو متوجہ کیا جائے۔ دور رہنے والے علماء صحیح صورت حال کا اندازہ نہیں کر سکتے اس لئے مقامی علماء ہی سے رجوع کیا جائے خواہ وہ حنفی مسلک کے نہ ہوں۔

واللہ اعلم
۱۴-۶-۱۳۹۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱۹/۲۸ب)

ابر کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو کیا حکم

سوال — برما ملک میں برسات اور ابر کی وجہ سے چاند نظر نہیں آتا، کیا چاروں مہینے تیس تیس دن کے شمار کئے جائیں، برمی حساب میں برمی کی تین تاریخ کو چاند ہونے کا (چاند کی ۲۹ تاریخ کو چاند کا حکم) لگایا جاسکتا ہے جبکہ مطلع صاف نہ ہو۔

جواب: — شریعت نے چاند کا دارومدار رؤیت پر رکھا ہے، لقوله عليه السلام صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين۔[۲] لہٰذا اگر ابر کی وجہ سے چاند نظر نہ آئے تو تیس دن پورے کرنے چاہئیں،[۳] حسابات کے ذریعہ یا برمی مہینوں کا اندازہ کرکے روزہ رکھنا یا افطار کرنا قطعی جائز نہیں،[۴] اس مسئلے کی مکمل تفصیل حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے رسالے ”رؤیت ہلال“ میں موجود ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۲۳-۱۲-۱۳۹۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹۲۶/۲۰)

دو عورتوں کی طرف سے رؤیت ہلال کی شہادت کا حکم

سوال — ہلال رمضان المبارک کچھ مشتبہ ہوگیا، اس کی صراحت فرمادیں کہ شب جمعہ کو دو نمازی عورتوں نے چاند دیکھا، اور دوسروں کو بھی دکھایا لیکن دوسرے مطمئن نہیں ہوئے سوائے دو کے،

---

(۱) كذا في رد المحتار كتاب الصوم ج ۲ ص ۳۸۷، ۳۸۸

(۲) وفي سنن النسائي ص ۱: ۳۰۱ طبع قديمي كتب خانه كتاب الصوم، إكمال شعبان ثلاثين إذا غم عن ابن عباس قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته فإن غم عليكم فأكملوا العدة ثلاثين

(۳) [illegible] صحيح البخاري كتاب الصوم ج ۱ ص ۲۵۵، ۲۵۶ طبع قديمي كتب خانه

(۴) وفي [illegible] كتاب الصوم فصل [illegible] ج ۲ ص ۳۵۷ طبع ادارة القرآن كراچی: يجب صوم رمضان برؤية الهلال أو باستكمال شعبان ثلاثين ولا يجوز تقليد المنجم في حسابه لا في الصوم ولا في الإفطار

وفي البدائع كتاب الصوم ج ۲ ص ۹۰ فإن كانت السماء مصحية يعرف برؤية الهلال وإن كانت متغيمة يعرف بإكمال شعبان ثلاثين يوما لقول النبي صلى الله عليه وسلم صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم فأكملوا شعبان ثلاثين يوما ثم صوموا

جس پر چند لوگوں نے روزہ رکھا باقی منتظر رہے پھر جمعہ کو ایک معتمد نمازی نے شہادت دی کہ میں نے دھان کاٹتے ہوئے سب سے پہلے چاند دیکھا تھا، معتمد نمازیوں نے بستی میں آکر تراویح بھی پڑھی اور روزہ بھی رکھا پھر دن میں لوگوں نے پانی میں دیکھا سب کو نظر آیا اب اس کی قضا ہوگی یا نہیں؟

جواب - صورت مسئولہ میں اگر مطلع بالکل صاف تھا تب تو صرف دو عورتوں کی شہادت کافی نہیں اور اس سے رمضان ثابت نہیں ہوا، اور اگلے دن میں چاند دیکھنا معتبر نہیں، لیکن اگر مطلع صاف نہیں تھا تو ان دو عورتوں کی خبر پر بستی والوں پر روزہ رکھنا ضروری تھا، اور اب جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا وہ اس کی قضا کریں کما فی العالمگیریہ:

إن كان بالسماء علة فشهادة الواحد على هلال رمضان مقبولة إذا كان عدلا مسلما عاقلا بالغا حرا كان أو عبدا ذكرا كان أو أنثى (وفيه أيضا) أما في السواد إذا رأى أحدهم هلال رمضان يشهد في مسجد قريته وعلى الناس أن يصوموا ... إذا لم يكن هناك حاكم يشهد عنده (عالمگیریہ)۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
١٣٩٧/١/١١ھ
(فتویٰ نمبر ٦٥/٢٨ الف)

پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹی کے طریقہ کار کے بارے میں چند سوالات کے جوابات

سوال - پچھلے دنوں مسائل جدیدہ پر غور وخوض کے لئے ہمارے صوبہ گجرات (انڈیا) کے مشاہیر اہل علم وارباب فتویٰ کی ایک میٹنگ زیر صدارت حضرت مفتی محمود الحسن گنگوہی مدظلہ (صدر مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور) منعقد ہوئی تھی، جس میں منجملہ دیگر امور کے رؤیت ہلال کا مسئلہ بھی زیر بحث آیا، دوران بحث پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹی کی شرعی حیثیت معلوم ہونے کے لئے ان امور کا معلوم ہونا ضروری ہے کہ اس کے افراد کون اور کس قسم کے افراد ہیں؟ شرعی ثبوت فراہم کرنے کا طریق کار کیا ہے؟

ریڈیو پر اعلان کس طرح اور کون کرتا ہے؟ وغیرہ تفصیلات کا علم ضروری ہے، کیونکہ اس کے بعد پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان سے استفادہ کا مسئلہ سوچا جاسکتا ہے۔

لہٰذا جناب والا سے عرض ہے کہ پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹی سے متعلق درج ذیل تفصیلات آپ کے علم میں تو ہوں گی، اور اگر نہ ہوں تو براہ کرم زحمت گوارا فرما کر معلومات حاصل کرکے مطلع

(١) فتاویٰ عالمگیریہ ج ١ ص ١٩٧ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

فرمائیں، تاکہ ہندوستان میں بھی پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹی کے اعلان سے استفادہ کا موقع شرعی نقطہ نظر سے فراہم ہوسکے۔

۱- پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹی کن علماء، اعیان اور امت کے صالح و متدین افراد پر مشتمل ہے؟ اور کمیٹی کا صدر کون ہے؟

۲- کیا ثبوت ہلال کے تمام شرعی اصول وضوابط کمیٹی ملحوظ رکھتی ہے؟

۳- کیا یہ کمیٹی رؤیت کا شرعی ثبوت فراہم کرنے کے بعد خود پوری ذمہ داری کے ساتھ ریڈیو پر اعلان کرتی ہے؟

۴:- اعلان کرنے والا کمیٹی کا صدر یا سیکریٹری ہوتا ہے؟

۵- کیا اس بات سے لوگوں کو پہلے ہی سے مطلع کردیا جاتا ہے کہ اعلان فلاں فلاں صاحب کریں گے؟

۶- رؤیت ہلال کمیٹی کے فیصلہ میں محکمہ موسمیات کے حساب وکتاب کو بھی دخل ہے یا نہیں؟ کیونکہ صدر ایوب خان کے دورِ حکومت میں ہلال رؤیت کا اختیار علمائے کرام سے لے کر محکمہ موسمیات کے حوالے کردیا گیا تھا، جو شرعاً صحیح نہ ہونے کی وجہ سے پاکستان کے ذمہ دار علمائے کرام نے اس پر احتجاج کیا اور وہاں دو عیدیں ہوئیں، ایک سرکاری اور ایک عوامی، اس کے بعد شاید یہ صورت بدل دی گئی، اب کیا صورت حال ہے؟

مصلح الدین
دارالافتاء، اصلاح المسلمین منڈوی
گجرات، ہندوستان

جواب:-

مکرمی محترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ بسلسلۂ رؤیت ہلال کمیٹی اس سے پہلے بھی احقر کو ملا تھا اور احقر نے اس وقت اس کا مفصل جواب بھی بھیج دیا تھا، افسوس ہے کہ وہ جواب آپ کو نہیں ملا۔

بہرحال! سوالات کے مختصر جوابات دوبارہ عرض کرتا ہوں۔

۱- پاکستان کی رؤیت ہلال کمیٹی یہاں کے مختلف مکاتب فکر کے علماء پر مشتمل ہے، جس میں دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث اور شیعہ حضرات شامل ہیں، اس کے پہلے چیئرمین حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی تھے، ان کے بعد سے دو بریلوی علماء چیئرمین ہوئے، اب بھی ایک بریلوی عالم اس کے چیئرمین ہیں، اب تک کمیٹی کے تمام فیصلے ارکان کے اتفاق سے ہوتے رہے ہیں۔

۲- مجھ سے کمیٹی کے چیئرمین نے بیان کیا کہ رؤیت ہلال کمیٹی کا طریق کار بنیادی طور پر وہ ہے جو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت مولانا سید یوسف بنوری نے منضبط فرمایا تھا، اور یہ طریق کار ظاہر ہے کہ شرعی اصول وضوابط کے مطابق تھا۔

البتہ ایک معاملے میں تھوڑا سا فرق ہوگیا ہے، اور وہ یہ کہ مذکورہ حضرات کے بیان کردہ طریق کار میں یہ درج تھا کہ اگر کوئی ذیلی رؤیت ہلال کمیٹی اپنے شہر میں رؤیت یا اس کی شرعی شہادت کی بناء پر فیصلہ کرے تو اسی ذیلی کمیٹی کو پورے ملک کے لئے فیصلہ کرنے کی اجازت دے دی جائے اور اعلان اسی کی طرف سے نشر کیا جائے، لیکن اب عمل اس پر ہوتا ہے کہ مرکزی رؤیت ہلال کمیٹی ذیلی کمیٹی کے فیصلے کی خبر ٹیلیفون پر حاصل کرتی ہے اور اس کے فیصلے کا ذکر کرکے خود اعلان کرتی ہے۔

میں نے ایک مرتبہ کمیٹی کے چیئرمین سے کہا تھا کہ وہ ٹیلیفون پر فیصلے کی خبر لیتے وقت کم از کم یہ احتیاط ضرور کریں کہ یہ خبر استفاضہ کی حد تک پہنچ جائے، اس پر انہوں نے اتفاق کا اظہار کیا تھا۔

۳- کمیٹی مذکورہ طریقہ کار کے مطابق ثبوت فراہم ہوجانے پر خود ریڈیو پر اعلان کرتی ہے۔

۴- یہ اعلان کمیٹی کے چیئرمین کی آواز میں براہ راست کمیٹی کے مقام اجلاس سے نشر کیا جاتا ہے۔

۵- جی ہاں! یہ بات سب کو معلوم ہے اور اخبارات میں بھی آجاتی ہے کہ اعلان کمیٹی کا چیئرمین کرے گا۔

۶- کمیٹی کے فیصلے میں موسمیات کے حساب وکتاب کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی

۱۰-۸-۱۴۰۳ھ

(فتویٰ نمبر ۳۴/۳۲۳)

رؤیت ہلال کے سلسلے میں مستند علماء کی طرف سے شرعی شہادت کے مطابق کئے گئے فیصلے پر عمل کرنا چاہئے

سوال ۱- امسال عیدالفطر میں پشاور ڈویژن میں بہت سی تحصیلوں میں یکم جنوری ۱۹۶۸ء کو عیدالفطر منائی گئی تھی، جبکہ پشاور ڈویژن کے علاوہ پورے مغربی ومشرقی پاکستان میں ۲ جنوری ۱۹۶۸ء کو عیدالفطر منائی گئی تھی۔ یکم جنوری ۱۹۶۸ء کو دن کے دس بجے تک ہم بمعہ اہل وعیال روزے سے رہے، چونکہ ہمارے گاؤں میں بھی کئی دن پہلے یکم کو عیدالفطر منانے کا فیصلہ ہوا تھا، اس لئے ہم نے بھی اسی دن عید منائی، بوجوہ کہ یہاں پر پشاور، نوشہرہ اور مردان شہروں میں نصف سے زیادہ لوگوں

نے یکم کو عید الفطر نہیں منائی، ہمیں اپنے گاؤں والوں کا ساتھ دینا چاہئے تھا یا شہر والوں کا، جنہوں نے ۲؍جنوری کو عید منائی؟

جواب ۱:- آپ کے گاؤں میں اگر کسی مستند عالم دین نے چاند کی شہادت سے یکم جنوری کو عید منانے کا فیصلہ کیا تھا تو آپ نے یکم جنوری کو عید مناکر صحیح کام کیا، لیکن اگر چاند دیکھنے کی کوئی شرعی شہادت آپ کے گاؤں میں پیش نہیں ہوئی تو محض عام لوگوں کے فیصلہ کرلینے سے عید نہیں ہوتی، آپ کو ایک روزے کی قضا کرنی چاہئے۔

سوال ۲:- اسی طرح عید الاضحیٰ میں بھی صرف چارسدہ تحصیل میں ۹ مارچ کو عید الاضحیٰ منائی گئی، اس حساب سے کہ یہاں پر ۱۹۶۸/۲/۲۸ء کو چاند دیکھنے کی شہادت مل چکی تھی، اس تحصیل کے علاوہ پورے پشاور ڈویژن میں کہیں بھی عید ۱۹۶۸/۳/۹ء کو نہیں منائی گئی، اب بھی ہمارے موضع والوں نے ۱۹۶۸/۳/۹ء کو ہی عید منائی، لہٰذا ہم نے بھی ان کا ساتھ دیا، اس بناء پر کہ گاؤں والوں کا ساتھ دینا ضروری ہے، یہ ہم نے صحیح کیا یا غلط؟

جواب ۲:- اگر واقعۃً چارسدہ میں رؤیت ہلال کی شہادت کی بنیاد پر ۹؍مارچ کو عید الاضحیٰ کا اعلان کیا گیا اور آپ کو اس اعلان کی قابل اعتماد اطلاع پہنچ گئی، تو آپ کا ۹؍مارچ کو عید کرنا صحیح ہوا۔

آئندہ کے لئے یہ بات یاد رکھئے کہ رؤیت ہلال ایک خالص دینی معاملہ ہے، اور اس کی شہادت کا شریعت میں خاص ضابطہ ہے، چونکہ عام لوگ اس ضابطے سے واقف نہیں ہیں، اس لئے آپ کے قریب جو مستند علماء ضابطۂ شہادت سے واقف ہوں، ہمیشہ ان سے رجوع کرکے صحیح صورت حال معلوم کرلیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۱۵۰/۱۹ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۱۳۸۸/۱/۲۳ھ

فصل فی المسائل المتعلقة بالصوم

(روزے سے متعلق مختلف مسائل کا بیان)

سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ روزہ رکھتے تھے یا نہیں؟

سوال ۱- مولانا مودودی صاحب نے تفہیم القرآن حصہ اوّل صفحہ نمبر ۱۴۲ میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی سفر میں روزہ رکھا اور کبھی سفر میں روزہ نہیں رکھا، کیا یہ تفسیر صحیح ہے؟

۲- صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگوں میں رہے، کیا صحابہ کرامؓ جنگ کے درمیان روزہ رکھتے تھے؟ جیسے کہ مولانا مودودی صاحب نے صفحہ نمبر ۱۴۲ پر کہا ہے کہ ''ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ کوئی روزہ رکھتا تھا اور کوئی صحابی روزہ نہیں رکھتا تھا جنگ کے دوران میں'' کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- یہ درست ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر میں کبھی روزہ رکھا ہے اور کبھی افطار کیا ہے،(۱) اور مسافر کے لئے دونوں طریقے جائز ہیں،(۲) اور اگر غیر معمولی مشقت کا اندیشہ نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے(۳) لقوله تعالى "وأن تصوموا خير لكم"۔(۴)

صحابہ کرامؓ کے بارے میں بھی یہ درست ہے کہ سفر کی حالت میں بعض صحابہؓ روزے سے ہوتے اور بعض افطار فرماتے تھے۔(۵)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۲/۲۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۳۹/۲۷ ج)

---

(۱) وفي الصحيح للإمام مسلم، باب جواز الصوم والفطر في شهر رمضان للمسافر ج:۱ ص:۳۵۶ (طبع قديمي كتب خانه): عن ابن عباس قال: سافر رسول الله صلى الله عليه وسلم في رمضان فصام حتى بلغ عسفان ثم دعا بإناء فيه شراب فشربه نهارًا ليراه الناس ثم أفطر حتى دخل مكة، قال ابن عباس: فصام رسول الله صلى الله عليه وسلم وأفطر، فمن شاء صام ومن شاء أفطر. وفي مجمع الزوائد للهيثمي ج:۳ ص:۱۵۸، ۱۵۹: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يصوم في السفر ويفطر ... الخ. قال الهيثمي: رواه أحمد وأبو يعلى والبزار ... ورجال أحمد رجال الصحيح.

(۲، ۳) مذکورہ حدیث سے [illegible] (۴) سورة البقرة: ۱۸۴

(۵) وفي جامع الترمذي ج:۱ ص:۸۹ (طبع [illegible] كتب خانه): عن أبي سعيد قال: كنا نسافر مع رسول الله صلى الله عليه وسلم في شهر رمضان فما يعاب على الصائم صومه ولا على المفطر فطره ... الخ. وجاء في حديث باب ما جاء في كراهة الصوم في السفر ج:۱ ص:۸۹ (في الحديث: ... فأفطر بعضهم وصام بعضهم).

سفر میں روزہ رکھنے کا حکم

سوال: اگر کوئی سفر میں ہے یا بیمار ہے کیا وہ شخص روزہ چھوڑ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب – سفر میں روزہ چھوڑنا جائز ہے لیکن اگر غیر معمولی مشقت کا اندیشہ نہ ہو تو روزہ رکھنا افضل ہے۔[1]

بیماری میں روزہ چھوڑنے کے لئے شرط یہ ہے کہ کوئی ماہر اور دیانت دار معالج یہ کہے کہ اس حالت میں روزہ رکھنے سے تکلیف کے بڑھ جانے یا مرض ہونے کا اندیشہ ہے تو روزہ چھوڑ سکتے ہیں۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۰۱/۳۰ ج)

عمداً کئی سال تک روزے نہ رکھنے کی صورت میں تمام عرصے کی قضاء لازم ہے

سوال – میری خالہ جن کی عمر اس وقت ساٹھ سال کے لگ بھگ ہوگی پہلے خرابی صحت کی وجہ سے رمضان کے روزے نہیں رکھ سکتی تھی، یہاں تک کہ انہیں روزوں کی پابندی سے بچنے کی عادت سی ہوگئی اب تقریباً ۳۰ سال سے انہوں نے یہ فرض ادا نہیں کیا اور نہ ہی اس کا کوئی کفارہ ادا کیا کیونکہ توفیق نہیں تھی پھر جب توفیق ہوئی تو اس کا خیال نہیں آیا۔ اب انہیں اس بات کا احساس ہو رہا ہے اور کفارہ ادا کرنا چاہتی ہیں، تو کس حساب سے ادا کریں تاکہ خدا کے عذاب سے بچ سکیں۔

جواب – آپ کی خالہ صاحبہ کو چاہئے کہ وہ اول تو چھوڑے ہوئے روزوں کو ٹھیک ٹھیک حساب کا کر اپنے وصیت نامے میں لکھ دیں کہ میرے اتنے روزے چھوٹے ہوئے ہیں اگر میں ان کو ادا

---

(۱) وفي مشكوة المصابيح ج ۱ ص ۱۷۷ طبع قديمي كتب خانه، عن عائشة قالت إن حمزة بن عمرو الأسلمي قال للنبي صلى الله عليه وسلم أصوم في السفر؟ وكان كثير الصيام فقال إن شئت فصم وإن شئت فأفطر. متفق عليه وكذا في جامع الترمذي ج ۱ ص ۹۵ ... وفي عمدة القاري باب الصوم في السفر والإفطار ج ۱۱ ص ۴۳ وفي الدر المختار ج ۲ ص ۴۲۱، ۴۲۳ لمسافر سفر شرعي ولو بمعصية الفطر ... وندب لمسافر الصوم لآية وأن تصوموا خير لكم والخير بمعنى البر لا أفعل تفضيل إن لم يضره فإن شق عليه ... فالفطر أفضل
وفي الشامية قوله: إن لم يضره، أي بما ليس فيه خوف هلاك وإلا وجب الفطر ... الخ

(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۴۲۲ فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم ... أو مريض خاف الزيادة لمرضه وصحيح خاف المرض ... الخ وفي الهندية ج ۱ ص ۲۰۷ وإن خاف زيادة العلة وامتداده فكذلك عندنا ... الخ

سے بغیر مرچ والی ترکاری کا فدیہ ادا کر دیا جائے، اس کے بعد ان پر فرض ہے کہ وہ چھوٹے ہوئے روزوں کی قضاء کرنا شروع کریں اور جتنے روزوں کی قضاء کر سکتی ہوں کرتی رہیں[1]، اور جتنے روزے رکھتی رہیں ان کا حساب بھی وصیت نامے میں درج کرتی رہیں، اور جب عمر کی زیادتی اور ضعف و بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے سے مایوس ہو جائیں تو جتنے روزے اس وقت باقی ہوں ان کا فدیہ خود اپنی زندگی میں ادا کر دیں[2]، اور فدیہ کا حساب یہ ہے کہ ہر ایک روزے کے بدلے ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گندم کسی فقیر کو دیدیں یا اس کی قیمت ادا کر دیں[3]، پھر اگر قوت آجائے تو دوبارہ قضاء روزے رکھنے شروع کر دیں۔

واضح رہے کہ فدیہ کی ادائیگی صرف اس وقت کافی ہوتی ہے جبکہ روزہ رکھنے کی طاقت باقی نہ رہے، ورنہ خود روزہ رکھنا ضروری ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۸/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹۴/۲۸ ج)

روزہ اور ظہار کے کفارہ کی تفصیل

سوال ۱: قرآن مجید کے مطابق کفارہ کی ادائیگی پر کھانا کھلانا ۶۰ مساکین کو، یا کھانے کا معیار صاحبِ کفارہ کے نجی اوسط معیار کا ہونا ہے؟

۲: دارالعلوم کورنگی کے طلباء میں ۶۰ طلباء کو ایک وقت اس قسم کے کھانے کے اگر وہ مستحق ہیں ان کو کھلا دیا جائے تو کفارہ ادا ہوگا یا نہیں؟

۳: کفارہ کے کھانے کے سلسلے میں ۶۰ مسکین کی جو تعیین قرآن مجید سے ثابت ہے کیا اس عدد میں پندرہ بیس تک کی تعداد میں (دوسری نیت سے مثلاً ایصال ثواب وغیرہ) اضافہ کر سکتے ہیں؟

جواب ۱: روزے یا ظہار کے کفارے میں ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اس وقت جائز ہے جبکہ ساٹھ روزے پے در پے رکھنے کی قدرت نہ ہو، مثلاً متواتر بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتا ہو، اگر روزے رکھ سکتا ہو تو متواتر ساٹھ روزے رکھنا ہی ضروری ہے، کھانا کھلانا کافی نہیں، اور

(۱، ۲) فی جامع الفصولین کتاب الصوم ج ۲ ص ۲۳۱ (ناشر اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن) ولو افطر المریض یقضی بلا فدیة ولو مات قبل البرء لا شیء علیه [illegible] فی صدقة الفطر وفی الهندیة باب الخامس فی الاعذار التی تبیح الافطار ج ۱ ص ۲۰۷ [illegible] حتی ترکه [illegible] ج ۲ ص ۲۸۳ (فصل فی العوارض) (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) وفی الهندیة باب الخامس ج ۱ ص ۲۰۷ فالشیخ الفانی الذی لا یقدر علی الصیام یفطر ویطعم لکل یوم مسکینا [illegible] وفی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۸۴ [illegible] الفطر ویفدی وجوبا الخ

روزے نہ رکھ سکے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، اس صورت میں ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کم از کم روٹی سالن کھلائے اور بہتر یہی ہے کہ کھانے کا معیار صاحبِ کفارہ کے بھی اوسط معیار کا ہو، کسی دینی مدرسے کے مستحقِ زکوٰۃ طلباء میں ساٹھ کا انتخاب کرکے دو وقت کھلانے سے بھی کفارہ ادا ہوجائے گا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ کھانا کھلانے کے بجائے اس کی قیمت صدقہ کرے، اس صورت میں ہر مسکین کو پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کرنی ہوگی،(۱،۲) اور کفارہ کا کھانا کھاتے وقت ساٹھ سے زائد افراد کو کسی اور نیت سے شریک کرلینے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

١٣٩٧/١٠/٥ھ
(فتویٰ نمبر ١٠١٢/٢٨ ج)

سفر کی وجہ سے رمضان اکتیس کا ہونے کی صورت میں اکتیسواں روزہ بھی فرض ہے

سوال:- ایک آدمی نے سعودیہ میں قضائے قاضی سے روزہ رکھا پھر پاکستان آگیا، اس نے وہاں سعودیہ میں تیس روزے پورے کرلئے جبکہ پاکستان میں عید کا حکم نہیں ہے۔ مفتی رشید احمد صاحب نے احسن الفتاویٰ جدید ج ۴ ص ۴۲۳ میں بعنوان ''سفر کی وجہ سے رمضان اکتیس یا اٹھائیس ہونا'' لکھا ہے یہ آدمی اکتیسواں روزہ بھی رکھے گا۔ نیز اگر یہ آدمی اکتیسواں روزہ نہ رکھے تو اس پر اس کی قضاء ہے یا نہیں؟ برائے کرم تشفی فرمائیں۔

جواب:- احسن الفتاویٰ تو اس وقت سامنے نہیں ہے، لیکن حضرت والد صاحب (حضرت مفتی اعظم قدس سرہ) کا فتویٰ بھی یہی تھا کہ پاکستان پہنچنے کے بعد یہاں کا اعتبار کرتے ہوئے اکتیس روزے پورے کرے گا، اور وجہ یہ بیان فرمائی کہ شہود الشہر موجبِ فرضیتِ صوم ہے، اور شہود الشہر ہر علاقے میں وہاں کا معتبر ہے، پاکستان میں چونکہ شہر ابھی موجود ہے اس لئے فرضیتِ صوم اس کے حق میں متحقق ہے، رہی وہ حدیث جس میں شہر کے تیس دن ہونے کا ذکر ہے، سو وہ اس بارے

(۱، ۲) وفی خلاصة الفتاوی ج ص ۲۶ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ، ثم لا بد من الكفارة فنقول كفارة الفطر وكفارة الظهار واحدة وهي عتق رقبة مؤمنة أو كافرة وإن لم يقدر على العتق فعليه صيام شهرين متتابعين، وإن لم يستطع فعليه إطعام ستين مسكينًا كل مسكين صاعًا من تمرة أو شعير أو نصف صاع من حنطة على ما يأتي في صدقة الفطر. وفي الدر المختار مع رد المحتار باب الكفارة ج ۳ ص ۴۷۹ (فإن عجز عن الصوم أطعم ستين مسكينًا كالفطرة (قوله كالفطرة قدرًا) أي نصف صاع من بُر أو صاع من تمر أو شعير.

میں قطعی شہادت و دلالت نہیں، جبکہ اس میں احتمال موجود ہے، اور "فمن شهد منكم الشهر" کے لئے ... کا حکم قرآن کی قطعی الثبوت والدلالۃ ہے، مزید یہ کہ تقیید بھی اسی میں ہے، اور جب روزہ فرض ہوا تو نہ رکھنے سے قضاء بھی لازم ہوگی۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۸/۱۱/۱۸ھ

(فتویٰ نمبر ۳۹/۲۳۱۱ ج)

۱:- پاکستان سے سعودی عرب اور سعودیہ سے پاکستان آنے والے شخص کے روزے اور عید میں تفصیل

۲:- روزے کی حالت میں حیض کا شروع ہونا

سوال – ایک شخص سعودی عرب سے روزے رکھتے ہوئے آیا اور یہاں پر بھی روزے رکھ رہا ہے، پاکستان کے لحاظ سے اس کے دو روزے زائد ہو رہے ہیں، ایسی حالت میں کیا حکم ہے؟

۲- اس کے برعکس ایک شخص پاکستان سے روزے رکھتے ہوئے سعودی عرب جائے تو اس کے دو روزے سعودی عرب کے لحاظ سے کم ہو جائیں گے، ایسی صورت میں کیا شکل اختیار کرے؟

۳- اگر ایک عورت روزے سے ہو اور دن کے کسی حصہ میں وہ ناپاک (حیض یا نفاس سے) ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

۴- اگر ایک عورت حیض یا نفاس سے ناپاک ہوئی، کچھ دنوں کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ وہ دن کے کسی حصے میں پاک ہو جائے گی تو وہ اس دن کا روزہ رکھے اور دن میں غسل کرے یا پھر غسل کرنے کے بعد دوسرے دن سے روزہ شروع کرے۔

جواب – پاکستان پہنچ کر جب تک رمضان باقی ہے اس وقت تک روزہ رکھنا اس پر فرض ہے۔[1]

۲- صورتِ مسئولہ میں چونکہ اس نے پاکستان میں صرف اٹھائیس روزے رکھے تھے اور سعودی عرب پہنچا تو رمضان ختم ہو چکا تھا تو اس کو دو روزے قضا کرنے ہوں گے۔

---

(۱) سورة البقرة: ۱۸۵، وفي جامع الترمذي ج ۱ ص ۸۸ (طبع سعيد) وفي كتاب الصوم: الصوم يوم تصومون والفطر يوم تفطرون الخ، وفي الدر المختار ج ۲ ص ۳۸۴ ... لو صام رأى هلال رمضان وأكمل العدة لم يفطر إلا مع الإمام لقوله عليه السلام: صومكم يوم تصومون وفطركم يوم تفطرون، رواه الترمذي.

وفي بدائع الصنائع كتاب الصوم ج ۲ ص ۸۰: وأما صوم رمضان فوقته شهر رمضان لا يجوز في غيره فيقع الكلام فيه في موضعين: أحدهما في بيان وقت صوم رمضان، والثاني في بيان ما يعرف به وقته، أما الأول فوقت صوم رمضان شهر رمضان لقوله تعالى: فمن شهد منكم الشهر فليصمه، أي فليصم في الشهر، وقول النبي صلى الله عليه وسلم: وصوموا شهركم، أي في شهركم لأن الشهر لا يصام وإنما يصام فيه ... الخ

(۲) دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۔ (محمد زبیر)

۳:- اس کا اس دن کا روزہ نہیں ہوا بعد میں اس کی قضاء کرے۔(۱)

۴:- جب تک پاک نہ ہو دن میں کھا پی سکتی ہے، اور پاک ہونے سے پہلے روزے کی نیت بھی درست نہیں، پاک ہونے پر بھی روزے کی نیت درست نہیں، البتہ جس وقت پاک ہو تو اس کے بعد باقی دن کھانا پینا اس کے لئے جائز نہیں،(۲) اور اس دن کی قضا بھی واجب ہے،(۳) اور اگر غلطی سے کھا پی لیا تب بھی کفارہ نہیں صرف قضاء کافی ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۰۵/۲۸ ج)

تندرست کے لئے روزہ رکھنا لازم ہے کفارہ کافی نہیں

سوال:- رمضان مبارک کا مہینہ ہے مگر بہت سے لوگ اس سعادت کو جان بوجھ کر چھوڑ دیتے ہیں (بیماروں کے علاوہ) اور کہتے ہیں کہ بعد میں کفارہ دیدیں گے۔ اگر کفارہ ادا کیا جائے تو کتنا ادا کیا جائے؟

جواب:- قوی اور تندرست آدمیوں کے لئے کوئی کفارہ یا فدیہ نہیں ہے، ان پر روزے رکھنا ہی فرض ہے، کفارہ ایسے بوڑھوں کے لئے ہے جو کمزوری کی وجہ سے روزے نہ رکھ سکتے ہوں(۵) اور ان میں قوت دوبارہ آنے کی امید نہ ہو، ایسے بوڑھے ایک روزے کے عوض پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت صدقہ کریں۔(۶)

واللہ اعلم

۱۳۹۷/۹/۲۷ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۰۴/۲۸ ج)

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۱ ص ۲۹۰، ۲۹۱ (يمنع صلاة مطلقًا ولو سجدة شكر وصوما وجماعا) وتقضيه لزوما دونها ... وفي البحر الرائق ج ۱ ص ۲۰۴ ... وفي الهداية ج ۱ ص ۲۲۳ ... وفي الجوهرة النيرة ج ۱ ص ... كتاب الصوم ... وكذا في الهندية كتاب الصوم الباب الخامس ج ۱ ص ۲۰۷.

(۲، ۳) وفي الهداية ج ۱ ص ۲۲۵ طبع مكتبه شركت علميه ملتان وإذا قدم المسافر أو طهرت الحائض في بعض النهار أمسكا بقية يومهما ... الخ

(۴) وفي الهداية ج ۱ ص ۲۲۳ طبع مذكور وإذا بلغ الصبي أو أسلم الكافر في رمضان أمسك بقية يومهما قضاءً لحق الوقت بالتشبه ولو أفطرا فيه لا قضاء عليهما لأن الصوم غير واجب فيه.

(۵) وفي كشف الأسرار للبزدوي ج ... ص ... تحت قوله تعالى وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين ... وفي قراءة ابن عباس ... وفي قراءة حفصة وعلى الذين لا يطيقونه ... وفي الدر المختار ج ۲ ص ۴۲۷ وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي وجوبا ... الخ

(۶) وفي الدر المختار باب الكفارة ج ۳ ص ۴۷۸، ۴۷۹ فإن عجز عن الصوم أطعم ستين مسكينا كالفطرة وفي الشامية (قوله كالفطرة قدرًا) أي نصف صاع من بر أو صاع من تمر أو شعير ... الخ

کمزوری کی بناء پر روزے کا فدیہ دینا
روزے میں زیرِ ناف بال صاف کرنا

سوال:- ایک زچہ رمضان میں روزے نہیں رکھ سکی ہے اور اس کے لئے سارے سال میں روزے رکھنا مشکل ہے، کیا وہ روزے کا فدیہ دے سکتی ہے یا روزہ رکھنا ہی ضروری ہے؟

۲:- کیا روزے کے اندر ناف کے نیچے کے بال صاف کرسکتے ہیں؟

جواب ۱:- تندرستی کے بعد روزے رکھ کر قضاء کرنا ضروری ہے، فدیہ ادا کرنا کافی نہیں، فدیہ ان بوڑھوں کے لئے ہے جن کی صحت وقوت واپس آنے کی امید نہ ہو۔(۱)

۲:- کرسکتے ہیں۔ واللہ اعلم

۱۳۹۷/۹/۱۳ھ
(فتویٰ نمبر ۹۵۱/۲۸ ج)

۱:- طبی ہدایات کی بناء پر پائلٹوں کے لئے روزہ نہ رکھنے کی شرعی حیثیت
۲:- آکسیجن ماسک سے روزہ فاسد ہوتا ہے یا نہیں؟

سوال:- پائلٹوں کو بعض طبی وجوہات کی بناء پر روزے کی حالت میں پرواز کرنے کی ممانعت ہے، ڈاکٹروں کی ہدایات یہ ہوتی ہیں کہ جہاز اڑانے سے قبل بھی پائلٹ کھا پی کر جائیں اور پرواز سے واپس آکر بھی خورد ونوش کریں، ورنہ طبی نقطۂ نگاہ سے ان کی صحت پر اثر پڑ سکتا ہے، کیا اس صورت میں پائلٹ کے لئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت از روئے شرع ہوسکتی ہے؟

نیز اس صورت میں جبکہ پائلٹ جنگی جہاز اڑاتے ہوں اور ان کی تربیت پروگرام کے تحت لازمی ہو تو کیا ایام رمضان میں ان کی اڑان اور مسافت اپنی اصلی جگہ سے کافی دور ہوتی ہے کہ وہ پرواز کرتے ہی مسافر کے حکم میں آجاتے ہیں؟ تو کیا اس صورت میں وہ روزہ نہ رکھیں اور بعد میں قضاء کرلیں تو یہ جائز ہے یا نہیں؟

۲- نیز پائلٹوں کے لئے آکسیجن ماسک لگانا لازمی ہوتا ہے، آکسیجن ماسک لگانے سے روزہ باقی رہ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- ڈاکٹروں کی بعض ہدایات تو محض برائے احتیاط ہوتی ہیں جن کی خلاف ورزی سے کوئی واقعی نقصان عموماً نہیں ہوتا، ایسی ہدایات کی بناء پر تو روزہ چھوڑنا درست نہیں، لیکن اگر یہ

---

(۱) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۱۷۵ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔
(۲) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۱۷۵ کا حاشیہ نمبر ۳ و ۴، اور ص ۱۷۸ کا حاشیہ نمبر ۵، وامداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۵۰، ۱۵۱۔

ہدایات واقعتہً ایسی ہیں کہ ان کی خلاف ورزی سے نقصان کا گمان غالب ہے، تو ایسی صورت میں پہلے سے روزہ چھوڑ کر دوسرے دنوں میں قضاء کرنا جائز ہوگا۔ سفر کی وجہ سے بلاشبہ روزہ قضا کرنے کی اجازت ہے، لیکن سفر سے پہلے وطن ہی میں کھانا شروع کردینا ضرورت کی شرط کے ساتھ مشروط ہے۔

۲- آنکھوں میں مسک کا لگانے سے اگر سوئے ہوا یعنی اس کے کسی جزء کے ہونے اور حلق میں نہ جاتی ہو تو اس کے لگانے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا۔

واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۶/۹/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱۳۳/۲۷ھ)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

فدیہ کی رقم کتنی ہے؟

سوال:- روزے کے فدیہ کی رقم آج کل کے حساب سے کتنی ہے؟

جواب:- آج کل کے حساب سے فی روزہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ادا کریں۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۱/۱۱/۱۵ھ

روزہ کے فدیہ کی تفصیل

سوال:- زید اسی سالہ بوڑھا آدمی ہے جس نے اپنی زندگی میں آج تک روزہ نہیں چھوڑا، صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے، مگر اتفاق سے گرنے کی وجہ سے اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی اور اس میں تکلیف [illegible] ہے، صرف پہلے پانچ روزے رکھ سکا، روزوں کا فدیہ دینے کی طاقت رکھتا ہے، روزے کا فدیہ کیا ہے؟

جواب:- اگر عمر کی زیادتی اور بیماری کی بناء پر آئندہ کبھی روزے رکھنے کی طاقت واپس آنے کی امید نہ ہو تو روزوں کا فدیہ دیا جاسکتا ہے، لیکن اگر طاقت واپس آنے کی امید ہو تو قضاء ہی واجب ہے، فدیہ دینے کے باوجود اگر طاقت آگئی تو پھر قضاء رکھنا واجب ہوگا، اور ایک روزے کا فدیہ پونے دو سیر گندم یا اس کی قیمت ہے[1] (جو آج کل تقریباً پونے تین روپے ہے اور پورے تین روپے احتیاطاً سمجھنے چاہئیں)۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۰۲/۳۱ ج)

(۱) [illegible] (۳،۲) [illegible]

انجکشن سے روزہ نہ ٹوٹنے کا حکم

سوال:- سیّدنا المحترم زادت معالیکم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عرض خدمت عالیہ میں یہ ہے کہ ۱۹۹۲ء میں ہمارے ایک استاد صاحب نے ٹیکہ لگوانے سے روزہ نہ ٹوٹنے کے سلسلے میں آپ کی خدمت عالیہ میں ایک مراسلہ ارسال فرمایا تھا جس کا جواب موصول نہیں ہوا۔ چنانچہ اب جبکہ موقر جریدہ البلاغ کے جنوری شعبان کے شمارے میں پھر روزہ کے مسائل کے ضمن میں یہ بات شائع ہوئی تو انہوں نے ایک سابق تحریر کا فوٹو سٹیٹ عکس بندہ کے حوالے کیا ہے کہ آپ کی توجہ پر اس کی تحقیق پیش ہو، اگرچہ مجھے آپ کے شعبہ افتاء میں بھیجنا مناسب تھا لیکن آپ سے شرف ملاقات کی غرض سے حضور والا کے نام بھیج رہا ہوں، ایک جوابی لفافہ ساتھ ہے حضور والا سے استدعا ہے کہ اپنے لیٹر پیڈ پر اس کا جواب بندہ کو ارسال فرما کر ممنون احسان فرمائیں۔ بندہ کے لئے دعا کرتا ہوں اور آپ سے خصوصی اوقات میں دعا کی درخواست بلکہ استدعا کرتا ہوں۔

فقط والسلام نصیر احمد طاہر

وہ مضمون یہ ہے:-

روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین،

وعلی آلہ وصحبہ الطیبین الطاہرین، اما بعد!

روزہ کی حالت میں ٹیکہ لگوانا مفسد صوم ہے، دلائل شرعیہ سے اس بات کو سمجھنا چند مقدمات پر موقوف ہے۔

۱- اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "واعدّوا لھم ما استطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدوّ اللہ وعدوّکم وآخرین من دونھم لا تعلمونھم، اللہ یعلمھم، وما تنفقوا من شیء فی سَبِیْلِ اللہِ یُوَفَّ اِلَیْکُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۔"

جس قدر قوت اور پلے ہوئے گھوڑے تم سے ہو سکیں ان کافروں کی لڑائی کے لئے مہیا رکھو، کہ اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو مرعوب کرو، اس کے علاوہ ان دوسروں کو بھی مرعوب کرو جن کو تم نہیں جانتے، ان کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو کچھ خرچ کرو گے تم کو اس کا پورا اجر ملے گا اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہیں ہوگا۔

اخرج احمد ومسلم وابو داود وابن جریر وابن المنذر وابن ابی حاتم وابو الشیخ

وابن مردويه وابو يعقوب اسحاق بن ابراهيم القراب في كتاب فضل الرمي والبيهقي في شعب الايمان عن عقبة بن عامر الجهني رضي الله تعالى عنه قال سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول وهو على المنبر وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ الا ان القوة الرمي، الا ان القوة الرمي قالها ثلاثا، الدر المنثور.

عقبہ بن عامر جہنیؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا وہ منبر پر فرمارہے تھے "وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ" خبردار قوت تیر چلانا ہے تین بار فرمایا، اس آیت میں جو لفظ قوت ہے، اس کی تفسیر خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تیر چلانے سے فرمائی۔ جبکہ ہم تفسیر بیان القرآن میں مرقوم ہے اب بندوق اور توپ قائم مقام تیر کے ہیں۔ یعنی تیر چلانا ترک کردیں گے، اور اس کی بجائے بندوق وغیرہ چلانے کی مشق کریں گے۔ اب سوچنا یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ تفسیر کو بدلنا کیونکر جائز ہے؟

اس کا جواب فقط یہی ممکن ہے کہ تیر چلانا مقصود بالذات نہیں تھا بلکہ مقصود حاصل کرنے کا اس زمانے میں واحد ذریعہ تھا۔ مقصود بالذات اس آیت میں یہ امر تھا کہ دور سے دشمنان اسلام کو قتل کرنے کی مشق کرو۔ دور سے دشمنوں کو قتل کرنے کا اس زمانے میں ذریعہ تیر چلانا تھا اور کوئی ذریعہ نہیں تھا، جب دوسرے ذرائع اس سے کہیں بہتر پیدا ہوگئے تو تیر چلانے کو ترک کرنا اور دوسرے موجود ذرائع وغیرہ کو اختیار کرنا فرض ہوگیا، کیونکہ تیر چلانا مقصود بالذات نہیں تھا، درحقیقت حکم یہ تھا کہ دشمنوں کو دور سے قتل کرنے کی مشق کرو۔

۲- جب شارع علیہ السلام کی زبان درفشاں سے ایسا لفظ صادر ہو جو محتمل معانی کثیرہ ہو اور شارع علیہ السلام سے کسی ایک معنی کی تعیین ثابت نہ ہو تو یہ مجتہد اپنے اجتہاد سے کسی ایک معنی کی تعیین کرلے اور اس تعیین میں مصیب نہ ہو تو وہ مجتہد قابل مذمت نہیں بلکہ ایک اجر کا مستحق ہے۔

اسی طرح ایک صحابی نے آیت "حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود" سے مراد دھاگے سفید اور سیاہ رات کو تکیہ کے نیچے رکھ دیئے تھے اور امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن نے "اطولكن يدا" سے مراد ایک دوسرے کے ہاتھ ناپ کر حضرت سودہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو اس کا مصداق قرار دیا تھا۔

۳- جو چیز ہم کھاتے ہیں وہ معدہ میں پک کر شوربے کے مشابہ ہوجاتی ہے جس کو کیموس کہا جاتا ہے، پھر اس میں سے لطیف مادہ ماساریقا کے ذریعہ جگر کی طرف آتا ہے، اس لطیف مادہ کو کیلوس کہا جاتا ہے، پھر یہ کیلوس جگر میں پکتا ہے، پکتے وقت اس سے جھاگ پیدا ہوتا ہے اور کچھ مادہ تہہ

نشین ہوجاتا ہے، یہ جھاگ صفرائی ہوتے ہیں اور تہ نشین مادہ سودا، جو چیز پورے طور پر پک جاتی ہے وہ خون ہوتا ہے اور جو کچھ کچا رہ جاتا ہے وہ بلغم ہوتا ہے، پھر جگر ان چاروں خلطوں کو رگوں کے ذریعے سے ان کے مقاموں پر پہنچاتا ہے، صفراء کا مقام پتہ ہے، اور سودا کا مقام تلی، اور بلغم کا مقام پھیپھڑا، پھر جگر اس خون کو دل کی طرف پہنچا دیتا ہے، دل اس خون میں روح حیوانی پیدا کرکے شریانوں کو یعنی پھڑکنے والی رگوں میں تقسیم کر دیتا ہے، وہ رگیں پورے جسم میں خون کو پھیلا دیتی ہیں، یہی خون جسم کی غذا ہے، یہ خون جب پورے طور پر جسم میں پہنچتا ہے تو اس کے بعض اجزاء تحلیل ہوکر فنا ہوجاتے ہیں اور باقی ماندہ اجزاء کو عروق شعریہ جذب کرکے وریدوں یعنی ساکن رگوں میں ڈالتی ہیں، پھر ان ساکن رگوں سے منجذب ہوکر جگر کو پہنچتا ہے، جگر پھر اس پرانے اور نئے خون کو دل کی طرف منتقل کردیتا ہے، خون کا یہ چکر جسم انسانی میں تادم زیست جاری رہتا ہے، ہمارے کھانے پینے کی غایت یہی خون ہے جو پورے جسم کی غذا ہے۔

الشروع فی المقصد

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام کما کتب ... الخ"
اے ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا اس طرح فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ اور دوسری جگہ فرمایا "کلوا واشربوا حتی یتبین ..." یعنی صبح صادق تک کھاؤ پیو، پہلی آیت میں روزہ کی حقیقت بیان نہیں فرمائی، دوسری میں بطریق مفہوم مخالف ترک اکل و شرب کی طرف اشارہ فرمایا۔ لغت میں صوم کا معنی امساک ہے اور شرعی معنی ہے صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے اور جماع سے امساک مع النیۃ، روزہ کے اس شرعی معنی کا قرآن مجید میں ذکر نہیں بلکہ یہ معنی سنت نبویہ سے ماخوذ ہے، باجماع مسلمین اکل و شرب اور جماع مفسد صوم قرار پائے۔

بالفاظ دیگر صائم کے لئے ضروری ٹھہرا کہ روزہ کی حالت میں شہوت بطن اور شہوت فرج کو پورا کرنے سے پرہیز کرے، فقہائے کرام نے تفصیل احکام الصیام میں معدہ اور دماغ کی حفاظت ضروری قرار دی ہے کیونکہ بدن کو غذا پہنچنے کا واحد ذریعہ معدہ ہے، اور فرج کو قوت شہوانیہ عطا کرنے والا فقط دماغ ہے۔ حفظ معدہ اور حفظ دماغ کو بقائے صوم قرار دینا اور ان دونوں میں کسی ایک تک ایسی چیز کا پہنچنا جس میں صلاح بدن ہے فساد صوم شمار کرنا محض نظریہ پر مبنی ہے، اس پر کوئی دلیل شرعی موجود نہیں، اسی طرح معدہ اور دماغ تک پہنچنے والی چیز کی راہ منافذ فطریہ میں محصور کرنا بھی کسی دلیل شرعی سے ماخوذ نہیں۔

فقہائے کرام نے امور معدودہ پر ان مسائل کی بنیاد رکھی ہے، سنت نبویہ سے ہمیں فقط صوم

مدارِ فسادِ صوم کا جو معیار ہے، وہ بالکل سادہ اور عام فہم ہے، جس کی باریکی میں الجھنے کی حاجت نہیں رہتی، وہ یہ ہے کہ جسم کے اندر داخل ہونے والی چیز سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، اگرچہ اس حدیث کے رفع پر محدثین کرام نے کلام فرمایا ہے اور اس حدیث کو موقوف قرار دیا ہے، لیکن اس کے حکماً مرفوع ہونے کا کوئی عاقل انکار نہیں کر سکتا، حضرت عبداللہ بن عباس کا قول جو عبدالرزاق نے اپنے مصنف میں پوری سند سے نقل کیا ہے، یہ ہے: قال انما الوضوء مما خرج وليس مما دخل والفطر في الصوم مما دخل وليس مما خرج، حضرت ابن عباس نے فرمایا وضو باہر نکلنے والی چیز سے فاسد ہوتا ہے اور اندر جانے والی چیز سے نہیں ٹوٹتا، اور روزہ اندر جانے والی چیز سے فاسد ہوتا ہے اور باہر نکلنے والی چیز سے نہیں ٹوٹتا، اس تعبیر میں روزہ اور وضو کا مدارِ فساد ایک دوسرے کے برعکس بتایا۔

اس تقابل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اندر جانے والی چیز مفسدِ صوم ہے، اس دخول کے لئے منفذ کی ایسی کوئی قید نہیں، خواہ دخول منفذ سے ہو یا غیر منفذ سے، کیونکہ اس اثر نے بالمقابل وضو کا فساد خروج سے بتایا ہے خواہ وہ خروج منفذ سے ہو یا غیر منفذ سے، جیسے بدن کے کسی حصہ میں کانٹا وغیرہ چبھے اور خون جاری ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا، حالانکہ خون غیر منفذ سے نکل رہا ہے، اسی طرح کسی چیز کا دخول خواہ وہ دخول منفذ سے ہو یا غیر منفذ سے، مفسدِ صوم قرار دیا ہے، یہ بھی اس امر کی تائید ہے کہ دخول کے لئے منفذ کی شرط نہیں، اسی طرح فقہائے کرام کے بیان کردہ جزئیات مسائل میں تضاد پایا جاتا ہے۔

آمدم بر سر مطلب — مقدمہ نمبر ۳ میں بتایا جا چکا ہے کہ جو غذا یا دوا جو معدہ میں جاتی ہے تین تحلیلوں کے بعد کہیں اس کی مدد ہوتی ہے اور یہی خون درحقیقت پورے جسم کی غذا ہے، معدہ اور جگر درمیان میں محض خادم ہیں، اب طب جدید نے یہ ایجاد کیا ہے، کہ سوئی کے ذریعہ سے براہ راست دوا یا غذا خون میں داخل کی جاتی ہے، خون میں یہ دوا یا غذا بلا معدہ کی دوا یا غذا سے بہت جلد فائدہ ظاہر کرتی ہے، ظاہر ہے کہ حدیث شریف کے بیان کردہ معیار کے مطابق انجکشن سے دوا یا غذا اندر داخل ہوتی ہے، لہٰذا اس سے روزہ فاسد ہو جائے گا، روزہ کی حالت میں انجکشن لگانے کے مجوزین غور فرمائیں کہ روزہ کی علت تو کسرِ شہوت ہے، لیکن اگر روزہ کی حالت میں شہوت میں قوت پیدا کر دی جائے تو روزہ عبادت نہیں رہے گا۔

مجوزین سے ہم دریافت کرتے ہیں کہ روزے کے علاوہ حالت میں شراب کا انجکشن ناجائز ہے یا نہیں؟ اگر جواب یہ ہو کہ جائز ہے تو تمہارا یہ فتویٰ کل مسکر حرام کے خلاف ہے، لہٰذا باطل ہے، اگر وہ جواب دیں کہ جائز نہیں ہے تو ہم ان سے دلیل دریافت کریں گے، دلیل بیان کرتے ہوئے نہیں محال

ہم پر یہ لگ گیا کہ غذا اور دوا کا انجکشن لینا، غذا اور دوا کے کھانے یا پینے کا حکم رکھتا ہے، هذا هو المطلوب۔

ہم بھی یہی بات کہتے ہیں کہ انجکشن لگوانے کا حکم کھانے پینے کا ہے، اور اصل حق بات یہ ہے کہ جس طرح قوت کی تفسیر پہلے زمانے کے بعد کی بجائے بندوق اور توپ چلانے سے کی گئی، بعینہٖ اسی طرح تغذیہ اور مداواۃ کا معدہ اور دماغ میں حصر باقی نہیں رہا، بلکہ طب جدید نے ثابت کردیا کہ تغذیہ اور مداواۃ معدہ اور دماغ کے ذریعے بھی ہوتے ہیں اور براہ راست سوئی کے ذریعے دوا یا غذا کو خون میں پہنچا دینے سے بھی ہوتے ہیں، اب امساک عن الاکل والشرب کے معنی امساک عن التغذیة والمداواة کے ہوں گے جس طرح قوت کی تفسیر اس کی علت غائیہ سے کی گئی یعنی قتل الأعداء من بعد اسی طرح اکل وشرب کی تفسیر اس کی علت غائیہ سے کی جائے گی یعنی تغذیة ومداواة مطلقاً۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں آیت "وإن لم تفعل فما بلغت رسالته" کے تحت صوفیہ کا مسلک بیان کرتے ہوئے اختلاف کے جواب میں فرماتے ہیں: "فيجوز أن يعطى الله تعالى لبعض خواص عباده فهما يدرك به من الكتاب والسنة ما لم يقف عليه أحد من المفسرين والفقهاء المجتهدين في الدين" یعنی ممکن ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض خاص بندوں کو ایسا فہم عطا کرے جس کے ذریعے وہ کتاب وسنت سے ایسے معنی معلوم کرلیں جن پر مفسرین وفقہاء ومجتہدین میں سے کوئی ایک مطلع نہ ہوا ہو، مذکورہ تحقیق منکشف ہوا ہو کہ کسی مفسر نے اکل وشرب کا معنی مطلق تغذیہ ومداواۃ نہیں کیا، فقہائے کرام نے اکل وشرب مقید دیکھ کر معدہ اور دماغ تک منفذ طبعی کے ذریعے کسی دوا یا غذا کے پہنچنے کو فساد صوم کی شرط بنایا ہے قرار دیا کہ اکل وشرب کا متبادر مفہوم یہی ہے، اگرچہ "كلوا واشربوا حتى يتبين" میں یہ متبادر مفہوم مراد نہیں بلکہ مراد مطلق تغذیہ ومداواۃ ہے خواہ وہ معدہ ودماغ کے ذریعے بطور منفذ طبعی ہو یا غیر طبعی سوئی کے ذریعہ براہ راست خون میں مل جانے سے ہو۔

فقہائے کرام کی یہ عدم اصابت ان کی رفعت علمیہ کے لئے قادح نہیں، جس طرح امہات المؤمنین کا حضور ﷺ سے غلط مطلب کی سمجھنا اور صحابی کا خیط ابیض اور اسود کو حقیقی دھاگہ سمجھ کر عمل کرنا ان کی رفعت علمیہ کے لئے قادح نہیں، اگرچہ امہات المومنین اور صحابی معنی مراد کو نہیں سمجھے، تمام حجت کے لئے یہ سطور کافی ہیں۔

ان سطور سے یہ بات واضح ہوئی کہ انجکشن لگوانے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے، اس سے فقط روزہ کی قضاء لازم ہے کفارہ نہیں، کیونکہ یہ فساد میں لذات غذائیہ نہیں ہے، علمائے کرام کی خدمت میں التماس ہے کہ وہ اس بات پر غور وفکر سوچیں کہ جہاں دلائل اباحت اور دلائل تحریم متعارض ہوں، وہاں جانب تحریم کی ترجیح لازم ہے، اس تحریر کے بعد اعلان کردیں کہ روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا مفسد صوم

ہے تاکہ کل قیامت کے دن احکم الحاکمین کی بارگاہ میں یوں نہ کہنا پڑے "رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا" والسلام وما علينا الا البلاغ۔

جواب:- محترمی ومکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا گرامی نامہ اور اس کے ساتھ مولانا عبدالرزاق ہاشمی صاحب کا مضمون بسلسلہ "روزہ" موصول ہوا، اس سے پہلے یہ مضمون پڑھنا یاد نہیں، اب احقر نے دیکھا، لیکن اس طرز استدلال سے اتفاق نہ ہوا، تفصیل کا تو موقع نہیں، لیکن مختصراً عرض یہ ہے کہ منسلک تحریر میں استدلال، حکمت کو علت سے خلط ملط کرنے کا نتیجہ ہے، کسر شہوت جیسا کہ صاحب تحریر نے لکھا ہے، روزے کی علت نہیں، حکمت ہے، اور حکمت کا ہر جزیے میں پایا جانا ضروری نہیں، اگر منافذ اصلیہ اور غیر اصلیہ کا فرق نہ کیا جائے تو کہنا چاہئے کہ جو شخص روزے میں غسل کرے، اور اس سے اس کی پیاس میں تسکین ہو تو اس سے اس کا روزہ ٹوٹ گیا، کیونکہ شرب ماء میں جو تسکین عطش مقصود ہے وہ اس طرح بھی حاصل ہو گئی، اگر غیر اکل وشرب سے حاصل ہونے والا تغذیہ مفطر صوم ہو تو نص صریح ہے کہ "إني يطعمني ويسقيني"(۱) یہ سقی واطعام کیوں مفطر نہ ہوا؟ صوم کا اصل مقصود تابع ہے، اور وہ امساک عن الأكل والشرب والجماع سے حاصل ہو جاتا ہے، اگر کسی اور ذریعہ سے تغذیہ ہو تو وہ اس کے منافی نہیں، اور اگر اکل وشرب پایا جائے، اور تغذیہ نہ ہو، جیسے پتھر نگلنے کی صورت میں، تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے، لہٰذا روزے کا مدار تغذیہ پر نہیں، اکل وشرب پر ہے۔(۲) والسلام (حضرت مولانا مفتی)

محمد تقی عثمانی (مدظلہم)
بقلم محمد عبداللہ میمن
۱۱/۹/۱۴۱۵ھ

روزہ کی حالت میں دل کا دورہ پڑنے کی بناء پر پانی پلایا تو کیا حکم ہے؟

سوال:- میری چچی صاحبہ کو سحری کے بعد دل کا شدید دورہ پڑا، بہت کوشش کے بعد بھی

---

(۱) وفي صحيح البخاري كتاب الصوم باب الوصال ج ۱ ص ۲۶۳ طبع قديمي كتب خانه عن عائشة قالت نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن الوصال رحمة لهم فقالوا إنك تواصل قال إني لست كهيئتكم إني يطعمني ربي ويسقيني. الخ - "يطعمني ربي ويسقيني" کے الفاظ مختلف طرق سے صحیح بخاری شریف ... ج ۱ ص ۲۶۳، ۲۶۴ (طبع قدیمی کتب خانہ) کی مختلف احادیث میں وارد ہوئے ہیں۔

(۲) اس مسئلہ پر تفصیل کے لئے حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کا مضمون ... "ابلاغ" شمارہ رمضان ۱۴۲۲ھ ملاحظہ فرمائیں۔ (از مرتب عفی عنہ)

ہوش نہیں آیا، مجبوراً پانی کے چند چمچے دینے پڑے جس کی وجہ سے پندرہ منٹ کے بعد ہوش آگیا، چچی روزہ چھوڑنا گوارا نہیں کرتی ہیں، بغیر سحری کے بھی روزہ رکھ لیتی ہیں، ہم نے ان کو بے ہوشی کے عالم میں چند چمچے پانی دے کر روزہ توڑ ڈالا اور وہ ہوش میں نہیں تھیں، اس کا کفارہ کیا ادا کرنا ہوگا؟

جواب - صورت مسئولہ میں آپ کی چچی صاحبہ کو چاہئے کہ اس روزے کی قضا کریں، مذکورہ صورت میں کفارہ واجب نہیں۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۰/۵ ـ ۱۳۹ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۳۱/۲۹ ج)

غروب آفتاب سے قبل افطار کرنے کا حکم

سوال - کل مورخہ ۲۹ اگست ۱۹۷۷ء کو مغرب سے قبل ریڈیو پر اذان غلطی سے نشر ہوگئی اور میں نے یہ سمجھتے ہوئے کہ افطار کا وقت ہوگیا افطار کر لیا، ابھی حلق سے تھوڑی سی غذا اتری تھی تو پتہ چلا کہ اذان وقت سے قبل نشر ہوئی، گزارش یہ ہے کہ فقہ حنفی کی رو سے اس روزے کا کیا حکم ہے قضاء کرنی ہوگی یا بری الذمہ ہوں؟

جواب - صورت مسئولہ میں اگر آپ نے غروب آفتاب سے پہلے کچھ کھا لیا تھا تو آپ کا روزہ ٹوٹ گیا، آپ کے ذمے اس کی قضاء واجب ہے البتہ کفارہ واجب نہیں۔

لما في المتون: او تسحر او افطر يظن اليوم ليلا والفجر طالع والشمس لم تغرب قضى فقط (شامی ج۲ ص۱۰۵)۔(۲)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۹۶۰/۲۸ ج)

صبح صادق کے بعد تک سحری کرتے رہنے کا حکم

ریڈیو کے غلط اعلان کی بناء پر غروبِ آفتاب سے قبل افطار کا حکم

سوال - سحری کا انتہائی وقت ۴:۴۵ ہے، اذان پانچ بجے ہوتی ہے کیا ہم پانچ بجے تک

---

(۱) وفي الهندية ج ۱ ص ۲۰۲: المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو يفطر بالإجماع، وإن خاف زيادة العلة وامتدادها فكذلك عندنا وعليه القضاء إذا أفطر، وكذا في البحر الرائق فصل في العوارض ج ۲ ص ۲۸۱، ۲۸۲ والشامية ج ۲ ص ۴۲۲

(۲) فتاوى شامية ج ۲ ص ۴۰۵ وفي الهداية باب ما يوجب القضاء ج ۱ ص ۲۲۵ طبع شركت علمية: وإذا تسحر وهو يظن أن الفجر لم يطلع فإذا هو قد طلع ... عليه القضاء ... ولا كفارة عليه لأن الجناية قاصرة بعدم القصد. وفي تبيين الحقائق شرح كنز الدقائق كتاب الصوم ج ۱ ص ۳۴۱، ۳۴۲ طبع مكتبة امدادية ملتان: ولو ... تسحر ظنه ليلا والفجر طالع أو أفطر كذلك والشمس حية أمسك يومه وقضى ولم يكفر ... امداد الفتاوى ج ۲ ص ۱۲۸

سحری کھا سکتے ہیں؟ اور کیا پانچ بجے کے بعد تک کھا سکتے ہیں؟ اور نقشہ کا وقت کیا ہے؟ اور پانچ بجے تک کھانے سے روزے پر کیا اثر پڑے گا؟

نمبر۲ – پیر کے دن کا روزہ جو پانچ منٹ پہلے ریڈیو والوں کی غلطی سے کھل گیا ہے کیا وہ دوبارہ رکھنا پڑے گا؟

جواب ۱ – صبح صادق کے بعد اگر ایک منٹ بھی کھا پی لیا تو روزہ فاسد ہے، لہٰذا اگر چار بج کر پینتالیس منٹ پر صبح صادق ہو رہی ہے تو پانچ بجے تک کیسے کھا سکتے ہیں؟[۱] البتہ بعض اوقات بعض نقشوں میں سحر کا وقت صبح صادق سے چند منٹ پہلے ختم ہوتا ہے، اتنے منٹ دیر تک کھانے سے روزہ فاسد نہ ہوگا، لہٰذا اصل چیز صبح صادق کا وقت ہے اس کی صحیح معلومات رکھنی چاہئیں، دار العلوم کے نقشے میں صبح صادق کا وقت ہوتا ہے۔

۲ – جی ہاں! جن لوگوں نے اس اعلان پر غروب سے پہلے افطار کیا ان پر قضاء لازم ہے۔[۲]

والله سبحانه اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۹۵۵/۳۸ ج)

کینیڈا میں روزہ رکھنے کے لئے بیماری سرٹیفکیٹ لینے کا حکم

سوال – یہاں کینیڈا میں روزہ سترہ اٹھارہ گھنٹے کا ہوتا ہے، بعض فیکٹریوں میں مشقت زیادہ ہونے کی وجہ سے کمزور آدمی کو روزہ رکھنا مشکل ہو جاتا ہے جس سے بعض تو روزہ ہی چھوڑ دیتے ہیں، اگر کوئی شخص روزہ رکھنے کے لئے ڈاکٹر سے بیماری کا سرٹیفکیٹ لیتا ہے جبکہ وہ بیمار نہیں اور چھٹی کرتا ہے، کیا اس کو ان چھٹیوں میں بیماری الاؤنس لینا جائز ہے؟

جواب – صورت مسئولہ میں روزے کے لئے بیماری سرٹیفکیٹ لینا اس تاویل سے جائز ہو سکتا ہے کہ روزہ کی حالت میں انسان کی صحت عموماً بالکلیہ اعتدال پر نہیں رہتی، کم از کم نقاہت تو ہو جاتی ہے، اس تاویل سے الاؤنس بھی لے سکتے ہیں، لیکن یہ اسی وقت کیا جائے جب چھٹی کے بغیر روزہ رکھنا بالکل ممکن نہ ہو۔(۳)

والله اعلم
۱۳۹۹/۹/۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۵۰ /۳۰)

(۱،۲) تفصیل کے لئے دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۱۸۷ کا حاشیہ نمبر۲۔

(۳) [illegible] العطاش [illegible] وفي رد المحتار ج ۲ ص ۴۲۰ (طبع سعيد) وقال الرملي وفي جامع الفتاوى وهو ضعيف عن الصوم لاشتغاله بالمعيشة فله أن يفطر ويطعم لكل يوم نصف صاع [illegible] إذا لم يدرك عدة من أيام أخر يمكنه الصوم فيها ولا وجب عليه القضاء، وعلى هذا الحصاد إذا لم يقدر عليه مع الصوم ويهلك الزرع بالتأخير لا شك في جواز الفطر والقضاء وكذا الخباز. الخ

وقت سے قبل عمداً افطار کی صورت میں قضاء وکفارہ دونوں لازم ہیں

سوال - مسمی حبیب الرحمن امام مسجد نے ماہ رمضان میں دو دن بوجہ ضد کے، وقت سے قبل لوگوں کو روزہ افطار کرا دیا، اس کے اس جرم پر شریعت میں دعویٰ پیش کیا گیا اور شریعت میں اسے طلب کیا گیا، جس کے جواب میں اس نے تحریری خط بھیجا جس کا مضمون ذیل ہے۔

نمبر ۱- سب سے پہلے تو مدعیہ اسلام نے غلطی کی ہے اور مسلسل باقی پیغمبر بھی غلطی کرتے رہے ہیں، تو میں نے دو دن کی بڑی غلطی کی کہ روزہ قبل از وقت افطار کر دیا۔

نمبر ۲:- اور مجھ ایک عالم پر جھوٹا اور بے بنیاد الزام اور بہتان لگایا گیا۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جرائم کے مرتکب کے خلاف کیا حکم ہے؟ روزہ قبل از وقت افطار کرنے اور پیغمبروں کے ساتھ غلطی منسوب کرنے والے آدمی کے لئے قرآن حکیم اور مجتہدین کے نزدیک کیا حکم ہے؟

اور جو مسلمان ایسے امام کی پیروی کریں ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب:- وقت سے قبل روزہ افطار کرنا یا کسی دوسرے شخص کو افطار پر مجبور کرنا بہت بڑا گناہ ہے، اور جن لوگوں نے جان بوجھ کر کہ ابھی افطار کا وقت یعنی غروب آفتاب نہیں ہوا، روزہ افطار کر دیا ان پر قضاء بھی واجب ہے اور کفارہ بھی، جس شخص نے محض ضد کی وجہ سے ایسی غلطی کی ہے اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے گناہ سے توبہ کرے، اس عمل کی تائید کرنا اور پیغمبروں کی غلطی کی صف میں اسے شمار کرنا، بدترین گستاخی ہے، ایسے شخص کو فوراً اپنے گناہ سے توبہ کرنی چاہئے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۱/۱۱/۱۵ھ

(فتویٰ نمبر ۹۵ / ۳۲ ج)

سحری کھانے کے اوقات میں امداد الفتاویٰ اور شامی کی عبارت میں کوئی تعارض نہیں

سوال - فتاویٰ امدادیہ کتاب الصوم ج ۲ ص ۱۲۰ میں ہے کہ فقہاء نے تحقیق کی ہے کہ غروب سے طلوع تک کل وقت جتنا ہے اس کو سات پر تقسیم کریں، چھٹے حصے میں سحری کھا سکتے ہیں، تفسیر تنویر الایمان پ ۳ ج ۲ میں بھی اسی طرح ہے بحوالہ درمختار، مگر میں نے درمختار میں نہیں دیکھا، مگر جدید

اور شامی میں ہے کہ سحری کھانے کا مستحب وقت شب کا آخری حصہ ہے، یعنی آخری چھٹا حصہ ہے۔

اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ غروب سے طلوع شمس تک کل وقت جتنا ہے، اس کو چھ پر تقسیم کریں، چھٹے حصے میں سحری کھا سکتے ہیں، سات پر تقسیم کرنا معلوم نہیں ہوتا، بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، اس کو رفع فرماویں۔

جواب:- امداد الفتاویٰ اور شامی میں کوئی تعارض نہیں، امداد الفتاویٰ میں یہ ہے کہ غروب شمس سے طلوع شمس تک کے وقت کو سات حصوں پر تقسیم کریں، ان میں سے چھ حصوں میں سحری کھا سکتے ہیں اور ساتواں حصہ شروع ہونے پر احتیاطاً سحری کھانا بند کردیں، اور شامی میں یہ ہے کہ غروب شمس سے طلوع صبح تک کا جو وقت ہے، اسے چھ حصوں پر تقسیم کریں تو چھٹے حصے میں سحری کھانا مستحب ہے، لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

کیونکہ اول الذکر میں طلوع شمس تک کے وقت کو تقسیم کیا جارہا ہے، اور ثانی الذکر میں صرف صبح صادق تک کے وقت کو (دیکھئے شامی ج ۲ ص ۴۱۹[1]، اواخر باب ما یفسد الصوم، امداد الفتاویٰ کتاب الصوم ج ۲ ص: ۹۵[2])۔

واللہ اعلم
۲۵-۱-۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۱۵۳-الف)

روزے میں مسواک چبانے کا حکم

سوال:- کیا روزے میں مسواک چبانا جائز ہے؟

جواب:- مسواک کرنا تو جائز ہے، لیکن چبانے سے حتی الوسع پرہیز کرنا چاہئے۔

بہتر یہ ہے کہ مسواک پہلے سے بنالی جائے، تاہم روزہ چبانے سے بھی نہیں ٹوٹتا، تاوقتیکہ عرق حلق تک نہ پہنچے۔ فی الدر المختار: وكره مضغ علك، وقال الشامي تحته: ولأن العادة مضغه خصوصًا للنساء لأنه سواكهن كما يأتي. ج ۲ ص ۴۱۶[3]، وقد صرح الشامي أن الكراهة تنزيهية۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۲-۱۰-۱۳۹۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۱۰۵۱ ج)

(۱) وفي الشامية ج ۲ ص ۴۱۹ طبع سعيد: السحور ... وهو اسم لما يؤكل في السحر وهو السدس الأخير من الليل .... الخ
(۲) امداد الفتاویٰ کتاب الصوم والاعتکاف ج ۲ ص ۹۵،۹۶ (طبع مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔
(۳) الدر المختار مع رد المحتار ج ۲ ص ۴۱۶ طبع سعيد، نیز دیکھئے امداد الفتاویٰ ج ۲ ص [illegible] (محمد زبیر)

روزے کی نیت کب تک کی جاسکتی ہے؟

سوال:- اگر رمضان میں آدھے دن سے پہلے نیت کرنا بھول جائے، آدھا دن گزرنے کے کچھ دیر بعد یاد آئے اور نیت کرے، تو کیا یہ جائز ہے؟ اور روزہ ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب:- روزے کی صحت کے لئے آدھا دن گزرنے سے پہلے پہلے نیت کرنا ضروری ہے،(۱) اس کے بغیر روزہ نہیں ہوتا، لیکن یہ واضح ہونا چاہئے کہ نیت کا مطلب دل کا ارادہ ہے، زبان سے کچھ کہنا ضروری نہیں ہے، لہٰذا اگر ارادہ روزے کا تھا، لیکن زبان سے کچھ الفاظ نہیں کہے تھے تو روزہ ہوگیا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۱/۱۰/۳۱ھ

روزے کے فدیے کی مقدار اور اس کی ادائیگی کے مختلف احکام

سوال:- بوجہ بیماری قلب و کمزوری جسم و جان و بدن، نیز ایمائے ڈاکٹر، رمضان کے روزے نہ رکھ سکا، چنانچہ اب روزوں کا فدیہ فرض ہے یا واجب ہے؟ لہٰذا پورے ماہ کا فدیہ کتنی رقم ہوگی؟ کیا مشت دی جائے یا تھوڑی تھوڑی دی جاسکتی ہے؟ ماہِ رمضان میں ادا کی جائے یا کتنے عرصے کے اندر ادا کر سکتے ہیں؟

جواب:- اگر مرض ایسا ہے کہ قابل ڈاکٹر کی رائے میں دوبارہ اتنی قوت آنے کی امید ہے کہ جس میں روزے رکھے جاسکیں تو فدیہ کافی نہیں، اور ان روزوں کی قضا ضروری ہے، لیکن اگر ایسی قوت آنے کی امید نہیں تو فدیہ دیا جاسکتا ہے۔(۲) ایک روزے کا فدیہ ایک سیر ساڑھے بارہ چھٹانک گندم یا اس کی قیمت ہے۔ تیس دن کا فدیہ اس طرح ترپن سیر نو چھٹانک گندم بنتا ہے، اس کی قیمت بازار سے معلوم کر کے وہ بھی ادا کر سکتے ہیں (لیکن قیمت گندم کی معتبر ہے، آٹے کی نہیں)، ہر روز پونے دو سیر گندم کی قیمت دیا کریں۔(۳) اور فدیہ کا مستحق وہی ہے جو زکوٰۃ کا مستحق ہے، یعنی وہ شخص جس کے پاس

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۱۳۲ (سوال نمبر ۱۹۱) اور ج ۲ ص ۱۲۳۔

(۲) وفي الدر المختار ج ۲ ص ۴۲۷: المريض إذا تحقق اليأس من الصحة فعليه الفدية لكل يوم من المرض.

(۳) وفي تنوير الأبصار ج ۲ ص ۴۲۷: وأوصى بكفارة يعطي لكل صوم نصف صاع من بر كالفطرة.
نیز دیکھئے کفایت المفتی (جدید ایڈیشن، دار الاشاعت) ج ۴ ص ۱۷۸۔

(۴) وفي الهندية ج ۱ ص ۲۰۷: ولو أعطى مسكينا واحدا كله في يوم واحد لا يجزيه إلا عن يومه ذلك وهذا في الإعطاء بدفعة واحدة وإباحة واحدة من غير خلاف وأما إذا ملكه بدفعات فقد قيل يجزيه وقيل لا يجزيه إلا عن يومه ذلك وهو الصحيح كذا في السراج. وفي الشامية ج ۲ ص ۴۲۵: لو أعطى مسكينا واحدا في عشرة أيام نصف صاع للسحور ونصفا للعشاء في يوم واحد بدفعات في غير ساعات قيل يجزيه وقيل لا وهو الصحيح وكذا في فتاوى قاضي خان على هامش الهندية ج ۲ ص ۸، ۱۹، والتاتارخانية ج ۵ ص ۶۰.

ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت والی چیز زائد از ضرورت نہ ہو، فدیہ کے طور پر دی گئی ہیں ضروری نہیں کہ رمضان ہی میں ادا کیا جائے، بعد میں بھی دے سکتے ہیں، لیکن جتنی جلدی کریں بہتر ہے۔ واللہ اعلم

۱۳۸۸/۹/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۰۱۱ ۲۹ ج)

نسوار کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے

سوال:- نسوار جس میں چونا وغیرہ ڈال کر منہ میں رکھا جاتا ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟ بعض لوگ اس کو حرام، بعض مباح کہتے ہیں، کیا اس سے روزہ ٹوٹتا ہے؟

جواب:- تمباکو، نسوار وغیرہ کا استعمال مباح ہے، اور اس سے روزہ بھی فاسد ہو جاتا ہے، اس لئے کہ نسوار کا منہ میں رکھنا عملاً کھانے کے حکم میں ہے۔　　واللہ اعلم

الجواب صحیح　　احقر محمد تقی عثمانی
بندہ محمد شفیع　　۱۳۸۸/۶/۱ھ
۱۳۸۸/۶/۱ھ　　(فتویٰ نمبر ۶۳۲/۱۹-الف)

یوم الشک کے روزے کا حکم

سوال:- بعض لوگ یوم شک کے روزے کو مکروہ کہتے ہیں، عن عمار بن یاسر قال من صام الیوم الذی یشک فیه فقد عصی ابا القاسم صلی اللہ علیه وسلم[۱] اور بعض کہتے ہیں کہ یوم شک کا روزہ جائز ہے، اور اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں، لہٰذا آپ فرمائیے کیا کرنا چاہئے؟

جواب:- یہ حدیث اگرچہ مرفوع نہیں، لیکن موقوف ہے، اور موقوف مرفوع کے حکم میں ہے، لأن الصحابی لا یقول ذلک من قبل رأیه، فیکون من قبیل المرفوع (بذل المجهود ج ۴ ص ۳۳۴)[۲] اسی وجہ سے حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ عوام اس دن روزہ نہ رکھیں۔ البتہ اہل علم و تقویٰ میں خواص اہل فتویٰ کے لئے اجازت دی گئی ہے۔ قال فی رد المحتار: استحب صومه للخواص، قال فی الفتح: وقیده فی التحفة بکونه علی وجه لا یعلم العوام ذلک، کی لا یعتادوا صومه، فیظنه الجهال زیادة علی رمضان، ویدل علیه قصة ابی یوسف المذکورة فی الامداد (شامی ج ۲ ص ۳۸۲)[۳] اور اگر خواص بھی اس حدیث کی بناء پر روزہ نہ رکھیں تو کچھ حرج نہیں۔

ہاں اگر کسی کی عادت ہے کہ وہ کسی خاص دن روزہ رکھا کرتا ہے اور وہ دن یوم شک میں

(۱) مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم، باب رؤیة الهلال ج ۱ ص ۱۷۴ (طبع قدیمی کتب خانه)
(۲) بذل المجهود ج ۴ ص ۳۳۴ (طبع مکتبه قاسمیه ملتان)
(۳) رد المحتار ج ۲ ص ۳۸۲ (طبع ایچ ایم سعید).

تو وہ رکھ سکتا ہے۔ قال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا تقدموا رمضان بصوم یوم ولا یومین الا رجل کان یصوم صوماً فیصومه. رواہ الستة (فتح القدیر ج ۲ ص ۵۴)۔(۱) واللہ اعلم

۱۳۸۶/۱/۳ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۳۴/۱۸ ب)

ریڈیو کے غلط اعلان پر غروب آفتاب سے قبل افطار کر لیا تو کیا حکم ہے؟

سوال:- ایک روز ریڈیو پاکستان کراچی نے مغرب کی اذان وقت سے ۵ منٹ قبل دے دی، جس سے بہت لوگوں کے روزے خراب ہوگئے اور انہوں نے افطار کر لیا، پھر اذان بند ہوگئی۔ دوسروں نے کھانا چھوڑ دیا، پھر اذان ہوئی بہت سے لوگوں نے روزہ نہیں توڑا، ان دونوں کا کیا حکم ہے؟

جواب:- جن لوگوں نے غروب سے قبل افطار کیا، خواہ ریڈیو کے غلط اعلان کی بناء پر کیا ہو، ان پر اس روزے کی قضاء واجب ہے، خواہ صحیح وقت معلوم ہونے کے بعد رک گئے ہوں یا کھاتے پیتے رہے ہوں، قضاء دونوں صورتوں میں واجب ہے۔(۲) واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۹/۱۵ھ

(فتویٰ نمبر ۹۷۷/۲۸ ج)

---

(۱) فتح القدیر ج ۲ ص ۲۳۵ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۱۸۷ کا حاشیہ نمبر ۲ و امداد الفتاویٰ سوال ۱۸۵، ج ۲ ص ۱۲۸۔

﴿باب الاعتکاف﴾

(اعتکاف کے مسائل)

رمضان کے آخری عشرے کا اعتکاف بغیر روزے کے نہیں ہوسکتا

سوال ۱ - چند اشخاص ایک جامع مسجد میں رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف کرنے بیٹھے تھے، ان میں سے ایک شخص کو حالتِ اعتکاف میں دن میں بخار ہوگیا، حتیٰ کہ ایک ڈاکٹر نے یہ معلوم کیا کہ ضرورت پڑی کہ روزہ توڑ دے، معلوم ہوا کہ پڑا اور اعتکاف ترک کردے، اس کے اہل وعیال نے یوں کہتے ہیں، اب دریافت یہ کرنا ہے کہ رمضان کے آخری عشرے میں بغیر روزے کے اعتکاف ہوسکتا ہے یا نہیں؟

۲- اگر بغیر روزے کے اعتکاف نہ ہوتا ہو تو اس کا اعتکاف فوت ہوگیا یا نہیں؟

جواب ۱ - رمضان مبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف سنت مؤکدہ ہے، اس کے لئے روزہ شرط ہے، لہٰذا جس شخص کا روزہ ٹوٹ جائے اس کا اعتکاف بھی جاتا رہے گا۔ لما فی ردّ المحتار:

ومقتضی ذلک ان الصوم شرط ایضًا فی الاعتکاف المسنون، لانه مقدّر بالعشر الأخیر، حتی لو اعتکفه بلا صوم لمرض او سفر ینبغی ان لا یصح عنه ... وسکتوا عن بیان حکم المسنون لظهور انّهٗ لا یکون الا بالصوم عادة (شامی ج ۲ ص ۱۳۰)۔[1]

۲- اس روزہ ٹوٹنے کی وجہ سے اعتکاف فوت ہوگیا، ایک دن کے اعتکاف کی قضا واجب ہے، کما مرّ۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۱/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۵۷/۲۷ و)

---

(۱) ردّ المحتار باب الاعتکاف ج ۲ ص:۴۴۲ (طبع سعید)، وفی الهدایة باب الاعتکاف ج ۱ ص ۲۱۱
والصحیح انه سنة مؤکدة لان النبی صلی الله علیه وسلم واظب علیه فی العشر الاواخر من رمضان والمواظبة دلیل السنة وهو اللبث فی المسجد مع الصوم ... والصوم من شرطه الخ
وفی البحر الرائق ج ۲ ص ۲۹۹، ۳۰۰ (طبع رشیدیه کوئٹه) ... الاعتکاف المسنون سنّة مؤکّدة وهو العشر الاخیر من رمضان ... حتی لو اعتکفه من غیر صوم لمرض او سفر ینبغی ان لا یصح الخ وکذا فی الهندیة ج ۱ ص ۲۱۱ (طبع رشیدیه کوئٹه) (محمد زبیر حق نواز)

مرض کی وجہ سے اعتکاف توڑنے کا حکم

سوال:- ایک شخص حالتِ اعتکاف میں بخار میں مبتلا ہو گیا، شدت کے سبب تو ہوئے پر علاج معالجے کی ضرورت پڑی، مجبوراً ترکِ صوم ہونا پڑا، تو کیا اس صورت میں علاج کے لئے یا خدمت کے واسطے اعتکاف توڑ کر اہل وعیال کے پاس گھر جاسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- مرض اور اس کا علاج ایسا عذر ہے جس کی وجہ سے اعتکاف توڑنا جائز ہے۔ ولا فرق (أی فی القضاء) بین فساده بصنعه بلا عذر کالجماع مثلاً لا إلی بدل أو لعذر کخروجه لمرض (شامی ج ۲ ص ۱۳۳)(۱)، البتہ ایک دن کے اعتکاف کی قضاء واجب ہوگی۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۱/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۵/۲۷ الف)

اعتکاف مسنون میں غسلِ جمعہ یا ٹھنڈک کے لئے غسل کی خاطر مسجد سے باہر نکلنا

سوال:- بخدمت حضرت مولانا تقی عثمانی صاحب۔

رسالہ ’’احکام اعتکاف‘‘ کے صفحہ نمبر ۳۹ میں آپ نے معتکف کے غسل کے ذیل میں لکھا ہے کہ ’’معتکف کو غسل جمعہ یا برائے ٹھنڈک مسجد سے باہر جانے کی اجازت نہیں، لیکن مسجد کے اندر ٹب میں یا مسجد کے کنارے پر غسل کرسکتا ہے‘‘۔ اس میں ایک بات وضاحت طلب رہ گئی ہے کہ مساجد کے غسل خانے جو کہ حدودِ مسجد سے باہر ہوتے ہیں، کیونکہ وہ تعیینِ حدودِ مسجد کے وقت نماز کے لئے نہیں بلکہ غسل، استنجاء کے لئے بنائے جاتے ہیں، اور حدودِ مسجد وہی ہے جو تعیینِ حدود کے وقت نماز کے لئے متعین کی جائے، جیسا کہ آپ نے ’’حدودِ مسجد کا مطلب‘‘ کے ذیل میں بحث کی ہے۔ اب مسئلہ باعثِ نزاع یہ ہے کہ مساجد کے غسل خانے جو اگرچہ حدودِ مسجد سے باہر ہوتے ہیں لیکن عمارتِ مسجد اور احاطۂ مسجد میں شامل ہوتے ہیں، ان میں غسل برائے ٹھنڈک یا غسل جمعہ کی اجازت ہے یا نہیں؟ براہِ کرم اس کی وضاحت فرمائیں۔

---

(۱) ردّ المحتار باب الاعتکاف ج ۲ ص ۴۴۷ (طبع سعید)

جواب:- مکرمی ومحترمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

[illegible] مسجد میں نہ گرے۔(۲)

[illegible] اس کا مطالعہ فرمالیں۔

[illegible] اعتکاف" میں لکھا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۵/۸/۲۷ھ

([illegible])

اعتکاف مسنون توڑنے کی صورت میں قضاء کا حکم

سوال:- [illegible] ہیں؟

جواب:- [illegible]

(۲،۱) وفی الدر المختار ج ۲ ص ۴۴۴، ۴۴۵ وحرم علیہ الخروج الا لحاجۃ الانسان طبیعیۃ کبول وغائط وغسل [illegible]

[illegible] الخ. وفی الھندیۃ کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف ج [illegible] ص ۲۱۲ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) ثم ان [illegible]

(۳) [illegible] قائلین کے جوابات ذکر فرمائے ہیں، تفصیل کے لئے اسے ملاحظہ فرمائیں۔

فی الشامیة ... فان فات عن وقته المعین فان فات بعضه قضاه لا غیر ولا یجب الاستقبال (رد المحتار ج ۲ ص ۱۳۳)۔

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۶/۱۱/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۵۷/۲۷ و)

مشرک کے لئے اعتکاف میں بیٹھنے کا حکم

سوال:- مشرک کو اعتکاف میں بیٹھنا جائز ہے؟

جواب:- اعتکاف عبادت ہے جو بغیر مسلم ہوئے ادا نہیں ہوتی، لہٰذا غیر مسلم اعتکاف میں نہیں بیٹھ سکتا۔[۲]

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۲/۳۰ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

---

(۱) رد المحتار باب الاعتکاف ج ۲ ص ۴۴۷ (طبع سعید) وفی رد المحتار ج ۲ ص ۴۴۴، ۴۴۵ (طبع سعید) [illegible]
[illegible]
مرم کالنذر وهو لو نذر العشر یلزمه کله متتابعا ولو أفسد بعضه قضی باقیه علی ما مرّ فی نذر صوم شهر معین
[illegible]
[illegible]
[illegible]
حنیفة انه یلزمه یومًا ... الخ
(۲) فی الدرّ المختار ج ۲ ص ۴۴۱ (طبع سعید) والنیة من مسلم عاقل طاهر ... الخ وفی الشامیة تحته لأن النیه لا تصح بدون الاسلام ... الخ

کتاب الحج

(حج کے مسائل)

﴿فصل فی من یفرض علیہ الحج﴾
(حج کس پر فرض ہے؟)

غیر محرم کے ساتھ سفرِ حج کا حکم

سوال — میری والدہ جن کی عمر پچپن سال ہے اور وہ بیوہ ہیں، وہ اپنے ایک پڑوسی کے ساتھ حج کے لئے جانا چاہتی ہیں، موصوف اپنی زوجہ کے ساتھ جا رہے ہیں، کیا میں ان کے ساتھ اپنی والدہ اور والدہ کی چچی کو بھیج سکتا ہوں یا نہیں؟ شرعی حکم کیا ہے؟

جواب — حنفی مسلک میں عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی، اس کے لئے حج پر جانے کے لئے محرم کی رفاقت شرط ہے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں اگر پڑوسی ان بیوہ کا محرم نہیں ہے تو اس کے ساتھ نہیں جا سکتی۔[1]

[illegible] میں ہے: ومنها المحرم للمرأة شابة كانت أو عجوزا إذا كانت بينها وبين مكة مسيرة ثلاثة أيام. (عالمگیریہ ج:۱ ص:۲۱۸)۔[2]

لہٰذا حنفی مسلک میں حکم یہ ہے کہ جب تک محرم نہ ملے، حج پر نہ جائے، اور آخر عمر تک محرم نہ ملے تو وصیت کر جائے کہ میری طرف سے حج بدل کرا دیا جائے۔[3]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۶/۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۵۱۲/۲۹ ب)

---

(۱) وفي صحيح البخاري ج:۱ ص:[illegible] طبع قديمي كتب خانه عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لا تسافر المرأة ثلاثة إلا معها ذو محرم. وفي البحر الرائق ج:۲ ص:[illegible]، ۳۱۵ طبع سعيد [illegible] ومع زوج أو محرم بالغ [illegible] وهو [illegible] إلا محرم [illegible] [illegible] في الحديث الصحيحين: "لا تسافر امرأة ثلاثاً إلا ومعها محرم" زاد مسلم في رواية: "أو زوج"

وفي بدائع الصنائع ج:۲ ص:[illegible] طبع سعيد [illegible] [illegible] الخ

وكذا في البحر الرائق ج:۲ ص:۳۱۵ (طبع سعيد)

(۲) ج:۱ ص:۲۱۸، ۲۱۹ (طبع مكتبه رشيديه كوئته)

(۳) وفي رد المحتار ج:۲ ص:[illegible] طبع سعيد [illegible] [illegible] الخ وفي فتاوى [illegible] على هامش الهندية ج:۱ ص:۳۰۱ طبع رشيديه كوئته [illegible] لم تجد محرما لا تخرج إلى الحج [illegible] [illegible]

شوہر کی اجازت کے بغیر حج پر جانے کا حکم

سوال — جناب والا! میں اپنی ایک دینی بہن کے حالات تحریر کر رہی ہوں، برائے مہربانی ان کے سوالات کے جوابات شریعت کی رُو سے تحریر فرمائیں۔

اپنی دینی بہن کے حالات اس کی اپنی زبان میں لکھ رہی ہوں۔ میری بہن فرماتی ہیں میرا خاوند بہت ہی بُری عادتوں میں مبتلا ہے، جس کا ذکر میرے لئے بھی اذیت ناک ہے، بُری عورتوں اور شراب میں مبتلا رہتا ہے۔ میں خود نماز، روزوں کی پابند ہوں، میں نے اور میرے بچوں نے بہت کوشش کی کہ وہ بُرائی سے سمجھ جائیں، مگر وہ کسی صورت میں بھی بُری عادتوں کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہے۔ میرا خاوند آنکھوں کا ڈاکٹر ہے، اور میرے دو بیٹے بھی ڈاکٹر ہیں۔ میرے خاوند حج اور عمرہ کی طرف دھیان بھی نہیں دیتے اور نہ ہی مجھے اپنے بیٹوں کے ساتھ حج اور عمرہ پر جانے کی اجازت دیتے ہیں۔ گھر میں سب چیزیں موجود ہیں، مثلاً کوٹھی بنی ہے، کار بھی ہے اور روپیہ پیسہ بھی موجود ہے، مگر میں ان سب چیزوں کے باوجود بہت پریشان ہوں۔ میں نے اپنے خاوند سے یہ بھی کہا کہ وہ غلط کام چھوڑ دیں اور ایک اور شادی کرلیں، مگر وہ میری بات پر دھیان نہیں دیتے۔

۱- میں نے اپنے خاوند کے لئے بہت سارے وظیفے اور تسبیحات کی ہیں کہ میرا خاوند درست ہو جائے، مگر وہ ٹس سے مَس نہیں ہوتا، کیا میرے لئے یہ وظیفے کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲- کیا میں اپنے بیٹے کے ساتھ خاوند کی اجازت کے بغیر حج اور عمرہ پر جاسکتی ہوں یا نہیں؟ کیونکہ میرا خاوند اجازت نہیں دیتا۔

۳- مہربانی فرما کر مجھے ایسا وظیفہ بتا دیں کہ اس پر عمل کرنے سے میرا خاوند راہِ راست پر آجائے، اور میری پریشانی بھی دور ہو جائے، اور یہ بھی جواب طلب ہے کہ میں نے ابھی تک فرض حج بھی ادا نہیں کیا تو کیا اس حالت میں بھی میرے لئے اپنے شوہر سے اجازت لینا ضروری ہے یا پھر اس حالت میں اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر بھی حج فرض ادا کرنے کے لئے اپنے بیٹے کے ساتھ جاسکتی ہوں؟

جواب — آپ کی پریشانی دور ہونے کے لئے دل سے دعا کرتا ہوں، آپ ہر نماز کے بعد یہ دُعا کم از کم تین مرتبہ پڑھا کریں:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ إِمَامًا. [1]

---

(۱) سورۃ الفرقان ۷۴

اگر آپ فرض حج کرچکی ہیں تو نفلی حج یا عمرے کے لئے شوہر کی اجازت کے بغیر جانا جائز نہیں ہے۔ آپ کو ان شاء اللہ اچھی نیت کے ذریعے حج و عمرے کا ثواب مل جائے گا۔ اور اگر آپ پر حج فرض ہو چکا ہو اور آپ اپنے بیٹے کے ساتھ حج پر جا رہی ہوں تو شوہر حج فرض سے نہیں روک سکتا، اگر شوہر روکے تو عورت اس کی اجازت کے بغیر بھی جا سکتی ہے۔ في الدر: وليس لزوجها منعها عن حجة الإسلام، في الشامية: أي إذا كان معها محرم وإلا فله منعها كما يمنعها عن غير حجة الإسلام. (ج:۲ ص:۴۶۵)۔ (۱)

والله سبحانہ اعلم
۸-۹-۱۴۲۰ھ
(فتویٰ نمبر ۴۹/۲۰۱)

منہ بولے بھائی کے ساتھ سفرِ حج پر جانے کا حکم

سوال:- ایک شخص نے اپنی منہ بولی بہن بنائی ہے، کیا اس بہن کے ساتھ سفرِ حج کرسکتا ہے؟

جواب:- کسی غیر محرم عورت کو زبان سے بہن کہہ دیا جائے تو وہ شرعاً بہن کے حکم میں نہیں ہوتی، اس لئے اس خاتون کا اپنے منہ بولے بھائی کے ساتھ حج کے سفر میں جانا جائز نہیں۔ (۲)

والله سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۵/۲۴ھ
(فتویٰ نمبر ۶۱۷/۱۹ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

لڑکیوں کی شادی کئے بغیر حج فرض ہوگا یا نہیں؟

سوال:- میری عمر ۶۱ سال ہے، حج کی تمنا رکھتا ہوں، میں نے تقریباً پانچ ہزار روپے جمع کئے، حکومت نے دس ہزار کردیئے۔ میری چار لڑکیاں اور دو لڑکے ہیں، دو لڑکیوں کی شادی کردی، دو گھر میں ہیں، جن کی عمر ۲۴ سال ہے، بڑا لڑکا ۲۲ سال، چھوٹا لڑکا ۱۲ سال کا ہے، دونوں گھر سے بھاگے ہوئے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ دو لڑکیوں کی شادی کے بغیر حج کرسکتا ہوں یا نہیں؟

---

(۱) [illegible] ... وليس لزوجها منعها عن حجة الإسلام إذا كان معها محرم وإلا فله منعها كما يمنعها عن غير حجة الإسلام ... الخ.
(۲) غیر محرم کے ساتھ سفر کی ممانعت کے لئے [illegible] (محمد زبیر)

جواب [illegible] (۱) [illegible]

[illegible]

ؤرست نہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۶/۹/۲۸ ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳۱۰/۲۷ ھ)

جہاز کی اکانومی کلاس میں ٹکٹ نہ ملنے کی بنا پر بیا فرسٹ کلاس کا ٹکٹ لے کر حج پر جانا فرض ہے

سوال – [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

دو باتیں ہیں۔–

۱– [illegible]

[illegible]

ؤرست ہے؟ حج میں تو کوئی نقصان نہ ہوگا؟

۲– [illegible]

[illegible]

[illegible]

فرمایئے کہ مجھے کیا کرنا چاہیے؟

جواب ۱:– اگر آپ کے پاس اپنی ضروریات اصلیہ سے زائد اتنا روپیہ ہے کہ اس کے

[illegible]

[illegible]

[illegible]

فقہاء کرام کی مندرجہ ذیل تصریحات اس مسئلے سے متعلق ہیں:–

---

(۱) وفی تنویر الأبصار ج ۲ ص ۴۵۹ (طبع ایچ ایم سعید) ۔ ذی زاد وراحلة فضلا عما لا بد منه ونفقة عياله لی عوده

-وهل ما يوجد من المكس والخفارة عذر قولان. والمعتمد لا كما في اللباب والمنسك وعليه فيحسب في الفاضل عما لا بد منه القدرة على المكس ونحوه كما في منسك الطرابلسي وكذا في تنوير الأبصار. وقال الشامي: المكس ما يأخذه العشار والخفارة ما يأخذه الخفير وهو المجير ومنه ما يأخذه الأعراب في زماننا من الصر المعين (شامی ج ۲ ص ۱۹۸)۔[1]

۲- وعلى تقدير أخذهم الرشوة فالإثم في مثله على الآخذ لا المعطي على ما عرف من تقسيم الرشوة في كتاب القضاء ولا يترك الفرض لمعصية عاص (البحر الرائق ج ۲ ص ۳۳۹)۔[2]

۳- إذا وجد ما يحج به وقد قصد الخروج يحج به ولا يتزوج لأن الحج فريضة أوجبها الله تعالى على عبده كذا في التبيين (عالمگیری ج ۱ ص ۲۱۷)۔[3] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۸/۷ھ

کیا عمرہ کرنے سے حج فرض ہو جائے گا؟

سوال:- ایک غیر مستطیع شخص ایام حج کے علاوہ دنوں میں عمرہ کے لئے چلا جائے، تو کیا اس پر حج فرض ہو جائے گا؟ یہ جو مشہور ہے کہ جس نے خانۂ کعبہ دیکھ لیا اس پر حج فرض ہو جائے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- غیر ایام حج میں عمرہ کرنے سے حج فرض نہیں ہوتا، جب تک کہ اشہر حج میں حج کرنے کی استطاعت پیدا نہ ہو، اور یہ تحقیق ہے کہ جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہو اسے دوسرے کی

---

(۱) ج ۲ ص ۴۶۳، ۴۶۴ (طبع سعید) (۲) ج ۲ ص ۳۱۴ (ایضاً)
(۳) ج ۱ ص ۲۱۷ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
(۴) وفي الهندية ج ۱ ص ۲۱۷ ... ومنها الوقت ... وهو أشهر الحج أو وقت خروج أهل بلده ... فيها فلا يجب [illegible] وفي وقت خروج أهل بلده ... صرفه حيث شاء. الخ
وفي إرشاد الساري ص ۳۲ (طبع مصطفى محمد مصر) ... وهو أشهر الحج أو وقت خروج أهل بلده ... صرفه حيث شاء ولا حج عليه
وفي الفتح ص ... [illegible] ... الخ وفيه ... بشرط لا بد منه قدر ما يكفيه وعياله في أيام اشتغاله بنسك الحج ... الخ (باقی اگلے صفحے پر)

طرف سے حج بدل کرنا درست نہیں، البتہ ایسا شخص اگر حج بدل کی نیت سے حج کرے تو اس سے حج بدل ہی ادا ہوگا، اس کا اپنا حج نہیں ہوگا۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۲/۱۴ھ
(فتوی نمبر ۲۳۹/۱۲۸ الف)

ضرورت سے زائد مزروعہ زمین کو فروخت کرکے حج پر جانا فرض ہے

سوال:- فتاوی ہندیہ اردو جلد دوم صفحہ ۲۵ میں ہے: "اگر کوئی شخص مزروعہ زمین کا مالک ہے، اور اس کے پاس اس قدر زمین ہے کہ اگر اس میں سے تھوڑی سی زمین بیچ ڈالے تو حج کے اخراجات کے لئے اور بچوں کی ضرورت کے لئے کافی ہے، پھر بھی اتنی زمین بچی رہے کہ جس کی آمدنی سے گزر کر سکتا ہے، تو اس پر حج فرض ہوگا" فرمایئے کیا اس صورت میں حج فرض ہوگا؟"

جواب:- فرضیت حج کے لئے جو قدرت مطلوب ہے اس کا نقد مال کی شکل میں ہونا شرط نہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اگر کسی شخص کے پاس نقد روپیہ نہ ہو، لیکن زراعت کی ضرورت سے زیادہ زمین یا مکان وغیرہ ہے جسے فروخت کرکے حج کر سکتا ہو تو اس پر حج فرض ہے۔ فتاوی ہندیہ کی عبارت یہ ہے: وان کان صاحب ضیعة ان کان له من الضیاع ما لو باع مقدار ما یکفی الزاد والراحلة ذاهبا وجائیا

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) وفی ردّ المحتار ج ۲ ص ۴۶۰ (طبع سعید) والحاصل ان الزاد لا بدّ منه ولو لمکی کما صرح به غیر واحد کصاحب الینابیع والسراج [illegible] للتفصیل الیها)

(۱) [illegible]

وفی [illegible] ج ۲ ص [illegible] والافضل للانسان [illegible] ان یحج رجلا عن نفسه [illegible]

تفصیلی فتوی آگے صفحہ ۲۱۵ تا ۲۲۰ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) وفی ارشاد الساری ص ۲۸ طبع مصطفی محمد مصر [illegible] الیها (وجائیا) ای راجعا الی وطنه (محمد زبیر حق نواز)

ونفقة عياله وأولاده ويبقى له من الضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج وإلا فلا (فتاویٰ عالمگیریہ)۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم

۲۰ [illegible] ۱۳۹[illegible]ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶ / ۲۸ الف)

۱:- کیا عمرہ کرنے کے بعد حج فرض ہوجاتا ہے؟

۲:- اگر کوئی شخص بڑھاپے میں غنی ہوجائے تو کیا اس پر حج فرض ہوگا؟

سوال ۱:- کیا عمرہ کرنے کے بعد حج کرنا فرض ہوجاتا ہے، جبکہ اس پر حج فرض نہ ہوا ہو؟

۲:- اگر کوئی شخص زیادہ عمر یا ضعیفی کے زمانے میں تونگر ہوجائے تو کیا اس پر حج فرض ہوجاتا ہے، جبکہ اس کی لاغری مانع ہو؟

جواب ۱:- عمرہ اگر ایامِ حج کے علاوہ دوسرے ایام میں کیا جائے تو اس سے حج فرض نہیں ہوتا، البتہ ایامِ حج میں مکہ مکرمہ پہنچنے سے حج فرض ہوجاتا ہے۔ کذا فی عمدۃ المناسک مع زبدۃ المناسک: ۳۱۔(۲)

۲:- صحت کے وقت کی حالت میں حج فرض نہیں تھا، اور جب اتنا بوڑھا ہوگیا کہ سواری پر بغیر شدید مشقت کے سوار نہیں ہوسکتا، اور اس وقت حج کرنے کے لائق رقم حاصل ہوئی، تو اس کے بارے میں فقہاءِ حنفیہ کا اختلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایسے شخص پر حج بالکل فرض نہیں، نہ خود کرنا فرض ہے اور نہ کسی دوسرے سے کرانا، لیکن صاحبین کے نزدیک ایسے شخص پر خود تو حج کرنا فرض نہیں لیکن کسی دوسرے سے کرانا فرض ہے، مشائخ حنفیہ میں سے بعض حضرات نے پہلے قول کو اختیار کیا ہے، اور بعض نے دوسرے کو۔ احتیاط اسی میں ہے کہ ایسا شخص صاحبین کے قول پر عمل کرے اور کسی دوسرے شخص سے اپنی طرف سے حج کروائے، یا کم از کم اس کی وصیت کردے کہ میری طرف سے حج کیا جائے۔

في رد المحتار: فلا يجب على مقعد ومفلوج وشيخ كبير لا يثبت على الراحلة بنفسه ... لا بأنفسهم ولا بالنيابة في ظاهر المذهب عن الإمام وهو رواية عنهما. وظاهر الرواية عنهما وجوب الإحجاج عليهم ... وظاهر التحفة اختيار قولهما. وكذا الإسبيجابي

---

(۱) [illegible] وفي عمدة المناسك [illegible] طبع إدارة القرآن كراتشي [illegible] ما يكفي [illegible] ويبقى بعده من ضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقي يفترض عليه الحج وإلا فلا كذا في الحاوية (محمد زبیر حق نواز)

(۲) ص ۲۱۰

وقواہ فی الفتح [illegible] وحکی فی اللباب اختلاف التصحیح (شامی ج ۲ ص ۱۲۲)۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۲/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲ـ۲ـ ۲۷)

نکاح ہونے کی صورت میں شوہر اور بیوی کا حج پر جانا جائز ہے

سوال - عارفہ نے ۱۹۵۰ء میں اپنے شوہر سے تنگ آکر عدالت سے [illegible] اور ابراہیم شاہ سے بذریعہ خطبہ [illegible]، ابراہیم شاہ نے عارفہ کو [illegible] میں رکھا، اس دوران عارفہ نے شوہر سے کوئی خرچ نہیں لیا، اور عارفہ کا نان نفقہ ابراہیم شاہ برداشت کرتا رہا، ۱۹۵۱ء میں عارفہ کے شوہر کا انتقال ہو گیا، بعد عدت عارفہ نے ابراہیم شاہ سے نکاح کرلیا ۱۹۵۲ء [illegible] ملتان چھاؤنی میں مسجد [illegible] امام مسجد نے نکاح پڑھایا، احمد علی، خدا بخش، محمد خان جو گواہ تھے، ان کے روبرو نکاح ہوا، اس وقت فارم اور رجسٹریشن کا عام رواج نہیں تھا، یہ حلفیہ بیان ہے، اب ابراہیم شاہ اور عارفہ دونوں حج کو جانا چاہتے ہیں، [illegible] اپنے عزیزوں [illegible] میں مدعو کرنا چاہتے ہیں، ان کی اس دعوت میں عزیزوں کا جانا اور کھانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب - جب عارفہ اور ابراہیم شاہ کے درمیان شرعی طور پر نکاح ہو چکا ہے، تو اب یہ دونوں ساتھ حج کو جا سکتے ہیں، اور ان کی دعوت قبول کرنے میں شرعاً کوئی حرج نہیں بشرطیکہ کوئی اور مانع شرعی موجود نہ ہو۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۱۱/۲۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۹۱ ـ ۲۷)

---

(۱) ج ۲ ص ۵۹ [illegible] مطبع ادارہ [illegible] کراچی [illegible] ومن شرط وجوب [illegible] فلا یجب الحج علی [illegible] وهو [illegible] لاحج [illegible] (شامی ج [illegible])

﴿فصل فی المواقیت﴾
(میقات سے متعلق مسائل کا بیان)

جدہ تک بغیر احرام کے جانے والا مسافر اگر کسی دُوسری میقات سے احرام باندھ لے تو اس پر دَم نہیں
(''جواہر الفقہ'' کی ایک عبارت کی تحقیق)

سوال:- ''جواہر الفقہ'' کے ذیل کی عبارت ''اس لئے اہل پاکستان اور ہندوستان کے لئے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے کے وقت ہی احرام باندھ لیں، اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعے جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دَم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہو جائے گی'' میں یہ اشکال ہے کہ میقات سے بغیر احرام گزرنے پر جو دَم لازم ہوتا ہے، وہ عود الی المیقات سے ساقط ہو جاتا ہے، تو ہوائی جہاز میں مسافر پر اگر دَم واجب ہوا لیکن جب وہ جدہ پہنچ گیا اور احرام وہاں سے باندھا تو چاہئے کہ وہ دَم ساقط ہو جائے، کیونکہ درمختار میں ہے وحرم تأخير الاحرام عنها (در مختار) وقال عليه المحشي فعليه العود الى ميقات منها وان لم يكن ميقاته ليحرم منه والا فعليه دم كما سيأتي بيانه في الجنايات (تحت مطلب في المواقيت ج ۲) فان عاد الى ميقات ما ثم احرم الى قوله سقط دمه (درمختار باب الجنايات)۔

لیکن اس میں اب یہ بات ذہن میں آئی کہ دَم جو بغیر احرام کے میقات سے گزرنے پر لازم ہوتا ہے، وہ تب ساقط ہوتا ہے جب یہ شخص کسی ایک میقات کو رجوع کرے اور جدہ میقات نہیں، لہٰذا اس سے احرام باندھنے پر وہ دَم واجب ساقط نہیں ہوتا ہے، لہٰذا ''جواہر الفقہ'' کی عبارت بظاہر صحیح ہے، اگرچہ جدہ سے احرام باندھنا اس وجہ سے صحیح ہے کہ وہ میقات کا محاذی ہے۔ سو حاصل یہ نکلا کہ میقات اور محاذی میقات ان دونوں سے احرام باندھنا صحیح ہے، لیکن اگر میقات پر بغیر احرام کے گزرنے سے دَم واجب ہوا تو وہ عود الی المیقات سے ساقط ہو جائے گا، لیکن عود الی محاذی المیقات سے ساقط نہیں ہوگا۔ مؤدبانہ گزارش ہے کہ میری اس رائے کی تصحیح یا تردید سے مطلع فرمائیں۔

جواب:- عزیز گرامی قدر مولانا محمد سردار صاحب سلمہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بہت عرصہ قبل آپ نے ایک سوال بھیجا تھا، جو احرام کے بغیر جدہ تک پہنچنے سے متعلق تھا،

چونکہ مجھے مدت سے غور و فکر اور مراجعت کا موقع نہ مل سکا اس لئے فوراً جواب نہ دے سکا، اب کچھ غور کرنے کا موقع ملا تو جواب عرض ہے۔

جہاں تک اس میں کوئی جدہ کے مسافر کے لئے بدون احرام [illegible] جو بات [illegible] وہ جب تک خود غور و فکر اور [illegible] کے مشورے کے بعد [illegible] معلوم [illegible] میں [illegible] ہے۔ شاید اس وقت ذہن اس طرف گیا ہو کہ محاذات قرن المنازل سے میقات کی بغیر احرام [illegible] لہذا جو تو اس کی طرف نہیں ہو، بلکہ دوسرے میقات کی محاذات کی طرف عود ہوا ہے، اس سے دم ساقط نہیں ہوا، لیکن تحقیق سے معلوم ہوا کہ اگر کسی اور میقات کی طرف لوٹ جائے تب بھی دم ساقط ہو جاتا ہے۔ چنانچہ مدارک میں ہے: "ولو عاد إلى ميقات آخر غير الذي جاوزه قبل أن يفعل شيئاً من فعل الحج سقط عنه الدم، وعوده إلى هذا الميقات وإلى ميقات آخر سواء" (مدارک ج ۲ ص ۲۶۵، طبع جدید)۔

اور آپ نے جو احتمال تحریر فرمایا ہے کہ سقوط دم میقات پر عود کرنے سے ہوتا ہے، محض محاذات کی طرف عود کرنے سے نہیں، سو یہ احتمال احقر کی نظر میں بھی آیا ہے، مگر [illegible] سے [illegible] اس کی نظر میں بھی صحیح نہیں، کیونکہ محاذات میقات حکم میں میقات کے قائم مقام ہے، اور کوئی فرق بظاہر فقہاء نے [illegible] صراحت فرمائی ہے۔(۲)

لہذا اب مسئلہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جدہ سے جانے والا اگر قرن المنازل کی محاذات سے بغیر احرام کے گزر گیا اور پھر جدہ پہنچ کر احرام باندھا تو محاذات میقات بغیر احرام کے [illegible] ثابت ہو رہا ہے لیکن دم واجب نہیں ہوگا، کیونکہ وہ دوسرے میقات کی طرف لوٹ کر وہاں سے احرام باندھ رہا ہے، هذا ما ظهر لي، والله أعلم۔

اگر کوئی اور بات آپ کے ذہن میں آئے تو احقر کو مطلع فرمائیے گا۔

والسلام
محمد تقی عثمانی
۱۴۰۳/۸/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۳۴/۸۲۰)

---

(۱) جواهر الفقه ج ۱ ص ۳۷۵ (طبع مكتبه دار العلوم كراچی)

(۲) [illegible] فتح القدير وعن أبي يوسف [illegible] محاذيًا لميقاته أو أبعد منه، فكميقاته [illegible] الخ (محمد زبیر)

فصل فی الإحرام وما هو محذور فيه أو مباح

(احرام اور اس کے مباحات وممنوعات کا بیان)

احرام کے لئے سلا ہوا کپڑا اور ٹیڑون استعمال کرنے کا حکم

سوال:- احرام کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا درست ہے یا نہیں؟ دوسری بات یہ کہ احرام کے لئے ٹیڑون استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ (سید اوحید، ریاض سعودی عرب)

جواب:- آپ کو شاید معلوم نہیں ہے کہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ۱۰ اور ۱۱ شوال کی درمیانی شب میں وصال کر چکے ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون، ان کے لئے دعائے مغفرت [illegible] اور ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی دعا فرمائیں۔ احرام کے لئے سلے ہوئے کپڑے کا استعمال درست نہیں ہے۔ ٹیڑون کے احرام میں کوئی حرج نہیں بشرطیکہ سلا ہوا نہ ہو۔ والسلام۔

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
ابن حضرت مفتی صاحبؒ
۱۳۹۶/۱۱/۲۰ھ
(فتویٰ نمبر [illegible])

---

(۱) وفي البحر الرائق ج ۲ ص ۳۲۳ ... قوله ولبس قميص وسراويل ... وفيه ص ۳۲۳ وذكر ... في مناسكه ان ضابطه لبس كل شيء معمول على قدر البدن او بعضه بحيث يحيط به بخياطة او تلزيق بعضه ببعض ... الخ

فصل فی القران والتمتع

(حج قران اور تمتع سے متعلق مسائل کا بیان)

سعودی عرب میں مقیم شخص کے لئے حج قران کا حکم

سوال - میرا لڑکا سعودی عرب میں مقیم ہے، اس نے آخری عمرہ گزشتہ رمضان المبارک میں جمعة المبارک کو کیا تھا، کیا اب وہ حج قران کرسکتا ہے یا تمتع کرنا پڑے گا؟ اس سے شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

جواب - صورت مسئولہ میں اگر آپ کے صاحبزادے حدود میقات میں مقیم نہیں ہیں تو وہ قران کرسکتے ہیں،(۱) رمضان المبارک میں عمرہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑا۔ واللہ اعلم

۱۳۹۶/۱۱/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷/۲۷۲۷ و)

حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے والے جدہ میں مقیم شخص کے لئے حجِ قران کا حکم

سوال - زید جدہ میں مقیم ہے، اشہر حج میں عمرہ بھی کیا ہے، قران کا احرام بھی باندھ سکتا ہے یا نہیں؟

جواب - جو شخص اشہر حج میں عمرہ کے افعال بجالا کر وقوف عرفہ سے پہلے پہلے حلال ہو چکا ہو اس کے لئے قران جائز نہیں۔ (کذا فی زبدة المناسک ص ۲۸۳)(۲) اور جدہ کا مقیم حلی میقاتی ہے حکم

---

(۱) وهو أي القران ... [illegible] للآفاقي أي لا المكي والميقاتي ... [illegible] للحج والعمرة (مناسك ملا علي القاري ص ۲۵۶ طبع [illegible]) وكذا في عمدة المناسك ص ۹۰ طبع [illegible] كراچی

(۲) زبدة المناسك مع عمدة المناسك قران کا بیان مسئلہ نمبر۲ ص ۲۹۳ وفي الدر المختار ج ۲ ص ۵۳۹ (طبع سعيد) والمكي ومن في حكمه يفرد فقط ولو قرن ... [illegible] ومن في حكمه أي من أهل داخل المواقيت ... فإنه يفرد فقط ... [illegible] في أشهر الحج ... [illegible] من القران ... [illegible] القول ... [illegible] هو الصحيح (باقی اگلے صفحے پر)

میں ہے، اس لئے بھی اس کے لئے قران اور تمتع جائز نہیں، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جدہ کے اس مقیم کے لئے قران کا اِحرام باندھنا جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
٣٠/١/١٣٩[illegible]ھ
(فتویٰ نمبر ١٢٦/٢٨ الف)

﴿فصل فی العمرة﴾
(عمرہ سے متعلق مسائل کا بیان)

ابتداءً حج کے لئے رقم جمع کرنی چاہئے یا عمرہ کو ترجیح دے؟

سوال:- کیا کوئی شخص عمرہ پر اکتفاء کر سکتا ہے یا حج ہی کے لئے روپیہ جمع کرے؟ کیا وہ عمرہ کو ترجیح دے سکتا ہے؟

جواب:- جس شخص نے حج نہیں کیا، اسے حج ہی کے لئے رقم جمع کرنی چاہئے، لیکن اگر حجِ فرض کر چکا ہے تو اب عمرہ پر اکتفاء کرنا دُرست ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
١٣٩٦/١٢/٢ھ
(فتویٰ نمبر ٦١-٢-٢٥)

[illegible] وفي الهداية ج ١ ص ٢٤٣ وليس لأهل مكة تمتع ولا قران وإنما لهم الإفراد خاصة خلافاً للشافعي والحجة عليه قوله تعالى ذلك لمن لم يكن أهله حاضري المسجد الحرام ولأن شرعهما للترفه بإسقاط إحدى السفرتين وهذا في حق الآفاقي ومن كان داخل المواقيت فهو بمنزلة المكي حتى لا يكون له متعة ولا قران، وفي فتح القدير نقلاً عن البدائع [illegible] أن العمرة دخلت فيه رخصة للآفاقي ضرورة تعذر إنشاء سفر للعمرة نظراً له وهذا المعنى لا يوجد في حق أهل مكة ومن بمعناهم فلم تكن العمرة مشروعة في أشهر الحج في حقهم وفي غنية الناسك ص ٢٠٩ لا تمتع ولا قران، ولا جمع بينهما في غير أشهر الحج لأهل مكة وأهل المواقيت الخمسة، ومن دونها إلى مكة سواء كان بينه وبين مكة مسيرة سفر أو لا الخ

[illegible] ص ٣٠٥ [illegible] جدہ [illegible] میقات [illegible] قران وتمتع کرنا جائز نہیں۔ (محمد زبیر حق نواز عفا اللہ عنہ)

فصل فی الحجّ عن الغیر والبدل والوصیّۃ

(حج بدل اور نفلی حج سے متعلق مسائل کا بیان)

۱:- جس نے اپنا حج فرض نہ کیا ہو اس سے حجِ بدل کرانے کا حکم
۲:- حج بدل کے لئے مکہ مکرّمہ جانے سے کیا اپنے اُوپر حج فرض ہوجاتا ہے؟

سوال ۱- [illegible] فرض [illegible] فرض [illegible]
[illegible] چاہتا ہوں۔ ایک [illegible] وہ کہتے ہیں کہ [illegible] حج [illegible]
فرض ہے۔ کیا ایسا شخص جس نے اپنا حج فرض نہ کیا ہو کسی کی طرف سے حج بدل کر سکتا ہے؟
۲- [illegible] شخص [illegible] حج فرض نہ [illegible] حج میں مکہ معظمہ چلا جائے تو [illegible] پر حج فرض ہوجاتا ہے؟

جواب ۱- [illegible] فقہاء [illegible] حج بدل [illegible] شخص [illegible]
جائے جو اپنا حج فرض ادا کر چکا ہو، اور جس شخص نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو اس سے حج بدل
کرانا مکروہ تحریمی ہے، [illegible] شخص [illegible] حج بدل پر بھیجا جا رہا ہے، اگر اس کے ذمہ حج فرض ہے اور
[illegible] تو اس [illegible] حج بدل [illegible] مکروہ تحریمی اور ناجائز [illegible] بھیجنے [illegible] حج
[illegible] صورت [illegible] شخص کا حج بدل [illegible]

---

(۱) وفی الشامیۃ ج ۲ ص ۶۰۳ (طبع سعید) قال فی البحر والحق أنها تنزیهیة علی الآمر لقولهم والأفضل الخ تحریمیة علی الصّرورة المأمور الذی اجتمعت فیه شروط الحج ولم یحج عن نفسه لانه أثم بالتأخیر الخ
وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۲ ص ۵۷۳۔
وفی حاشیة البحر الرائق ج ۳ ص ۶۹ أن حج الصرورة عن غیره ان کان بعد تحقق الوجوب علیه بملک الزاد والراحلة والصحة فهو مکروه کراهة تحریم علیه لأنه یتضیق علیه
وفی البحر الرائق ج ۳ ص [illegible] والحق أنها تنزیهیة علی الآمر تحریمیة علی الصرورة المأمور الذی اجتمعت فیه شروط الحج ولم یحج عن نفسه لأنه آثم بالتأخیر

یعنی حج ... ہو، تو حج فرض کے معاملے وغیرہ کو وہ کھرے میں ڈال دینا درست نہیں۔

۲- جس شخص نے اپنا حج نہیں کیا ہو اور اس پر حج فرض نہیں تھا، تو ایسا شخص دوسرے کی طرف سے حج بدل کے لئے مکہ معظمہ پہنچ جانے سے اس پر حج فرض ہو جاتا ہے، لیکن راجح قول یہ ہے کہ اس طرح حج فرض نہیں ہوتا، کذا فی جواهر الفقه (ج:۱ ص:۵۰۷)۔[۲]

واللہ اعلم
۱۳۹۷/۵/۹ھ
(فتویٰ نمبر [illegible] ۲۹ الف)

مسئلۂ حجِ صرورہ

("حجِ صرورہ" کی مفصّل اور مدلل تحقیق)

سوال: صرورہ کسے کہتے ہیں؟ اور کیا جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہو اسے دوسرے کی طرف سے حج پر بھیجنا جائز ہے؟ اگر بھیج دیا جائے تو حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟ اور کیا یہ شخص دوسرے کی طرف سے حج کرنے گیا تو کیا اس سے خود اس پر حج فرض ہو جائے گا؟ براہِ کرم یہ مسئلہ مفصّل و مدلل بیان فرمائیں۔

جواب: جس شخص نے اپنا حج ادا نہ کیا ہو، اس کو "صرورہ" کہتے ہیں، اور اس کا دوسرے کی طرف سے حج کرنا مکروہ تحریمی ہے لیکن ادا ہو جاتا ہے، علامہ علاء الدین حصکفی تحریر فرماتے ہیں: فحج الصرورة بمهملة من لم يحج (الدر المختار ص ۱۸۲)[۳] پس تفصیل یہ ہے کہ ... ولی ایسا عذر لاحق نہ ہو کہ جو موت تک مستمر رہے، مگر زائل ہونا ممکن ہو، چونکہ حج ایک ایسی عبادت ہے جو مالی بھی ہے اور بدنی بھی، اور ایسی عبادت کے بارے میں فقہاء نے یہی حکم دیا ہے، در مختار میں ہے: والمركبة منهما كحج الفرض تقبل النيابة عند العجز فقط لكن بشرط دوام العجز إلى الموت (ص ۷۱ مختار)[۴] وفي بذل المجهود: ... ومركبة من البدنية والمالية كالحج لا تجري فيها النيابة في غير عذر (بذل المجهود ج ۳ ص ۱۲)[۵] ومثله في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة (ج ۱ ص ۷۰۷)[۶] لیکن چونکہ ایک چیز کا ادا ہو جانا اور چیز ہے اور فی نفسہ مکروہ ہونا

وفي الفتاوى الهندية ج ۱ ص ۲۵۷ طبع مكتبة رشيدية كوئٹه: والأفضل للإنسان إذا أراد أن يحج رجلا عن نفسه أن يحج رجلا قد حج عن نفسه ... الذي لم يحج عن حجة الإسلام عن نفسه لم يجز حجته عن غيره عند بعض الناس، ومع هذا لو أحج رجلا لم يحج عن نفسه حجة الإسلام يجوز عندنا ... الخ

وفي البحر الرائق ج ۳ ص ۶۹: والأفضل أن يحج الحر العالم بالمناسك الذي حج عن نفسه

(۲) نیز "حجِ صرورہ" سے متعلق حضرت والا دامت برکاتہم کے اگلے تفصیلی فتویٰ میں فریقین کے دلائل اور راجح قول ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) الدر المختار ج:۲ ص:۶۰۳ (طبع سعید)		(۴) ج ۲ ص ۵۹۸ (ایضاً)

(۵) طبع مکتبہ قاسمیہ ملتان		(۶) طبع شرکۃ فن الطباعۃ، مصر (محمد زبیر)

اور چونکہ اس سے پہلے بھی حج صرورہ فی نفسہ تو مکروہ ہے، لیکن اگر کوئی کرلے تو ادا ہو جائے گا۔

اب اس کراہت کی نوعیت میں تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ اگر حج بدل کرنے والا ایسا شخص ہے کہ جس پر حج فرض تھا مگر اس نے نہیں کیا، تب تو اس کے لئے حج بدل کرنا مکروہ تحریمی ہے، اور حج کروانے والے کے لئے مکروہ تنزیہی ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۲۳۱)[1] اور اگر حج بدل کرنے والے پر حج فرض نہیں ہے تو دونوں کے لئے مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے۔ بہرحال افضل یہی ہے کہ حج بدل کسی شخص سے کرایا جائے جس نے اپنا حج کر لیا ہو، جیسا کہ عالمگیریہ میں ہے: والأفضل للانسان اذا أراد أن يحج رجلا عن نفسه أن يحج رجلا قد حج عن نفسه ومع هذا لو أحج رجلا لم يحج عن نفسه حجة الاسلام يجوز عندنا (عالمگیریہ ج ۱ ص ۲۵۷)[2] اور فتاویٰ قاضی خان میں ہے: قالوا وينبغي أن يكون الحاج رجلا حج مرة (فتاویٰ خانیہ ج ۱ ص ۲۶۰)۔[3]

اور تنقیح حامدیہ میں ہے: يجوز لمن لم يكن حج عن نفسه أن يحج عن غيره لكنه خلاف الأفضل. (العقود الدرية ج:۱ ص:۱۳)۔[4]

الغرض ان اور ان جیسی دوسری نصوص سے یہ بات تو پایۂ ثبوت تک پہنچ گئی ہے کہ حج صرورہ عن الغیر خلاف اَولیٰ ہے، لیکن ادا ہو جاتا ہے۔

رہا یہ مسئلہ کہ اگر کوئی صرورہ حج بدل کرے تو اس پر اپنا حج فرض ہو جاتا ہے یا نہیں؟ سو اس سلسلے میں فقہاء کے درمیان اختلاف نظر آتا ہے، حتیٰ کہ کئی علماء نے اس پر مستقل رسالے لکھے ہیں، جن میں سے سید عبد غنی نابلسی اور سید احمد بادشاہ رحمہما اللہ کے رسالوں کا ذکر علامہ شامی رحمہ اللہ نے کیا ہے۔ (العقود الدریہ ج:۱ ص:۱۳،[5] وشامی ج:۲ ص:۲۳۲)۔[6]

اور یہ اختلاف بھی متقدمین میں نہیں ہے، بلکہ مشائخ متاخرین میں ہے، جیسے کہ علامہ حامد آفندی حمادیؒ کے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے: وهل يجب عليه ان يمكث بمكة حتى يحج عن نفسه لم أره الا في فتاوى أبي السعود (تنقیح حامدیہ ج ۱ ص ۱۳)۔[7]

---

(۱) ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۰۳ (طبع سعید)
(۲) ج:۱ ص:۲۵۷ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
(۳) الفتاوى الخانية على هامش الهندية ج ۱ ص:۳۰۷ (طبع مكتبه رشيديه كوئٹه)
(۴) كتاب الحج ج ۱ ص ۱۴ (طبع دار المعرفة، بيروت).
(۵) كتاب الحج ج:۱ ص:۱۴۰ (طبع دار المعرفة، بيروت)
(۶) ج:۲ ص:۶۰۳ (طبع سعید)
(۷) ج ۱ ص ۱۳

تنقیحِ خلاف

محمع الأنہر کے مصنف تحریر فرماتے ہیں ویجوز احجاج الصرورة ... ولکن یجب علیه عند رؤیة الکعبة الحجُّ لنفسه وعلیه أن یتوقف إلی عامٍ قابلٍ ویحجّ لنفسه أو أن یحجّ بعد عوده أهله بماله وإن فقیرًا فلیحفظ والناس عنه غافلون (مجمع الأنہر ج ۱ ص ۳۰۹)[1]۔

ملا علی قاری نے بھی شرح منسک کبیر میں اس کی تائید فرماتے ہوئے لکھا ہے انه بوصوله لمکة وجب علیه الحجّ (بحوالہ العقود الدریۃ ج ۱ ص ۳)[2] سید احمد بادشاہ رحمہ اللہ نے بھی ایک مستقل رسالہ لکھ کر اس کی تائید کی ہے، جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ (بحوالہ مذکورہ)[3]۔

علامہ ابن حمزہ نقیب نے بھی نہج النجاۃ میں اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۲۳۲)[4] علامہ ابو السعود[5] اور صاحب سکب الأنہر نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے۔ (ردّ المحتار ج ۲ ص ۲۳۲)[6]۔

اس کے برخلاف مندرجہ ذیل علماء وفقہاء رحمہم اللہ نے عدمِ وجوب کا قول اختیار کیا ہے

۱- علامہ سید عبدالغنی نابلسی رحمہ اللہ نے اس مسئلے پر مستقل رسالہ لکھ کر ثابت کیا ہے کہ حج واجب نہ ہوگا، (العقود الدریۃ ج ۱ ص ۱۳[7] و شامی ج ۲ ص ۲۳۲)[8]۔

۲- علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ نے ردّ المحتار میں اسی قول کو راجح اختیار کیا ہے، (ملاحظہ ہو شامی ج ۲ ص ۲۳۲)[9]۔

واجب کہنے والوں کے دلائل

جہاں تک احقر نے جستجو کی ہے، واجب کہنے والوں کے دلائل مجموعی اعتبار سے یہ نظر آتے ہیں۔

۱- حج بدل کرنے والا ایک مرتبہ کعبہ مشرفہ تک پہنچنے پر قادر ہو چکا، لہٰذا "من استطاع الیه سبیلا"[10] میں داخل ہونے کے سبب اس پر آئندہ سال حج فرض ہو جائے گا۔

۲- جیسا کہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے، علامہ ابن حمزہ نقیب نے نہج النجاۃ میں یہ

---

(۱) ج ۱ ص ۳۵۶ (طبع دار الکتب العلمیة، بیروت)　(۲) ج ۱ ص ۱۳۰ (طبع دار المعرفة، بیروت)
(۳) ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۰۳ (طبع سعید)
(۴) ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۰۳ و ۶۰۴ (ایضاً)
(۵) [illegible]

(حاشیہ از حضرت والا دامت برکاتہم)

(۶) ج ۲ ص ۶۰۳ (طبع سعید)
(۷) کتاب الحج ج ۲ ص ۱۳۰ (طبع دار المعرفة، بیروت)
(۸) ج ۲ ص ۶۰۴ (طبع سعید)　(۹) ج ۲ ص ۶۰۴ (طبع سعید)
(۱۰) سورة آل عمران ۹۷　(۱۱) ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۰۴ (طبع سعید)

[illegible] الصرورة لانه ترک فرض الحج [illegible]
[illegible]
دُوسرے کا حج کرنے میں مشغول ہے۔

۳- [illegible] الفقیر [illegible] الی مکة [illegible] فی حقه [illegible] لم یکن عاجزاً عن المشی. (ردّ المحتار ج:۲ ص:۱۹۵)۔[2]

ایک [illegible] فقیر [illegible] میقات تک [illegible] صرورہ فقیر کا حکم بھی یہی ہوگا۔

قائلین وجوب کے جوابات

[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

غرض [illegible] حج پر دلیل بنا کر پیش کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا، بلکہ یہ تو عدم وجوب پر دال ہے جیسے کہ ہم ان شاء اللہ عنقریب بیان کریں گے۔

---

(۱) ردّ المحتار ج ۲ ص ۶۰۳ (طبع سعید) (۲) ج ۲ ص ۴۶۰ (ایضاً)

رہی دوسری دلیل سو اس مسئلہ میں دو حضرات فقہاء کے بارے میں ہیں، جیسے علامہ ابن ہمام کا صحیح کی بنا پر ہے کہ صاحب بدائع کا یہ جملہ نقل کرنے کے بعد حج صرورہ کی صحت پر تبدیل ت پیش کیا ہے: "والذي يقتضيه النظر أن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة فهو مكروه كراهة تحريم لأنه يتضيق عليه الحج" (فتح القدير ج ۲ ص ۳۲۱)[۱] اور علامہ شامی نے بھی ان کی عبارت کو اور دوسری ترجیح نقل کی ہے، (ملاحظہ ہو رد المحتار ج ۲ ص ۳۳۱، ۳۳۲)۔[۲]

باقی رہی تیسری دلیل تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ صرورہ فقیر قادر بقدرۃ غیرہ ہے، اور قدرت بقدرۃ غیرہ معتبر نہیں، بخلاف آفاقی فقیر کے کہ وہ قادر بقدرۃ نفسہ ہے، اس لیے ایک دوسرے پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی نے جہاں آفاقی فقیر کا مسئلہ بیان فرمایا ہے وہاں اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ: "المأمور بالحج إذا وصل إلى مكة لزمه أن يمكث ليحج حج الفرض عن نفسه لكونه صار قادرا على ما فيه" (شامی ج ۲ ص ۱۹۵)[۳] لیکن باب الحج عن الغیر میں انہوں نے اس دلیل کو رد کیا ہے، (شامی ج ۲ ص ۳۳۲)۔[۴]

عدمِ وجوب پر دلائل

۱- وہ روایت جو فقہاء وجوب کے سلسلہ میں تحریر کی گئی ہیں، وہ اصل عدم وجوب پر دال ہے، کیونکہ ان میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حج فرض ہونے پر اس وقت فرض ہوتا ہے جبکہ حج کی قدرت ہو، اور صرورہ فقیر اس میں داخل نہیں ہوتا جیسے کہ ... ہے تو تحقیق ہے ... کہ قرآن کی آیت ... میں کوئی فرق نہیں، اور صرورہ فقیر "من استطاع إليه سبيلا"[۵] میں داخل نہیں، لہذا آمر کے مال کی وجہ سے اس پر حج فرض نہیں ہوتا، اور اگر یہ کہا جائے کہ ... تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی قدرت بقدرۃ غیرہ ہوگی، جو معتبر نہیں۔

۲- "لا يكلف الله نفسا إلا وسعها"[۶] صحیح الاعتبار ... میں صرورہ فقیر ... کی ... ہے ... اس

(۱) ج ۳ ص ۷۹ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
(۲) رد المحتار ج ۲ ص ۶۰۳ (طبع سعید)
(۳) ج ۲ ص ۴۶۰ (طبع سعید)
(۴) ج ۲ ص ۶۰۳ (ایضاً)
(۵) سورۃ آل عمران ۹۷
(۶) سورۃ البقرہ ۲۸۶

کا حاصل یہ ہے کہ [illegible] دونوں میں سے کسی ایک شق کو اختیار کرے تو جائز ہے [illegible] مقصد [illegible]
[illegible] فرض ہونے کا حکم [illegible] تو یہ تکلیف [illegible] ہے، کیونکہ وہ
اس کی وسعت نہیں رکھتا، اور وہ مذکورۃ الصدر آیت کی رُو سے صحیح نہیں۔

اس آیت میں "لا وسعھا" کے الفاظ بھی خاص قابلِ غور ہیں، کیونکہ یہاں وسعت کا لفظ
استعمال کیا گیا ہے، امکان کا نہیں، [illegible] وہ شبہ بھی [illegible] ہو جاتا ہے [illegible] میں وسعت
تھا کہ وہ قرض لے کر جا سکتا ہے۔

۳- [illegible] وسعت ہے، تو اس میں [illegible]
نہیں کہ مشقت اور حرج [illegible] ہے [illegible] وغیرہ کے خلاف ہونے کے سبب احکامِ شرعیہ
میں تخفیف کا باعث بنتا ہے۔

[illegible] مشقت [illegible] معتبر نہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ
[illegible] المشقة والحرج انما تعتبر في موضع لا نص فيه (الاشباه والنظائر
ج ۱ ص ۱۱۷)[2]۔

[illegible]
[illegible] فتاویٰ میں [illegible] لم اره لا في
فتاوى ابي السعود (ج ۱ ص ۳[illegible]) [illegible]
نہیں آتا۔

خلاصہ

[illegible]
[illegible] واجب نہیں ہوتا۔ هذا ما ظهر لي بعد بحث وتفتيش ونظر وتمحيص
[illegible] عند الله اللطيف الخبير، اذ هو اعلم بما هو الصواب واليه المصير
[illegible] الحمد لله رب العالمين والسلام على المرسلين والعاقبة للمتقين

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر العباد محمد تقی العثمانی
عفر الله له وهداه الى الصواب
[illegible]

(۱) في صحيح البخاري باب الذين [illegible] الحج ج ۱ ص ۱۰ (طبع قديمي كتب خانه) عن ابي هريرة عن النبي
[illegible]
والروحة وشيء من الدلجة

(۲) ص ۲۲ (طبع سعيد)　(۳) ج ۱ ص ۱۴ (طبع دار المعرفة، بيروت)

(۴) یہ فتویٰ حضرت [illegible] دامت برکاتہم کے درجۂ تخصص (تمرین افتاء) کی کاپی سے لیا گیا ہے۔ (محمد زبیر حق نواز)

۱:- بیماری کی وجہ سے کسی دُوسرے کو حج بدل پر بھیجنے کا حکم

۲:- جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہو اسے حج بدل پر نہیں بھیجنا چاہئے

سوال ۱ – پچھلے دو سال سے مرض انسداد کی تکلیف میں مبتلا ہوں، تکلیف برداشت کرسکتا ہوں؟ ہیں، مگر دور چل پھر نہیں سکتا ہوں، اس حالت میں اپنی اہلیہ کو حج بدل میں بھیج سکتا ہوں یا نہیں؟ جبکہ ان کا کوئی محرم نہیں؟ (۲) دونوں کا حج اور اپنا نفل میں ہوگا یا نہیں؟ یا میرا حج ہوگا اور اہلیہ کو صرف ثواب ملے گا؟

جواب ۱ – اگر آپ اتنے بیمار ہیں کہ حج خود ادا نہیں کرسکتے تو کسی کو حج بدل پر بھیج سکتے ہیں، لیکن کسی ایسے شخص کے ذریعے حج بدل کرائیں جو خود اپنا حج کرچکا ہو۔[۲] جس شخص نے اپنا حج نہ کیا ہو اسے حج بدل پر بھیجنا مکروہ ہے،[۳] البتہ اگر بھیج دیا تو حج ادا ہوجائے گا۔

۲ – آپ کی اہلیہ نے اگر اپنا حج نہیں کیا تو ان سے اپنا حج بدل نہ کرائیں، ہاں اگر وہ اپنا حج کرچکی ہیں تو انہیں محرم کے ساتھ حج بدل پر بھیج سکتے ہیں۔[۴]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۹/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳۱۰/۲۷ ھ)

والدہ مرحومہ کے لئے نفلی حج کا حکم

سوال – اگر کوئی شخص اپنا حج پہلے کرچکا ہو تو دوسرے حج کے موقع پر اپنی والدہ مرحومہ کے لئے حج کرسکتا ہے؟

جواب جی ہاں کرسکتا ہے۔[۵]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۸۸/۹/۲۱ھ

۱:- حج بدل میں تمتع کا احرام باندھنے کا حکم

۲:- کیا حج بدل کرنے سے حج فرض ہوجاتا ہے؟

سوال ۱ – زید نے حج بدل میں تمتع کا احرام باندھا تھا، ورثہ نے کہا حج بدل میں قران کا احرام میقات سے باندھنا چاہئے۔

---

(۱) وفی الہندیۃ ج ۱ ص ۲۵۹ ... العجز الدائم الی الموت ... الحج

(۴،۳،۲) ان مسائل کی مکمل تفصیل اور دلائل کے لئے پچھلا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

(۵) وفی الغنیۃ ص ۱۷۲ تبرع الولد بالاحجاج او بالحج بنفسہ عن احد ابویہ اذا مات وعلیہ حج الفرض ولم یوص بہ مندوب الیہ جدا وفی التاتارخانیۃ ج ۲ ص ۲۶۳ من مات وعلیہ فرض الحج ولم یوص بہ لم یلزم الوارث أن یحج عنہ وان احب أن یحج عنہ حج، وارجو أن یجزیہ ان شاء اللہ تعالیٰ لخ (محمد زبیر حق نواز)

۲- اور یہ حج بدل کرنے والے پر حج فرض ہو جاتا ہے، جبکہ پہلے اس پر فرض نہیں تھا؟ حج بدل سے پہلے یا بعد میں؟ صورت مذکورہ میں احرام تمتع کا ہوگا یا قران کا ... [illegible]

جواب: [illegible] (۱) [illegible]

... [illegible] ... والقرآن والسبع والحجة على الحاج ان اذن له الامر بالقران والسبع ولا فتصير مخالفا فتصير (الدر المختار مع الشامی ج ۲ ص ۳۳۹) فلو امره بالافراد او بعمرة فقرن او تمتع ونو للسب لم يقع حجه عن الامر وضمن النفقة (حاشية ... ج ۳ ص ۱۱)۔

۳- [illegible] ... (العقود الدریة ج ۱ ص ۱۳۰(۳) وشامی ج ۲ ص ۲۳۳)۔(۴)

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۲/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۵ / ۸ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

کیا ضعیف شخص کسی دوسرے کو اپنی جگہ حج کے لئے بھیج سکتا ہے؟

سوال: [illegible]

جواب: [illegible]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۲/۱۲/۲ھ
(فتویٰ [illegible])

(۱) ج ۲ ص ۶۱۱ (طبع سعید)

(۲) ج ۳ ص ۶۳ (طبع رشیدیہ کوئٹہ) نیز اس مسئلہ کی مزید تفصیل وتحقیق کے لئے امداد الاحکام ج ۲ ص ۱۸۲ تا ۱۸۷ ملاحظہ فرمائیں۔

(۳) [illegible]

(۵) فی الدر المختار ج ۲ ص ۵۹۸ (طبع سعید) حج الفرض تقبل النیابة عند العجز فقط [illegible]
وفی [illegible] قد حج عن نفسه

فصل فی المسائل المتفرقة المتعلّقة بالحجّ

(حج سے متعلق متفرق مسائل کا بیان)

اگر ایام حج میں عورت کو حیض آجائے تو وہ کیا کرے؟

سوال — اگر کوئی عورت حج کرنے چلی جائے اور ایام حج میں حیض آنا شروع ہو جائے تو وہ کیا کرے؟

جواب — طواف کے علاوہ حج کے تمام کام حالت حیض میں کر سکتی ہے، طواف زیارت پاک ہونے کے بعد کرے۔[1]

واللہ اعلم
۱۳۸۸/۵/۲۵ھ

مسجد نبوی میں چالیس نمازیں نہ پڑھنے سے حج میں کوئی فرق نہ ہوگا[2]

سوال — اگر کسی شخص کو عرب میں ملازمت کرتے ہوئے حج کرنے کا موقع مل جاتا ہے، لیکن حج ادا کرنے کے بعد فوراً ہی چھٹی ختم ہونے کے بعد واپس آنا پڑتا ہے، جس کی وجہ سے مدینہ منورہ میں چالیس وقت کی نمازیں ادا نہیں ہو سکتیں، اگر چھوڑ دیا جائے تو حج ادا ہو جائے گا؟

جواب — کوشش تو یہی کرنی چاہئے، امکان تک یہی کریں کہ چالیس نمازیں مکمل ہو جائیں، کیونکہ یہ سعادت عظمیٰ بار بار نہیں ملتی، لیکن اگر کسی مجبوری کی بنا پر چالیس نہ ہو سکیں تب بھی حج میں کوئی کراہت وغیرہ پیدا نہیں ہوتی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۸/۹/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹ب)

(۱) وفي الهداية ج:۱ ص ۲۶۵ (طبع شركت علميه ملتان) (باب التمتع) وإذا حاضت المرأة عند الاحرام اغتسلت وأحرمت وصنعت كما يصنعه الحاج غير أنها لا تطوف بالبيت حتى تطهر لحديث عائشة. وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند ج ۲ ص ۵۳۶

(۲) وفي الترغيب والترهيب ج ۲ ص ۳۹ (طبع مكتبة ...) عن أنس بن مالك عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: من صلى في مسجدي أربعين صلاة لا تفوته صلاة كتبت له براءة من النار ونجاة من العذاب وبرئ من النفاق. وكذا في مسند احمد ج ۳ ص:۱۵۵ رقم الحديث ۱۲۶۰۵ (طبع موسسة قرطبه، مصر)

جس کو حج کے لئے رقم دی ہو، اگر اس کا نام قرعہ میں نہ نکلے تو اس رقم کا کیا حکم ہے؟

سوال - کسی شخص نے کسی کو رقم دی کہ حج کروا دیجئے، یہ شخص حاجی ہے، اس نے کئی سال تک متواتر کوشش کی مگر اس کا نام حج کی فہرست میں نہ آسکا، پھر رقم والا زیادہ بوڑھا ہو گیا، ایسی صورت میں اب یہ رقم کس کی ہے؟

جواب - اگر یہ رقم دینے والے نے اپنی طرف سے یا کسی مردے کی طرف سے حج بدل کے لئے دی تھی تو یہ واپس کرنا واجب ہے، اور اگر بطور امداد کے تھی اور ہبہ کر دی تھی، تو واپس واجب نہیں۔

واللہ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۱۳ھ

کتاب النکاح

(نکاح کے مسائل)

فصل فی وعد النکاح

(منگنی کے مسائل کا بیان)

منگنی کی شرعی حیثیت اور منگنی کے بعد لڑکی کا نکاح سے انکار کرنا

سوال:- ایک مسلمان عورت یا مرد تین دفعہ قرآن شریف ہاتھوں میں لے کر عہد [illegible] وغیرہ بھی کر کے عہد کرے کہ زندگی میں اگر شادی کروں گی یا کروں گا تو تم سے، ورنہ نہیں، اگر دوسرے [illegible] سے شادی کروں تو قرآن میرے خلاف گواہی دے گا۔ کسی عورت نے ایک مرد سے تین دفعہ ہاتھ میں ہاتھ لے کر عہد کیا کہ آج سے [illegible] میں [illegible] میرے [illegible] کی آنکھوں میں قرآن مجید رکھ کر آپ سے رشتہ مانگا، [illegible] میری دوسری بیوی زندہ ہے، اس سے کوئی بچہ نہیں ہے، میرا اس سے قطع تعلق کرنے کا ارادہ ہے۔ بعد میں وہ اپنے [illegible] ہے اور تقریباً سب گھر والوں کے آگے [illegible] اور میرے [illegible] منگنی کی خوشی [illegible] میری والدہ سے وعدہ کیا کہ یہ چیزیں قبول کرتا ہوں تو سوچ سمجھ کر قبول [illegible] خوش [illegible] ہے۔ میری موجودگی میں میرے والد نے کہا کوئی بات نہیں ہے، اللہ مالک ہے۔ میں نے بہ خوشی قبول کر کے تمام باتوں کی تصدیق کی، پھر پانچ روز کے بعد میری والدہ نے میرے بڑے بھائی کو کہا [illegible] رکھ لے [illegible] والد نے قبول کیا ہے، میرے بھائی نے کہا [illegible] تمہارے مشورے سے [illegible] ہے، کیونکہ یہ منگنی کا سامان ہے۔ [illegible] کی شان میں بہت گستاخی کی اور کہا کہ اماں اگر یہ غیرت والے لوگ ہوتے [illegible] اس نے میری والدہ سے حقیقت معلوم کی، میری والدہ نے [illegible] میرے [illegible] مجھے بے غیرت کہہ [illegible] یہ بات [illegible] جب میں [illegible] تو کسی [illegible] سے زیادہ آپ کی عزت [illegible] میرے بھائی کی آنکھوں میں اپنی عزت [illegible] ([illegible]) [illegible] تم اپنے بھائی کی شادی [illegible] کے طور پر [illegible] ہوں اور اس رشتے سے [illegible] تم سے میں [illegible] دے دیے، والد اور والدہ نے کچھ مشورہ [illegible] نہیں [illegible] میں

رشتہ دے دو، یسین وہ بار بار کہتا رہا کہ تم میری چھوٹی لڑکی اپنے لڑکے کے لئے لے لو، اس پر یسین سے کہا کہ اگر رشتہ دینا ہے تو بڑی لڑکی کا میرے لئے دو، ورنہ میں اپنی لڑکی تو آپ کو دے چکا ہوں۔ تین چار دن کے بعد آپس کے مشورے کے بعد میرے والدین میرا رشتہ دینے پر رضامند ہوگئے، اور میری والدہ نے میرے بڑے بھائی کو صاف لفظوں میں کہا کہ سوچ لو اپنے لئے، یہ لڑکی کا آخری فیصلہ ہے، بات بھی کی مجھ پر الزام نہ دینا کہ میں نے نہیں سمجھایا، اور یہ عہد دینا کہ لڑکی کا ساتھ دینا پڑتا ہے۔

چنانچہ میرے والدین لڑکی کے چچا کے گھر گئے، یسین سے کہا، پھر یسین نے قبول کر لیا۔ جس کے بعد یسین نے اپنی لڑکی کی منگنی کا اعلان میرے حقیقی ماموں، بڑے بھائی اور میری والدہ اور دیگر عزیزوں کے سامنے کر دیا، ڈھول وغیرہ بھی کی گئی، بعد میں یسین کی حالت خراب ہوگئی، اس کے رشتہ دار طاقت ور ہیں، اس کی لڑکی کو سب اجرت پر گھر لے گئے، بعد میں یسین کی بیوی فوت ہوئی تو یسین اپنی لڑکی اور اپنے لڑکے کو بھی وہاں چھوڑ گیا، تین چار دفعہ لینے گیا تو انہوں نے کہا کہ جب تک منگنی نہیں توڑو گے، بچے واپس نہیں دیں گے۔ یسین نے کہا کہ میں قرآن اٹھا کر لڑکی دے چکا ہوں، میں قدم پیچھے نہیں ہٹا سکتا، میری زندگی میں میری لڑکی کا دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا، میرے حق داروں نے یسین کا پورا ساتھ دیا، لیکن یسین نے یہاں تک کہا کہ نکاح کا وقت آ گیا تو میں وہیں جا کر شادی کا پڑھوا دوں گا، لیکن میرے باپ اور بھائی نے انکار کر دیا، اور وہاں کے مفتی سید احمد صاحب سے فتویٰ منگوایا، انہوں نے لکھ دیا کہ نابالغ لڑکی کا باپ جس جگہ اور جس وقت چاہے نکاح کر سکتا ہے، میرے بھائی اور باپ نے اس پر بھی غور کیا، میں اب بالغ ہوں اور میں اپنی مرضی کی خود مختار ہوں، اس کے علاوہ میں نے خود تین دفعہ قرآن اٹھا کر عہد کیا ہے کہ میرا عہد مجھے عزیز ہے، اور مجھے قرآن اور ایمان عزیز ہے، یہ عہد پورا کرنا چاہئے یا نہیں؟ یہ بیان فرمادیں تاکہ سیدھے راستے پر چلنے میں کامیاب ہو جاؤں۔

جواب — شادی منگنی کی حیثیت ایک وعدے کی ہے، جس کا پورا کرنا واجب ہے، اور بغیر کسی عذر کے اس کی خلاف ورزی جائز نہیں، لہٰذا آپ بالغ ہونے کے بعد مختار ہیں کہ اگر یسین سے نکاح کرنے میں آپ کو کوئی خرابی محسوس ہوتی ہو تو انکار کر سکتی ہیں، لیکن اگر اس میں کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی تو اس کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کو پورا کرنا اور اس کے ساتھ نکاح کر لینا چاہئے۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۹/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۹۶۰/۲۹ ج)

---

(۱) وفي الدر المختار، كتاب النكاح ج: ۳ ص: [illegible] وإن [illegible] فوعد، وفي الشامية ص: [illegible] قال: هل أعطيتنيها [illegible] إن المجلس للوعد فوعد، وإن كان [illegible] فنكاح [illegible] كتاب [illegible] ج: ۳ ص: ۲۷۱.

(۲) وفي صحيح البخاري، كتاب الإيمان باب علامة المنافق ج: ۱ ص: ۱۰ طبع قديمي كتب خانه: عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان.

منگنی کی شرعی حیثیت اور کیا منگنی توڑنا جائز ہے؟

سوال:- عرض یہ ہے کہ میرے والدین نے پانچ سال قبل میری منگنی اپنے بہت قریب ترین رشتہ داروں میں کی، اور تین سال سے میں ملک سے باہر سعودی عرب میں تھا، اور اب میں ملک واپس آگیا ہوں، اور شادی بھی تیار ہے، لیکن میرے والدین اب عین وقت پر شادی کے حق میں نہیں ہیں، وہ کہتے ہیں کہ اگر تم نے اس جگہ شادی کی تو، تو ہمارا بیٹا نہیں رہے گا، جبکہ میں نے منانے کی بہت کوشش کی، معززین نے بھی بہت سمجھایا ہے، لیکن وہ نہیں مانتے، آخر میں مجبور ہوگیا، اب شریعت مطہرہ کی طرف رجوع کرتا ہوں، اس رشتہ ٹوٹنے پر دو بھائیوں سے قطع تعلق ہو جائے گا، جتنی میرے والدین اور سسرال میں، میرا خیال ہے کہ میں شادی کروں اور والدین کے حقوق بھی ادا کرتا رہوں، اور باقی بھائیوں کی زیادہ خدمت کی ہے اور کرتا رہوں گا، جبکہ والدین اس رشتے کے توڑنے پر زیادتی کر رہے ہیں، کوئی خاص شرعی وجہ بھی نہیں ہے کہ جس پر رشتہ چھوڑ دوں، اب آپ مجھے یہ بتایئے کہ میں کیا کروں؟

جواب:- منگنی نکاح کا وعدہ ہے،(۱) اور جب تک کوئی معقول عذر پیش نہ آئے، اس وعدے کو پورا کرنا دیانۃً ضروری ہے،(۲) البتہ اگر کوئی معقول عذر پیش آجائے تو منگنی توڑی بھی جاسکتی ہے، اب اگر آپ کے والدین کسی معقول عذر کی بناء پر منگنی ختم کرنا چاہتے ہیں، تو آپ ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں، اگر والدین کی بات معقول معلوم ہو اور کوئی عذر سامنے آجائے تو آپ ان کے کہنے پر عمل کرتے ہوئے منگنی ختم کرسکتے ہیں، لیکن اگر والدین کسی معقول عذر کے بغیر منگنی ختم کرنے پر اصرار کر رہے ہیں، تو آپ کے لئے اس معاملے میں ان کی اطاعت واجب نہیں ہے، ان کو حتی الامکان راضی کرنے کی کوشش کرتے رہیں، اور نکاح کرلیں، لیکن یہ فیصلہ کرنے سے پہلے یہ بات ذہن میں رکھیں کہ عموماً والدین اپنی اولاد کی بھلائی ہی کی بات سوچتے ہیں، لہٰذا ان کی بات کو سرسری طور پر نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴۰۸/۴/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۶۹۵/۳۹ ج)

منگنی کے بعد انکار کرنے کا حکم

سوال:- زید نے اپنی دختر کے بارے میں ایک مجلس میں بکر سے کہا کہ میں اپنی بچی آپ سے

---

(۱) وفي الدر المختار كتاب النكاح ج ۳ ص ۱۲ طبع سعيد وإن للوعد فوعد وفي الشامية ولو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح.

(۲) وفي صحيح البخاري كتاب الإيمان باب علامة المنافق ج ۱ ص ۱۰ طبع قديمي كتب خانه، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم قال آية المنافق ثلاث إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان.

[illegible]

[illegible]

جواب — [illegible]

[illegible]

[illegible]

الجواب صحیح　　　　احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ　　　　۱۳۸۷/۱۰/۳۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۲۹/۱۱۸ الف)

منگنی کے بعد انکار کرنے کا حکم

سوال — [illegible]

[illegible]

[illegible]

میں آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب — [illegible]

[illegible]　　واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۲/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۷۰/۱۲۸ الف)

معقول عذر کی بناء پر منگنی توڑی جاسکتی ہے

سوال — [illegible]

[illegible]

[illegible]

اُوپر شریعت کی رُو سے کوئی کفارہ لازم تو نہیں ہوتا؟

---

(۱) وفی الدرّ المختار کتاب النکاح ج ۳ ص ۱۲۰ (طبع سعید) وان للوعد فوعد. وفی الشامیۃ ص ۱۱ لو قال [illegible]

(۲،۳) دیکھئے امداد المفتیین ص ۵۸۲ تا ۵۸۴، سوال نمبر ۴۲۶ تا ۴۲۸۔

جواب — شرعاً منگنی کی حیثیت ایک وعدے کی ہے، اور حتی الامکان وعدے کی پابندی ضروری ہے، لیکن اگر کوئی معقول عذر پیش آجائے، مثلاً لڑکی اس لڑکے سے نکاح پر رضامند نہ ہو یا لڑکے کے اخلاق و عادات کے متعلق ایسی باتیں سامنے آئی ہوں جو پہلے معلوم نہ تھیں، تو منگنی کو توڑنا بھی جائز ہے، اور منگنی کے وقت اگر زبان سے کوئی قسم نہیں کھائی تھی تو اس پر کوئی کفارہ بھی واجب نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۸/۲۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۸ ۲۹ ج)

لڑکے کے طور طریق کا دُرست نہ ہونا، منگنی توڑنے کے لئے معقول عذر ہے

سوال — علاقہ راجستھان میں سائل کے جد کے دور سے ایک قدیم رسم چلی آرہی ہے، کہ ہم لوگ اپنے بچوں کی عالم شیرخوارگی و خوردسالی میں ہی منگنی اس طرح کر دیتے ہیں کہ بچوں کو چھٹی پہنادی جاتی ہے، اس رسم کو چھٹی پہنائی رسم کہا جاتا ہے، اس طرح دو بچوں کی نسبت طے کر دی جاتی ہے اور بلوغت پر ان کا عقدِ شرعی کردیا جاتا ہے۔

چنانچہ اسی علاقائی رسم کے مطابق سائل نے بچپن میں اپنی شیرخوار دختر حمیدہ (حمیدہ کی عمر ڈیڑھ سال تھی) کی نسبت چھوٹے شاہ ساکن ... والیت آباد ... سے (زاہد اس کی عمر پانچ سال تھی) منگنی طے کر دی تھی، اور رسم چھٹی پہنائی عمل میں لائی گئی تھی۔ اب دونوں بالغ ہیں، لڑکے کے طور طریق کو دیکھ کر سائل اس منگنی کو ناقابل قیام اور رشتہ مناسب کے قابل نہیں سمجھتا، اور شرعاً اس سے عقد کرنا نہیں چاہتا، کیا سائل اس نسبت کو منقطع کرنے کا حق دار ہے؟ یا یہ کہ دختر سائل کی مرضی کے خلاف اس سے عقد کرنے یا اس کو زوجہ بنانے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب — منگنی خواہ زبانی ہو یا عملی ہو (مثلاً صورت مسئولہ میں چھٹی پہنا کر) وہ نکاح نہیں بلکہ نکاح کا وعدہ ہے، جس سے کوئی عقد منعقد نہیں ہوتا،[۳۲۱] البتہ وعدے کی خلاف ورزی بلا عذر ناجائز ہے، اور کوئی عذر معقول ہو تو جائز ہے، اور لڑکے کے طور طریق کا درست نہ ہونا یا لڑکی کا اس رشتے پر راضی نہ ہونا عذر معقول ہے، اور اسی کی بنا پر اگر آپ منگنی ختم کر دیں تو اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں، لڑکے والوں کو اس رشتہ پر اصرار کا حق نہیں پہنچتا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۶/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۵۵۹ ۲۸ ب)

(۳۲۱) دیکھئے حوالہ سابقہ صفحہ نمبر ۲۳۰ کا حاشیہ نمبر ۳۲۱۔

خطبہ کسے کہتے ہیں؟ اور منگنی یا سلامتی کے عنوان سے اجتماع کی شرعی حیثیت

سوال:- شریعت اسلامیہ میں منگنی (یا سلامتی) کا کیا حکم ہے؟ اس کی صورت یہ ہے کہ لڑکے والا کسی لڑکی والے کے ہاں بذات خود یا کسی نمائندہ کے ذریعے نکاح کا پیغام دیتا ہے، اگر لڑکی والا اس پیغام کو قبول کر لیتا ہے تو لڑکے کے ماں باپ یا ذمہ دار حضرات لڑکی کے ماں باپ یا ذمہ دار حضرات سے اور نکاح کے سلسلے میں مہر کی مقدار اور نکاح کی تاریخ وغیرہ کی تعیین کرتے ہیں، گویا نکاح کی بات چیت پکی ہوگئی۔ اس کے بعد مزید تشہیر کے لئے نکاح کے دن سے قبل لڑکی والوں کے گھر منگنی (یا سلامتی) کے نام سے ایک دن مقرر کر کے ایک مجلس قائم کرتے ہیں جس میں اپنی اپنی حیثیت کے موافق پچاس، سو یا ہزار دو ہزار آدمی دونوں طرف کے متعلقین اور رشتہ داروں کو دعوت دی جاتی ہے، مقررہ تاریخ میں یعنی سلامتی کے دن جب سب لوگ جمع ہوجاتے ہیں تو ایک شخص کھڑے ہو کر اعلان کرتا ہے کہ یہ فلاں اور فلاں کی سلامتی ہے، فلاں کا لڑکا فلاں سے اور فلاں کی لڑکی فلاں سے اتنے اتنے مہر پر سلامتی ہوگئی ہے، اور لڑکی کے لئے مہر متعینہ زیورات یا روپیہ وغیرہ لڑکی والوں کو برسر مجلس سپرد کردیا جاتا ہے، اور لڑکی والے ان اسباب کو اپنی تحویل میں لیتے ہیں، اور جو سامان لڑکی کے لئے دیا جاتا ہے زیورات وغیرہ برسر مجلس لڑکی والے اس تمام سامان کی باضابطہ جانچ پڑتال کرتے ہیں اور اہل شرکاء میں سے بعض حضرات کو دکھایا جاتا ہے، اس کے بعد امام صاحب دعا کرتے ہیں اور لڑکی والوں کی طرف سے تمام شرکاء مجلس کو حسب حیثیت ضیافت کرتے ہیں۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ نکاح کا پیغام قبول کرنے کے بعد اور جانبین کی رضامندی سے نکاح کے سلسلے میں مہر کی مقدار اور نکاح کی تاریخ وغیرہ متعین کرنے کے بعد اس طرح سلامتی کے نام سے لوگوں کو جمع کر کے مجلس قائم کرنا جائز ہے یا نہیں؟ ہمارے یہاں کے ایک مستند عالم جو دارالعلوم دیوبند کے فارغ التحصیل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ جانبین کی رضامندی کے بعد اس طرح سلامتی کے نام سے مجلس قائم کرنا شرعاً جائز ہے، بلکہ موجب ثواب ہے۔ حدیث شریف میں جسے خطبہ کہتے ہیں، وہ اسی کو کہتے ہیں۔ اس عالم صاحب کا کہنا شرعاً صحیح ہے یا نہیں؟ صورت مسئولہ میں جو دو صورتیں پیش کی گئی ہیں، پہلی صورت کو خطبہ کہتے ہیں یا دوسری صورت کو؟

جواب:- شرعاً خطبہ کا حاصل صرف اتنا ہے کہ مرد یا اس کے اقارب، عورت یا اس کے اقارب کو نکاح کا پیغام دیں، اس غرض کے لئے کوئی اجتماع یا تحائف کا تبادلہ مطلوب نہیں ہے جو ہر

ضروری نہیں، لہٰذا منگنی یا سلامتی کی رسم، جس طریقے کا سوال میں ذکر کیا گیا ہے، اس کو سنت قرار دینا بالکل غلط ہے، بلکہ سنت سمجھ کر ایسا کرنا بدعت اور واجب الترک ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۳؍۲؍۱۴۰۲ھ

(فتویٰ نمبر ۸۔۳۰/۳۵ الف)

منگنی خطبۂ نکاح کے قائم مقام نہیں ہوسکتی

سوال: میری عمر ۷۲ سال کی ہوچکی ہے، اللہ نے تین فرزند اور بیٹیاں عطا کر رکھی ہیں، تین لڑکوں اور تین بیٹیوں کی شادیوں سے میرے مالک نے سبکدوش کر دیا ہے، اب صرف ایک چھوٹی بچی کا فریضہ ادا کرنا میرے ذمہ باقی ہے، اس لڑکی کی عمر ۲۹ سال ہے، صوم وصلوٰۃ کی پابند ہے، اور امورِ خانہ داری میں معقول مہارت رکھتی ہے، والدہ کی وفات کے بعد خاموش رہتی ہے، اور اس کی خاموشی مجھے شاق گزرتی ہے۔

میری رفیقۂ حیات کا ڈیڑھ سال ہوا کہ وہ انتقال کر گئی اور مناسب رشتہ کی تلاش کرتی رہی اور یہ حسرت دل میں لے کر چلی گئی، بچی کی افسردگی نے مجھے مجبور کر دیا ہے کہ اس کی شادی جلد کر کے اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں، چنانچہ ۱۹۷۶ء میں ایک قریبی رشتہ دار کی وساطت سے اس بچی کی منگنی کر دی گئی، جب لڑکے والوں کے رشتہ دار سے قریب میں شادی کا تقاضا کیا تو اس نے جواب دیا کہ ہم دو سال تک انتظار کریں ورنہ بصورت دیگر آپ جہاں چاہیں بچی کی شادی کر سکتے ہیں۔ ان ناگفتہ بہ حالات میں میرا ضمیر اس بات کی اجازت نہیں دیتا ہے کہ میں اس لڑکے کی [illegible] کروں، کیا رسم منگنی کو خطبۂ نکاح کا قائم مقام کیا جا سکتا ہے؟ اگر کوئی دوسرا اچھا رشتہ مل جائے تو کیا ہم اُس سے نکاح کر سکتے ہیں منگنی رُکاوٹ تو نہیں بنے گی؟

جواب: منگنی خطبۂ نکاح کے قائم مقام نہیں ہوسکتی، اور نہ شرعاً اس سے نکاح منعقد ہوتا ہے، وہ تو محض نکاح کا ایک وعدہ ہے،(۱) اور وعدے کی خلاف ورزی کسی عذر کے بغیر جائز نہیں،(۲) ہاں اگر کوئی عذر ہو مثلاً لڑکے میں کوئی عیب جو پہلے معلوم نہیں تھا اب معلوم ہو جائے، یا لڑکی اس رشتے و

(۱) وفي الدر المختار كتاب النكاح ج ۳ ص ۱۲ (طبع سعيد) وإن للوعد فوعد. وفي الشامية ص ۱۱: لو قال هل أعطيتنيها فقال أعطيت إن كان المجلس للوعد فوعد وإن كان للعقد فنكاح.

(۲) وفي صحيح البخاري مع فتح الباري ج ۱ ص ۸۹ (طبع قديمي كتب خانه) عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: آية المنافق ثلاث، إذا حدث كذب وإذا وعد أخلف وإذا اؤتمن خان (الحديث)

نہ ہو سکے تو ایسی صورت میں منگنی توڑ دینا جائز ہے، لیکن [illegible] فریق ثانی کو [illegible] دینی ضروری ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۶/۲۳ھ

(فتویٰ نمبر [illegible])

منگنی کے عوض لڑکی والوں کا رقم وصول کرنا

سوال: ایک شخص [illegible] اپنے بیٹے کی [illegible] منگنی [illegible] لڑکی [illegible] بعد [illegible] شادی [illegible] رقم [illegible] واپس [illegible] یا نہیں؟

جواب: بعض مقامات پر لڑکی کی منگنی کے عوض میں جو رقم لڑکی والے وصول کرتے ہیں [illegible] رشوت کے حکم میں ہے [illegible] رقم واپس [illegible] نکاح منعقد ہونے سے پہلے [illegible]

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۶/۱۰/۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳۲۹ / ۳۰ ب)

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے امداد المفتیین ص ۵۸۲ تا ۵۸۴، سوال نمبر ۳۳۶ تا ۳۳۸۔

(۲) وفی الدر المختار کتاب النکاح باب المهر ج ۳ ص ۵۶ (طبع سعید) أخذ اهل المرأة شيئاً عند التسليم فللزوج أن يسترده لأنه رشوة الخ وفی الهندية ج ص ۳۲۷ (طبع ماجديه) ولو أخذ أهل امرأة شيئاً عند التسليم فللزوج ان يسترده لأنه رشوة الخ

(۳) وفی الدر المختار ج ۳ ص ۱۵۱، ولو بعث الى امرأته شيئاً ولم يذكر جهة عند الدفع غير جهة المهر فقالت هو أى المبعوث هدية وقال هو من المهر أو من الكسوة أو عارية فالقول له بيمينه

فصل فی المحرّمات
(کس سے نکاح جائز ہے اور کس سے حرام؟)
(قرابت و رضاعت کے رشتوں کا بیان)

رضاعی بھتیجی اور رضاعی بھانجی سے نکاح جائز نہیں

سوال – ایک [illegible] بچہ [illegible] اور اس کی ماں کسی اور کام میں مصروف ہے، اس دوران بچے کی دادی آجاتی ہے اور وہ بچے کو اپنا دودھ پلا دیتی ہے، کیا اس کی وجہ سے بچے کی ماں اور باپ کے رشتے میں فرق آئے گا؟ اور بچہ کا باپ کیا اس کا رضاعی بھائی بن گیا؟

جواب – صورت مسئولہ میں اس بچے کی دادی اس کی رضاعی ماں بھی بن گئی، البتہ فرق یہ پڑے گا کہ پہلے اس دادی کی پوتیاں یا نواسیاں اس بچے کی چچازاد یا پھوپھی زاد بہنیں ہوتیں اور ان سے نکاح جائز ہوتا، لیکن اب اس کی رضاعی بھتیجیاں اور بھانجیاں بن گئیں اور ان سے نکاح جائز نہیں رہا۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۸/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر [illegible])

بیوی کا دودھ پینے سے بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال – زید نے اپنی بیوی کا دودھ غلطی سے پی لیا یا جان بوجھ کر پی لیا، دونوں صورتوں میں یہ فعل حرام ہے یا مکروہ؟ اور اس سے نکاح تو نہیں ٹوٹتا؟

---

(۱) وفي سنن ابي داؤد، كتاب النكاح، باب يحرم من الرضاعة ج ۱ ص: ۲۸۰ (طبع سعيد) عن عائشة زوج النبي صلى الله عليه وسلم ان النبي صلى الله عليه وسلم قال يحرم من الرضاعة ما يحرم من الولادة
وفي جامع الترمذي، باب ما جاء يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب ج [illegible] ص [illegible] طبع سعيد عن علي قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ان الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب وفي المشكوة، كتاب النكاح باب المحرمات ص [illegible] عن علي قال قلت يا رسول الله هل لك في بنت عمك حمزة فانها اجمل فتاة في قريش فقال له اما علمت ان حمزة أخي من الرضاعة، وان الله حرم من الرضاعة ما حرم من النسب، رواه مسلم

جواب – اپنی بیوی کا دودھ پینا جائز نہیں، لیکن اگر کوئی شخص پی لے تو اس سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔(۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۸/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۰۹/۷۰ ج)

رضاعی بہن سے نکاح جائز نہیں

سوال – مسماۃ حلیمہ کا دودھ محمد عمر اور محمد ہارون نے پیا ہے، مسماۃ حلیمہ، محمد عمر کی پھوپھی ہے، اور محمد ہارون کی حقیقی ماں ہے۔ اس کے بعد مسماۃ حلیمہ سے ایک لڑکی رشیدہ پیدا ہوئی، کیا رشیدہ کا نکاح محمد عمر کے ساتھ ہوسکتا ہے؟

جواب – صورت مسئولہ میں مسماۃ رشیدہ محمد عمر کی رضاعی بہن ہے، لہٰذا اس سے اس کا نکاح نہیں ہوسکتا۔(۳)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/ /۲۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲۲/۲۱ ب)

رضاعی بہن سے نکاح جائز نہیں

سوال – زبیر احمد نے شیر خوارگی کے عالم میں اپنی پھوپھی کا دودھ پیا تھا، دودھ صرف ایک ماہ پیا تھا، اس وقت ان کے چار بچے تھے، اب زبیر احمد جوان ہوچکا ہے، اور اس کی منگنی پھوپھی کی لڑکی (تسنیم و حمید) سے ہوئی ہے، اب یہ شادی شرعاً جائز ہوگی یا نہیں؟ اس کے علاوہ حمید کی منگنی زبیر کی بہن سے ہوئی ہے، کیا حمید کی شادی زبیر کی بہن سے جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب – صورت مسئولہ میں زبیر احمد تسنیم و حمید کا رضاعی بھائی ہے، لہٰذا تسنیم و حمید کا نکاح اس سے نہیں ہوسکتا، زبیر کی بہن نے چونکہ حمید کا دودھ نہیں پیا، اس لئے اس کا نکاح حمید سے ہوسکتا ہے۔(۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۲/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳۷/۲۸ الف)

---

(۱) وفي الدر المختار، كتاب النكاح، باب الرضاع ج ۳ ص: [illegible] (طبع سعيد) ولم يبح الارضاع بعد مدته، لأنه جزء آدمي والانتفاع به لغير ضرورة حرام على الصحيح

(۲) وفي الخانية على هامش الهندية ج ۱ ص [illegible] (طبع ماجدية كتب خانه) اذا مص الرجل ثدي امرأته وشرب لبنها لم تحرم عليه امرأته لما قلنا انه لا رضاع بعد الفصال

(۳، ۴) "حرمت عليكم أمهاتكم ... وأخواتكم من الرضاعة" (الآية) سورة النساء ۲۳

(۵) "وأحل لكم ما وراء ذلكم" (الآية) سورة النساء ۲۵

اغوا کنندہ کی پوتی سے مغویہ کے لڑکے کا نکاح درست ہے

سوال:- ایک مرد زید کی منکوحہ بیوی کو اغوا کر کے لے گیا، اور اپنے پاس دس سال تک رکھا، اس سے صحبت بھی کی جس کا وہ زانی بھی اقرار کرتا ہے، عورت بھی اقرار کرتی ہے، اب عورت پہلے خاوند کے پاس ہے، اور وہاں جو لڑکا پیدا ہوا تھا، اس کے بعد اب اس اغوا کنندہ مرد کی پوتی سے مغویہ کے لڑکے کا نکاح ہوا ہے، کیا یہ شرعاً جائز ہوا؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں حرمت کی کوئی وجہ شامل نہیں ہے، اس لئے اغوا کنندہ اور مغویہ کی اولاد کے نکاح میں کوئی رکاوٹ نہیں ہے، اغوا کنندہ کی پوتی سے مغویہ کے لڑکے کا نکاح درست ہو گیا۔(۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۱۰/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳۵۹/۱۰۲)

مرضعہ کی کسی بیٹی سے دودھ پینے والے کا نکاح نہیں ہو سکتا

سوال:- زید نے بنت عدی کا دودھ پیا، بنت عدی کے شکم سے بہت سی بچیاں ہیں، کیا زید شرعاً بنت عدی کی بچیوں میں سے کسی بچی سے شادی کر سکتا ہے؟

جواب:- اگر زید نے ڈھائی سال سے کم عمر کے اندر بنت عدی کا دودھ پیا ہے تو بنت عدی کی کسی بچی سے زید کا نکاح جائز نہیں، لقوله عليه السلام: يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب۔(۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۱/۱/۳۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲۴/۲۹ ب)

دُوسرے کی منکوحہ سے نکاح کا حکم

سوال:- زید نے ایک عورت اغوا کی، دوسری جگہ بکر سے دس ہزار روپے لے کر نکاح کر دیا، عورت نے خاوند کو علم نہ ہونے کا کہا، بکر وغیرہ گاؤں کے معززین اور نکاح خواں وغیرہ بھی عورت کی فروختگی میں برابر کے شریک تھے، جو بکر کے گاؤں کے تھے، انہوں نے جان بوجھ کر عورت دی کہ ہم زید کو جانتے ہیں، چنانچہ دونوں بکر کے گاؤں کی تھی، گاؤں کے معززین اور نکاح خواں

---

(۱) ويحل لأصول الزاني وفروعه، أصول المزني بها وفروعها (رد المحتار باب المحرمات ج ۳ ص ۳۲)

(۲) سنن ترمذي ج ص ۲۱۷ (طبع سعيد) وكذا في سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب يحرم من الرضاعة ج ص ۲۸۰ (طبع سعيد) وفي الهداية كتاب الرضاع ج ص ۳۴۳ (طبع ماجديه) يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعاً الخ

چنانچہ اس نے دونوں سے نکاح کے لئے مدعو کیا، عورت سے بیان لیا گیا کہ کیا تم کسی دباؤ سے تو نکاح نہیں کر رہی ہو؟ عورت نے رضامندی کا اظہار کرتے ہوئے نکاح کی اجازت دی، یہ عورت اپنے فوت شدہ بھائی کی بیوی بتاتا تھا، اور عورت نے بھی اس کی تصدیق کی، اس واقعے کے تیسرے روز اس سے قبل شخص مذکور نے معہ پولیس چھاپہ مار کر عورت کو برآمد کیا اور بتایا کہ یہ میری بیوی ہے اور اس کے بچے موجود ہیں۔ اب فرمایئے کہ زید جس نے عورت کو اغوا کیا وہ وکیل تھا اس کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ ۲۔ گواہوں کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ ۳۔ نکاح خواں جبکہ شادی شدہ ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ ۴۔ گواہان اور نمبردار جس نے بیانات لئے اور نکاح کی اجازت دی ان کا کیا حکم ہے؟ ۵۔ اور جنہوں نے اس فعل شنیع میں حصہ لیا اور انہیں علم بھی تھا ان کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں بکر کی منکوحہ عورت کا جو نکاح کیا گیا وہ شرعاً باطل محض ہے[۱]، اور زید جس نے عورت کو اغوا کر کے بکر سے اس کا نکاح کیا وہ سخت گناہ گار ہوا، اور جن جن لوگوں نے جان بوجھ کر اس نکاح میں حصہ لیا وہ بھی سخت گناہ گار ہوئے، البتہ جن لوگوں نے بے خبری کی بنا پر نکاح میں شرکت کی وہ معذور ہیں[۲]، اور مذکورہ گناہ کے لئے شریعت میں کوئی حد مقرر نہیں، قاضی اپنی صوابدید کے مطابق اس پر سزا جاری کر سکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰/۱/۱۳۹۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۳۸/۲۷ و)

کسی غیر کی بیوی سے نکاح کرنے کا حکم

سوال: ایک آدمی نے اپنی چھوٹی لڑکی دوسرے آدمی کے چھوٹے لڑکے سے نکاح کر کے دے دی، اب ایک تیسرے مولوی صاحب نے خفیہ طور پر اپنے لئے نکاح پڑھوایا، اور اب وہ لڑکا لڑکی تیرہ اٹھارہ سال کے ہیں، اور مولوی صاحب نے اس لڑکی کو اپنے گھر میں رکھا ہے، اور لڑکا اپنی منکوحہ کو طلاق نہیں دیتا، اب سوال یہ ہے کہ مولوی صاحب کا نکاح ثانی صحیح ہوا یا غلط؟ اور نکاح اول صغر سنی کی وجہ سے لیکن دونوں کے ولیوں نے کروایا، صحیح ہوا یا نہیں؟

جواب: پہلا نکاح صحیح ہوا، اور ثانی نکاح مولوی صاحب کا باطل کالعدم ہے[۳]، ان سے چاہئے

---

(۱) وفي تفسير القرطبي ج ۲ ص [illegible] تحت قوله تعالى والمحصنات من النساء [illegible] حرمت عليكم المحصنات من النساء [illegible] عدتها من الوفاة أو الطلاق. وفي الدر المختار ج ۳ ص ۲۸ أسباب التحريم أنواع، قرابة، مصاهرة، رضاع ... وفي الهندية كتاب النكاح الباب الثالث القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير ج ۱ ص ۲۸۰ (طبع ماجديه) لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة

(۲) دیکھئے کفایت المفتی جواب نمبر ۱۰ ج ۵ ص ۳۵۰ (جدید ایڈیشن دار الاشاعت)

(۳) دیکھئے حاشیہ نمبر ۱۔

[illegible]

[illegible]

تک اس کو امام بنانا جائز نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۲/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۳۱/۱۸ الف)

باپ کی منگیتر سے اس کے انتقال کے بعد خود نکاح کرنے کا حکم

سوال:- زید کی بیوی وفات پا گئی، اس بیوی سے زید کا ایک لڑکا موجود ہے، زید نے دوسری جگہ منگنی کی، نکاح ابھی نہیں ہوا تھا کہ اب زید انتقال کر گیا، کیا زید کا لڑکا اس عورت سے نکاح کر سکتا ہے جس سے زید نے منگنی کی تھی؟

جواب:- اگر زید نے اس لڑکی سے صرف منگنی کی تھی، باقاعدہ نکاح نہیں ہوا تھا، تو زید کے لڑکے کے لئے اس سے نکاح جائز ہے، لیکن اگر نکاح ہو گیا تھا تو جائز نہیں۔ خوب سمجھ لیجئے کہ نکاح کا مطلب یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں مرد و عورت میں سے کوئی ایک یہ کہے کہ میں نے فلاں سے نکاح کیا یا کر دیا اور دوسرا جواب میں کہے کہ میں نے قبول کیا، اور منگنی صرف وعدۂ نکاح کو کہتے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

الجواب حق
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۹/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۹۲۳/۲۳ ب)

منکوحہ غیر مدخول بہا کی لڑکی سے شوہر کے نکاح کا حکم

سوال:- مسماۃ ہندہ کا شوہر وفات پا گیا اور اس شوہر سے ایک لڑکی مسماۃ رابعہ ہے، ہندہ نے دوسری جگہ شادی کی، مگر قبل دخول کے ہندہ وفات پا گئی یا قبل دخول کے شوہر نے ہندہ کو طلاق دے دی، کیا اس شوہر کا نکاح مسماۃ رابعہ سے جو اس منکوحہ غیر مدخول بہا کی لڑکی ہے، درست ہے یا نہیں؟

جواب:- صورت مسئولہ میں رابعہ کے ساتھ ہندہ کے شوہر کا نکاح درست ہے، کیونکہ ہندہ

---

(۱) وفی الدر المختار ج:۳ ص:۱۱ ... للوعد فوعد وفی ... کان المجلس للوعد فوعد، وان کان للعقد فنکاح

(۲) "ولا تنکحوا ما نکح اٰباؤکم من النساء" (الآیۃ) سورۃ النساء ۲۲ وفی الهداية ج:۱ ص:۲۷۳ نساء الاباء ... فصل فی المحرمات وتحرم موطوءات آبائه واجداده وان علم ولو بزنا والمعقودات لهم علیهن بعقد صحیح

کے ساتھ اس کا دخول نہیں ہوا، قرآنِ کریم میں ہے: "وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُم مِّن نِّسَائِكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُم بِهِنَّ فَإِن لَّمْ تَكُونُوا دَخَلْتُم بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ"(۱) ۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح — احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ — ۱۳۸۸/۹/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳ ۱۱۹ الف)

منکوحہ غیر مطلقہ سے کسی غیر کے نکاح کا حکم

سوال — [illegible] فیصلہ میں دے دیا ہے، اور قوم کو پورے اختیارات دے دیئے کہ قوم جو چاہے کرے، قوم کا ... ہے، اس کے بعد قوم نے ایک شخص کو جو کہ قوم کا صدر بھی ہے، اسے قوم نے اپنا امین سمجھتے ہوئے بطور امانت رکھ دی، لیکن اس امین نے بغیر قوم سے دریافت کئے ہوئے لڑکی کا نکاح اپنے تعلق والے کسی لڑکے سے کر دیا، لہٰذا اس میں امین کا ذاتی فائدہ تھا، آیا شرع میں اس شخص کو اپنا امین سمجھا جائے یا نہیں؟

جواب — صورتِ مسئولہ میں جب لڑکی کا نکاح اپنے شوہر سے قائم تھا، تو صدر نے تحقیق سے اس کا نکاح کر کے سخت گناہ کا کام کیا،(۲) یہ نکاح باطل اور حرام ہے،(۳) لڑکی کا نکاح بدستور اپنے شوہر سے قائم ہے، جس شخص نے یہ حرکت کی ہے توبہ استغفار کرنا چاہئے اور جب تک وہ اپنی اصلاح نہ کرے مسلمانوں کو اسے کوئی ذمہ داری کا عہدہ دے رکھنا نہیں چاہئے، بشرطیکہ وہ واقعات درست ہوں جو سوال میں تحریر کئے گئے ہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

[illegible] ۱۳۹۰ھ

(فتویٰ نمبر ۸۲۳ ۱۲۱ الف)

صرف پستان منہ میں لینے سے رضاعت ثابت نہیں ہوتی

سوال — ہم سات بہن بھائی تھے، تین برادر ایک بہن ہماری ماں ... زاد تھی، [illegible] ... ان سے چھوٹے تھے، [illegible] باپ سے

---

(۱) سورۃ النساء ۲۳۔

(۲) وفی الہندیۃ کتاب النکاح [illegible] ص ۲۸۰ [illegible] لا یجوز [illegible] وکذلک المعتدۃ ... الخ وکذا فی کفایت المفتی ج ۵ ص ۲۸۵ (دار الاشاعت [illegible])

(۳) [illegible] معدا اصلا

شادی کی بعد تین چار ماہ بعد سالی والد فوت ہوگئے، ان کی پرورش دادی کے ذمہ تھی، دودھ گائے کا فیڈر کے ذریعہ پیتا تھا، اس وقت میری والدہ صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ تھی، بدن پر خون گوشت کا تنکا بھی نہ تھا، کبھی کبھی دادی والدہ کی حرمت پوری کرنے کے لئے بچہ کو دیتی کیونکہ وہ چیختا چلاتا تھا چپ کرا دیتی لیکن قسم سے پستانوں سے دودھ کہاں پانی بھی نہیں نکلتا تھا، میرے بھائی محمد نواز کی لڑکی جوان ہے، میرا لڑکا جس کی عمر دو سال بڑا زاد چچا کے گھر تیس سال کا شادی شدہ ہے، اولاد سے محروم ہے، میرے بھائی کی لڑکی میرے لڑکے کے ساتھ نکاح میں کوئی خلل تو نہیں جائز ہے؟

جواب - اگر یہ صحیح ہے کہ آپ کے لڑکے نے آپ کی والدہ کے صرف پستان منہ میں لئے اور دودھ نہیں نکلا تھا تو آپ کے لڑکے کی شادی آپ کے بھائی کی لڑکی سے ہوسکتی ہے۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۴۰۱/۱/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲/۱۷۹۳ ج)

رضاعی بھانجے سے نکاح کا حکم

سوال - ہندہ کا دودھ اس کی حقیقی پوتی نے پیا، تو کیا ہندہ کے حقیقی نواسے یعنی ہندہ کی سگی بیٹی کے لڑکے سے اس دودھ پینے والی لڑکی کا نکاح جائز ہے؟

جواب - صورت مسئولہ میں ہندہ کی پوتی کا نکاح ہندہ کے نواسے سے نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ نواسہ لڑکی کا رضاعی بھانجا ہے۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۹/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۷۰۸/۲۷ ج)

رضاعی چچا سے نکاح کا حکم

سوال :- جمال خان کے دو فرزند ہیں، غلام علی اور نورالدین۔ غلام علی کی زوجہ زینت کا دودھ نورالدین نے پیا ہے جنت کے ساتھ، جنت غلام علی کی بیٹی ہے، اب غلام علی کا بیٹا عبدالکریم جو جنت بہن کے بعد غلام علی کے ہاں پیدا ہوا ہے، یہ عبدالکریم اب نورالدین کی بیٹی فاطمہ سے نکاح کرنا

---

(۱) وفي الهندية كتاب النكاح باب الرضاع ج ۳ ص ۲ ... طبع سعيد، ولو أدخلت حلمتها في فم صبي وشكت في الارتضاع لا تثبت الحرمة بالشك. وفي الدر المختار كتاب النكاح باب الرضاع ج ۳ ص ۲۱۲ فلو التقم الحلمة ولم يدر أدخل اللبن في حلقه أم لا؟ لم يحرم

(۲) حرمت عليكم أمهاتكم وبناتكم ... وبنات الأخ وبنات الأخت الآية سورة النساء ۲۳ وفي الحديث عن علي رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن الله حرم من الرضاعة ما حرم من النسب (جامع الترمذي، ابواب الرضاع باب ما جاء يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب ج ۱ ص ...) ... كفايت المفتي (جديد ايڈيشن دارالاشاعت) ج ۵ ص ۲۰ ... وفتاوى دار العلوم ديوبند ج ۷ ص ۳۰۱.

چاہتا ہے، کیا یہ نکاح ہو جائے گا؟

(۱) جواب - صورتِ مسئولہ میں اگر عبدالکریم زینت کے بطن سے ہے تو وہ فاطمہ کا رضاعی چچا ہونے کے سبب فاطمہ کے لئے حرام ہے، اور دونوں میں نکاح نہیں ہو سکتا، اور اگر عبدالکریم زینت کے علاوہ غلام محمد کی کسی اور بیوی کے بطن سے ہے اور اس نے زینت کا دودھ نہیں پیا تو فاطمہ اور عبدالکریم کے درمیان کوئی رضاعی رشتہ نہیں ہے، اور حقیقی رشتے سے وہ اس کے چچا کا لڑکا ہے، اس لئے دونوں کے درمیان نکاح ہو سکتا ہے۔

واللہ اعلم

۱۳۸۸/۲/۱۵ھ

بیوی کو طلاق دینے کے بعد دورانِ عدت اس کی بہن سے نکاح کرنے کا حکم

سوال - ایک آدمی کا نکاح ایک عورت سے ہے، اس کو طلاق دے دی، طلاق دینے کے بعد اسی وقت اس کی حقیقی بہن سے نکاح کرے، کیا یہ نکاح ثانی جائز ہے یا نہیں؟

جواب - یہ نکاح جائز نہیں، جب تک پہلی بیوی کی عدت ختم نہ ہو جائے (یعنی اسے تین مرتبہ حیض نہ آجائے، یا اگر اسے حیض نہیں آتا تو تین مہینے پورے نہ ہو جائیں) اس وقت تک اس کی بہن سے نکاح جائز نہیں ہے، اور یہ نکاح کالعدم ہوگا۔ لما فی البدائع: وکما لا یجوز للرجل أن یتزوج المرأة فی نکاح أختها لا یجوز له أن یتزوجها فی عدة أختها (بدائع الصنائع ج ۲ ص ۲۶۳)۔ (۲)

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۷/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹/۲۰۳ الف)

---

(۱) عن علی رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: إن الله حرم من الرضاع ما حرم من النسب. (جامع الترمذی، باب ما جاء یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب ج ۱ ص ۲۱۳ طبع سعید) وفی سنن ابی داود، کتاب النکاح، باب یحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب ج ۱ ص ۲۸۰ (طبع سعید) عن عائشة زوج النبی صلی الله علیه وسلم أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: یحرم من الرضاعة ما یحرم من الولادة. نیز دیکھئے امداد الفتاوی ج ۲ ص ۳۰۴ (رضاعی چچا وغیرہ سے نکاح حرام ہے)

(۲) طبع سعید. وفی المبسوط للسرخسی کتاب النکاح ج ۴ ص ۲۰۲ طبع دار المعرفة بیروت: وعدة الأخت تمنع نکاح الأخت. وفی الهندیة کتاب النکاح ج ۱ ص ۳۰۹ و [illegible] طبع شرکت علمیہ: وإذا طلق الرجل امرأته ... لا یجوز له أن یتزوج أختها حتی تنقضی عدتها

رضاعی بہن سے نکاح جائز نہیں

سوال:- زید کی ایک حقیقی پھوپھی ہے، زید اس پھوپھی کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے، جبکہ زید نے پھوپھی کا کچھ مہینے دودھ بھی پیا ہے، کیا یہ نکاح ہو سکتا ہے؟

جواب:- صورت مسئولہ میں زید کی پھوپھی کی لڑکی اس کی رضاعی بہن ہے، اس لئے اس سے نکاح جائز نہیں۔(۱)

واللہ اعلم

جواب صحیح　　احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ　　۱۳۸۸/۱/۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵/۱۹ الف)

بھائی کے لڑکے سے اپنی پوتی کا نکاح کرانے کا حکم

سوال:- ایک عورت ہے، اس کا ایک سوتیلا بھائی ہے، اور اس کا ایک لڑکا، بھائی کے لڑکے سے اپنے لڑکے کی لڑکی کا نکاح کرنا چاہتی ہے، کیا یہ جائز ہے؟

جواب:- بھائی کے لڑکے سے اپنی پوتی کا نکاح کرنا جائز ہے،(۲) بشرطیکہ کوئی دودھ پینے کا رشتہ نہ ہو۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۰/۱۱/۲۷ھ

(فتویٰ نمبر ۶۱۳/۲۱ الف)

بیوی کے پستان منہ میں لینے سے نکاح پر اثر نہیں پڑتا

سوال:- میری شادی ہوئی ہے، میں نے کئی غلط باتوں میں آکر اپنی بیوی کی چھاتیاں چوسنا شروع کر دیا، لیکن کچھ دوستوں نے بتایا ہے کہ اس فعل سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:- صورت مسئولہ میں آپ کا نکاح نہیں ٹوٹا،(۳) اور بیوی کے پستان منہ میں لینا شرعاً ممنوع بھی نہیں، بشرطیکہ اس سے دودھ منہ میں چلے جانے کا اندیشہ نہ ہو، اگر دودھ منہ میں چلا گیا تو

---

(۱) ولا حل بين رضيعي امرأة لكونهما أخوين وإن اختلف الزمن، (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الرضاع ج ۳ ص ۲۱۷)، وفي الهندية ج ۱ ص ۳۴۳ طبع ماجدية، يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعا ... الخ

(۲) وأحل لكم ما وراء ذلكم (سورة النساء: ۲۴) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے فتاوی دار العلوم دیوبند ج ۷ ص ۱۹۲، سوال نمبر ۲۷۰۔

(۳) وفي الدر المختار، كتاب النكاح، باب الرضاع ج ۳ ص ۲۲۵ طبع سعيد: مص رجل ثدي زوجته لم تحرم

ایک نابالغ بچے کا ... ہوگا، لیکن نکاح پھر بھی نہیں ٹوٹے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۲/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۳/۲۸ الف)

سوتیلی بہن کی پوتی سے نکاح کا حکم

سوال – کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ میرے والد نے میری سوتیلی بہن کی شادی اپنے چچازاد بھائی سے کی اور اس چچازاد بھائی کا اس عورت سے ایک لڑکا پیدا ہوا تھا، اب اس لڑکے کی ایک لڑکی ہے جو کہ میری اس سوتیلی بہن کی پوتی لگتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ میرا نکاح اس لڑکی کے ساتھ جو میری سوتیلی بہن کی پوتی ہے جائز ہے یا نہیں؟

جواب – آپ کے لئے اپنی سوتیلی بہن (یعنی باپ شریک) کی پوتی سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے، قال فی العالمگیریة ج ۲ ص ۵ فی بیان المحرمات النسبیة وکذا بنات الأخ والأخت وان سفلن۔(۲)

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۰/۱۲/۲۳ھ
(فتویٰ نمبر ۶۴۵/۲۱ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

سوتیلے والد کی سابقہ بیوی کی بیٹی سے نکاح جائز ہے

سوال – ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، جس وقت طلاق دی تھی اس وقت اس عورت کی لڑکی پیدا ہوئی جو بعد میں اپنی ماں کے ساتھ رہتی تھی، اور اس شخص نے ایک اور عورت سے نکاح کیا، اور جس عورت سے نکاح کیا تھا اس کا ایک لڑکا سابق شوہر سے تھا، اب وہ لڑکی اور یہ لڑکا دونوں جوان ہوگئے ہیں، کیا ان کا آپس میں نکاح درست ہے؟

---

(۱) وفی الدر المختار، کتاب النکاح، باب ... ج ۳ ص ... [illegible] ... وکذا فی کتاب المغنی ج ۵ ص ۱۲

(۲) الفتاوی الهندیة، کتاب النکاح، باب ... فی بیان المحرمات ج ... ص ۲۷۳ طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ وفیھا ... [illegible] ... وبنات الأخت فهن محرمات نکاحا ... [illegible] ... وفی التفسیر المظهری ج ۲ ص ... [illegible] ... وبنات الأخ وبنات الأخت ... [illegible]

وکذا فی معارف القرآن ج ۲ ص ۳۵۸

جواب:- صورتِ مسئولہ میں دونوں کا نکاح ہوسکتا ہے۔ (۱)

فقط واللہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲۹/۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

سوال:- دو سگے بھائی ہیں، بڑے بھائی کے پانچ لڑکے اور دو لڑکیاں ہیں، چھوٹے بھائی کا ایک لڑکا اور چار لڑکیاں ہیں، بچپن میں چھوٹے بھائی کی بیوی نے اپنی لڑکی کو بڑے بھائی کی بیوی کا دودھ پلایا تھا، اب وہ جوان ہیں، بڑے بھائی کے گھر والے چاہتے ہیں کہ جس لڑکی کو ان کی بیوی نے دودھ پلایا تھا اس کی شادی اپنے لڑکے سے کریں۔ اس لڑکے سے شادی نہیں کر رہے ہیں جو لڑکی کو دودھ پلاتے وقت گود میں تھا، بلکہ اس کے بڑے بھائی سے شادی کرنا چاہتے ہیں، اس لڑکی کی شادی دودھ پلانے والی عورت کی کسی لڑکے سے ہوسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں لڑکی نے جس عورت کا دودھ پیا ہے اس کے تمام لڑکے اس کے رضاعی بھائی ہیں، اور ان سے اس لڑکی کا نکاح نہیں ہوسکتا، (۲) خواہ لڑکی کے دودھ پینے کے وقت وہ شیر خوار ہوں یا نہ ہوں، لہٰذا مجوزہ نکاح شرعاً جائز نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۵/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۳۰۰/۲۸ الف)

دو رضاعی بہنوں سے بیک وقت نکاح کرنا حرام ہے

سوال:- محی الدین نامی ایک شخص کے گھر میں لڑکا نہیں جنتا تھا، تو بہت برس کے بعد اس نے ایک لڑکی کی پرورش کی، اللہ کے حکم سے پندرہ دن کے بعد شخص مذکور کی بیوی کو جو حاملہ تھی ایک لڑکی پیدا ہوئی، اب دونوں ہمشیر ہوگئے، رفتہ رفتہ ان میں سے ایک بالغ ہوئی تو اس کی نذیر احمد نامی شخص سے شادی کر دی، اور ساتھ دوسری لڑکی بھی بالغ ہوئی اور بہنوئی کے گھر میں آگئی، لوگوں کو جب زنا کا اندیشہ ہوا تو ان کے زجر و توبیخ پر باپ اسے اپنے گھر لے گئے، پھر چند دنوں بعد معلوم ہوا کہ موصوفہ پھر بہنوئی کے گھر گئی ہے، لوگوں نے اس سے پوچھ پاچھ کیا، اس نے اقرار کیا کہ میں حاملہ ہوں، بعد میں بہنوئی

---

(۱) وفي البحر الرائق كتاب النكاح فصل في المحرمات ج ۳ ص [illegible] طبع ايج ايم سعيد: [illegible] ابنه فحلال

(۲) وفي البحر الرائق كتاب النكاح باب الرضاع ج ۳ ص [illegible] ولا حل بين رضيعي امرأة لكونهما أخوين وإن اختلف الزمن، وفي الهداية كتاب الرضاع ج ۲ ص ۳۲۳ طبع [illegible] يحرم على الرضيع أبواه من الرضاع وأصولهما وفروعهما من النسب والرضاع جميعًا.... الخ

سے پوچھا گیا تو اس نے بھی زنا کا اقرار کیا، بعد میں داماد نے سسر کو ایک سو روپے جھوٹی بات کہنے کے
لئے دیئے تو باپ نے روپے لے کر پنچایت میں کہا کہ یہ لڑکی رضیعہ نہیں، ایک مجلس طلب کی گئی، اس میں دو
پیش ہوئے کہ یہ رضیعہ نہیں ہے، مگر اس کی خالہ اس لڑکی کو موصوفہ بیوی کے پاس لے گئی، اس نے لڑکی
کو دودھ پلایا ہے، مگر چھوٹے روپے کے خوف سے جھوٹ بات منہ سے نکالتے ہوئے لیکن یہ مدہوش رہا،
اب شرعاً وسیاستاً کیا حکم ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں چونکہ دو معتبر گواہ اس بات کے موجود ہیں کہ ان دونوں لڑکیوں
نے ایک ہی عورت کا دودھ پیا ہے تو ان دونوں سے بیک وقت نکاح کرنا زید کے لئے حرام ہے،
اور جو گواہیاں رضیعہ نہ ہونے پر دی گئی ہیں، وہ قابل قبول نہیں ہیں، کیونکہ المثبت مقدم علی النافی،
لہٰذا زید کو چاہئے کہ فوراً دوسری لڑکی کو چھوڑ دے اور اس گناہ سے توبہ و استغفار کرے، اور وہ چھوڑنے
پر آمادہ نہ ہو تو عدالت کے ذریعہ بھی دونوں میں تفریق کرائی جا سکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۰/۱۲/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱/۶۳۴ الف)

باپ شریک بہن سے نکاح کا حکم

سوال: زید کے پاس دو عورتیں ہیں، زید نے ان دونوں عورتوں کو چھوڑ دیا، پھر ان دونوں
عورتوں نے ایک اسی مرد سے اپنا نکاح کر لیا، ایک عورت کے یہاں کوئی اولاد پیدا نہیں ہوئی، بعد
اس کے مرد کی پہلی عورت سے ایک لڑکا ہے، دوسری عورت سے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی، اب اس لڑکی
کا نکاح اس لڑکے سے ہو سکتا ہے جو دوسری بیوی کا ہے؟

جواب: سوال پوری طرح واضح نہیں ہے، اگر مذکورہ لڑکا اور لڑکی آپس میں باپ شریک
بھائی بہن ہیں تب تو ان کے درمیان نکاح نہیں ہو سکتا، اور اگر دونوں کے ماں باپ بالکل الگ ہیں تو
صورتِ مسئولہ میں نکاح جائز ہے، بشرطیکہ کوئی اور سببِ حرمت موجود نہ ہو۔
بہتر یہ ہے کہ کسی عالم سے مرد، عورت، لڑکے اور لڑکی کا نام لکھ کر وضاحت سے دوبارہ
پوچھ کر پھر عمل کریں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۰۹ ج)

---

۱ وفی الہندیۃ کتاب النکاح باب الرضاع ج ۱ ص ۳۴۴ وهی شهادة عدلين من الرجال او عدل وعدلتان لا يثبت بخبر الواحد امرأة كان او رجلا وفي البدائع كتاب الرضاع ج ۴ ص ۱۴ طبع ... ولا يقبل في الرضاع الا شهادة رجلين أو رجل وامرأتين عدول

۲ وفی تفسیر الطبری ج ۴ ص ۳۱۶ طبع دار ... تحت قوله تعالى "حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم وأخواتكم" نعم ما كانت منها لأب او لأم او لهما ... الخ

رضاعی پھوپھی سے نکاح جائز نہیں

سوال – زید کی ماں محمودہ کا دودھ خالد نے پیا، پھر تقریباً سولہ سال بعد خالد کی بیوی کا دودھ ظفر نے پیا، اب ظفر کا نکاح زید کی حقیقی بہن صادقہ سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟

جواب – صورتِ مسئولہ میں صادقہ ظفر کے رضاعی باپ کی رضاعی بہن ہوئی، اس لئے ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ رضاعی رشتے سے ظفر کی پھوپھی ہے، ویحرم من الرضاعة ما یحرم من النسب۔(۱)

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۶/۷ھ

(فتویٰ نمبر ۶۶/۱۹ الف)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفی عنہ

مزنیہ سے نکاح کرنے کا حکم

سوال – ایک لڑکا اور لڑکی جو باہم رشتہ میں بھائی بہن ہیں، یعنی ماموں کی لڑکی اور پھوپھی کا لڑکا، ان دونوں میں ناجائز تعلق ہوگیا، جس کے نتیجے میں لڑکی حاملہ ہوگئی، بزرگوں کو معلوم ہونے پر دونوں کی شادی طے کردی ہے، جس کا انعقاد کل ۱۵ جون کو ہے، آپ سے دریافت کرنا ہے کہ آیا یہ شادی جائز ہے؟ اور پیدا ہونے والا بچہ جائز ہوگا؟

جواب – صورتِ مسئولہ میں لڑکے اور لڑکی نے زنا کرکے سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے، دونوں پر واجب ہے کہ صدقِ دل سے توبہ و استغفار کریں، اور صورتِ مسئولہ میں دونوں کا باہم نکاح صحیح ہوجائے گا،(۲) اور اگر بچہ نکاح سے چھ مہینے بعد پیدا ہو تو بچے کو بھی ثابت النسب سمجھا جائے گا۔(۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۶/۲۶ھ

(فتویٰ نمبر ۶۲۰/۲۸ ب)

---

(۱) سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب یحرم من الرّضاعة ج:۱ ص:۲۸۰ (طبع سعید) و جامع الترمذی ج:۱ ص:۲۱۷ (طبع سعید)

(۲) وفی الدر المختار، کتاب النکاح فصل فی المحرمات ج:۳ ص:۴۹ وصح نکاح حبلی من زنی. وفی الشامیة تحته (وصح نکاح حبلی من زنی) ای عندهما وقال ابو یوسف لا یصح والفتوی علی قولهما. اهـ

(۳) وفی الدر المختار ج:۳ ص:۴۹ لو نکحها الزانی حل له وطؤها اتفاقا والولد له ولزمه النفقة. وفی الشامیة تحته قوله والولد له ای ان جاءت بعد النکاح لستة اشهر مختارات النوازل فلو لاقل من ستة اشهر من وقت النکاح لا یثبت النسب ولا یرث منه

مزنیہ سے نکاح کا حکم

سوال:- اگر کسی لڑکے نے زنا کیا اور لڑکی حاملہ ہوگئی، لڑکا چاہتا ہے کہ وہ اس لڑکی سے نکاح کرلے تو کیا حمل کے دوران نکاح ہوسکتا ہے؟

جواب:- جی ہاں! نکاح کرسکتا ہے۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۱/۱۱/۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۰۲/۳۲ ج)

مزنیہ سے نکاح کے بعد وطی کا حکم

سوال:- ہندہ منکوحہ نے رخصتی سے قبل زنا کیا اور حمل ٹھہر گیا، اب ہندہ کے والد نے ہندہ کی رخصتی کردی تو اب ہندہ کے شوہر کو اس سے وطی کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر ہندہ کا شوہر اس سے وطی کرے تو کسی قسم کا گناہ تو نہ ہوگا؟

جواب:- اگر شوہر اس حمل کو اپنی طرف منسوب کرنے سے انکار کرتا ہے تو جب تک وضع حمل نہ ہو جائے اس کے لئے وطی جائز نہیں۔(۲)

واللہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۱/۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفی عنہ

(فتویٰ نمبر ۱۳۵۷/۱۸ الف)

رضاعت کا ایک مسئلہ

سوال:- زید اور بکر دونوں حقیقی بھائی باپ کی طرف سے نہیں، ماں کی طرف سے ہیں، یعنی ماں ایک ہے، اور باپ دو، زید پہلے باپ سے ہے، جبکہ بکر دوسرے باپ سے ہے، زید کا انتقال ہوچکا ہے، جس نے عمرو کے ساتھ [illegible] اس کی ماں کا دودھ پیا تھا، اب مسئلہ درپیش یہ ہے کہ بکر جو کہ دوسرے باپ کی اولاد ہے، یعنی زید کی ماں نے جس دوسرے خاوند سے نکاح کیا، کیا شریعت کی رو سے بکر، عمرو کو اپنی بیٹی عقد نکاح میں دے سکتا ہے یا نہیں؟ براہ کرم مندرجہ دونوں صورتوں میں الگ الگ وضاحت فرمائیں۔

---

(۱) وفی الدر المختار، کتاب النکاح، باب المحرمات ج ۳ ص ۴۹ طبع ایچ ایم سعید: وصح نکاح حبلیٰ من زنیٰ لا حبلیٰ من غیرہ أی الزنیٰ لثبوت نسبه ... الخ. وفی الشامیة تحته أی عندهما وقال أبو یوسف لا یصح، والفتوی علی قولهما ... الخ

(۲) وفی الدر المختار ج ۳ ص ۴۸، ۴۹: وصح نکاح حبلیٰ من زنیٰ لا حبلیٰ من غیرہ أی الزنیٰ ... وإن حرم وطؤها) ودواعیه (حتی تضع) متصل بالمسئلة الأولیٰ لئلا یسقی ماءہ زرع غیرہ

جواب:- صورت مسئولہ میں بکر اور عمرو کے درمیان کوئی رضاعی رشتہ قائم نہیں ہوا، کیونکہ رشتہ رضاعت زید اور عمرو کے مابین ہے، بکر اور عمرو کے مابین نہیں ہے، لہٰذا عمرو کی ماں بکر کی رضاعی ماں نہیں ہے، لقولہ فی الدر المختار فیحرم منه ما یحرم من النسب الا ام اخیه واخته فان حرمة ام اخته واخیه نسبا لکونها امه او موطوءة ابیه وهذا المعنی مفقود فی الرضاع (شامی ج ۲ ص ۴۰۷)[1] اور جب عمرو کی ماں کا بکر کے ساتھ کوئی نسبی یا رضاعی تعلق نہیں تو وہ بکر کی بیٹی کے ساتھ نکاح کرسکتا ہے۔

بالفاظ دیگر بکر کی بیٹی عمرو کے رضاعی بھائی زید کی بھتیجی ہے اور رضاعی بھائی کی نسبی بہن سے بھی نکاح جائز ہے، کما قالوا وتحل اخت اخیه رضاعا (شامی ج ۲ ص ۴۰۸)[2] تو رضاعی بھائی کی بھتیجی سے بطریق اولیٰ جائز ہوگا، لہٰذا صورت مسئولہ میں عمرو، بکر کی بیٹی سے شرعاً نکاح کرسکتا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۱/۸/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴/۹۹۱ ب)

غیر ثابت النسب لڑکی سے نکاح کا حکم

سوال:- ایک صاحب اپنے لڑکے کی شادی ایسی لڑکی سے کرنا چاہتے ہیں جس کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ لڑکی اپنے والدین کی ناجائز یعنی حرامی اولاد ہے، اس کی ماں کا نکاح اس کے باپ کے ساتھ نہیں ہوا تھا، از رُوئے شریعت اسلامی ایک حرامی لڑکی سے نکاح کرنا جائز ہوگا کہ نہیں؟

جواب:- اگر حرمت کی کوئی اور وجہ نہ ہو تو محض لڑکی کے غیر ثابت النسب ہونے کی بنیاد پر اس سے نکاح حرام نہیں، نکاح ہوسکتا ہے۔[3]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۲/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷/۲۴۲ ج)

تایازاد بہن کے ساتھ نکاح کا حکم

سوال:- کیا تایازاد بہن کے ساتھ مذہب اسلام میں نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) الدر المختار باب الرضاع ج:۳ ص:۲۱۳ الی ۲۱۵ (طبع ایچ ایم سعید)
(۲) الدر المختار باب الرضاع ج ۳ ص ۲۱۷
(۳) کیونکہ یہ محرمات میں داخل نہیں "واحل لکم ما وراء ذلکم" سورۃ النساء ۲۵۔

جواب :- تایازاد بہن کے ساتھ نکاح جائز ہے، بشرطیکہ کوئی اور سبب حرمت، رضاعت یا مصاہرت کا نہ پایا جاتا ہو۔

والله سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۱۲/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۸۳ /۲۰ الف)

رضاعی بہن سے نکاح کا حکم

سوال :- میری خالہ کی لڑکی نے اُس وقت میری والدہ کا دودھ پی لیا جبکہ پانچ سال چھوٹا ایک میرا بھائی، میری والدہ کا دودھ پیتا تھا، خالہ کو دودھ کم تھا، میری والدہ نے دودھ پلایا، جس لڑکی نے میری والدہ کا دودھ پیا ہے کیا اُس لڑکی سے میرا نکاح ہوسکتا ہے، جبکہ میں نے اس کے ساتھ دودھ نہیں پیا ہے؟

جواب :- اگر آپ کی خالہ کی لڑکی نے آپ کی والدہ کا دودھ مدتِ رضاعت میں یعنی دو سال سے کم عمر میں پیا ہے، تو وہ آپ کی رضاعی بہن ہوگئی اور اس کے ساتھ آپ کا نکاح نہیں ہوسکتا، [1][2] دودھ خواہ آپ کے ساتھ پیا ہو یا آپ کے چھوٹے بھائی کے ساتھ، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔[3]

والله سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۸/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۸۶۲/۲۸ ج)

غیر مطلقہ منکوحہ سے کسی دُوسرے شخص کے نکاح کا حکم

سوال :- قاضی بشیر احمد کی بیوی بسا اوقات اپنے خاوند سے محض بیوقوفی اور سخت مزاجی سے پیش آیا کرتی تھی، لہٰذا خاوند مذکورہ نے حالات کے باعث منکوحہ سے تنگ آکر اس کی والدہ کو بلاکر منکوحہ کو گھر بھیج دیا کہ میں فی الحال اس ہٹ دھرمی کو ناقابلِ برداشت سمجھتے ہوئے آپ کے حوالے کرتا ہوں اور جس طرح آپ صحت یاب ہونے پر حکم فرمائیں گی میں تعمیل کروں گا، لہٰذا ان کی منکوحہ سے ایک دو ماہ بعد فوری طور پر بغیر کسی طلاق کے مولوی عبداللہ نے نکاح کرلیا، کیا یہ صحیح ہے یا نہیں؟

جواب :- اگر سوال میں درج شدہ واقعات دُرست ہیں اور قاضی بشیر احمد نے اپنی بیوی زینب بی بی کو کوئی طلاق نہیں دی تو وہ بدستور قاضی بشیر احمد کی بیوی ہے، اور مولوی عبداللہ کے ساتھ اس کا

---

(۱) وفي الدر المختار، كتاب النكاح، باب الرضاع ج ۳ ص [illegible] طبع سعيد: ويثبت التحريم في المدة فقط وفي الشامية تحته اما بعدها فانه لا يوجب التحريم.

(۲) "حرّمت عليكم أمهاتكم ... وأخواتكم من الرضاعة" (الاية) سورة النساء: ۲۳.

(۳) وفي الدر المختار، كتاب النكاح، باب الرضاع ج ۳ ص [illegible] (طبع سعيد) ولا حل بين رضيعي امرأة لكونهما أخوين وإن اختلف الزمن

نکاح شرعاً باطل اور کالعدم ہے،[1] جتنے عرصے زلیخا بی بی محمد عبداللہ کے پاس رہی، ناجائز طور پر رہی، اب ان کا فوراً الگ ہونا ضروری ہے، دونوں توبہ و استغفار کریں اور زلیخا بی بی اپنے اصلی شوہر قاضی بشیر احمد کے پاس واپس آجائے، اور چونکہ محمد عبداللہ سے زلیخا کا نکاح ہی درست نہیں ہوا، اس لئے طلاق کی تحریریں بے کار ہیں، قاضی بشیر احمد عدالت کے ذریعے بیوی کو دوبارہ واپس آنے پر مجبور کرسکتا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۱/۵/۱۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۰۶/۲۲ ب)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفی عنہ

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۲۸ باب المحرمات … التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة، رضاع … وتعلق حق الغير بنكاح … الخ. وفي الشامية ج ۳ ص ۳۲ أما نكاح منكوحة الغير ومعتدته فالدخول فيه لا يوجب العدة إن علم أنها للغير، لأنه لم يقل أحد بجوازه فلم ينعقد أصلاً.

وفي الهندية كتاب النكاح باب الثالث ج ۱ ص ۲۸۰ طبع ماجدية، لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذلك المعتدة … الخ نیز دیکھئے کفایت المفتی ج ۵ ص ۲۸۵ (جدید ایڈیشن دارالاشاعت)۔

فصل فی أحکام الحرمة المصاھرة
(حرمتِ مصاہرت کے اَحکام)

بہو سے زنا کرنے سے بیٹے پر اس کی بیوی حرام ہو جائے گی

سوال:- اگر کسی شخص نے اپنی بہو یعنی لڑکے کی بیوی کے ساتھ ناجائز تعلقات پیدا ہو جائیں اور سسر نے بہو سے صحبت کر لی ہو تو کیا حکم ہے؟ اگر صحبت نہ کی ہو تو کیا حکم ہے؟

جواب:- اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کرے تو وہ اس کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے[1]، ایسی صورت میں شوہر پر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی سے یہ کہہ کر فوراً الگ ہو جائے کہ "میں نے تمہیں چھوڑ دیا۔"[2] اور اگر پوری صحبت نہیں ہوئی تو واقعے کی صحیح صحیح تفصیل لکھ کر بھیجئے اُسے دیکھ کر ہی حکم بتایا جا سکے گا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۳/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۳۳۶ ب)

سالی سے زنا کرنے پر حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی

سوال:- ایک شخص اپنی سالی (بیوی کی بہن) سے زنا کا مرتکب ہوا ہے، کیا اس کا نکاح ٹوٹ گیا یا نہیں؟ یا نکاح میں کچھ خلل واقع ہوا ہے یا نہیں؟　　(محمد ریاض، جعفر بن حسن، سعودی عرب)

جواب:- اس شخص نے سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے، جس پر اُسے توبہ و استغفار کرنا چاہئے، اور آئندہ اُس سالی سے پردہ کا اہتمام کرنا چاہئے، لیکن اس عمل سے اس کی بیوی کے ساتھ نکاح پر کوئی

---

(۱) وفی الشامیة ج ۳ ص ۳۲ طبع سعید: قال فی البحر: أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسبا ورضاعا وكذا فی البحر الرائق ج ۳ ص ۱۰۱، والهندية ج ۱ ص ۲۷۵ الباب الثالث فی المحرمات.

(۲) وفی الدر المختار ج ۳ ص ۳۷: وبحرمة المصاهرة لا یرتفع النكاح حتی لا یحل لها التزوج بآخر إلا بعد المتاركة. وفی الشامية تحته: وقد علمت أن النكاح لا یرتفع بل یفسد وقد صرحوا فی النكاح الفاسد بأن المتاركة لا تتحقق إلا بالقول إن كانت مدخولا بها كتركتك أو خليت سبيلك. کذا فی امداد الفتاوی ج ۲ ص ۳۲۳ (محمد زبیر)

اثر نہیں پڑا، وہ بدستور اس کی منکوحہ ہے۔[۱]

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۲/۴/۱ھ

(فتویٰ نمبر ۴۹۴/۳۳ الف)

---

(۱) [illegible]

[illegible]

[illegible] مصدق راقم کا درج ذیل فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

[illegible] احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے دو قول مروی ہیں۔

۱- سالی سے زنا کی صورت میں سالی کے تین حیض گزرنے تک بیوی سے علیحدہ رہنا واجب ہے، یعنی مذکورہ صورت میں زنا سے عدت، نکاح میں عدت ہی کی طرح ہے۔

۲- ایک حیض گزرنا واجب ہے۔

۳- [illegible] صورت میں کچھ واجب نہیں، بلکہ بعض فقہائے حنابلہ نے یہ تیسرا قول ذکر ہی نہیں کیا۔

في المغني لابن قدامة تحت رقم المسئلة ۵۳۹ ج ۹ ص ۵۲۹ و ۵۳۰ طبع دار عالم الكتب رياض: وإن زنى بامرأة فليس له أن يتزوجها حتى تنقضي عدتها وحكم العدة من الزنا والعدة من وطء الشبهة كحكم العدة من النكاح فإن زنى بأخت امرأته فقال أحمد يمسك عن وطء امرأته حتى تحيض ثلاث حيض وقد ذكر عنه في الزاني بها أنه يستبرئ بحيضة لأنه وطء في غير نكاح ولا أحكامه حكم النكاح ويحتمل أن لا تحرم بذلك أخته ولا أربع سواها لأنها ليست منكوحة ومجرد الوطء لا يمنع بدليل الوطء في ملك اليمين لا يمنع أربع سواها

[illegible] في شرح المقنع ج [illegible] ص ۲۲ طبع المكتب الإسلامي بيروت) (وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته ج [illegible] ص ۱۲۵ طبع دار الفكر دمشق)

[illegible] (وكذا في [illegible] ج ۳ ص ۸۰ طبع دار إحياء التراث العربي) (وكذا في [illegible] ج ۵ ص ۳۲ طبع دار الكتب العلمية بيروت).

[illegible]

[illegible] في الدر المختار: وفي الخلاصة وطئ أخت امرأته [illegible] حتى يستبرئ المزنية [illegible] شامي ج ۳ ص ۳۸ [illegible] طبع [illegible] جامع الرموز للقهستاني كتاب النكاح ج ۲ ص [illegible] طبع [illegible] (وكذا في شرح [illegible] ص ۳۲۱ على مجمع الأنهر [illegible] [illegible] لا يقرب الأخرى حتى يحيض الأخرى حيضة [illegible] في الفتاوى كتاب النكاح ص ۱۸۹ (طبع دار الكتب العلمية بيروت) میں یوں مذکور ہے۔

[illegible] في النكاح [illegible] والخامس عشر [illegible] لا يحرم عليه امرأته لا يطأ امرأته حتى يستبرئ الموطوءة بحيضة لأنه لا يحلّ له رحمان محرمان فيهم ماؤه [illegible]

(باقی اگلے صفحے پر)

سالی سے زنا کرنے سے بیوی حرام نہیں ہوتی

سوال :- آیا سالی سے ناجائز تعلقات ہونے کی بناء پر نکاح برقرار رہتا ہے یا نہیں؟

جواب :- سالی سے زنا کرنا یا ناجائز مقاربت کرنا سخت گناہ کا موجب ہے، لیکن اس سے بیوی حرام نہیں ہوتی ہے۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۲۲/۷/۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۸۶۷/۲۸ ج)

مزنیہ کی بیٹی سے نکاح جائز نہیں

سوال :- جس عورت سے ناجائز تعلقات رہے ہوں، اس عورت کی لڑکی سے شادی جائز ہے یا نہیں؟ (لڑکی کا نطفہ شخص مذکور سے نہیں ہے)۔

جواب :- جس عورت سے زنا کیا ہو یا ناجائز طور پر بوس و کنار کیا ہو، اس کی لڑکی سے نکاح حرام اور باطل ہے،[2] خواہ وہ لڑکی زانی کے نطفے سے نہ ہو۔

واللہ سبحانہ اعلم
۲۲/۸/۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۸۶۷/۲۸ ج)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) (نیز علامہ عبدالرحمن شیخی زادہ آفندی نے مجمع الانہر ج:۱ ص:۴۷۹ (طبع دار الکتب العلمیہ بیروت) میں صرف درایہ کی عبارت نقل کی ہے، کسی پر کوئی اشکال وغیرہ وارد نہیں فرمایا) اس سے معلوم ہوا کہ علماء نے اس قول استبراء کے واجب ہونے کا بھی ہے، لہٰذا احوط یہ ہے کہ مطلقاً استبراء کے واجب ہونے پر عمل کیا جائے، یہ قول کے مطابق استبراء واجب ہونے کی بناء پر محتاط بات وہی معلوم ہوتی ہے جو حضرت مفتی اعظم پاکستان رحمۃ اللہ علیہ ونور اللہ مرقدہٗ نے امداد المفتیین ص:۵۵۳ میں تحریر فرمائی ہے کہ کم از کم ایک حیض گزرنے تک بیوی سے علیحدہ رہنے کو واجب قرار دیا جائے، خاص طور پر جبکہ معاملہ فروج سے متعلق ہے جس میں احتیاط والے پہلو کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ نعمل بالاحتیاط خصوصاً فی باب الفروج (شامی ج:۳ ص:۲۸۳ طبع سعید)

فی الفقه الاسلامی وأدلته ج:۷ ص:۲۵ (طبع دار الفکر دمشق) ولو زنى الرجل بامرأة فليس له أن يتزوج بأختها حتى تنقضي عدتها وحكم العدة من الزنا والعدة من وطء الشبهة كحكم العدة من النكاح

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

واللہ سبحانہ و تعالٰی أعلم وعلمہٗ أتم وأحکم
محمد زبیر عفی عنہ
۱۲/۱/۱۴۳۲ھ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ	محمد عبداللہ عفی عنہ	محمد عبدالمنان	اصغر علی ربانی

---

(۱) تفصیل کے لئے پچھلا فتویٰ اور اُس کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب عفی عنہ)۔

(۲) وفی الدر المختار کتاب النکاح فصل فی المحرمات ج:۳ ص:۳۲ (طبع سعید) (و) حرم أيضاً بالصهرية (أصل مزنيته) الخ وفي الشامية، قال في البحر أراد بحرمة المصاهرة الحرمات الأربع حرمة المرأة على أصول الزاني وفروعه نسباً ورضاعاً وحرمة أصولها وفروعها على الزاني نسباً ورضاعاً كما في الوطء الحلال الخ
وكذا في البحر الرائق فصل في المحرمات ج:۳ ص:۱۰۱ و الفتاوى الهندية الباب الثالث في المحرمات ج:۱ ص:۲۷۵ (محمد زبیر عفی عنہ)

شہوت کے صرف شبہ سے حرمتِ مصاہرت ثابت نہیں ہوتی

سوال:- اکثر مجھے شبہ ہوتا ہے کہ فلاں بات سے یا کوئی طلاق واقع ہوئی ہے یا فلاں بات سے حرمت مصاہرت ہوئی ہے، براہ کرم ذیل کے مسائل کا جواب عنایت فرمائیں۔

۱- ساس کے ساتھ شہوت سے ہاتھ لگے، یا ساس کی ماں کے ساتھ شہوت سے ہاتھ لگے، دونوں صورتوں میں حرمت مصاہرت ہوجاتی ہے یا نہیں؟ البتہ شہوت میں مرد کا معیار یہ ہے کہ اس کے آلہ تناسل میں حرکت آجائے۔

ایک مرتبہ میری ساس نے مجھے چائے کی پیالی دی تو میرا ہاتھ ان کے ہاتھ سے لگا تو فوراً وجہ شبہ دھیان آلہ تناسل کی طرف چلا گیا، آلہ تناسل میں حرکت نہ ہوئی جیسا کہ حرکت بیوی کو ہاتھ لگانے سے شہوت کے خیال کے ساتھ ہی شروع ہوجاتی ہے، البتہ حسب معمول میری عادت آلہ تناسل کی طرف دل کی دھڑکن سے بھی خفیف دھڑکن غالباً دو مرتبہ خیالِ شہوت ہوا، چونکہ آلہ تناسل میں حرکت نہ ہوئی تو غالباً اس سے حرمت مصاہرت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ دو، تین ماہ قبل میری ساس کی بوڑھی والدہ محترمہ نے میرا ہاتھ چوما، پھر مذکورہ صورت حال پیدا ہوئی، مارے خوف کے آلہ تناسل کی طرف دھیان رکھا، اس میں حرکت جسمانی محسوس نہ ہوئی، صرف خفیف دھڑکن، بہت خفیف دھڑکن ہوئی، لیکن آلہ تناسل میں جسمانی حرکت شہوت والی نہ آئی، میری کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو آلہ تناسل کی طرف دل کی طرف سے ہوتی ہوئی دھڑکن (خفیف) سی دو، تین، چار مرتبہ اندرونی طور پر معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ شہوت مجھے کافی آتی ہے اور مذکورہ صورت میں وہ حرکت آلہ تناسل میں نہ آئی سوائے وہ آلہ تناسل کے سرے تک کی دھڑکن جیسا کہ دھیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سرے تک دھڑکن جاتی ہے، ساس کے ساتھ ہاتھ سے ہاتھ لگنے اور ان کی والدہ محترمہ کے بوسہ لیتے وقت خوف سا بھی ہوگیا کہ حرمت مصاہرت نہ ہوجائے اور خوف کی وجہ سے آلہ تناسل میں حرکت نہیں آیا کرتی، کیا یہ دھڑکن شہوت سمجھی جائے گی؟

۲- ایک شخص بیمار جنسیت ہو اور کسی سے ہاتھ وغیرہ لگ جانے سے فوراً آلہ تناسل میں حرکت آجاتی ہو تو اس شخص کا اگر ہاتھ ساس کے ہاتھ سے لگ جائے اور حرکت تناسل ہوجائے جبکہ اس شخص کا شہوت کا ارادہ و خیال نہ ہو، تو اس بیماری کی وجہ سے یہ حرمت مصاہرت لازم تو ہوگی کہ نہیں؟

جواب:- آپ وساوس کو دور کرنے کے لئے "قل اعوذ برب الناس" آخر سورت تک کثرت سے پڑھا کریں، اور جو صورت آپ نے سوال میں لکھی ہے اس سے حرمت مصاہرت ثابت

نہیں ہوتی، مس بلا کسی حائل کے شہوت کے ساتھ ہو تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے، اور شہوت کے لئے آلۂ تناسل میں جسمانی طور پر انتشار پیدا ہونا شرط ہے، محض انتشار کے شبہ سے حرمت مصاہرت ثابت نہیں ہوتی۔ وحد الشهوة في الرجل أن تنتشر آلته أو تزداد انتشارًا إن كانت منتشرة كذا في التبيين وهو الصحيح، كذا في جواهر الأخلاطي وبه يفتى، كذا في الخلاصة هذا الحد إذا كان شابًا قادرًا على الجماع (عالمگیریہ ج ص ۲۷۵)۔[1]

۲۔ اگر یہ واقعہ کسی کے ساتھ پیش آیا ہے تو پہلے یہ بتائیں کہ جنسی بیماری کیا اس قسم کی ہے کہ کسی مرد یا کسی اور چیز کو ہاتھ لگانے سے بھی آلۂ تناسل میں حرکت آجاتی ہے یا عورت کو ہاتھ لگانے سے ہی حرکت آتی ہے؟ اس کے بعد جواب دیا جا سکے گا۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۶/۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۵۹۱ ۲۸ ب)

---

(۱) (طبع مكتبه رشيديه كوئته) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۳۳ (طبع سعيد) وحدها فيهما تحرك آلة أو زيادته به يفتى وفي الشامية قال في الفتح ثم هذا الحد في حق الشاب ..... الخ.

فصل فی المناکحة بالکفار وأهل الکتاب والفرق الضالة

(کفار، اہل کتاب اور گمراہ فرقوں سے نکاح کا بیان)

عیسائی عورت سے نکاح کا حکم

سوال — میرے ایک عزیز کی شادی ایک عیسائی لڑکی سے ہوئی ہے، اس کا باپ مسلمان ہے اور ماں عیسائی، باپ چونکہ ہندوستانی فوج میں میجر تھا اور مذہب کی پابندی اور شرافت سے بیگانگی کی وجہ سے [illegible] ان کی مرضی سے، سوال یہ ہے کہ لڑکی کی ماں تو تھی [illegible] نکاح نہیں کرتے [illegible] اس کا باپ نکاح [illegible] لڑکی سے باپ نے [illegible] ان کی ماں کا [illegible] بہت ضدی ہے، آپ اپنے [illegible] نکاح پڑھوئیں، چنانچہ یہ [illegible] ہے، لہٰذا لڑکی مسلمان ہوئی، جب دو بچے پیدا ہوئے تو معلوم ہوا کہ لڑکی ماں کے مذہب پر تھی یعنی عیسائی تھی، اور لڑکی نے بھی [illegible] عیسائی ہوں، اب شرعاً کیا یہ شادی جائز ہے یا نہیں؟

جواب — عیسائی عورت سے مسلمان کا نکاح تو منعقد ہو جاتا ہے، شرط یہ ہے کہ عورت واقعۃً عیسائی مذہب پر ہو، آج کل کے عیسائیوں کی طرح نہ ہو جو نام سے تو عیسائی ہوتے ہیں اور [illegible] کسی مذہب کے معتقد نہیں ہوتے، بلکہ خدا اور رسول کو نہیں مانتے، دوسری شرط یہ ہے کہ نکاح شرعی طریقے پر دو مسلمانوں کے سامنے ہوا ہو، یہ دونوں شرطیں موجود ہیں تو وہ نکاح درست ہو چکا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۳ ـ ۳۹ ـ ھ
(فتویٰ نمبر ۳۱۱ ـ ۲۸ ب)

---

(۱) وفی الدر المختار ج ۳ ص ۴۵ طبع ایچ ایم سعید: وصح نکاح کتابیة [illegible] مؤمنة بنبی [illegible] مقرة بکتاب [illegible] وفی الشامیة [illegible] مقرة بکتاب فی النهر عن الزیلعی [illegible] من اعتقد دینا سماویًا وله کتاب منزل کصحف ابراهیم وشیث وزبور داؤد فهو من أهل الکتاب، فتجوز مناکحتهم
(۲) وینعقد بایجاب من أحدهما وقبول من الآخر ... وشرط حضور شاهدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولهما معًا. (الدر المختار کتاب النکاح ج ۳ ص: ۹ و ۲۱ طبع سعید)

لامذہب اور شیعہ سے نکاح کا حکم

سوال:- عرض یہ ہے کہ ایک ایسی لڑکی جس کے والدین کا تعلق دیوبندی مسلک سے ہے، اس کی شادی ایک ایسے لڑکے سے جس کے والدین شیعہ ہیں، اور لڑکا ان کے ساتھ کسی مذہبی تقریب میں شرکت نہیں کرتا۔ نیز نکاح پڑھانے کے لئے قاضی بھی مسلک دیوبندی کا ہی بلایا جائے گا، کیا یہ نکاح جائز ہے؟ نیز یہ لڑکا اور لڑکی دونوں بالغ ہیں، اور لڑکی نیک پارسا، قرآن پاک اور نماز پڑھتی ہے، اور دیوبندی مسلک کی ہے، جبکہ لڑکے کا قول یہ ہے کہ میں نہ شیعہ ہوں، نہ سنی، میں کسی مذہبی تقریب میں نہیں جاتا۔ جب ہم نے لڑکے کے گھر کہا کہ لڑکا اگر اخبار میں اور پوری طرح سنی ہونے کا اعلان کرے تو کوئی بات شاید بن جائے، لیکن اسی وقت اس کی والدہ نے کہا کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ لڑکے کا باپ شیعہ اور میں خود شیعہ ہوں، یہ اعلان کیسے کرسکتا ہے؟ اس وقت لڑکے نے بھی اس کی تردید نہیں کی، بلکہ والدہ کی بات سے اتفاق کرلیا۔ ہمارے سامنے اس کے حالات مشکوک ہیں، اس وقت چونکہ رشتے کی بات سامنے ہے، اس لئے جو کچھ بھی ہم کہیں گے وہ لکھ کر دیدے گا، اور ہمارے ہر سوال کا جواب بھی دے دے گا، لیکن ہمیں اس کی باتوں پر اطمینان نہیں، کیا یہ رشتہ ہوسکتا ہے؟"

جواب:- صورت مسئولہ میں جب لڑکا صراحۃً سنی ہونے کا انکار کر رہا ہے اور اس کے والدین واضح طور پر شیعہ ہیں، تو اب شیعہ ہونے سے انکار کا مطلب یا تو یہ ہوسکتا ہے کہ وہ تقیۃً ایسا کر رہا ہے، اور حقیقت میں وہ شیعہ ہے۔ یا پھر وہ کوئی مذہب ہی نہیں رکھتا، لامذہب ہے۔ اور دونوں صورتوں میں اس کا نکاح سنی صحیح العقیدہ لڑکی سے کرنا جائز نہیں۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۸/۱۰/۲۰ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵۹/۳۹ د)

---

(۱) [illegible]

وفی الشامیۃ کتاب النکاح فصل فی المحرمات ج ۳ ص ۴۶: وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي أو أن جبريل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصديق أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة. وفی البحر الرائق کتاب السیر باب احکام المرتدین ج ۳ ص ۱۲۱ طبع سعید: ویکفر من أراد بغض النبي صلی اللہ علیہ وسلم ... وبقذفه عائشة رضي الله عنها من نسائه صلی اللہ علیہ وسلم فقط وبإنکاره صحبة أبي بکر رضي الله عنه. وفی الھندیۃ کتاب النکاح الباب الثالث طبع ماجدیہ ج ۱ ص ۲۸۲: ولا یجوز تزوج المسلمة من مشرک ولا کتابي. وفی البدائع ج ۲ ص ۲۷۲ طبع سعید: ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر لقوله تعالى: ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا ولأن في انكاح المؤمنة الكافر خوف وقوع المؤمنة في الكفر .... الخ

قادیانی سے نکاح کا حکم اور کیا مسلمان ہونے کے لئے سرٹیفکیٹ ضروری ہے؟

سوال:- عرض یہ ہے کہ ایک شخص جو قادیانی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، گوندل میں جعل سازی اور خورد برد کے مقدمات میں ملوث تھا، فرار ہو کر کراچی آ گیا اور یہاں جعلی ڈاکٹر بن کر ڈاکٹر کیپٹن ایم اے خالد کے نام سے میہ ٹی کراچی میں اپنا کلینک چلانے لگا، حالانکہ یہ شخص نہ ڈاکٹر تھا اور نہ کیپٹن، بلکہ گوندل میں ایک کلرک کی حیثیت سے کام کرتا تھا، جہاں اس نے اپنے اختیارات سے تجاوز کرتے ہوئے کافی رقم خورد برد کر لی، جس کی وجہ سے اس کے خلاف جعل سازی، دھوکا دہی، فراڈ اور خورد برد کے متعدد مقدمات قائم ہوئے، جن سے فرار ہو کر کراچی آ گیا، اور وہاں اشتہاری مجرم قرار دے دیا گیا، اپنی مجرمانہ ضرورت کے تحت اپنا نام اور مذہب تبدیل کرتا رہتا ہے، کچھ عرصہ قبل ہمارے مکان سے متصل میری پھوپھی کے مکان میں ظفر ہسپتال کے نام سے اپنا کلینک چلا رہا تھا، کرایہ وغیرہ کے سلسلے میں جھگڑا شروع ہوا، اور بات عدالت تک جا پہنچی، اس نے کرایہ داری کا مقدمہ دائر کر دیا، عدالتی معاملات کو سنبھالنے کے لئے میرے والد صاحب نے اپنی بہن یعنی میری پھوپھی کی مدد کی، تو یہ شخص میرے والد کا دشمن بن گیا، اور مختلف حیلے بہانے سے دونوں خاندانوں کو تنگ کرتا رہا، میرے والد سے بدلہ لینے کی خاطر اس نے روزانہ کالج آتے جاتے میرا پیچھا کرنا شروع کر دیا، کئی بار راستے میں مل کر مجھے اپنی محبت کا یقین دلاتا رہا، وقتی جذبات میں آ کر میں اس کی باتوں میں آ گئی، اور ایک دن اس نے مجھے ایک ہوٹل پر لے جا کر نکاح نامے کے سادے فارم پر دستخط کروا لئے، ساتھ ہی دو اسٹامپ پیپروں پر بھی دستخط کروائے، نکاح نامے کے فارم اور اسٹامپ پیپروں کی خانہ پری بعد میں کی گئی، اس نکاح کا میرے والدین اور کسی دوسرے رشتہ دار کو کوئی علم نہ تھا، نہ ہی ان کی مرضی شامل تھی، نکاح کی اس کارروائی کے وقت کوئی نکاح خواں یا قاضی موجود نہیں تھا، اور نہ ہی کوئی گواہ موجود تھا، بلکہ اس وقت ہم دو افراد کے علاوہ کوئی تیسرا شخص بھی موجود نہیں تھا، نہ ہی میں نے زبان سے اقرار کیا اور نہ اس نے اپنی زبان سے کچھ الفاظ ادا کئے، بس اس کے کہنے پر میں نے فارم پر دستخط کر دیئے اور اپنے گھر واپس آ گئی، اس کے بعد کی کارروائی کا مجھے علم نہیں تھا، شادی کے تمام گواہوں کے نام اور مہر کی رقم وغیرہ کا تعین بعد میں اس نے اپنی مرضی سے کیا، یہاں تک کہ دلہن کے گواہوں کے نام کے خانے میں جن افراد کے نام لکھے گئے ہیں، میں ان سے قطعی طور پر ناواقف ہوں، اس کے بعد ان کاغذات کے بل بوتے پر وہ مجھے بلیک

نہیں کرتا، اور میرے گھر والوں کو مجھے زبردستی لے جانے کی دھمکیاں دیتا رہا، دو مرتبہ چند افراد کے ہمراہ میرے گھر داخل ہو کر زبردستی لے جانے کی کوشش کی، میں اس کے ساتھ جانے پر رضامند نہیں تھی، اس لئے عدالت میں خلع کا مقدمہ دائر کردیا، جو ابھی زیر سماعت ہے۔

یہ شخص قادیانی جماعت سے تعلق رکھتا ہے، اور اس کا پورا خاندان قادیانی ہے، خود وہ شخص کہتا ہے کہ اس نے کئی دفعہ قادیانی مذہب ترک کرنے اور مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کیا ہے، یہ سرٹیفکیٹ اس نے مجھ سے نکاح کرنے سے صرف تین دن پہلے حاصل کیا، اور مجھے اس بات کا یقین دلایا کہ وہ مسلمان ہوگیا ہے، حالانکہ وہ اس سے پہلے ایک مسلمان لڑکی سے شادی کرچکا ہے، اور اس سے چار بیٹیاں بھی ہیں، اس کا اصل نام خواجہ سیف اللہ ولد [illegible] ہے، جبکہ میرے نکاح نامہ میں اس نے اپنا نام منور احمد لکھا ہے، اور اپنے والد کا نام محمد شفیع لکھا ہے، اور مسلمان ہونے کے سرٹیفکیٹ میں اس نے اپنا نام [illegible] لکھا ہے۔

میرے خاندان کے دوسرے افراد کو بھی تنگ کرنے کے لئے اس نے [illegible] پر جھوٹے مقدمات دائر کئے، ایک مقدمہ میرے جعلی دستخط سے میری طرف سے خود ہی عدالت میں دائر کیا، اور اس کے جواب میں لکھا کہ میرے گھر والوں پر بے بنیاد جھوٹے الزامات عائد کئے ہیں، اپنی شادی کو مزید مضبوط کرنے کے لئے میرا ایک شناختی کارڈ میرے جعلی دستخط سے بنوایا، جس میں میرا نام نفیس فاطمہ زوجہ منور احمد درج کروایا، اس کے علاوہ اپنے ایک دوست کی [illegible] کے حق میں ایک فرضی اور جھوٹا [illegible] نامہ مالیتی پچیس ہزار روپے میرے جعلی دستخط سے تیار کروایا، اور یہ تمام جعلی دستاویزات عدالت میں پیش کردیئے تاکہ کسی بھی طرح میری جان اس جھوٹے اور قادیانی سے نہ چھوٹ سکے، اور [illegible] تحفظ ختم نبوت کی [illegible] کے مطابق یہ شخص پہلے بھی ایک لڑکی کو اغوا کرکے اس کا جعلی نکاح نامہ تیار کرچکا ہے، اب سوال یہ ہے کہ:-

۱- نکاح کی بیان کردہ صورت حال میں کیا میرا نکاح اس شخص سے ہوگیا؟ جبکہ نکاح نامہ میں اس نے غلط نام اور ولدیت استعمال کیا ہے، اور نکاح کی کارروائی تنہائی میں چند افراد سے کروائی گئی۔ ۲- اور یہ شخص قادیانی سے مسلمان ہوگیا ہے جبکہ اس نے مسلمان ہونے کے سرٹیفکیٹ میں بھی غلط نام اور ولدیت استعمال کی ہے، اور مسلمان ہونے کا سرٹیفکیٹ حاصل کرنے سے پہلے کے تمام کاغذات میں خود کو مسلمان ظاہر کرتا رہا ہے، شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں؟

جواب ۱- اگر سوال میں ذکر کردہ واقعات درست ہیں تو مسماۃ نفیس فاطمہ کا نکاح مذکورہ

[illegible]

زناشوئی کا مقدمہ کرنا چاہئے تھا۔

[illegible]

بنوالینے سے مسلمان نہیں ہوسکتا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۵/۸/۱۴۰۸ھ

شیعہ سے نکاح کا حکم

[illegible]

عنمیہ) ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین

[illegible]

المفتی ج ۵ ص ۱۹۶ (جدید ایڈیشن دارالاشاعت)

سے نکاح نہیں ہوتا، لیکن جو لوگ اس قسم کے کفریہ عقائد نہ رکھتے ہوں وہ کافر نہیں ہیں، ان سے نکاح تو ہوجاتا ہے مگر مناسب نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۱۰/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۳۰/۲۸ الف)

حاجی عثمان کے پیروکار سے نکاح کا حکم

سوال:- ایک شخص حاجی عثمان صاحب کا معتقد ہے، اس کی خانقاہ میں جاتا ہے، اس کے بارے میں دریافت کرنا ہے:

۱:- اس سے رشتہ کرنا جائز ہے یا نہیں؟

۲:- اگر رشتہ کرلیا جائے تو نکاح صحیح ہوجائے گا یا نہیں؟

جواب از مولانا مفتی عبدالرحیم صاحب مدظلہم دارالافتاء والارشاد

حضرات اکابر مفتیانِ کرام کا متفقہ فیصلہ ہے کہ حاجی عثمان گمراہ ہے، ۵ شوال ۱۴۰۸ھ کو ۱۵ اکابر مفتیانِ کرام نے حاجی عثمان کو دارالافتاء والارشاد ناظم آباد میں بلاکر اس سے مفصل گفتگو کی، اس کے نتیجے میں حاجی عثمان کے جو نظریات سامنے آئے ان کے بارے میں سب حضرات نے حاجی عثمان کے نام ایک نصیحت نامہ اپنے دستخطوں سے روانہ فرمایا، جس کے چند اقتباسات یہ ہیں

۱:- آپ میں بیعت وارشاد کی اہلیت نہیں۔

۲:- آپ نے بیعت وارشاد کا سلسلہ جاری رکھا تو اس سے شدید گمراہی پھیلنے کا سخت خطرہ ہے۔

۳:- آپ کے بعض معتقدات اہلِ حق کے معتقدات کے خلاف ہیں

۱:- اپنی تحقیق یا استخارہ کو بالکل قطعی اور یقینی سمجھنا۔

۲:- ایک خلیفہ کے مشاہدے کی بناء پر ایک صحیح حدیث کا انکار کرنا۔

۴:- یہ سب انتہائی خطرناک اور گمراہانہ خیالات ہیں، جس سے زندقہ کی راہ کھلتی ہے۔

۵:- مکاشفہ، مشاہدہ یا الہام کی بناء پر شریعت کے کسی بھی حکم یا دلیل کا انکار کھلی ہوئی گمراہی ہے۔

۶:- آپ کے خلیفہ کا مشاہدہ ایک صحیح حدیث کے خلاف ہوا تو آپ کو کوئی تردد پیدا نہیں ہوا،

---

(۱) وفي الشامية كتاب النكاح فصل في المحرمات ج ۳ ص ۴۶ وبهذا ظهر أن الرافضي إن كان ممن يعتقد الألوهية في علي أو أن جبرئيل غلط في الوحي أو كان ينكر صحبة الصديق أو يقذف السيدة الصديقة فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة. وفي البحر الرائق كتاب الجهاد، باب أحكام المرتدين ج ۵ ص ۱۳۱ [illegible] ويكفر من رد بعض النبي صلى الله عليه وسلم [illegible] وبقذفه عائشة رضي الله عنها من [illegible] صلى الله عليه وسلم فقط وبإنكاره صحبة أبي بكر رضي الله عنه [illegible] كفايت المفتي ج ۵ ص ۹۵

نہیں جب آپ کے ایک مریدزادہ ''چاند میاں'' کی شادی کے بارے میں آپ کے خلیفہ کا مشورہ آپ کے استخارہ کے خلاف ہوا تو تردد پیدا ہوگیا، آپ نے اپنے استخارہ کے نتیجے کو ایک صحیح حدیث سے بھی زیادہ فوقیت دی۔

۷- جو خلیفہ خود آپ کے بقول ۴۰ سال تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھتا رہا، اس کو اپنی طرف سے نہ صرف ''کامل'' ہونے بلکہ ''اکمل'' کے قریب ہونے کی گواہی دی، بلکہ اسے یہ سند بھی عطا کی کہ وہ ''غوث'' اور فردی منزلیں طے کرچکا ہے اور ''قطب وحدت'' کے منصب پر پہنچ گیا ہے۔

۸- مریدین کی اصلاح وتربیت اور نگرانی کی، آپ میں ہرگز صلاحیت نہیں۔

۹- حضرت مولانا فقیر محمد صاحب مدظلہم العالی نے خلافت سلب فرمائی تو پھر آپ نے حضرت مولانا کی طرف رجوع کرکے ان اسباب کے ازالے کی کوشش نہ کی جن کی بناء پر خلافت سلب ہوئی تھی، بلکہ آپ نے بیعت لینے کا سلسلہ بدستور جاری رکھا، آپ کا یہ طرزِ عمل طریقت وسلوک کے بنیادی اصولوں کے بھی خلاف تھا، شیخ کی ناراضگی کے اسباب دور کرنے کے بجائے اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بیعت کا سلسلہ جاری رکھنا طریقت وسلوک کی ابجد کے بھی خلاف ہے، جو شخص اپنے شیخ کے حکم کی اطاعت نہ کرے وہ اپنے مریدوں سے اطاعت کرانے کا اہل کیسے ہوسکتا ہے؟

۱۰- آپ کا طرزِ عمل طریقت وسلوک کے مسلّم بنیادی اصولوں کے خلاف ہے۔

۱۱- آپ کے پاس وہ علم نہیں جو ایک شیخ طریقت کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

۱۲- طریقت وسلوک میں پیش آنے والے مراحل کے بارے میں آپ کے خیالات، تصورات، معتقدات درست نہیں۔

۱۳:- نہ مریدین کی اصلاح وتربیت کے بنیادی تقاضوں سے واقفیت ہے۔

۱۴:- نہ کسی شیخ محقق کے ساتھ آپ نے کوئی رابطہ رکھا ہے۔

۱۵- آپ کے لئے اصلاح وارشاد کا سلسلہ جاری رکھنا شرعاً ہرگز جائز نہیں۔

۱۶- نہ کسی مسلمان کے لئے جائز ہے کہ وہ آپ کے ساتھ مریدی کا تعلق قائم کرے۔

۱۷:- آپ اپنے غلط خیالات اور غلط طرزِ عمل سے تائب ہوں۔

۱۸- خانقاہ کا یہ سلسلہ اور بیعت یکسر موقوف کردیں اور اس کا اعلان کریں۔

۱۹- دوسروں کی اصلاح کی فکر میں پڑنے کی بجائے اپنی اصلاح کی فکر کریں۔

۲۰- اصلاحِ خلق کا خیال دل سے نکال کر محض اپنی اصلاح کے لئے اپنے آپ کو شیخ کے

تو ... کریں، ورنہ صرف زبانی تعلق کی بجائے اپنے معاملات ان کے سامنے پیش کریں، ان سے ہدایت لیں اور ان کا عملی اتباع کریں، خواہ وہ ہدایت آپ کی اپنی رائے، تحقیق، مکاشفات وغیرہ کے بالکل خلاف ہوں، یہی آپ کے لئے راہ نجات ہے، ورنہ آپ بہت خطرناک راستے پر پڑ چکے ہیں۔

۲۱:- آپ کے لئے عزت کا راستہ یہی ہے کہ ازخود اس مشورہ پر عمل کرلیں۔

حاجی عثمان نے ان نصیحتوں کی طرف کوئی توجہ نہ دی، تو آپ کے شیخ نے دوبارہ خلافت سلب کرنے کا اعلان فرمایا، اور حاجی عثمان کو توبہ کی تلقین فرمائی تھی، اور اس پر بھی تائب نہ ہوئے تو شیخ نے تحریر فرمایا:-

۱- حاجی عثمان تبلیغ کرے اور فساد کرے تو فساد روکنے کے لئے حکومت کے ذریعے انتظام کرنا۔

اس تفصیل کے بعد سوالات کے جوابات لکھے جاتے ہیں:-

۱:- ایسے گمراہ شخص کے مرید یا معتقد سے رشتہ کرنا جائز نہیں۔

۲- [illegible] کا یہ دعویٰ اور [illegible] کے بارے میں یہ دریافت کرنا [illegible] ہے تو یہ موجب [illegible] نہیں [illegible] ہوتے، بعض ان پر [illegible] کا خوف ہے، ان کے [illegible] کے لئے [illegible] میں [illegible] شریعت کی تخفیف وتوہین ہے۔

علاوہ ازیں حاجی عثمان [illegible] اگرچہ [illegible] ہوتے ہوئے [illegible] متبعین [illegible] علاوہ خود اپنے شیخ سے [illegible] ان کے مریدین ومعتقدین کا [illegible] [illegible] میں ان نکاح کا [illegible] کارکی اور اولاد ولد الزنا۔

واللہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح	الجواب صحیح	عبدالرحیم
رشید احمد	ولی حسن	نائب مفتی دارالافتاء والارشاد
دارالافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی	جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی	۲ ربیع الآخر ۱۴۰۹ھ

جواب:- از حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

۱- ہمیں اس بات سے اتفاق ہے کہ حاجی عثمان صاحب کے عقائد کے متعلق جو امور جواب میں بیان کئے گئے ہیں، وہ گمراہانہ عقائد ہیں، ایسے گمراہانہ عقائد کے حامل کسی شخص سے یا اس کے کسی پیروکار سے نکاح کرنا ناجائز ہے۔

۲- اگر نکاح کر لیں تو، خواہ وہ منعقد ہو جائے، مگر سخت گناہ کا کام ہوگا۔

الجواب صحیح
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
دارالافتاء دارالعلوم کراچی
۱۴۰۹/۴/۶ھ

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۴۰۹/۴/۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱۱/۴۰ ب)

کافر شوہر پر اسلام پیش کرنے کے بعد اگر وہ مسلمان ہو جائے تو یہ نکاح برقرار رہے گا

سوال - غیر مذہب کی ایک عورت ہے ([illegible]) اس عورت کا خاوند بھی غیر مسلم ہے، اب وہ عورت مسلمان ہونا چاہتی ہے، مگر وہ عورت کہتی ہے کہ میرا خاوند مجھے ناجائز تنگ کرتا ہے، ہر وقت شراب نوشی کر کے تنگ کرتا ہے، کوئی کام نہیں کرتا، صبح و شام مجھ سے پیسے مانگتا ہے، اگر پیسے نہیں تو مجھے مارتا پیٹتا ہے، جس کی وجہ سے میں تنگ آگئی ہوں، اس نے ایک مسلمان شخص سے جو کہ مجھے [illegible] سے جو [illegible] جا کر میں بیان دوں کہ میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں، اس شخص نے کہا کہ تمہارے خاوند نے طلاق نہیں دی تو میں کیسے نکاح کروں، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب - صورت مسئولہ میں پہلے عورت مسلمان ہو جائے، اس کے بعد عدالت میں دعویٰ دائر کرے، عدالت اس کے شوہر پر اسلام کی پیشکش کرے، اگر شوہر بھی مسلمان ہو گیا تو ان کا نکاح برقرار رہے گا، اور اگر اس نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تو عدالت دونوں کا نکاح فسخ کر دے، اس فسخ نکاح کے بعد عورت عدت طلاق گزار کر کسی مسلمان سے نکاح کر سکتی ہے۔ (۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۱/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۶/۱۲۸ الف)

کافر شوہر کے نکاح سے نکلنے کا طریقہ

سوال - ایک غیر مسلم عورت مسلمان ہونا چاہتی ہے، اس عورت کا شوہر بھی زندہ ہے، وہ بھی غیر مسلم ہے، اس کا ایک لڑکا ہے جو شراب نوشی کر کے ماں کو مارتا ہے، عورت شوہر کو کہتی ہے کہ اسے سمجھاؤ تو شوہر کہتا ہے میں نہیں ہوں گا، آپ جدھر جانا چاہیں چلی جائیں، اس عورت نے

---

(۱) [illegible] فرمائیں۔ (محمد زبیر)

مسلمان ہوکر کسی مسلمان سے شادی کرنے کا قرار کرلیا ہے، اس کے جواب میں آپ نے لکھا ہے کہ عورت مسلمان ہوجائے اور عدالت میں دعوی دائر کرے، پھر عدالت شوہر کو مسلمان ہونے کی پیشکش کرے اور شوہر مسلمان ہوجائے تو دونوں کا نکاح برقرار رہے گا، اور عدت طلاق گزار کر کسی بھی مسلمان سے نکاح کرسکتی ہے، لوگوں کو بھی اس کے مسلمان ہونے کا علم ہوگیا ہے، اب اس کو جان سے ماردیں گے، لہٰذا عدت گزارنا اور عدالت میں مقدمہ پیش کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے، کیا یہ عورت مسلمان ہوکر کسی مسلمان سے نکاح کرے، یہ صورت جائز ہوگی یا نہیں؟

جواب:- کافر شوہر کے نکاح سے نکلنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عدالت میں دعوی کرکے شوہر پر اسلام پیش کیا جائے، وہ انکار کرے تو قاضی تفریق کردے، اس کے بغیر عورت کا دوسری جگہ نکاح نہیں ہوسکتا، اور عورت کو شوہر سے جان کا خطرہ ہو تو مسلمانوں کی پناہ حاصل کرے، وما لم یفرق القاضی فھی زوجتہ (شامی ج ۲ ص ۳۸۹)[2] ہاں اگر شوہر نے خود طلاق دے دی ہو تو اسلام کے بعد عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، لیکن محض گھر سے نکال دینے سے طلاق نہ ہوگی، تاوقتیکہ شوہر کے مذہب میں اس کو طلاق نہ سمجھا جاتا ہو۔ اور اگر ملکی قوانین کی رو سے کوئی ایسا طریق کار موجود نہ ہو جس کے ذریعے عدالت شوہر کو بلاکر اس پر اسلام پیش کرے، تو اس صورت میں عدت گزار کر دوسری جگہ نکاح کی گنجائش ہوگی۔ إما لأنه في حكم دار الكفر في هذه الجزئية بخصوصها، وإما عملاً بمذهب الأئمة الأخرى عند الضرورة۔[3]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۳/۶ھ
(فتوی نمبر ۵۸۷/۲۸ ب)

---

(۱) تفصیل کے لئے دیکھئے [illegible] ج ۳ ص ۹۸ [illegible] على الآخر [illegible] فتح القدير ج ۳ ص ۲۹۱ [illegible] ج ۳ ص ۹۱ [illegible] ص ۳۳۹ وفي إعلاء السنن ج [illegible] ص ۹۸ [illegible] إذا أسلمت امرأة في دار الإسلام وفيه دلالة على أنها في نكاح زوجها حتى يعرض عليه الإسلام فإن أبى فيفرق القاضي أو الإمام بينهما [illegible] فتح القدير ج ۳ ص ۱۸۸، والبحر الرائق ج ۳ ص ۲۱۱ والنتف في الفتاوى ج ۱ ص ۳۰۹

(۲) ج ۳ ص ۱۸۹ (طبع سعید)

(۳) [illegible]

فصل في الأنكحة الفاسدة والصحيحة
(صحیح اور فاسد نکاح کے بیان میں)

چھ ماہ کی حاملہ عورت سے نکاح کا حکم

سوال:- کیا چھ ماہ کی حاملہ عورت سے نکاح جائز ہے؟

جواب:- اگر حمل کسی سابق شوہر سے ہے تو جب تک ولادت نہ ہو جائے، نکاح درست نہیں،[1] اور اگر حمل زنا کا ہے تو نکاح ہو جائے گا،[2] لیکن اگر نکاح کرنے والا وہ نہ ہو جس سے زنا کیا تھا تو نکاح کے بعد صحبت کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک بچے کی ولادت نہ ہو جائے۔[3]

واللہ اعلم
۱۴۰۱/۱۱/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲/۱۷۱۳ ج)

ایامِ حیض میں نکاح جائز ہے

سوال:- کیا زمانہ ایامِ حیض میں عقدِ شرعی ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- زمانہ حیض میں نکاح تو منعقد ہو جاتا ہے، لیکن چونکہ اس حالت میں شوہر کے لئے جماع جائز نہیں ہے، اس لئے ایامِ حیض میں رخصتی کرنا احتیاط کے خلاف ہے، اور اگر کسی مجبوری سے رخصتی بھی ہو جائے تو شوہر کو جماع سے پرہیز لازم ہے۔[4]

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۰/۱۲/۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۱/۶۱۵ الف)

---

(۱) کیونکہ ایسی صورت میں وہ عدت میں ہوگی اور حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے، لہٰذا وضعِ حمل سے پہلے کسی اور سے اس کا نکاح جائز نہیں، ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتب أجله (البقرة: ٢٣٥)
وفي الهداية كتاب النكاح باب المحرمات ج ۲ ص ۲۸۰ طبع ماجديه: لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره وكذا المعتدة .. الخ

(۲) حوالہ کے لئے دیکھئے سابقہ ص ۲۳۷ کا حاشیہ نمبر ۲۔

(۳) حوالہ کے لئے دیکھئے سابقہ ص ۲۳۸ کا حاشیہ نمبر ۲۔

(۴) "فاعتزلوا النسآء في المحيض ولا تقربوهن حتى يطهرن" (الآية) البقرة ۲۲۲

نکاح خواں کے جواب میں ''لڑکی دی'' کے لفظ سے نکاح منعقد ہو جائے گا

سوال — مسماۃ ہندہ ایک لڑکی نے اپنے نکاح کا وکیل ایک شخص کو مقرر کیا جو اس کا محرم تھا، نکاح خواں نے ایجاب و قبول کراتے وقت لڑکی کے وکیل کو مخاطب کر کے یہ الفاظ کہے کہ فلاں لڑکی فلاں کی بیٹی، فلاں لڑکا فلاں کا بیٹا تم نے بعوض اتنے روپے مہر کے قبول کی؟ اس نے جواب میں وکیل نے کہا ''میں نے قبول کیا'' ایک دوسرے آدمی نے تحقیق کی غرض سے کہا کہ اس طرح کہو کہ تم نے فلاں لڑکی فلاں کی بیٹی فلاں کو دے دی؟ وکیل نے کہا ''دی''، اس کے بعد لڑکے سے قبول کرایا گیا کیا اس صورت میں نکاح کا انعقاد ہوا ہے؟ وکیل سے پوچھنا ہے؟

جواب: صورت مسئولہ میں نکاح خواں نے دوسری مرتبہ جو جملہ وکیل سے مخاطب ہو کر کہا، اور وکیل نے اس کے جواب میں کہا ''دی'' اس سے نکاح منعقد ہو گیا، [illegible] سے نکاح ہوا، وکیل سے نہیں، اس صورت میں جب لڑکی نے نکاح خواں کو وکیل بنایا ہو، ورنہ مذکورہ بالا کے بعد لڑکے سے جو ایجاب وقبول کرایا گیا اس سے نکاح منعقد ہو گیا۔ واللہ اعلم

۱۴۰۸/۱/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۵۱/۳ الف)

نکاح منعقد ہونے کے لئے گواہوں کا ایجاب وقبول کو سننا لازم ہے

سوال — (مقدمہ سلسلے میں مصدقہ تحریر) میں کہ مسمی عبدالرحمن خان [illegible] مسماۃ صوفیہ افضل بنت افضل محمد خان کی جانب سے اس کے نکاح خوانی کی تقریب سے وکیل مقرر کیا گیا تھا، شریعت اسلامیہ کے مطابق ایجاب کی تکمیل کر چکا تھا، [illegible] کے مطابق اس تحریر و جناب رشاد علی خان ولد جناب [illegible] علی خان [illegible] فریقین [illegible] سے نکاح خوانی کے متعلق وکیل کی حیثیت قبول کر لیں اور نکاح خوانی کی مجلس

---

۱ وفی الدر المختار کتاب النکاح ج ۳ ص [illegible] [illegible] التحقیق فی الحال فاذا قال الآخر اعطیتکها او فعلت لزم [illegible]

۲ وفی الدر المختار کتاب النکاح ج ۳ ص ۹ [illegible] وینعقد [illegible] ایجاب من احدهما وقبول من الآخر [illegible] زوجت نفسی [illegible] الموجب اصلا او ولیا او وکیلا

منعقدہ لطیف آباد (حیدرآباد) پاکستان میں مسمی معید اصغر خان عرف مونو خان بن جناب عبدالرشید خان صاحب کو قبولیت کرائیں۔

۱- یہ کہ میں مہر مؤجل ۹ ہزار روپیہ سکہ پاکستانی کے بعوض اپنی موکلہ مسماۃ صوفیہ افضل دختر افضل اللہ خان صاحب وکیل مسمی معید اصغر خان عرف مونو خان بن عبدالرشید خان صاحب کے نکاح وزوجیت میں دیتا ہوں۔

۲- یہ کہ میں مہر مؤجل ۹ ہزار روپیہ سکہ پاکستانی کے بعوض اپنی موکلہ مسماۃ صوفیہ افضل دختر افضل اللہ خان صاحب وکیل مسمی معید اصغر خان عرف مونو خان بن عبدالرشید خان صاحب کے نکاح و زوجیت میں دیتا ہوں۔

۳- یہ کہ میں مہر مؤجل ۹ ہزار روپیہ سکہ پاکستانی کے بعوض اپنی موکلہ مسماۃ صوفیہ افضل دختر افضل اللہ خان صاحب وکیل مسمی معید اصغر خان عرف مونو خان بن عبدالرشید خان صاحب کے نکاح و زوجیت میں دیتا ہوں۔

عبدالرحمن خان، وکیل

تحریر بالا لڑکی کے والد کی لکھی ہوئی ہے، اور دستخط عبدالرحمن خان صاحب کے ہیں، لہٰذا معلوم کرنا ہے کہ اس تحریر کے مطابق نکاح خوانی انجام پا سکتی ہے؟

جواب- نکاح میں یہ ضروری ہے کہ نکاح کے گواہ ایجاب وقبول دونوں سنیں، لہٰذا یہ تحریر انعقاد نکاح کے لئے کافی نہیں ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ لڑکی کا ولی مثلاً بذات خود حیدرآباد جا کر لڑکی کی طرف سے ایجاب کرے اور لڑکا اسی مجلس میں قبول کرے، اور گواہ ایجاب وقبول دونوں سنیں۔①

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۳۸۸/۲/۱۸ھ

گواہوں کا فسق انعقادِ نکاح میں مانع نہیں، مگر ثبوتِ نکاح میں مانع ہے

سوال- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ ایک شخص نے اپنی لڑکی کی منگنی اپنے ایک رشتہ دار کے لڑکے سے کردی، منگنی کے وقت لڑکی اور لڑکا دونوں نابالغ تھے، کچھ عرصے کے بعد نا اتفاقی ہونے کے سبب لڑکی والوں نے جواب دے دیا کہ ہم تم سے رشتہ داری نہیں

---

① وفي البحر الرائق كتاب النكاح ج ٣ ص ٩ [illegible] من أحدهما وقبول من الآخر، وفيه أيضاً ج ٣ ص ٢١ وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً

چاہئے اور جو کچھ منگنی کے وقت لڑکے والوں نے دیا تھا وہ ان کو واپس کر دیا، اور انہوں نے اپنی چیزیں واپس لے لیں اور اب تک نکاح کا کوئی تذکرہ نہیں کیا، کچھ عرصے کے بعد لڑکی والوں نے اس لڑکی کا دوسری جگہ رشتہ کرنا چاہا تو لڑکے والوں نے یہ کہا کہ اس لڑکی سے ہمارا نکاح ہے، جس کے ایسے دو شخصوں کو گواہ مقرر کر دیا جن کی سیرت حرام کاری میں بہت زیادہ داغدار ہے، یعنی پرلے درجے کے فاسق و فاجر ہیں، نیز وہ دونوں گواہ جس شخص کا لڑکا ہے اس کا ایک بھتیجا اور دوسرا بہنوئی ہے، جو ایک وہاں سے چودہ میل اور دوسرا سات، آٹھ میل پر رہتا ہے، ان کا دعوی یہ ہے کہ ہم رات کے وقت گئے اور انہوں نے اپنی لڑکی کا نکاح کر کے دیا۔ لڑکی والے حلفاً بیان کرتے ہیں کہ ہم نے کوئی نکاح کر کے نہیں دیا، یہ لوگ فقط ہمیں بدنام کرنے اور ہمارے کام میں روڑے اٹکانے کے لئے پروپیگنڈا کر رہے ہیں، نیز لڑکی والوں کے آس پاس والے خواہ ان کے رشتہ دار ہوں یا دوسری قوم کے آدمی ہوں، سب یہ کہتے ہیں کہ اس نکاح کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے۔ نیز جس نکاح خواں کا لڑکے والے نام لیتے ہیں کہ فلاں شخص نے نکاح پڑھایا ہے وہ شخص بھی آج سے عرصہ چار پانچ سال پہلے انتقال کر چکا ہے، حاصل یہ ہے کہ ان کے پاس سوا ان دو گواہوں کے اور کوئی ثبوت، نکاح کا نہیں ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح لڑکے والوں کے دعوے کے مطابق شرعاً ثابت ہوگا یا نہیں؟

۲ - جس قسم کے یہ گواہ ہیں، اس قسم کے فاسق و فاجر گواہان کی گواہی شرعاً قبول ہے یا نہیں، جبکہ وہ خود حرام کاری میں مبتلا ہیں اور بے نکاحی عورتوں کو گھر میں بٹھانے کے عادی ہیں، اگر یہ نکاح شرعاً ثابت نہیں تو اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو سکتا ہے یا نہیں؟

۳ - لڑکے والوں کا بھتیجا اور بہنوئی شرعاً ان کی گواہی معتبر ہے یا نہیں؟ نیز اگر شرعاً اس لڑکی کا نکاح ان گواہوں سے ثابت ہو جائے تو لڑکی والوں کے لئے کیا حکم ہوگا؟ یعنی کیا ان کی قسم پر اعتبار کیا جائے گا یا ان کو لڑکی بیاہ کر دینی ہوگی، اس کا جواب فقہ حنفی کے مطابق مفصل تحریر فرما کر بحوالہ کتب فقہ مشکور فرمادیں۔

جواب :- مفتی عالم الغیب نہیں ہوتا، بلکہ اس سے جو سوال کیا جائے اس کے حکم کے مطابق جواب دے سکتا ہے، معاملہ حلال و حرام کا ہے، اس لئے دونوں فریق خوب سمجھ لیں کہ اگر واقعۃً نکاح ہو چکا تو لڑکی کو بھیجنا لازم ہے، محض جھوٹی قسمیں کھانے سے آخرت کا عذاب نہیں ٹل سکتا۔ اور اگر نکاح نہیں ہوا تھا تو محض دو جھوٹے گواہ پیش کرنے سے آخرت کا عذاب نہیں ٹل سکتا، اس لئے دونوں فریقوں کو اپنی قبر اور آخرت کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہئے۔ یہ حکم تو دیانت کا ہے، اور اگر معاملہ شرعی عدالت میں جائے تو صورت مسئولہ میں چونکہ دونوں گواہ فاسق و فاجر اور جھوٹ بولنے میں مشہور ہیں،

اس لئے صرف ان کی گواہی پر نکاح کا فیصلہ نہیں ہوسکتا، ہاں! اگر ان گواہوں میں شرعی شرائط پائی جاتی ہوں تو ان کی گواہی سے قاضی نکاح کا فیصلہ کرسکتا ہے۔ واضح رہے کہ گواہوں کا فسق انعقادِ نکاح سے تو مانع نہیں، لیکن ثبوتِ نکاح کے لئے قابلِ اعتماد گواہ ہونے ضروری ہیں۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۹/۹/۲۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۰۱/۳۰ د)

بالغ لڑکے کی عدمِ منظوری سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال:- ایک نابالغ لڑکی کو والدین کی موجودگی میں چچا نے ایک دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کرادیا تھا، اور لڑکے کے باپ نے لڑکے کی طرف سے قبول کیا، لڑکا اس وقت بالغ تھا، نہ لڑکے کو یہ پیغام اس وقت سنایا ہے، اور نہ زوج نے منکوحہ کو دیکھا ہے، اور لڑکی نے اس کو دیکھا ہے، اور بوقتِ نکاح ایک تولہ سونا مہر لڑکی کے حوالے کردیا، چند ماہ بعد لڑکی کے والدین نے کراچی سے ہجرت کا قصد کیا تو لڑکے کے والدین کو بتایا، لیکن انہوں نے انکار کردیا، (اس وقت نکاح نہیں ہوا تھا) اس میں ان بن ہونے کی وجہ سے مذکورہ دیا ہوا مہر واپس کردیا گیا اور لڑکے کے والدین نے لے لیا، جب لڑکی کے والدین کراچی آگئے تو اس لڑکے کے چچا نے ایک خط بھیجا، جس میں لکھا تھا کہ لڑکی کو دوسرے آدمی کے نکاح میں دے دو، کراچی میں والد نے دوسرے شخص کے ساتھ نکاح کی بات چیت کرلی تھی، مگر لڑکی جس وقت بالغ ہوئی تو وہ اس شخص پر راضی نہ تھی، جس کی وجہ سے لڑکی والدین کے گھر سے نکل کر چلی گئی اور اپنی خوشی سے ایک لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا، اب والدین لڑکی پر زور ڈال رہے ہیں کہ لڑکی کا نکاحِ اوّل اب تک باقی ہے، کیا نکاحِ اوّل ہنوز باقی ہے؟

تنقیح:-

۱:- لڑکی کے باپ نے اس نکاح کو منظور کیا تھا یا نہیں؟

۲:- لڑکے نے زبان سے اس نکاح کو منظور کیا تھا یا نہیں؟

۳:- جس وقت لڑکی بالغ ہوئی، اس وقت اس نے اپنے نکاح کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا؟

---

(۱) وفی الدر المختار، کتاب النکاح ج:۳ ص:۲۱ الی ۲۳ طبع سعید: وشرط حضور شاهدین ... مسلمین لنکاح مسلمة ولو فاسقین أو محدودین فی قذف ... الخ. وفی رد المحتار: قوله ولو فاسقین ... لکن له حکمان حکم الانعقاد وحکم الاظهار، فالاول ما ذکره والثانی انما یکون عند التجاحد فلا یقبل فی الاظهار الا شهادة من تقبل شهادته فی سائر الاحکام ... الخ. وفی الدر المختار، کتاب الشهادات ج:۵ ص:۴۶۵، طبع سعید: ونصابها لغیرها من الحقوق سواء کان الحق مالا او غیره کنکاح وطلاق ووکالة ... رجلان او رجل وامرأتان ولزم فی الکل لفظ أشهد لقبولها والعدالة لوجوبها فی السراج العدل من لم یطعن علیه فی بطن ولا فرج. وفی الشامیة: قوله العدل قال فی الذخیرة و أحسن ما قیل فی تفسیر العدالة أن یکون مجتنبا للکبائر ولا یکون مصرا علی الصغائر، ویکون صلاحه أکثر من فساده وصوابه أکثر من خطئه ... الخ

ان سوالات کے جواب آنے پر اصل مسئلے کا جواب دیا جائے گا۔

جوابِ تنقیح:-

۱:- جس وقت چچا نے لڑکی کو نکاح دیا تھا اس پر باپ راضی تھا۔

۲:- لڑکی نے زبان سے اس نکاح کو منظور نہیں کیا بلکہ صرف لڑکے کے باپ نے منظور کیا۔

۳:- لڑکی جب بالغ ہوئی تو کوئی روپیہ نقد نہیں دیا، صرف لڑکے کی طرف سے کچھ بات چیت ہوئی تھی اور ایک مہر دیا تھا، پھر واپس کرلیا۔

جواب:- چونکہ لڑکی بوقتِ نکاح بالغ تھی اور اس نے نہ خود مجلس میں صراحت کی، اور نہ بعد میں اسے منظور کیا تھا، تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا، لہٰذا لڑکی آزاد ہے، جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۶/۶ھ

(فتویٰ نمبر ۶۵۲/۱۹ الف)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۳۸۸/۶/۷ھ

بالغہ لڑکی کا نکاح اُس کی اجازت کے بغیر دُرست نہیں

سوال:- ایک لڑکی بالغہ کا نکاح پڑھا دیا جائے مگر اس میں لڑکی سے کسی نے نہیں پوچھا اور لڑکی موقع پر موجود بھی نہیں، اور نہ لڑکی کا باقاعدہ شرع کے مطابق کوئی وکیل ہے، کیا اس حالت میں نکاح منعقد ہوجائے گا یا نہیں؟

۲:- لڑکی کو جب اس کی اطلاع ملی تو اس نے انکار کردیا، اور اب تک تقریباً تین سال گزرنے کے بعد بھی انکار کرتی ہے۔

۳:- لڑکا جس کے مدعی نکاح کے دعویدار ہیں، وہ لڑکا اس وقت بیرون جیل ہے، چوری اور ہر قسم کے نشے اور جوئے کا عادی ہے، ورنہ اس کی بدعملی کی پاداش میں جیل میں بند ہے، کیا مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ یہ نکاح ہوگیا ہے؟ اگر نہیں ہوا تو چھٹکارا سے طلاق کی ضرورت نہیں پڑے گی؟ اور نکاح ثابت ہوچکا ہے تو نمبر ۳ میں بیان کردہ وجوہات کی بناء پر اس لڑکی سے شادی ہوسکتی ہے یا لڑکی کے والدین کو یہ حق حاصل ہے کہ لڑکی کی شادی نہ کریں اور اس سے چھٹکارا حاصل کریں۔

جواب:- اگر یہ درست ہے کہ نکاح کے وقت لڑکی سے پوچھا نہیں گیا، نہ لڑکی نے کسی کو وکیل بنایا، نہ نکاح کی اجازت دی، اور نہ وہ نکاح کے وقت موجود تھی اور بعد میں بھی جب سے نکاح

کی اطلاع ہوئی تو اس نے نکاح کو منظور نہیں کیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہی نہیں ہوا، لہٰذا لڑکی جہاں چاہے اپنا نکاح کرسکتی ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۷/۵/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۷۴۹/۳۸ ب)

دُوسرے کے کئے ہوئے نکاح کی عملی اجازت دینے سے نکاح منعقد ہوجائے گا

سوال:- ایک شخص کے لئے اس کے بھائی نے نکاح کردیا، جب وہ آیا تو اس نے انکار کیا اور کہا کہ مجھے تو بالکل معلوم نہیں اور نہ مجھ سے کسی نے پوچھا ہے، تو کیا یہ نکاح صحیح ہے؟ اور اس کے بعد یہ شخص اپنی بیوی کو لینے کے لئے گیا ہے۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں جب نکاح کا عقد اس شخص کے بھائیوں نے اس کی عدم موجودگی میں کیا تو اگر اس کی اجازت سے ایسا کیا تھا تو وہ بھائی وکیلِ نکاح ہوگئے اور ان کا ایجاب و قبول کرنا کافی ہوگیا۔ اور اگر بھائیوں نے نکاح کرتے وقت اس شخص سے اجازت نہیں لی تھی تو وہ نکاح فضولی ہوا، اور اس کے بعد جب یہ شخص اپنی بیوی کو لینے کے لئے گیا تو اس کا جاکر بیوی کو لے آنا عملاً نکاح کی اجازت ہے، اس لئے کہ اگرچہ منعقد نکاح تو عمل سے نہیں ہوسکتا، لیکن فضولی کے کئے ہوئے نکاح کی اجازت عمل سے ہوسکتی ہے۔ قال الشامی رحمہ اللہ: وھل یکون القبول بالفعل کالقبول باللفظ کما فی البیع؟ قال فی البزازیۃ ... انہ یکون قبولاً وانکرہ صاحب المحیط وقال الامام ما لم یقل بلسانہ قبلت بخلاف البیع ... وبخلاف اجازۃ نکاح الفضولی بالفعل لوجود القول ثمہ اھ. شامی ج ۲ ص ۲۶۵(۲)۔ لہٰذا یہ نکاح درست ہوگیا اور اب از سرِ نو ایجاب و قبول کی ضرورت نہیں، لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ بھائیوں نے منعقد نکاح گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و

---

(۱) وفی الھندیۃ کتاب النکاح الباب الرابع ج ۱ ص ۲۸۷ طبع ماجدیہ: لا یجوز نکاح احد علی بالغۃ صحیحۃ العقل من اب او سلطان بغیر اذنھا بکرا کانت او ثیبا فان فعل ذلک فالنکاح موقوف علی اجازتھا فان اجازتہ جاز وان ردتہ بطل ... الخ. وفی الدر المختار کتاب النکاح باب الولی ج ۳ ص ۵۸ طبع سعید: ولا تجبر البالغۃ البکر علی النکاح لانقطاع الولایۃ بالبلوغ. وفی الھدایۃ کتاب النکاح ج ۲ ص ۳۰۳ طبع شرکت علمیہ: وینعقد نکاح الحرۃ العاقلۃ البالغۃ برضائھا ... الخ

(۲) ردّ المحتار کتاب النکاح قبیل مطلب التزوج بارسال کتاب ج ۳ ص ۱۲ (طبع سعید)

وفی الھندیۃ کتاب النکاح الباب الرابع فی الاولیاء ج ۱ ص ۲۹۹ طبع ماجدیہ: وتثبت الاجازۃ لنکاح الفضولی بالقول والفعل کذا فی البحر الرائق.

وفی البحر الرائق کتاب النکاح باب الاولیاء والاکفاء ج ۳ ص ۱۲۳ طبع بیروت وفی طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج ۳ ص ۱۵ ... رجل زوج رجلا بغیر امرہ فھنأہ القوم وقبل التھنئۃ فھو رضا لان قبول التھنئۃ دلیل الاجازۃ

قبول کر لیا ہو، اگر کوئی اور صورت ہوئی تھی تو دوبارہ مسئلہ پوچھ لیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۴/۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۴۶۶ الف)

بالغ لڑکی کا، نکاح کی منظوری دینے کے بعد انکار کرنا

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان عظام شرع متین اس مسئلے کے بارے میں؟ فتویٰ چاہتا ہوں۔ مسئلہ: اگر فرض کیا کہ ایک عاقلہ، بالغہ اور مسلمان لڑکی روبروئے پنچایت یا عدالت وغیرہ، نکاح کے بعد یہ بیان دیتی ہے کہ اس نے نکاح اپنی بلوغت کی عمر میں اپنی مرضی سے نہیں کیا تھا، بلکہ اپنی حقیقی ماں کا دل رکھنے کے لئے کیا تھا، تو اس نکاح کی قرآن و سنت کی روشنی میں کیا حیثیت ہے؟ اور اس بیان کی کیا حیثیت ہے؟ میرے خیال کے مطابق لڑکی کا یہ بیان اس وقت قابل قبول ہونا چاہئے جبکہ لڑکی کا نکاح نابالغی کی عمر میں ہوا ہو اور لڑکی بالغ ہونے کے بعد بقائمی ہوش و حواس خمسہ بیان مذکورہ بالا دے، تو پھر قابل قبول نہیں ہونا چاہئے۔ فتویٰ صادر کیجئے اور یہ بھی تحریر کیجئے کہ ان حالات میں اسلامی قانون کی روشنی میں لڑکی اور اس کے گھر والوں کے لئے کیا سزا تجویز ہے؟

جواب - جب لڑکی بالغ ہو اور اس نے نکاح کی منظوری دے دی ہو تو نکاح ہو گیا،(۱) بعد میں اس کا یہ کہنا کہ میں نے والدہ کا دل رکھنے کے لئے کہا تھا، اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح قائم ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
[illegible]ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰/۳۷۳)

کیا شوہر کو قتل کروانے کے بعد عورت کا دُوسری جگہ نکاح ہوجائے گا؟

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں؟ فتویٰ چاہتا ہوں۔ مسئلہ: فرض کیا اگر میری بیوی اور اس کے گھر والے وغیرہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اب کسی بھی طریقے سے اور بذریعہ عدالت بھی اس خاوند سے جان نہیں چھوٹ سکے گی تو اگر میری بیوی اور اس کے گھر والے اپنی لڑکی یعنی میری بیوی کی دوسری شادی کرنے کے لئے مجھے قتل کروا دیتے ہیں تو

---

(۱) وفي الهندية كتاب النكاح ج ۱ ص ۲۸۳ طبع شركت علميه: وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها ...
وفي الهندية كتاب النكاح باب ... ج ... ص ۲۶۹ طبع ماجديه: ومنها رضا المرأة ... [illegible]

سوال یہ ہے کہ ان حالات میں قتل کا گناہ کبیرہ تو میری بیوی اور اس کے گھر والوں وغیرہ پر ہوگا کہ نہیں، لیکن یہ مجھے قتل کروانے کے بعد میری بیوی جو بیوہ ہوئی اس کا نکاح کسی دوسرے مرد کے ساتھ جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب:- قتل کا سخت گناہ ہوگا،[۱] مگر عدت گزرنے کے بعد دوسرے شخص سے نکاح ہوجائے گا۔

واللہ سبحانہ اعلم

[illegible] ۱۳۹۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۱ ۳۔۳)

والد کی طرف سے نابالغ لڑکی کا کیا ہوا نکاح درست ہے

سوال - زید نے بکر کے طفل صغیر کے ساتھ اپنی دختر صغیرہ کا نکاح اپنی رضا و رغبت کے ساتھ کر دیا ہے، اب صغیرہ مذکورۃ الصدر حد بلوغت کو پہنچ چکی ہے اور بکر کا طفل صغیر حد بلوغت کو نہیں پہنچا ہے، البتہ چار پانچ سال تک بالغ ہوجائے گا، لہٰذا زید اب یہ چاہتا ہے کہ میں اتنی مدت دراز تک اپنی لڑکی بالغہ کو کیسے بٹھائے رکھوں گا۔ شرع شریف میں میرے لئے کوئی نجات کی صورت ہو سکتی ہے یا نہیں؟ بلا طلاق اپنی لڑکی کا نکاح کسی نوجوان کے ساتھ کر سکتا ہوں یا بغیر طلاق کے عقد ثانی نہیں ہو سکتا؟ ایسی مجبوری کی حالت میں دوسرے امر کی تمہید کرنا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

جواب - صورت مسئولہ میں زید نے اپنی نابالغ لڑکی کا جو نکاح بکر کے نابالغ لڑکے کے ساتھ کر دیا ہے، وہ شرعاً منعقد ہوگیا ہے، اب لڑکے کے بالغ ہونے تک طلاق[۲] یا فسخ نکاح کی کوئی صورت نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۴ [illegible] ۱۳۹۶ھ

(فتویٰ نمبر ۲ ۔۲ ۲۸ ب)

نابالغ کے ایجاب وقبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال - زید نے اپنی دختر صغیرہ کا عقد نکاح بکر کے نابالغ لڑکے کے ساتھ مجلس عام میں بروایت خود، اپنی رضا و رغبت کے ساتھ کر دیا ہے، اب چونکہ لڑکی بالغ ہوگئی ہے اور بکر کے لڑکے کو کسی حد تک کچھ دیر ہے، یعنی چھ سات برس کے بعد بالغ ہوگا، لڑکی کے بلوغ کے بعد ایک اختلاف پیدا ہوا یہ

---

[۱] ومن يقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤه جهنم خالدا فيها وغضب الله عليه ولعنه وأعد له عذابا عظيما. سورة النساء ۹۳

[۲] وفي الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب الأول فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه ج ۱ ص ۳۵۳ طبع ماجديه كوئٹه) يقع طلاق كل زوج اذا كان بالغا عاقلا . . . . ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل

وفي الهداية كتاب الطلاق ج ۲ ص ۳۵۸ طبع شركت علمية ملتان ويقع طلاق كل زوج إذا كان عاقلا بالغا ولا يقع طلاق الصبي والمجنون والنائم لقوله عليه السلام كل طلاق جائز إلا طلاق الصبي والمعتوه ولأن الأهلية بالعقل المميز وهما عديما العقل والنائم عديم الاختيار .... الخ

تھا کہ وقت ایجاب نکاح بکر نے قبول نہیں کیا تھا، بلکہ بکر نے اپنے طفلِ صغیر کی زبان سے ایجاب و قبول کرایا تھا، نکاح کی مجلس کے بعض حضرات اس کی تصدیق کرتے ہیں، مگر اکثریت عوام الناس کی بات کی تردید کرتی ہے کہ ایجاب وقبول بذاتِ خود بکر نے کیا ہے، ہاں اگر خدانخواستہ بکر سے سہواً ایسا ہوگیا تھا یا عمداً ایسا کیا گیا تھا کہ صغیر کی زبانی اپنی موجودگی اور سرکردگی میں ایجاب وقبول کرایا ہے تو شرعاً یہ نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟

جواب:- نابالغ کا ایجاب وقبول معتبر نہیں، لہٰذا اگر بکر نے اپنے نابالغ بچے کا نکاح کراتے وقت خود ایجاب وقبول کیا ہے تب تو نکاح صحیح ہوگیا، اور اگر خود کرنے کے بجائے نابالغ بچے سے کرایا ہے تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۷/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۳۰/۲۸ ب)

وٹہ سٹہ کے نکاح کی شرعی حیثیت

خلاصۂ سوال:- زید نے عمرو سے اپنے لڑکے کے لئے لڑکی طلب کی، حسبِ رواج زید نے عوضاً لڑکی طلب کی، عمرو نے بھی اس کو لڑکی دینے کا وعدہ کیا، اور عمرو کے تین چار لڑکے تھے، عمرو نے کہا کہ میرا جو لڑکا راضی ہو تو اس کے ساتھ نکاح کراؤں گا، ورنہ میں اپنے جس لڑکے کو بھی کردوں تو تجھ کو اعتراض کا حق نہ ہوگا، زید رضامند ہوگیا، زید کی لڑکی نابالغ تھی، البتہ زید کا لڑکا اور عمرو کی لڑکی جوان تھے، ان کا نکاح ہوگیا، اب عمرو نے اپنے نمبر دو لڑکے کی شادی دوسری جگہ کی، زید کی لڑکی بھی جوان ہوئی، عمرو نے مطابق وعدہ لڑکی طلب کی تیسرے لڑکے کے لئے، زید کی اہلیہ نے رواج کے مطابق منگنی وغیرہ بھی کی، مگر زید کہتا ہے کہ اب تک شرعی نکاح نہیں ہوا ہے، جب زید نے لڑکی سے اجازت لینی چاہی تو لڑکی نے صاف انکار کردیا، زید نے بھی عوضاً لڑکی دینے سے انکار کردیا، حکم شرعی کیا ہے؟

جواب:- نکاح میں لڑکی کے بدلے لڑکی کے معاوضے کی شریعتِ اسلام میں کوئی حقیقت نہیں ہے،(۲) اس لئے صورتِ مسئولہ میں اگر زید کی بالغ لڑکی عمرو کے لڑکے سے شادی کرنے پر راضی نہیں

---

(۱) وفي الدر المختار كتاب النكاح باب الولي ج:۳ ص:۵۵ (طبع سعيد) وهو اي الولي شرط صحة نكاح صغير ومجنون ... الخ. وفي الهندية كتاب النكاح الباب الأول ج:۱ ص:۲۶۷ (طبع ماجدية) ومن شروطه أهلية العقل والبلوغ والحرية في العاقد إلا أن الأول شرط الانعقاد فلا ينعقد نكاح المجنون والصبي الذي لا يعقل.

(۲) وفي الدر المختار ج:۳ ص:۱۰۶ ووجب مهر المثل في الشغار هو أن يزوجه بنته على أن يزوجه الآخر بنته أو أخته مثلاً معاوضة بالعقدين وهو منهي عنه لخلوه عن المهر، فأوجبنا فيه مهر المثل فلم يبق شغارًا. وفي الشامية قوله هو أن يزوجه فسّر في النهر وهو أن يشاغر الرجل أي يزوجه حريمته على أن يزوجه الآخر حريمته ولا مهر إلا هذا ... وفي الشامية يصلح قوله وهو منهي عنه لخلوه عن المهر ... هو أي النهي محمول على الكراهة أي والكراهة لا توجب الفساد فيكون الشرع وجب فيه أمرين الكراهة ومهر المثل الخ

ہے تو اسے شادی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، چونکہ لڑکی عاقل و بالغ ہے اس لئے اس کی مرضی کے خلاف نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ (۲)

واللہ اعلم بالصواب
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۲/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۹۱/۱۸ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

اصل ولدیت ظاہر نہ کرنے کی صورت میں نکاح کا حکم

سوال:- مسماۃ مہرالنساء، نجم بنت سید شاکر علی مرحوم کا نکاح ہمراہ عشرت علی ولد انور علی سے ہوا، عشرت علی کے حقیقی والد تو کوئی اور صاحب تھے، انور علی، عشرت علی کے سوتیلے والد ہیں، کیا شرعاً نکاح میں کوئی سقم ہے؟ اگر ہے تو اس کا مداوا کس طرح ہوسکتا ہے؟

جواب:- عشرت علی صاحب کو اپنی ولدیت ہمیشہ اپنے اصل والد کی بتانی چاہئے، (۳) سوتیلے باپ کی طرف نسبت کرنا خلاف واقعہ ہونے کی بنیاد پر جائز نہیں، لیکن اگر نکاح کے وقت غلط ولدیت بتادی گئی مگر عورت یا اس کا وکیل جانتا تھا کہ اس سے مراد کون سے عشرت علی ہیں، تو نکاح درست ہوگیا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۱/۱۲/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹۰/۳۲ ج)

سولہ سالہ گواہ کی گواہی سے نکاح درست ہوجائے گا

سوال:- ایک آدمی نے اپنی لڑکی مطلقہ سے اجازت لے کر اپنے مکان میں روبرو دو گواہوں کے ایجاب وقبول نکاح کردیا (بغیر خطبہ وغیرہ)، مکان مذکور میں صرف چار آدمی تھے، باقی عورت وغیرہ کوئی موجود نہ تھا، مکان میں ایک سسر، دوسرا شوہر اور دو گواہ تھے، گواہوں میں ایک کی عمر ۱۶ سال کی تھی، جس کے منہ پر داڑھی وغیرہ کے آثار نہیں تھے، اس کم عمر والے گواہ کے ہونے سے مذکورہ نکاح درست ہے؟

---

(۲) وفی الدر المختار کتاب النکاح باب الولی ج ۳ ص ۵۸ طبع سعید: ولا تجبر البالغة البکر علی النکاح لانقطاع الولایة بالبلوغ. وفی الهدایة کتاب النکاح باب فی الاولیاء ج ۲ ص ۲۹۸ طبع مکتبہ رحمانیہ: لا یجوز نکاح احد علی بالغة صحیحة العقل من اب او سلطان بغیر اذنها بکرا کانت او ثیبا الخ. وفی الهندیة کتاب النکاح باب فی الاولیاء ج ۲ ص: ۳۱۳ (طبع شرکت علمیه) وینعقد نکاح الحرّة العاقلة البالغة برضائها الخ.
(۳) وقال الله تعالی "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللهِ" (سورة الأحزاب ۵)

جواب: درست ہے، شرعاً پندرہ سال کی عمر کو پہنچنے سے بالغ شمار کیا جاتا ہے۔

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۲/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۲۷۹ الف)

حلالہ کی نیت سے کئے گئے نکاح کی شرعی حیثیت اور اسے موردِ لعنت قرار دینے کا حکم

سوال: اگر عقد کرنے والے مرد اور عورت کو ایک دوسرے کی نیت کا علم ہے مگر عقد میں اس کی تصریح نہیں کرتے تو کیا یہ نکاح بھی ناجائز اور موردِ لعنت ہے؟ "احسن الفتاویٰ" ج ۵ ص ۱۵۵ میں ہے:

> ایسے نکاح کی حرمت اور موردِ لعنت ہونے کے لئے شرطِ تحلیل کی تصریح ضروری نہیں، بلکہ ایک دوسرے کی نیت کا علم بھی قاعدہ "المعروف کالمشروط" اسی میں داخل ہے، وھو مفھوم قولہ اما اذا أضمر ذلک لا یکرہ۔

حضرت والا کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

(مولانا) محمد عامر (استاذ جامعۃ الرشید کراچی)

جواب: الفاظ تو بیشک وہی ہے جو حضرت نے "احسن الفتاویٰ" میں لکھا ہے، لیکن اس کو موردِ لعنت قرار دینا محلِ نظر ہے، فقہاء کے کلام سے اس کی تائید نہیں ہوتی، علم ہونے اور "معروف کالمشروط" ہونے میں یہ فرق ہے، معروف اس وقت کہیں گے جب کسی عرف کی بنا پر کوئی بات بغیر صراحت کے بھی مشروط سمجھی جاتی ہو، محض متعاقدین کے علم سے یہ بات حاصل نہیں ہوتی، تو مسئلہ مباحثہ میں متعاقدین کو علم ہوتا ہے مگر اسے مشروط نہیں سمجھا جاتا۔

واللہ اعلم
۱۴۲۳/۲/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۳/۶۲۴)

---

(۱) وفی الدر المختار، کتاب الحجر، فصل فی بلوغ الغلام (طبع سعید): بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والجاریة بالاحتلام والحیض والحبل فان لم یوجد فیھما شیء فحتی یتم لکل منھما خمس عشرة سنة به یفتی.
وفی الھندیة کتاب الحجر الفصل الثانی فی معرفة حد البلوغ ج ۵ ص ۶۱ (طبع رشیدیه): والسن الذی یحکم ببلوغ الغلام والجاریة اذا انتھیا الیه خمس عشرة سنة عند ابی یوسف ومحمد رحمھما الله وھو روایة عن ابی حنیفة وعلیه الفتوی
(۲) حوالہ کے لئے ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر۱ اور ص ۳۳۷ کا حاشیہ نمبر۲ ملاحظہ فرمائیں۔
(۳) وفی الدر المختار ج ۳ ص ۲۰۰ (طبع سعید): ان المعروف کالمشروط وکذا فی البحر الرائق ج ۶ ص ۳۰ (طبع دار المعرفة بیروت)

فصل فی الولایة والکفاءة وخیار البلوغ

(ولایت، کفاءت (رشتوں میں برابری وہمسری) اور خیارِ بلوغ سے متعلق مسائل کا بیان)

معروف بسوء الاختیار کے نکاح کا حکم

سوال:- ایک شخص بدکردار کا ناجائز تعلق ایک پھوپھی زاد رشتہ دار شادی شدہ عورت سے رہا تھا، اس ناجائز تعلق کے دوران بچے بھی پیدا ہوئے، کچھ عرصہ بعد اس شخص نے جس عورت سے ناجائز تعلق رکھا ہوا تھا، اس کی سگی بہن سے شادی کر لی، جس کے بطن سے لڑکی پیدا ہوئی اور شادی کے بعد اس شخص نے ناجائز تعلقات جو اس عورت سے قائم کر رکھے تھے قطع کر دیئے، اور اس عورت نے ایک اور غیر قوم کے مرد سے ناجائز تعلقات وابستہ کر لئے جس سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ اب وہ پہلا شخص جو اپنی عورت کی سگی بہن سے شادی سے پہلے تعلق رکھ چکا تھا، چند معتبر آدمیوں کے مجبور کرنے پر اپنی نابالغ لڑکی کا عقد سابقہ معشوقہ کے بطن سے جو غیر قوم کے مرد کے نطفہ سے لڑکا پیدا ہوا تھا، کر دیا، جب لڑکی بالغ ہوئی اور سارے واقعات سے باخبر ہوگئی تو لڑکی نے شادی کرنے سے انکار کیا کہ میں اس لڑکے کے ساتھ شادی نہیں کرنا چاہتی۔ لڑکی دیندار اور دینی تعلیم بھی رکھتی ہے، اور لڑکا بدکار کلمہ طیبہ تک نہیں جانتا، اب حسب شرع کیا حکم ہے؟ عقد صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح ہے اور لڑکی راضی نہیں تو اب کیا طریقہ اختیار کرنا چاہئے؟

جواب:- لڑکی کے باپ کے حالات جو سوال میں بیان کئے گئے ہیں، اگر وہ درست ہیں تو ان کے پیشِ نظر اسے معروف بسوء الاختیار کہا جا سکتا ہے، اور اس صورت میں چونکہ لڑکا لڑکی کے لئے کسی طرح کفو نہیں، اس لئے بعد بلوغ لڑکی کو خیارِ فسخ حاصل ہے، بشرطیکہ جس وقت اسے بلوغ کا علم ہوا، فوراً بلا تاخیر زبان سے یہ کہہ دے کہ میں نے اپنا نکاح فسخ کر دیا، اور اس پر گواہ بھی بنا لے، اور پھر کسی مسلمان جج کی عدالت میں دعویٰ دائر کر کے باقاعدہ نکاح فسخ کرا لے۔ وفی الدر المختار: لم

[illegible] نکاح اصل سے باطل ہے۔ یہ تحقیق آگے ص ۲۸۹ پر آرہی ہے۔ (حاشیہ از حضرت والا دامت برکاتہم)

يعرف منهما سوء الاختيار مجانة وفسقا وإن عرف لا يصح النكاح اتفاقا وكذا لو كان سكران فزوجها من فاسق أو شرير أو فقير أو ذي حرفة دنيئة لظهور سوء اختياره فلا تعارضه شفقته المظنونة بحر وفي الشامي والحاصل أن المانع هو كون الأب مشهورًا بسوء الاختيار قبل العقد فإذا لم يكن مشهورا بذلك ثم زوج بنته من فاسق صح وإن تحقق بذلك أنه سيئ الاختيار شامي(۱) وفيه أيضا ثم اعلم أن ما مر عن النوازل من أن النكاح باطل معناه أنه سيبطل(۲)

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹/۵۷ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

عجمیوں کے درمیان نسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں

سوال — ایک آدمی نے عاقلہ بالغہ لڑکی کو اغوا کیا اور اسے ڈرا دھمکا کر نکاح کر لیا، لڑکی کے والدین اس نکاح پر ناراض ہیں، کیونکہ لڑکی آرائیں قوم سے ہے اور لڑکے کا تعلق شیخ قوم سے ہے۔ (شیخ سے مراد منسوب قوم ہے) اور دونوں قوموں کی شرافت میں فرق ہے، آرائیں معزز سمجھے جاتے ہیں اور شیخ ذلیل، تو کیا اس صورت میں نکاح ہوسکتا ہے؟

جواب — آرائیں اور شیخ دونوں عجمی نسل ہیں، اور عجمیوں کے درمیان نسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، اور مذکورہ نکاح چونکہ عاقلہ بالغہ نے اپنی اجازت و رضامندی سے کیا ہے اس لئے نکاح شرعاً منعقد ہوگیا، اب اگر لڑکی یا اس کے رشتہ دار نکاح ختم کرنا چاہتے ہیں تو سوائے اس کے کوئی راستہ نہیں ہے کہ وہ لڑکے سے طلاق حاصل کریں۔ قال في الدر المختار واما في العجم فتعتبر حرية واسلاما. (شامی ج۲ ص۳۱۹)۔(۳)

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۵/۲۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۱۰۳ ب)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(۱، ۲) فتاوى شامية ج ۳ ص ۶۶، ۶۷ (طبع ايچ ايم سعيد)

(۳) وفي الشامية ج ۳ ص ۸۶ (طبع سعيد) فالنسب معتبر في العرب فقط والاسلام الاب والجد في العجم فقط والحرية في العرب والعجم .... الخ

(۴) فتاوى شامية ج ۳ ص ۸۷ (طبع ايچ ايم سعيد).

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد، آلِ رسول ہے اور کیا سیّد کا نکاح غیر سیّد میں ہوسکتا ہے؟

سوال:- زید کہتا ہے کہ سید کوئی قوم نہیں، کیونکہ نسب نرینہ اولاد سے چلتی ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نرینہ صاحب اولاد نہیں تھا۔ کیا زید کا یہ کہنا صحیح ہے؟ اور کیا سیّد کا نکاح غیر سیّد میں ہوسکتا ہے؟

جواب:- زید کا خیال غلط ہے، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی اولاد آلِ رسول ہے۔ اور غیر سید تو بہت سی قومیں ہوسکتی ہیں، بعض سادات کی کفو ہیں اور بعض نہیں،(۱) اور غیر کفو میں لڑکی اور اولیاء دونوں کی مرضی سے نکاح تو ہوجاتا ہے،(۲) مگر بہتر یہ ہے کہ نکاح کفو میں ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۵/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۲۹/۲۸ ج)

سوءِ اختیار ثابت کئے بغیر باپ، دادا کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں ہوسکتا

سوال:- زید عمر ۵ سال کا، سعیدہ عمر ۲ سال سے نکاح ہوا، بالغ ہونے پر سعیدہ نے نکاح کو تسلیم کرنے سے ہی انکار کردیا، زید نے نوٹس کے ذریعے سعیدہ کی رخصتی کا مطالبہ کیا، تو سعیدہ نے نوٹس کے جواب میں زید کو اپنے فیصلے سے آگاہ کیا اور عدالت عالیہ سے درخواست کی کہ اس کے اس حق کو تسلیم کیا جائے اور نکاح منسوخ قرار دیا جائے۔ سات سال کی مقدمہ بازی کے بعد عدالت نے اس حق کو تسلیم کرلیا اور اس بات کی تصدیق کردی کہ نکاح منسوخ ہوگیا ہے۔ اس کے خلاف اپیل کی جو مسترد ہوگئی، اب فرمائیں کہ نکاح شرعاً منسوخ ہوگیا یا نہیں؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں اگر سعیدہ کا نکاح خود اس کے باپ نے کیا تھا تو اب بالغ ہونے کے بعد سعیدہ کو اسے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے،(۳) تاوقتیکہ وہ سوءِ اختیار کو ثابت نہ کرے۔

---

(۱) سادات کے علاوہ صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی، عباسی، ہاشمی وغیرہ شیوخ قریش وغیرہ شامل ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے کفایت المفتی ج ۵ ص ۲۰۶ (طبع دارالاشاعت جدید ایڈیشن)۔

(۲) وفی المبسوط کتاب النکاح ج ۵ ص ۲۶، طبع دار المعرفة بیروت، وإذا تزوجت المرأة غیر کفء فرضی به أحد الأولیاء جاز ذلک

(۳) وفی الهندیة ج ۱ ص ۲۸۵ فان زوجهما الأب والجد فلا خیار لهما بعد بلوغهما وإن زوجهما غیر الأب والجد فلکل واحد منهما الخیار وفی البحر الرائق کتاب النکاح باب الأولیاء ج ۳ ص ۱۲۸ طبع بیروت وفی طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ج ۳ ص ۱۲۰)

اور اب سعیدہ کا نکاح کرنے والا خود اس کا باپ نہیں تھا، خواہ باپ کا وکیل ہی کیوں نہ ہو، تو لڑکی کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے، اس صورت میں عدالت کا فسخ کا فیصلہ[۲] شریعت کے مطابق ہوگا۔ ولزم النكاح ولو بغبن فاحش أو بغير كفؤ إن كان الولي المزوج بنفسه بغبن أباً أو جداً لم يعرف منهما سوء الاختيار ... وإن كان المزوج غيرهما أي غير الأب وأبيه ولو الأم أو القاضي أو وكيل الأب لا يصح من غير كفؤ أو بغبن فاحش أصلاً وإن كان من كفؤ وبمهر المثل صح ولهما خيار الفسخ (الدر المختار باختصار مع الشامي ج ۲ ص ۳۰۰ تا ۳۰۲)۔[۳]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱/۱۱ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹/۳۶ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا

سوال — مسمی رحیم بخش نے اپنی حقیقی لڑکی کا نکاح بحالت نابالغی عمر ۹، ۱۰ سال کے خوشی و رضامندی کے ساتھ شیر محمد کے ساتھ کر دیا، کچھ عرصہ بعد مسمی شیر محمد باہر چلا گیا اور عدم پتہ ہوا، عرصہ چار پانچ سال کے بعد لڑکی کے باپ نے عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کر دیا، عدالت میں مقدمہ سات آٹھ ماہ چلتا رہا، اس دوران عدالت نے شیر محمد مذکور کے وارثوں کو حکم دیا کہ وہ شیر محمد کو تین ماہ کے اندر اندر حاضر عدالت کریں، ورنہ حکم تنسیخ کر دیا جائے گا، چنانچہ اس قلیل وقت میں لڑکے کو عدالت میں حاضر نہ کیا جا سکا تو عدالت نے تنسیخ نکاح کا حکم دے دیا، تنسیخ سے قبل عدالت نے سرکاری طور پر شیر محمد کو تلاش نہیں کیا، نہ تو عدالت نے کوئی نوٹس دیا اور نہ کوئی اعلان یا اخبار میں اشتہار دیا، تنسیخ کے بعد دوسری شادی کی اجازت دے دی گئی، چنانچہ بعد تین ماہ عدت گزرنے کے لڑکی کے باپ نے اس کی شادی ایک اور شخص مسمی محمد شفیع سے کر دی، نکاح کے دو تین ماہ بعد شیر محمد مذکور آ گیا، اور اس نے اپنی بیوی کا مطالبہ کیا، مگر لڑکی کے والد نے انکار کر دیا اور کہا کہ لڑکی دوسرے شخص محمد شفیع کے گھر رہے گی، کیونکہ عدالت نے نکاح ثانی کی اجازت دے دی ہے اور اب تک بفضلہ قائم ہے، لہذا اب صورت

وفي الهندية ج ۱ ص ۲۸۵ ... [illegible] ... وفي البحر ... [illegible] ... ج ۳ ص ۱۲۸ طبع بيروت وفي طبع مكتبه رشيديه كوئٹه ج ۳ ص ۱۲۰)

(۲) [illegible] ... کا فیصلہ کیا تھا۔ (محمد تقی)

(۳) الدر المختار ج ۳ ص ۶۶–۶۹ (طبع ایچ ایم سعید)

مذکورہ میں کیا نکاح اوّل منسوخ ہوگیا یا نہیں؟

جواب:- اس سوال کے ساتھ عدالت کا جو فیصلہ منسلک تھا، اس میں فسخ نکاح خیارِ بلوغ کی بناء پر کیا گیا ہے، جس پر تنقیحات کی گئیں، ان تنقیحات کے بعد مندرجہ ذیل اُمور ثابت ہوئے، ۱- لڑکی کا نکاح خود باپ نے کیا تھا، ۲- لڑکی نے آثارِ بلوغ ظاہر ہوتے وقت نکاح کو نامنظور کرنے کے لئے کوئی اقدام نہیں کیا۔

لہٰذا اوّل تو یہ نکاح چونکہ باپ کا کیا ہوا ہے (اور اس کے سیٔ الاختیار ہونے کا دعویٰ لڑکی نہیں کرتی) اس لئے اس میں لڑکی کو خیارِ بلوغ سرے سے حاصل ہی نہیں ہے، کما ھو مصرح فی سائر کتب الفقه[1] دوسرے اگر حاصل ہوتا تب بھی لڑکی نے خیارِ بلوغ کے حق کو استعمال کرنے کا وقت گزار دیا، لہٰذا شرعاً خیارِ بلوغ کی بناء پر عدالت کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں تھا، اور شریعت کی رُو سے اس کا فسخ نکاح صحیح نہ ہوا، لہٰذا محمد شفیع سے اس کا نکاح باطل و کالعدم ہے، اور اصل خاوند شیر محمد بدستور لڑکی کا شوہر ہے، البتہ اگر محمد شفیع لڑکی کے ساتھ صحبت کرچکا ہو تو جب تک اسے تین حیض نہ آجائیں شیر محمد کے لئے اس سے صحبت کرنا جائز نہیں۔　　　واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

الجواب صحیح　　　　　احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ　　　　　۱۳۸۸/۲/۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱۲/۱۹ الف)

ثیبہ کے نکاح کے لئے اس کی صراحتاً رضامندی شرط ہے

سوال:- کتاب تجرید صحیح بخاری کے صفحہ ۶۲ پر یہ حدیث نظر سے گزری، اُمید ہے کہ آپ اس کے بارے میں پوری تشریح فرمائیں گے (نابالغہ کو بالغ ہونے پر فسخ نکاح کا اختیار) حضرت خنساء بنت خذام انصاریہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے والد نے میرا نکاح کسی شخص سے کردیا، اس سے قبل میری ایک مرتبہ شادی ہوچکی تھی، کنواری نہ تھی، اور اس نکاح سے میں خوش نہ تھی، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ نے نکاح کو ناجائز قرار دیا اور لوٹا دیا۔ الخ۔ اس کے علاوہ دیگر کتب سے سن بلوغ اور اختیار فسخ نکاح پر روشنی ڈال کر مشکور فرمائیں۔

جواب:- یہ حدیث صحیح ہے، اور اسی کی بناء پر اسلامی فقہ میں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ جو

---

(۱) وفی الهندية ج ۱ ص ۲۸۵ (طبع ماجديه) فان زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما
وفی البحر الرائق كتاب النكاح باب الأولياء ج ۳ ص ۲۰ طبع رشيديه كوئته: ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد .... الخ

عورت ثیبہ ہو یعنی پہلے ایک مرتبہ اس کی شادی ہو چکی ہو، تو اس کا نکاح اس وقت تک منعقد نہیں ہوتا جب تک کہ وہ صریح الفاظ میں رضامندی ظاہر نہ کرے،(۱) اس طرح رضامندی حاصل کئے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوتا۔ حدیث مذکور میں حضرت خنساءؓ چونکہ ثیبہ تھیں اور ان کے والد نے ان کی مرضی کے بغیر نکاح کر دیا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے نکاح کو ناجائز قرار دیا،(۲) لیکن اس حدیث کو نابالغ لڑکی کے فسخ نکاح کے حق سے کوئی تعلق نہیں ہے، نابالغ کا حق فسخ دوسری روایات سے ثابت ہے، اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ لڑکی کا نکاح اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور شخص نے نابالغی کی حالت میں کر دیا تو لڑکی کو یہ حق ہے کہ وہ بالغ ہوتے ہی فوراً نکاح کو نامنظور ہونے کا اعلان کر دے تو وہ نکاح ختم ہو جاتا ہے، جسے عدالت کے ذریعے ثابت کیا جا سکتا ہے،(۳) اور بالغ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ لڑکی کو حیض آنا شروع ہو جائے یا شرعی عمر پورے پندرہ سال کی ہو جائے۔(۴) واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۷/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱۲/۱۹ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

اولیاء کی رضامندی کے بغیر لڑکی کا غیر کفو میں نکاح کرنا

سوال - خلاصہ سوال کا یہ ہے کہ باپ کی مرضی کے خلاف میری لڑکی نے ایک جگہ ایک ایسے آدمی سے نکاح کیا ہے جو نیک سیرت نہیں ہے، مزید براں اس کے پہلے سے ایک بیوی اور چار بچے بھی موجود ہیں، گھر میں جھگڑے وغیرہ کی بناء پر اب اس لڑکی کو میں عاق کرنا چاہتا ہوں، رہنمائی کیجئے۔

جواب - سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی نے جس شخص سے شادی کی ہے، اس کو لڑکی کا باپ اپنے کفو نہیں سمجھتا، اور شرعاً لڑکی کو یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ باپ کی اجازت و رضامندی سے

---

(۱) وفي الدر المختار ج:۳ ص:۶۲۰ ... بل لا بدّ من القول (كالثيّب) البالغة ... الخ

(۲) وفي صحيح البخاري ج:۲ ص:۷۷۱ طبع قديمي كتب خانه باب إذا زوّج ابنته وهي كارهة فنكاحه مردود: عن خنساء بنت خدام الأنصارية أن أباها زوّجها وهي ثيّب فكرهت ذلك فأتت رسول الله صلى الله عليه وسلم فردّ نكاحها.

(۳) وفي الهداية كتاب النكاح باب في الأولياء ج:۱ ص:۲۸۵ طبع ماجديه، فإن زوّجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما وإن زوّجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار ... ويشترط فيه القضاء
وكذا في البحر الرائق كتاب النكاح باب الأولياء ج ۳ ص:۱۲۰ (طبع رشيديه كوئٹه)

(۴) وفي الدر المختار كتاب الحجر، فصل في بلوغ الغلام ج:۶ ص:۱۵۳ وبلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال والجارية بالاحتلام والحيض والحبل فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة، وبه يفتى
وفي البحر الرائق ج:۸ ص:۹۵ باب الحجر بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال ... والجارية بالحيض والاحتلام والحبل، ويفتى بالبلوغ فيهما بخمسة عشرة سنة وكذا في البدائع ج ۷ ص:۱۷۱.

بغیر غیر کفو میں نکاح کرے، لہٰذا اگر وہ شخص واقعۃً کفو نہیں ہے، تو اس کا یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا،[1] رشتہ داروں کو چاہئے کہ وہ لڑکی کو لڑکے سے سمجھائیں کہ یہ نکاح درست نہیں ہوا، اور اس کے ساتھ رہ کر وہ حرام کے مرتکب ہوں گے، لما فی الدر المختار: فلا تحل مطلقة ثلاثا نكحت غير كفؤ بلا رضا ولي بعد معرفته اياه فليحفظ (شامی ج ۲ ص ۴۰۹)، لیکن عاق کرنے کی شریعت میں کوئی اصل نہیں ہے، باپ کو کسی حال میں یہ اختیار نہیں ہے کہ وہ اپنی اولاد کو اپنی میراث سے محروم کرے۔

واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۱۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶۳/۱۹ الف)

نابالغہ کا نکاح باپ نے کیا ہو تو بعد میں خود باپ وہ نکاح فسخ نہیں کرسکتا

سوال - زید نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نام بکر کے ساتھ اپنے وکیل سے کرایا اور ایجاب وقبول کی مجلس کے اندر موکل (یعنی باپ) موجود تھا، اور مہر اور خطبہ بھی پڑھا گیا، چند سال بعد زید اپنی لڑکی کے نکاح کے ایجاب وقبول سے انکار کرتا ہے، مگر پہلے نکاح کے وکیل اور گواہ موجود ہیں، اور اقرار بھی کرتے ہیں، اب زید اور اس کے معین فی ہذا عنداللہ شرع کیا حکم رکھتے ہیں؟ اور جس مولوی صاحب نے نکاح پڑھایا وہ کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب - صورت مسئولہ میں اگر نابالغ لڑکی کا نکاح کفو میں مہر کے ساتھ کیا گیا ہے تو یہ نکاح منعقد ہوگیا، اب زید کو اس نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار نہیں ہے،[2] البتہ لڑکی کو بلوغ کے وقت یہ اختیار ہوگا کہ اگر وہ چاہے تو بالغ ہوتے ہی فوراً اس نکاح کو نامنظور کردے، اس صورت میں نکاح فسخ ہوجائے گا، لما فی الدر المختار: وإن المزوج غيرهما اى غير الأب وأبيه ولو الام أو القاضي

---

(۱) وفي الدر المختار كتاب النكاح باب الولي ج ۳ ص ۵۶ ويفتى في غير الكفؤ بعدم جوازه اصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان. وفي المبسوط باب الاكفاء ج ۵ ص ۲۵ طبع دار المعرفة بيروت: وإذا زوجت المرأة نفسها من غير كفؤ فللأولياء أن يفرقوا بينهما، لأنها ألحقت العار بالأولياء

(۲) الدر المختار ج ۳ ص ۵۷ (طبع سعيد)

(۳) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۲۳۰ كتاب الطلاق وأهله زوج عاقل وفي الشامية احترز بالزوج عن سيد العبد ووالد الصغير

أو وكيل الأب ... لا يصح النكاح من غير كفؤ أو بغبن فاحش أصلاً، وإن كان من كفؤ وبمهر المثل صح ولهما خيار الفسخ (شامی ج ۲ ص ۴۱۹، ۴۲۰)۔(1) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی بلندشہری عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹/۶ الف)

بچپن میں نکاح کی صورت میں بلوغت کے بعد لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہوگا

سوال:- زید نے اپنی نابالغ لڑکی کا ایجاب وقبول کرانے کے لئے بکر کے لڑکے کے ساتھ، ایک شخص کو وکیل بنایا، وکیل زید نے (موکل) کے روبرو ایجاب وقبول کرلیا، نکاح خوانی بھی ہوگئی، چند عرصہ کے بعد لڑکی نے انکار کردیا (یعنی جوان ہونے کے بعد)، اور زید نے بھی انکار کردیا، وکیل اور گواہ اقرار کرتے ہیں ایجاب وقبول کا۔ کیا اس صورت میں زید اپنی بیٹی کا نکاح دوسری جگہ کرسکتا ہے؟ اور جس مولوی صاحب نے نکاح پڑھایا تھا اس کے پیچھے نماز جائز ہوگی؟

جواب:- صورت مسئولہ میں زید کی لڑکی کا نکاح بکر کے لڑکے کے ساتھ منعقد ہوگیا، البتہ لڑکی کو خیارِ بلوغ حاصل ہے،(2) جس کی تفصیل اس وقت بتائی جاسکتی ہے جب مندرجہ ذیل سوالات کا جواب آپ لکھ کر بھیج دیں:-

۱- جب زید کی لڑکی پر آثارِ بلوغ (حیض) ظاہر ہوئے تو اس نے اپنے نکاح کے بارے میں کیا رویہ اختیار کیا؟

۲- لڑکی نے بالغ ہونے کے کتنے عرصے بعد نکاح سے انکار کیا ہے؟

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۸۸/۱/۲ھ

---

(1) الدر المختار كتاب النكاح باب الولي ج:۳ ص:۶۷ الى ۶۹ (طبع سعيد)
وفي الهندية كتاب النكاح الباب الرابع ج ۱ ص ۲۸۵ طبع مكتبه ماجديه: وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ ... الخ وكذا في البحر الرائق كتاب النكاح باب الأولياء ج ۳ ص ۱۲۸ (طبع بيروت، وفي طبع مكتبه رشيديه كوئٹه ج:۳ ص ۱۲۰).
(2) وفي الهندية كتاب النكاح الباب الرابع ج ۱ ص ۲۸۵ طبع ماجديه: وإن زوجهما غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ ... الخ

لڑکی نے بالغ ہوتے ہی اپنا خیار استعمال نہ کیا تو بعد میں فسخِ نکاح کا اختیار نہیں

سوال:- لڑکی نابالغہ کا نکاح چچا نے کر دیا، جب تقریباً بائیس سال کی ہوئی تو اس نے تنسیخِ نکاح کا دعویٰ دائر کیا کہ میرے چچا نے میری مرضی کے مطابق نکاح نہیں کیا، اب کیا یہ نکاح قابلِ فسخ ہے یا نہیں؟

جواب:- لڑکی کو خیارِ بلوغ کے تحت فسخِ نکاح کا حق اسی وقت حاصل تھا جب اس پر بلوغ کے آثار (حیض) ظاہر ہوئے تھے، جب اس نے اس وقت نکاح فسخ نہیں کیا تو اس کے بعد سالہا سال گزر جانے پر وہ خیارِ بلوغ کا حق استعمال نہیں کر سکتی۔ (۱)

واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ ۱۳۸۸/۱/۲ھ

اولیاء کی رضامندی سے غیر قوم میں نکاح کرنے کا حکم

سوال:- مسماۃ بی بی حنیفہ سید خاندان سے تعلق رکھتی ہے، اور جوان العمر ہے، وہ ایک غیر قوم سے نکاح کرنا چاہتی ہے، کیا اس کو یہ حق حاصل ہے؟

جواب:- اگر لڑکی کے اولیاء غیر قوم میں شادی کرنے پر راضی ہوں اور لڑکی بھی راضی ہو تو بلاشبہ وہ نکاح کر سکتی ہے، (۲) اور اگر اولیاء راضی نہیں ہوں تو غیر قوم کی تفصیل لکھئے کہ کس قوم میں لڑکی شادی کرنا چاہتی ہے وہ کون سی قوم ہے؟ اور اولیاء اس کے ساتھ نکاح کرنے پر کیوں راضی نہیں ہیں؟ تب جواب دیا جا سکے گا۔

واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح — بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ ۱۳۸۸/۱/۲۳ھ

---

(۱) وفي الفتاوى الهندية كتاب النكاح فصل في الخيارات ج ۱ ص ۲۸۶ طبع ماجديه: وإذا بلغت وهي بكر فسكتت ساعة بطل خيارها في ظاهر الرواية فينبغي أن تطلب وتشهد على ذلك. وفي الدر المختار ج ۳ ص ... ولا يمتد إلى آخر المجلس. وفي الشامية تحته أي مجلس بلوغها وعلمها بالنكاح كما في الفتح أي إذا بلغت وهي عالمة بالنكاح أو علمت به بعد بلوغها فلا بد من الفسخ في حال البلوغ أو العلم فلو سكتت ولو قليلا بطل خيارها ولو قبل تبدّل المجلس.

(۲) وفي الهداية كتاب النكاح ج ۲ ص ۳۱۳ طبع شركت علميه: وينعقد نكاح الحرّة العاقلة البالغة برضاها ... وفي البحر الرائق كتاب النكاح باب الأولياء ج ۳ ص ... طبع بيروت وفي طبع مكتبه رشيديه كوئته ج ۳ ص ۵۹: ينعقد نكاح حرة مكلفة بلا ولي، لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة ... والمراد بطلب الولي التزويج كيلا تنسب إلى الوقاحة ... الخ وفي الهندية كتاب النكاح الباب الأول ج ۱ ص ۲۶۹ طبع ماجديه) ومنها رضاء المرأة إذا كانت بالغة بكرًا كانت أو ثيبًا ... الخ

بالغ لڑکی اپنا نکاح خود کرسکتی ہے

سوال:- میرے والد صاحب میں بہت سی بری، خراب عادتیں موجود ہیں، جو ہمارے لئے تکلیف کا باعث ہونے کے ساتھ ساتھ ہماری عزتوں کی حفاظت میں رکاوٹ بھی ہیں۔ نشے کے عادی ہیں، گھر میں خرچ نہیں دیتے، والدہ کے ساتھ گالی گلوچ کے ساتھ بات کرتے ہیں، کئی مرتبہ انہوں نے خودکشی کے لئے نشہ آور دوائیں کھائی ہیں، مگر خدا نے ہر مرتبہ بچایا، خاندان والوں نے ان کو خاندان سے نکال دیا ہے، اچھی سے اچھی نوکری والد صاحب کو ملتی ہے، مگر چھ سات ماہ سے زیادہ نوکری نہیں کرتے، بلکہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ نوکری سے علیحدہ کردیئے جاتے ہیں۔ سات آٹھ ماہ پہلے کی بات ہے کہ اچانک رات کو گھر سے غائب ہوگئے، رات بھر نہ آئے، دوسرے دن ہمارے گھر پر آدمی آنے لگے اور کہنے لگے کہ تمہارے والد نے ہم سے کئی ہزار روپیہ باہر بھجوانے کا کہا ہے، وعدہ کرکے چلے گئے ہیں، کہاں ہیں؟ ان تمام واقعات کی روشنی میں اب یہ سوال ہے کہ میری ایک چھوٹی بہن ہے، اس کی عمر ۱۷ سال ہے، اس کی شادی کی بات چیت چل رہی ہے، اب تک میرے ماموں سرپرست ہیں، ہمارا خرچ بھی برداشت کرتے ہیں، والد صاحب کو بتایا کہ میں اپنی بہن کا رشتہ فلاں جگہ کرنا چاہتا ہوں، وہ کہتے ہیں کہ میری مرضی کے بغیر لڑکی کی شادی نہیں ہوسکتی ہے اور میں یہ شادی ہونے نہیں دوں گا۔ کیا شرعاً ہم سرپرست، والد کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کرسکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں اگر لڑکی عاقلہ بالغہ ہے تو وہ اپنا نکاح خود کرسکتی ہے، بشرطیکہ جس لڑکے سے نکاح کرے وہ خاندانی، نسبی اور دینی اعتبار سے اس کا کفو ہو، ایسی صورت میں باپ سے اجازت لینا ضروری نہیں، لیکن بہتر ہے کہ اس کو بھی کسی طرح راضی کرلیا جائے۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۲/۱۷ھ

(فتویٰ نمبر ۲۵۴/۱۲۸ الف)

---

(۱) وفي الهندية، كتاب النكاح ج ۲ ص ۳۰۳ طبع شركت علميه، وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها وان لم يعقد عليها ولي بكرًا كانت أو ثيبًا

وفي البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء ج ۳ ص ۱۱۰ طبع بيروت وفي طبع مكتبه رشيديه كوئٹه ج ۳ ص ۱۰۹، نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة ... والمستحب يطالب الولي بالتزويج كيلا تنسب إلى الوقاحة ... الخ وكذا في الهندية، كتاب النكاح، الباب الأول ج ۱ ص ۲۶۹ (طبع ماجديه).

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے رسالہ "کشف الغبار عن مسئلۃ سوء الاختیار" کے بارے میں حضرت والا دامت برکاتہم کی رائے

سوال:- جناب مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دام ظلہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت سے گزارش یہ ہے کہ حضرت مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کا رسالہ "کشف الغبار عن مسئلۃ سوء الاختیار" کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟ تحریر فرمادیں تاکہ آئندہ کام آسکے، اور دارالافتاء میں محفوظ رہے۔

جواب:-

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ، اَمَّا بَعْدُ!

احقر نے احسن الفتاویٰ جلد پنجم میں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب دامت برکاتہم کا تحریر فرمودہ رسالہ "کشف الغبار عن مسئلۃ سوء الاختیار" کا مطالعہ کیا، اور متعلقہ عبارات پر غور کیا، حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم نے اس رسالہ میں جو تحقیق فرمائی ہے، وہ درست ہے، اس کے مطابق سوء اختیار کی صورت میں جو نکاح غیر کفو یا غبن فاحش کے ساتھ کیا گیا ہو وہ اصلاً ہی باطل ہے اور غیر منعقد ہے، لہٰذا اس کے فسخ کے لئے قضاء قاضی کی ضرورت نہیں، البتہ جو نکاح کفو میں ہو، یا مہر مثل کے ساتھ ہو، وہ منعقد ہو جاتا ہے، لیکن اس صورت میں بھی کوئی ناگوار اور ناقابل برداشت صورت حال ہو، مثلاً عمر میں بہت زیادہ فرق ہو، جس کی وجہ سے لڑکی کا شوہر کے ساتھ نباہ نہ ہوسکتا ہو، تو وہاں بھی سوء اختیار واضح ہونے کی صورت میں لڑکی کو خیار بلوغ ملنے پر غور کرنا چاہئے، لیکن اس صورت میں عدالت سے نکاح فسخ کرانا بھی ضروری ہونا چاہئے، جیسے کہ اس رسالے کے آخر میں درج ہے۔ اور اس کی ایک بنیاد یہ بھی ہوسکتی ہے کہ باپ، دادا کی شفقت مظنونہ کی وجہ سے انعقاد نکاح کا جو حکم تھا، وہ سوء اختیار واضح ہونے کی صورت میں جب غیر کفو یا غبن فاحش کی صورت ہو تو مرتفع ہوگیا، اب باپ، دادا اور دوسرے غیر اب برابر ہوگئے، اگر دونوں کا کیا ہوا نکاح غیر منعقد قرار پایا، تو کفو اور مہر مثل کی صورت میں بھی جب سوء اختیار واضح ہو تو باپ کا حکم دوسرے غیر اب جیسا ہونا چاہئے کہ اس میں خیار بلوغ ملتا ہے، تو یہاں بھی ملنا چاہئے، لیکن یہ بات فی الحال حتمی نہیں محض ایک خیال ہے اور مزید تحقیق کی ضرورت ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۱۲/۱/۲۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۰)

باپ، دادا کے کئے ہوئے نکاح میں لڑکی کے خیارِ بلوغ کا حکم

سوال:- والد نے لڑکی کا نکاح ایک جگہ یعنی خاندان میں کرایا جہاں پردہ کا کوئی انتظام نہیں اور نہ لڑکی اور اس خاندان کے رہن سہن میں مطابقت ہے، اس لڑکی کے والد نے اس کی شادی سے پہلے لڑکی کے ماموں کو کہہ دیا تھا کہ آپ اپنے لڑکے کی شادی اس لڑکی کا عقد دے دیں مگر اس میں ایک شرط یہ ہے کہ مہاجرین سے رشتہ نہ کرنا، مگر لڑکی کے والد نے خود اس کے خلاف کیا اور لڑکی کا نکاح مہاجر سے کردیا، اور ان کا کاروبار کاشتکاری ہے۔ ۲- لڑکی نے بلوغ پر فوراً نکاح فسخ کرنا منظور کیا۔ ۳- لڑکی بالغ ہونے پر ایک دن بھی اپنے شوہر کے ہاں آباد نہیں ہوئی۔ تو کیا اس صورت میں نکاح باقی ہے؟

جواب:- باپ، دادا کے کئے ہوئے نکاح میں لڑکی کو خیارِ بلوغ صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ باپ فاسق وفاجر ہو یا لالچی ہو، اور اس کا سوءِ اختیار معروف و مشہور ہو، اور اس نے غیر کفو میں نکاح کیا ہو، اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ اس نے یہ نکاح محض لالچ کی بنا پر کیا تھا، مہاجر سے نکاح کرنا بوجہ رواجِ عام کے اس کی کافی وجہ نہیں ہے، اس لئے مذکورہ صورت میں خیارِ بلوغ کی بنا پر نکاح فسخ کرنے کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی، اب اگر دونوں میں نباہ کی کوئی صورت ممکن نہیں ہے، تو سوائے اس کے کوئی صورت نہیں کہ شوہر سے معاوضہ وغیرہ کے ذریعے طلاق حاصل کی جائے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۵/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۶۹۱/۲۲ ب)

بالغ لڑکی، والدین کی مرضی کے بغیر نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

سوال:- مسماۃ گلزار اختر بنت امین عمر ۲۰ سال نے حلفی بیان دیا ہے کہ میری عمر تقریباً ۲۰ سال ہے، میں میر محمد سے شادی کرنا چاہتی ہوں، میں نے اپنی مرضی سے اپنے والدین کا گھر چھوڑا ہے، مجھے کسی نے اغوا نہیں کیا، میرے والدین میری مرضی کے خلاف شادی کرنا چاہتے ہیں، اس لئے ان کا گھر چھوڑ دیا ہے۔

جواب:- استفتاء میں سوال کی وضاحت نہیں ہے، اگر یہ پوچھنا مطلوب ہے کہ مذکورہ بالغ لڑکی اپنے والدین کی مرضی کے بغیر نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہتر یہی ہے کہ

وفي رد المحتار، كتاب النكاح باب الولي ج ۳ ص ۶۶ و ۶۷ طبع سعيد: لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه لا يجوز عقده اجماعاً. نیز دیکھئے سابقہ فتویٰ۔

والدین کی مرضی حاصل کرکے نکاح کرے، تاہم چونکہ وہ بالغ ہے اس لئے اگر والدین کی مرضی کے بغیر اپنے کفو میں شرعی طریقے سے نکاح کرے گی تو نکاح منعقد ہو جائے گا،(۱) البتہ غیر کفو میں نکاح ولی کی مرضی کے بغیر منعقد نہیں ہوگا۔(۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲۱/۱۰/۱۳۹۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳۳۱/۲۷ و)

باپ، دادا کا کیا ہوا نکاح، لڑکی بلوغ کے بعد فسخ نہیں کر سکتی

سوال:- زید نے اپنی چھ سالہ لڑکی کا نکاح ایک نابالغ لڑکے سے کر دیا، لڑکی ابھی حد بلوغت کو نہیں پہنچی تھی کہ اس کو اپنے نکاح کا علم ہو گیا، تو اس نے ناخوشی کا اظہار کیا، اور بالغ ہونے کے بعد بھی وہ اس بات پر مصر ہے کہ مجھے وہ نکاح منظور نہیں، کیا اس صورت میں لڑکی کا والد اس کا نکاح دوسری جگہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ اور پہلا نکاح خود بخود فسخ ہو جائے گا یا نہیں؟

جواب:- باپ، دادا کا کیا ہوا نکاح لڑکی بلوغ کے بعد بھی فسخ نہیں کر سکتی،(۳) لہٰذا وہ نکاح درست ہو چکا ہے، اور لڑکی کے انکار سے فسخ نہیں ہوگا، البتہ اگر لڑکی بالغ ہونے کے بعد یہ دعویٰ کرتی ہو کہ میرے باپ نے کسی لالچ کی وجہ سے میری خیرخواہی کے برخلاف میرا نکاح کر دیا تھا تو ایسی صورت میں اس بات کی تفصیل لکھ کر مسئلہ دوبارہ معلوم کر لیا جائے، اس صورت کا حکم اسی وقت بتایا جائے گا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۱/۳/۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲۱/۲۸ الف)

باپ کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کیا جا سکتا

سوال:- زید نے اپنی رفیقہ حیات زینب اپنی کی سفارش پر اپنے بہنوئی کے طفل صغیر کے ساتھ اپنی صغیرہ نابالغہ لڑکی کا عقد نکاح مجلس عوام و خواص میں برضا و رغبت کر دیا، اب لڑکی جوان ہو گئی

---

(۱) وفي الهداية، كتاب النكاح ج ۲ ص ۳۰۳ طبع شركت علميه: وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضائها. وفي البحر الرائق، كتاب النكاح باب الأولياء ج ۳ ص ۱۱۷ طبع بيروت وفي طبع مكتبه رشيديه كوئٹه ج ۳ ص ۱۰۹: نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي لأنها تصرفت في خالص حقها وهي من أهله لكونها عاقلة بالغة.

(۲) وفي الدر المختار، كتاب النكاح (باب الولي) ج ۳ ص ۵۶: ويفتى في غير الكفو بعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان. وفي المبسوط باب الأكفاء ج ۵ ص ۲۵ طبع دار المعرفة بيروت: وإذا زوجت المرأة نفسها من غير كفو فللأولياء أن يفرقوا بينهما لأنها ألحقت العار بالأولياء.

(۳) وفي الهداية كتاب النكاح باب الأولياء ج ۲ ص ۲۸۵ طبع رحمانيه: فإن زوجهما الأب والجد فلا خيار لهما بعد بلوغهما. وفي البحر الرائق، كتاب النكاح باب الأولياء ج ۳ ص ۱۲۸ طبع بيروت وفي طبع مكتبه رشيديه كوئٹه ج ۳ ص ۱۲۰) ولهما خيار الفسخ بالبلوغ في غير الأب والجد... الخ

ہے، لڑکا ابھی تک جوان نہیں ہوا ہے، البتہ دس سال تک جوان ہوجائے گا، اب زید یہ عذر پیش کرتا ہے کہ میں نے برضا ورغبت اپنی دختر صغیرہ نابالغہ کا نکاح نہیں کیا ہے، اور اتنی طویل مدت کی زحمت کا متحمل بھی نہیں ہوسکتا (کہ مزید دس سال لڑکے کے بالغ ہونے کا انتظار کروں)، لہٰذا عدالت عالیہ میں دعویٰ دائر کرکے اپنی لڑکی کی طلاق لینا چاہتا ہوں، اور دوسری جگہ اس کا نکاح کردینا چاہتا ہوں، آیا دعویٰ تنسیخ نکاح دائر ہوسکتا ہے، کیا یہ شرعاً درست ہوگا؟

جواب:- باپ کے کئے ہوئے نکاح میں عدالت کے ذریعے فسخ نکاح کا کوئی سوال نہیں، شرعاً یہ فسخ نکاح معتبر نہ ہوگا۔(۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۷/۱۴ھ

(فتویٰ نمبر ۷۳۵/۲۸ ب)

اولیاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کا حکم

سوال:- ایک شخص بنام احمد جس کی لڑکی ہے، جب لڑکی عاقل بالغ ہوگئی تو احمد نے پانچ چھ گواہوں کے سامنے اپنی لڑکی اپنے چچازاد بھائی سے منگنی کروانے کا زبانی اقرار کیا اور وقتی وعدہ کیا، اور چچازاد بھائی جس کا نام غلام قادر ہے اس نے قبول کیا، اور منگنی کی شرائط کو گواہوں کے روبرو قبول کیا، اس کے بعد لڑکی کی ماں لوگوں کے ورغلانے سے خاوند کا گھر چھوڑ کر لڑکی کو لے کر اپنے گھر چلی گئی، وہاں پہنچ کر لڑکی کی ماں کہنے لگی کہ جہاں میرا خاوند میری لڑکی دینا چاہتا ہے، وہاں میں راضی نہیں ہوں، اور نہ میری لڑکی راضی ہے، کیونکہ وہ لڑکا پہلے سے شادی شدہ ہے، جس غیر قوم کے گھر ماں اور لڑکی گئی تھی اس غیر قوم کے لوگوں کے مشورے سے لڑکی کا نکاح احمد کی مرضی کے خلاف کروادیا، جس لڑکے سے نکاح ہوا وہ احمد اور احمد کی بیوی کے ماموں کا لڑکا ہے، اس کے بعد احمد اپنے دوسرے لڑکے بھائی کے پاس چھوڑ کر اپنی بیوی اور لوگوں سے ناراض ہوکر سندھ چلا گیا، کیونکہ یہ نکاح اس کی مرضی کے خلاف ہوا تھا، نکاح کے وقت لڑکی نے نکاح کا ولی ماموں کو بنایا، ماموں نے ولی بن کر نکاح پڑھوایا، یہ نکاح رات کے وقت جبکہ لوگ سورہے تھے کیا گیا، اور جس قوم میں یہ لڑکی دی گئی ہے، وہ قوم احمد کے گھر والے، احمد کی بیوی اور ماں اور دادی کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، باقی احمد کے باپ اور دادا دوسرے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، احمد کے باپ دادا کا نسب چودہ پندرہ پشت گزرنے کے بعد اس قوم سے ملتا ہے، آیا یہ نکاح جائز ہوا یا نہیں؟

---

(۱) وفی الفتاوی الهندیة کتاب النکاح الباب الرابع ج: ۱ ص: ۲۸۵ طبع ماجدیه، قال: وإن زوجهم الأب والجد فلا خيار لهم بعد بلوغهم، وإن زوجهم غير الأب والجد فلكل واحد منهم الخيار ... الخ. وكذا في الشامية ج: ۳ ص: ۶۸

تنقیح:-

۱- احمد کی لڑکی نے جس مرد سے نکاح کیا ہے، وہ قومی اور خاندانی اعتبار سے احمد کا کفو ہے یا نہیں؟ یعنی کیا دونوں خاندانوں میں اتنا فرق ہے کہ ایک خاندان، دوسرے خاندان میں شادی بیاہ کرنے کو عرفاً عار اور عیب سمجھتا ہو؟ یا اتنا فرق نہیں ہے اور دونوں خاندانوں میں بغیر کسی عار کے شادی بیاہ ہوتے ہیں؟

۲- کیا دینداری کے اعتبار سے احمد کے گھرانے اور اُس مرد کے گھرانے میں فرق ہے؟

ان دو سوالات کا جواب اسی کاغذ پر لکھ کر بھیجئے، ان سوالات کا جواب آنے پر اصل مسئلے کا جواب دیا جائے گا۔

محمد تقی عثمانی

جواب تنقیح:-

وہ مرد اور اس کے گھرانے میں اتنا فرق دینداری کے اعتبار سے ہے کہ احمد اور احمد کے گھرانے موحد ہیں، اور جس مرد سے احمد کی لڑکی کا نکاح کیا گیا وہ مرد اور اس کے گھرانے بدعتی ہیں، اور اُن میں مشرکانہ صفتیں بھی ہیں، چند صفتیں یہ ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر سمجھتا ہے، مشکلات میں پیر کو پکارتا ہے، مرنے کے بعد عہدنامہ کو قبر میں دفن کرتا ہے، نماز جنازہ پڑھ کر دائرہ بنا کر اسقاط کرتا ہے، احمد ان باتوں کے خلاف ہے۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں احمد کی لڑکی کا نکاح جس شخص سے کیا گیا، وہ احمد کا کفو نہیں ہے، لما فی رد المحتار: فانهم قالوا لا یکون الفاسق کفؤاً لبنت الصالحین (شامی ج ۲ ص ۳۲۰ باب الاکفاء)۔[1] اور فسق اعتقادی فسق عملی سے اشد ہے۔[2] لہٰذا مذکورہ صورت میں احمد کی رضامندی کے بغیر جو نکاح کیا گیا وہ باطل ہے، احمد کی لڑکی کو چاہئے کہ وہ فوراً اُس شخص سے الگ ہوجائے۔ لما فی الدر المختار: وله اذا کان عصبة الاعتراض فی غیر الکفوء ما لم تلد منه، ویفتی بعدم جوازه أصلًا وهو المختار للفتوی لفساد الزمان (شامی ج ۲ ص ۲۹۷)۔[3]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۱/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷/۲۵۳۱ء)

---

(۱) فتاویٰ شامیة ج:۳ ص ۸۹ (طبع ایچ ایم سعید).
(۲) وفی حلبی کبیر شرح منیة ص ۵۱۴ طبع سهیل اکیڈمی لاهور: والفسق من حیث الاعتقاد وهو اشد من الفسق من حیث العمل
(۳) الدر المختار ج ۳ ص:۵۶، ۵۷ (طبع سعید)

ہندوستان میں مقیم لڑکی، پاکستان میں کسی سے نکاح کے لئے اپنا وکیل مقرر کرسکتی ہے

سوال — نفسِ مسئلہ پوری طرح واضح نہ ہو سکا، لہٰذا وضاحت کے لئے معاملے کی نوعیت بیان کرتا ہوں۔

لڑکی ہندوستان میں ہے، جہاں شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ایجاب کی تکمیل ہو چکی ہے، وکیل مقرر شدہ جناب عبدالرحمن خان صاحب نے جو ہندوستان میں مقیم ہے، رشادعلی خان صاحب جو پاکستان میں مقیم ہے، کو بذریعہ تحریر ہذا اپنا وکیل نامزد کیا تاکہ وہ نکاح خوانی کی مجلس منعقدہ لطیف آباد (حیدرآباد) میں نکاح خوانی کے متعلق وکیل کی نیابت قبول کرے، ایسی صورت میں معلوم کرنا ہے کہ جناب رشادعلی خان صاحب لڑکی کے وکیل کی حیثیت سے لڑکی کی طرف سے ایجاب کر سکتے ہیں اور مجلس منعقدہ لطیف آباد (حیدرآباد) میں لڑکے کے قبول کرنے پر نکاح کی تکمیل شریعتِ اسلامیہ کے مطابق ہوگی؟

جواب — صورتِ مسئولہ میں ارشادعلی خان صاحب لڑکی کی طرف سے ایجاب کر سکتے ہیں، بشرطیکہ لڑکی ان کو وکیل بنانے پر راضی ہو۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۲۱ھ

کیا غیر کفو میں نکاح نہیں ہوتا؟ اور کفو میں نکاح کی شرعی حیثیت اور حکمت

سوال — کیا نکاح اپنے کفو میں کرنا ضروری ہے؟ کیا اس کے بغیر کسی اور خاندان میں نکاح نہیں ہو سکتا؟ کفو میں نکاح کیوں کرنا چاہئے؟ اور اپنے خاندان ہی میں نکاح کی کوشش کرنا کیسا ہے؟

جواب — نکاح بذاتِ خود دونوں خاندانوں کی رضامندی سے ہو سکتا ہے، لیکن کفو میں نکاح کرنا اس لئے بہتر ہوتا ہے کہ اس میں عموماً طبیعتیں مل جاتی ہیں، اگر اس نیت سے اپنے کفو میں نکاح کی کوشش کی جائے تو شرعاً کوئی حرج نہیں۔

واللہ اعلم
۲۹/۲/۱۴۱۰ھ (۲)

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۲۸۷ کا حاشیہ نمبر۲ اور ص ۳۰۵ کا حاشیہ نمبر۱و۲۔

(۲) یہ فتویٰ حضرت والا دامت برکاتہم نے ایک جوابی خط میں تحریر فرمایا۔

❁ فصل فی الجهاز والمهر ❁

(جہیز اور مہر سے متعلق مسائل کا بیان)

نکاح میں مہر مقرر نہ کیا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: - ایک آدمی کی شادی ہوئی تقریباً دو سال ہوگئے، اس کو یہ پتہ نہیں کہ حق مہر کیا چیز ہوتی ہے؟ نہ اس نے دیا، وہ آدمی پنجاب کا ہے، دیہاتی ہے، اب اس کو معلوم ہوا ہے کہ حق مہر دینا ضروری ہے، اب وہ کیا کرے؟

جواب: - اگر نکاح کے وقت کوئی مہر مقرر کیا گیا ہو تو مقرر کی ہوئی مقدار اور تفصیل کے مطابق مہر ادا کر دیا جائے، اور اگر کوئی مہر مقرر نہ ہو تو بیوی کے خاندان کی عورتوں کا عام طور پر جتنا مہر مقرر ہوتا ہے، مثلاً بہنوں کا، اتنا مہر واجب ہوگا جسے مہر مثل کہا جاتا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۱/۱۱/۲۹ھ

(فتویٰ نمبر ۳۲/۱۷۷۲ ج)

مہر دینا واجب ہے

سوال: - جناب عالی گزارش ہے کہ محمد فرید خان ولد شیر زمان قوم ... تحصیل کوہ مری ضلع راولپنڈی نے اپنی بیوی کو طلاق دی، جبکہ پانچ بچے اس سے ہیں، اب بات یہ ہے کہ عدالت نے لکھا ہے کہ اس کا مہر حق داری باقی ہے، اب مہر حق داری جناب زمین، مکان، باغ وغیرہ کا ہے، محمد فرید خان کی بیوی افروز جان بی بی اپنے مہر کا حق وصول کرنے کی شریعت میں حق دار ہے یا نہیں؟ ضروری بات یہ ہے کہ ایک سال چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا ہے، فوراً بی بی سے شرعی فتویٰ جاری کیا جائے، تاکہ سب وطن میں دین کا قانون جاری ہو جائے۔

جواب: - اگر محمد فرید خان نے طلاق دینے سے پہلے بیوی کو مہر ادا نہیں کیا تھا، تو اس پر واجب ہے کہ فوراً طے شدہ مہر ادا کرے، خواہ وہ مہر نقد روپے کی شکل میں ہو یا زمین یا باغ کی شکل

وفي الدر المختار ج ۳ ص ۱۰۹ طبع ایچ ایم سعید، وكذا يجب مهر المثل فيما اذا لم يسم مهرا

وفي الشامية قوله فيما اذا لم يسم مهرا أي لم يسمه تسمية صحيحة أو سكت عنه بهر.

میں ہو، فوراً ادا کرنا واجب ہے[1] اور نابالغ بچوں کا نفقہ بھی اس کے ذمے واجب ہے۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۹/۱۱/۱۰ھ
(فتویٰ نمبر ۱۲۹۳/۳۰ و)

۱:- برادری کا مہر کی مقدار مقرر کرنا، اور مہر کے ذکر کے ساتھ کئے گئے نکاح پر رضامندی مہر پر بھی رضامندی متصور ہوگی
۲:- شوہر اور لڑکی کے والدین کی طرف سے لڑکی کو دیئے گئے سامان کا حکم

سوال ۱- ہماری میمن برادری میں عورتوں کا مہر بوقت نکاح اس وقت ۵۰۰ روپے مقرر ہے، قبل ازیں ۱۲۵ روپے اور اس سے پہلے ۲۵ روپے تھا، یہ رقم برادری کی مجلس عامہ کی جانب سے مقرر کی جاتی ہے، یہ مردوں کا یا ایک کمیٹی کا عورتوں سے پوچھے بغیر مہر مقرر کرنا شرعاً صحیح و جائز ہے؟ نیز یہ عورت کی رضامندی ضروری ہے؟

۲- دلہن کو مرد کی طرف سے یا دلہن کے خاندان کی طرف سے جو سونے کے زیورات دیئے جاتے ہیں، اگر طلاق ہوگئی تو زیورات واپس لے لئے جاتے ہیں، اس پر مطلقہ کا حق نہیں سمجھا جاتا، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت کے پاس کچھ نہیں رہتا، وہ بے سروسامانی کی حالت میں میکے آجاتی ہے، اگر مطلقہ صاحب اولاد ہو تو اور بھی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے، دین میں ایسی مطلقہ کو کیا رعایت حاصل ہیں؟

جواب ۱- مہر مقرر کرنے کے لئے عورت کی رضامندی ضروری ہے، لیکن نکاح کے وقت جب اس سے اجازت لی جاتی ہے اس وقت یہ کہا جاتا ہے کہ ”تمہارا نکاح فلاں شخص سے اتنے مہر پر کیا جارہا ہے“ اگر اس نے اس وقت رضامندی دے دی تو مہر پر بھی رضامندی ہوگئی، جہاں تک

---

(۱) وفي الدر المختار، كتاب النكاح باب المهر ج ۳ ص ۱۰۲ ويجب ... عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما و ... يتأكد ... في العدة وفي الشامية ج ۳ ص ۱۰۲ وإذا تأكد المهر بما ذكر لا يسقط بعد ذلك ... لأن الدين بعد تأكده لا يحتمل السقوط إلا بالإبراء. وفي الهندية كتاب النكاح الباب السابع الفصل الثاني ج ۱ ص ۳۰۳ طبع رشيدية، والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق

(۲) وفي الفتاوى الهندية كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات ج ۱ ص ۵۶۰ طبع رشيدية كوئٹہ، نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد

وفي الدر المختار كتاب الطلاق باب النفقة ج ۳ ص ۶۱۲ طبع سعيد وتجب النفقة بأنواعها على الحر لطفله ... الأنثى والجمع للفقير ... وفي الشامية تجب ... الخ

برادری کی طرف سے مہر کے تعیین کا تعلق ہے، عورت اس کی پابند نہیں ہے، بلکہ اگر چاہے تو اس سے زیادہ بھی مقرر کرا سکتی ہے۔

۲- اگر یہ زیورات عورت کو مالک بنا کر صراحۃً نہیں دیئے گئے تو وہ شوہر ہی کی ملکیت ہیں،[1] اور جدائی کے وقت شوہر واپس لے سکتا ہے، لیکن اس پر مہر کی ادائیگی واجب ہے اور لڑکی کو اس کے والدین کی طرف سے جو کچھ چڑھایا گیا ہو وہ اس کی ملکیت ہے،[2] جو جدائی کے وقت اپنے ساتھ لے جا سکتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ طلاق کے بعد شوہر کی طرف سے ایک تو مہر کی ادائیگی واجب ہے،[3] بشرطیکہ وہ پہلے ادا نہ کیا ہو، دوسرے عدت کے دوران اس کا نفقہ واجب ہے،[4] اس کے علاوہ کوئی اور چیز اس کے ذمے واجب نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱/۱۲/۱۴۰۰ھ

(فتویٰ نمبر ۳۲/۱۸۰۳ ج)

میکے اور سسرال کی طرف سے لڑکی کو دیا گیا سامان کس کی ملکیت ہے؟

سوال:- میری بھتیجی جس کو تین طلاقیں دی گئی ہیں، وہ اپنے گھر واپس آگئی ہے، اور طلاق کے وقت میری بھتیجی جو کپڑے اور زیور پہنے ہوئی تھی، اس کے ساتھ آئی، اور وہ تمام جہیز کا سامان جو لڑکی کے والدین نے شادی پر اس کو دیا تھا، اور وہ تمام سامان جو کہ اس کے سابقہ شوہر نے اور اس کے والدین نے (یعنی سابقہ شوہر کے) شادی پر دیا تھا یہ سب سامان سابقہ شوہر کے پاس ہے۔ طلاق مؤرخہ ۹-۲-۱۹۷۹ء کو دی گئی تھی، بہرحال جو سامان سابقہ شوہر اور سابقہ شوہر کے والدین نے شادی کے موقع پر دیا تھا وہ کس کی ملکیت ہے؟

---

(۱) وفي الدر المختار، كتاب الهبة ج ۵ ص ۶۹۸ طبع سعيد، وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضاً ... وركنها هو الايجاب والقبول ... وحكمها ثبوت الملك للموهوب له ... وتصح بايجاب كوهبت ونحلت ... الخ

(۲) وفي رد المحتار ج ۳ ص ۵۸۵ طبع سعيد: أن الجهاز ملك المرأة وأنه اذا طلقها تأخذه كله واذا ماتت يورث عنها.

(۳) وفي الدر المختار، كتاب النكاح باب المهر ج ۳ ص ۱۰۲ (طبع سعيد) ويجب ... عند وطء أو خلوة صحت من الزوج أو موت أحدهما أو تزوج ثانٍ في العدة ... الخ وفي الهندية، كتاب النكاح، الباب السابع، الفصل الثاني ج ۱ ص ۳۰۳ (طبع ماجديه) والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين سواء كان مسمًى أو مهر المثل حتّى لا يسقط منه شيء بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق .... الخ

(۴) وفي الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الثالث في نفقة المعتدة ج ۱ ص ۵۵۷ طبع ماجديه المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعياً أو بائناً أو ثلاثاً حاملاً كانت المرأة أو لم تكن كذا في فتاوى قاضي خان. وفي الدر المختار كتاب الطلاق باب النفقة ج ۳ ص ۶۰۹ (طبع سعيد) وتجب لمطلّقة الرّجعي والبائن والفرقة بلا معصية ... الخ

جواب - جو سامان سابقہ شوہر یا اس کے والدین نے شادی کے وقت دیا تھا، اگر وہ آپ کی بھتیجی کو ہبہ کرنے اور مالک بنا کر دینے کی صراحت کی تھی، تب تو وہ آپ کی بھتیجی کی ملکیت ہے،[1] اور اگر ایسی صراحت نہیں ہوئی تھی تو ہمارے زمانے میں عرف یہ ہے کہ وہ شوہر ہی کی ملکیت ہوتا ہے، لہٰذا اس عرف کے مطابق وہ شوہر کی ملکیت ہوگا۔[2] البتہ جو جہیز لڑکی کو اس کے والدین نے دیا تھا، وہ لڑکی کی ملکیت ہے، اور شوہر پر واجب ہے کہ اس کو واپس کرے۔[3]

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۲/۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۲۳۳ الف)

مہر عورت کے لئے ”اعزازیہ“ ہے یا ”عوض“ اور ”اُجرت“

(حضرت والا دامت برکاتہم کے مضمون ”مہر شرعی کی حقیقت“ کے تناظر میں حضرت مولانا [illegible] تحقیقی [illegible])

سوال - مکرمی و محترمی جناب مولانا محمد تقی عثمانی زید مجدہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۱۲ نومبر کے ”جنگ“ (لندن ایڈیشن) میں آپ کا محترم مقالہ ”مہر شرعی کی حقیقت“ کے عنوان سے نکلا تھا، میں نے اس کو اسی وقت سے سامنے رکھا ہوا تھا، اس لئے کہ اس نے ایک کئی سال پرانا سوال تازہ کر دیا تھا، مگر اس سلسلے میں جو لکھنا مقصود تھا اس کی نوبت آتے آتے اتنا وقت لگ گیا۔

یہاں ایک اہل علم انگریزی میں اسلام کی ترجمانی کے سلسلے میں لکھتے رہتے ہیں، ایک دفعہ مہر کے بارے میں انہوں نے یہی ”اعزازیہ“ (Honorarium) کی تعبیر اختیار کرنے کا خیال میرے سامنے ظاہر کیا، جو عنوان آپ نے اختیار فرمایا ہے تو مجھے یہ اشکال ہوا تھا کہ عنوان تو بہت اچھا ہے مگر مہر کا شرعی حکم اور شریعت کی بیان کردہ نوعیت اس تعبیر سے ہم آہنگ نہیں ہوتی، اس لئے کہ یہ معاوضہ عورت کا حق ہے، اور نوعیت اس حق کی وہ ہے جو قرآنی تعبیر ”اجورھن“ سے ظاہر ہوتی ہے اور اس کی تشریح میں آپ حضرات (یعنی فقہائے کرام) اسے ”عوض ملک بضع“ بتاتے ہیں۔ آپ نے

---

(۱) وفي الدر المختار، كتاب الهبة ج ۵ ص ۶۹۱ طبع سعيد: وشرائط صحتها في الموهوب أن يكون مقبوضًا غير مشاع مميزًا غير مشغول ... وركنها هو الإيجاب والقبول ... وحكمها ثبوت الملك للموهوب له ... وتصح بإيجاب كوهبت ونحلت ... الخ

(۲) وفي الشامية ج۵ ص ۸۸: والعرف في الشرع له اعتبار ... لذا عليه الحكم قد يدار

(۳) وفي الشامية ج ۳ ص ۵۸۵ طبع سعيد: فإن كل أحد يعلم أن الجهاز ملك المرأة وأنه إذا طلقها تأخذه كله وإذا ماتت يورث عنها ... الخ۔ [illegible] ص۵۶۰ و ۵۶۱۔ (محمد زبیر)

مضمون میں یہ تعبیر پڑھ کر بھی یہی اشکال ہوا، اور کوئی جواب اس کا وہاں نظر نہ آیا۔ تحقیق یہ ہے کہ اپنے ناقص فہم کی رو سے مہر کی نوعیت اگر "اعزازیہ" کی ہو تو پھر آگے کوئی اشکال نہیں ہوتا، چاہے زوج کی مالی حیثیت کی کمزوری کی بنا پر کتنا ہی کم تر ہو، لیکن اجر اور عوض کی صورت میں اس کے "كل ما جاز ان يكون ثمنا وقيمة لشيء" کا کافی ہونا یا کم از کم حنفیہ کے مطابق تین درہم یا دس درہم کا کافی ہونا، اس میں تو اللہ معاف کرے اپنی ناقص عقل کے مطابق، عورت کی بڑی بے توقیری کا پہلو نکلتا ہے، جبکہ شریعت ہی یقیناً اس سے بری ہے، کاش! آپ کے ذریعہ اس مسئلے میں مدد ملے، والسلام

آپ کا مخلص اور محب
عتیق الرحمن سنبھلی (لندن)
رجب ۱۴۱۶ھ

جواب: گرامی خدمت جناب مولانا عتیق الرحمن سنبھلی صاحب مدظلہم العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کا گرامی نامہ باعث صد مسرت ہوا۔ اتفاق سے میں چند روز سے کمر کے مہرے کی تکلیف میں ہوں، جس کی بنا پر بیٹھ کر کام نہیں کر پا رہا، اس لئے لیٹے لیٹے یہ سطور لکھوا رہا ہوں اور براہ راست مکاتبت کا شرف حاصل نہیں کر سکا، امید ہے کہ معذور قرار دیں گے۔

مہر کے لئے "اعزازیہ" کی تعبیر اختیار کرتے وقت میرے ذہن میں صاحب ہدایہ کی ایک عبارت تھی جس میں وہ فرماتے ہیں "ثم المهر واجب شرعا ابانة لشرف المحل" نیز چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں "ولأنه حق الشرع وجوبا اظهارا لشرف المحل، فيقدر بماله خطر" اور علامہ ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں "واما انه ابانة لشرفه فعقيبه ذلك اذ لم يشرع بدلا كالثمن والأجرة والا لوجب تقديم تسميته، فعلمنا ان البدل المقصود، وهو لاظهار خطره، فلا يستهان به، واذا فقد تأكد شرعا باظهار شرفه مرة باشتراط الشهادة، ومرة بالزام المهر" (فتح القدير مع الكفاية ج:۳ ص۲۰۵)[1]۔

نصوص شرعیہ پر غور کرنے سے بھی یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مہر کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ عقد نکاح کا لازمی تقاضا ہے، اور اس طرح اس میں عوض ہونے کی ایک مشابہت ہے، اس حیثیت سے خود قرآن کریم میں اس پر "اجورهن" کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے، لیکن دوسری طرف حقیقت یہ ہے کہ وہ حقیقی معنی میں کسی مادی چیز کا معاوضہ نہیں ہے، بلکہ وہ عورت کے اعزاز

(۱) طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

کے لئے مشروع کیا گیا ہے، اسی لئے سورۃ النساء میں فرمایا گیا "وآتوا النساء صدقٰتھن نحلۃ"[1] یہاں مہر کو "صدقہ" کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے، ملّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں "وسمی بہ لانہ یظھر صدق میل الرجل الی المرأۃ" میرے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ ملّا علی قاریؒ کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:-

> یعنی مہر کو "صُداق" اور "صدقہ" اس لئے کہتے ہیں کہ صدق کے اس مادے میں "سچ" کے معنی ہیں، اور مہر سے بھی چونکہ شوہر کا اپنی بیوی کی طرف سچا میلان ظاہر ہوتا ہے، اس لئے اس مناسبت سے مہر کو "صدق" کہنے لگے۔
>
> (معارف القرآن ج ۲ ص ۲۹۹ طبع ادارۃ المعارف کراچی)

نیز قرآن کریم نے اس کے ساتھ "نحلۃ" کا لفظ استعمال کیا ہے، جو عطیہ کو کہتے ہیں اور امام ابوبکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں "انما سمی المھر نحلۃ، والنحلۃ فی الأصل العطیۃ والھبۃ فی بعض الوجوہ، لأن الزوج لا یملک بدلہ شیئاً. لان البضع فی ملک المرأۃ بعد النکاح کھو قبلہ، لا تری أنھا لو وطئت بشبھۃ کان المھر لھا دون الزوج، فانما سمی المھر نحلۃ لأنہ لم یعتض من قبلھا عوضا یملکہ، فکان فی معنی النحلۃ التی لیس بازائھا بدلا، وانما الذی یستحقہ الزوج منھا بعقد النکاح ھو الاستباحۃ لا الملک (أحکام القرآن للجصاصؒ ج:۲ ص:۵۷)۔[2]

تقریباً یہی بات امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمائی ہے، (تفسیر کبیر ج ۹ ص ۱۸۰) قرآن کریم کی اس تعبیر اور امام جصاصؒ اور امام رازی کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اصلاً مہر کسی بدل کا معاوضہ نہیں ہے، بلکہ عقد کا ایک ایسا تقاضا ہے جس کا منشأ محل عقد کی تکریم اور اعزاز ہے، البتہ چونکہ اس کے بعض احکام ایسے ہیں جو عام طور پر معاوضوں کے ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ عورت اس کا مطالبہ کرسکتی ہے اور اسے شوہر کے ذمے دَین قرار دیا گیا ہے، وغیرہ، اس لئے اس مشابہت کی وجہ سے قرآنِ کریم میں بعض جگہ اسے "اُجور" سے تعبیر کیا گیا۔

در معاوضے کے احکام جاری کرتے وقت بعض فقہائے کرام نے بھی اس مشابہت کی وجہ سے اسے ملک بُضع کا بدل کہہ دیا ہے، لیکن جس طرح اس تعبیر میں "ملک" کا لفظ اپنے حقیقی معنی میں استعمال نہیں ہوا، بلکہ اس سے مراد حق انتفاع ہے، اسی طرح "بدل" کا لفظ بھی من کل الوجوہ حقیقی معنی میں نہیں ہے، بلکہ مذکورہ مشابہت کی وجہ سے مجازاً یہ تعبیر اختیار کی، جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں -

---

(۱) سورۃ النساء:۴۔ (۲) طبع سہیل اکیڈمی لاہور۔

۱- عقد معاوضہ میں بدل کا تعین عقد کی صحت کے لئے شرط ہوتا ہے، لیکن نکاح میں مہر کی تعیین کوئی ضروری نہیں، نکاح اس کے بغیر بھی ہو جاتا ہے اور مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

۲- بیع میں اگر یہ شرط لگادی جائے کہ خریدار کوئی قیمت ادا نہیں کرے گا تو بیع درست نہیں ہوتی، لیکن نکاح میں اگر یہ شرط لگادی جائے کہ کوئی مہر نہ ہوگا تو نکاح ہو جاتا ہے، اور مہر مثل واجب ہوتا ہے۔

۳- معاوضات میں شرعاً بدل کی کوئی کم سے کم یا زیادہ سے زیادہ مقدار مقرر نہیں ہوتی، لیکن مہر کی کم سے کم مقدار کم از کم حنفیہ اور مالکیہ کے یہاں مقرر ہے۔

۴- عقودِ معاوضہ میں اگر معقود علیہ دوسرے فریق کے حوالے نہ کیا جائے تو عوض واجب الاداء نہیں ہوتا، لیکن نکاح میں اگر رخصتی سے پہلے ہی طلاق ہو جائے تو نصف مہر پھر بھی واجب ہوتا ہے۔

اس جیسے اور بھی متعدد امور یہ بات ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ مہر میں عوض ہونے کی مشابہت ضرور ہے، لیکن عوض کے تمام احکام اس میں موجود نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک ''اعزازیہ'' ہے، لیکن اس کی ادائیگی شوہر کے ذمے شرعاً لازم ہے، اور بیوی کو اس کے مطالبے کا حق بھی حاصل ہے، معاوضے کے مشابہ اور تکریم پر مبنی ہونے کی دونوں حیثیتوں کو تعبیر کرنے کے لئے مجھے ''اعزازیہ'' سے بہتر کوئی اور لفظ نہیں ملا، اور یہ تو آپ کے علم میں ہے کہ ''اعزازیہ'' بھی بعض اوقات واجب الاداء اور لائقِ مطالبہ ہوتا ہے۔

جہاں تک دس درہم یا تین درہم کی بے وقعتی کا تعلق ہے، سو یہ بات میں اپنے مضمون میں عرض کر چکا ہوں کہ عورت کا اصل حق شرعاً مہر مثل ہے، البتہ اگر وہ خود اپنا حق کسی وجہ سے کم کرنا چاہے تو کم سے کم ایک حد شریعت نے مقرر کر دی ہے کہ فی الجملہ معتد بہ ہو، اور چونکہ یہ کم سے کم حد ہے، مہر کی مطلوب مقدار نہیں، اس لئے اس میں بے وقعتی کا کوئی پہلو نہیں۔

والسلام
(۱)
۲۸؍رجب ۱۴۰۹ھ

---

(۱) یہ جواب حضرت والا دامت برکاتہم نے سائلِ موصوف کے جوابی خط میں تحریر فرمایا۔

﴿فصل فی أحکام الولیمة﴾
(ولیمہ کے مسائل)

ولیمہ کی شرعی حیثیت اور اس کا وقتِ مسنون

سوال:- ذی استطاعت پر ولیمہ کرنا سنت مؤکدہ ہے یا غیر مؤکدہ؟ اور ایسا ولیمہ جو نکاح سے دس دن یا چار پانچ دن کے بعد کیا جائے یہ بھی مسنون و جائز ہوگا یا نہیں؟ اور ایسے ولیمہ کے کھانے کے کھانے جائز ہے یا نہیں؟ اور ولیمہ کب تک کیا جا سکتا ہے؟

جواب:- ولیمہ کرنا سنت مؤکدہ ہے، اس کا وقت مسنون زفاف کے بعد ہے، جس قدر جلد کیا جائے اتنا ہی سنت سے قریب ہوگا، چار پانچ دن کے بعد ولیمہ کیا جائے تو سنت ولیمہ ادا ہو جائے گی۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم

ولیمہ کا مسنون وقت کون سا ہے؟

سوال:- دلہن عصر کے وقت چار بجے آئی اور نکاح سات بجے شام کو منعقد ہوا، تو سات اور چار بجے کے درمیان طعام ولیمہ میں شمار ہوگا یا نہیں؟ زید کہتا ہے کہ ولیمہ بعد الدخول و بعد النکاح کی سنت ہے اور بکر کہتا ہے کہ بعد الدخول اور بعد النکاح اور بعد الزفاف تمام سنت ہیں، چنانچہ قال فی الفتح: وقد اختلف السلف فی وقتها عند العقد أو عقبه أو عند الدخول أو عقبه أو موسع من ابتداء العقد الی انتهاء الدخول علی أقوال. انتهی. والفرق بینهما ان عند یشترط فیه الحضور، معلوم ہوا کہ لفظ "عند" عقد کے بعد اور قبل کو بھی شامل ہے، کما فی الحدیث: ثلث اوقات نهانا رسول الله صلی الله علیه وسلم ان نصلی فیها وان نقبر موتانا عند طلوع الشمس وعند غروبها وعند الاستواء. حرمتیة ومنع عن الصلوة وسجدة التلاوة وصلوة الجنازة عند طلوع الشمس وعند الغروب والاستواء۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ "عند" عام ہے، نیز دلہن نے اپنے آپ کو عقد نکاح کے لئے سپرد کیا تو یہ تمام وقت عقد نکاح کے لئے ساتھ ہے، نیز نکاح صدقہ اور ہبہ سے ہو سکتا ہے، جب دلہن یا دولہا نے شوہر کو وعدہ پر تسلط دیا تو تملیک اور قبضہ بھی

(۱) حوالے اور تفصیل کے لئے اگلا فتویٰ اور اس کے حواشی ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب عفی عنہ)۔

کہ ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں، جیسے کہ حیلہ کے اندر ہے، تو صورتِ مذکورہ بھی "ولیمہ" میں شمار ہوگا یعنی (چار سے سات تک)۔

جواب:- ولیمہ کا وقتِ مسنون بعد دخول ہے۔ قال السبکی: والمنقول من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہا بعد الدخول، وفی حدیث انس رضی اللہ عنہ عند البخاری وغیرہ التصریح بانہا بعد الدخول لقولہ اصبح عروسًا بزینب فدعا القوم (بذل المجہود ج:۳ ص:۳۲)[1] السنۃ فی الولیمۃ ان تکون بعد البناء وطعام ما قبل البناء لا یقال لہ ولیمۃ عرس (فیض الباری ج:۴ ص:۳۰۰)[2]۔

جن حضرات نے عند العقد اور عقیب عقد ولیمہ کو مسنون کہا ہے، ان کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ان اوقات میں ولیمہ کرنے سے سنت ولیمہ ادا ہو جاتی ہے، جس طرح مسواک کے مسئلے میں (کہ برش کرنے سے سنت مسواک ادا ہوتی ہے، سنت تامہ ادا نہیں ہوتی)۔ اسی طرح یہاں سنت ولیمہ ادا ہوگی، مگر سنت وقت ادا نہیں ہوگی، یعنی ولیمہ وقت مسنون میں ادا نہ ہوگا، لیکن عقد نکاح سے پہلے "ولیمہ" کی کوئی اصل نہیں، اس کے جو دلائل بیان کئے گئے ہیں وہ تمام محل نظر ہیں۔ "عند" اور "لدی" کا فرق اس وقت ہوتا ہے جبکہ "عند" مکان میں مستعمل ہو، ظرف کے وقت اطلاق قبل کے معنی پر نہیں ہوتا، عند طلوع، بعد الطلوع، عند الغروب عند الاصفرار میں بڑا فرق ہے۔ نہ "ھبہ" سے نکاح کا منعقد ہونا یہ معنی رکھتا ہے، فالحاصل ان النکاح ینعقد بالھبۃ اذا کان علی وجہ النکاح۔ بحر (ج:۳ ص:۲۲)[3]۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۸۷/۱۱/۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۲۸/۱۸ الف)

---

(۱) بذل المجہود کتاب النکاح ج:۳ ص:۳۲ طبع مکتبہ قاسمیہ ملتان، وکذا فی بذل الاوطار ج:۲ ص:۱۵۰۔

(۲) طبع مکتبہ اسلامیہ شارع کانسی، کوئٹہ

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے ... (عبارت ناقابلِ مطالعہ)

... (عبارت ناقابلِ مطالعہ)

وفی الصحیح للبخاری ج:۲ ص:۷۷۶ باب الولیمۃ حق ... وکان ... رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بزینب ابنت جحش اصبح النبی صلی اللہ علیہ وسلم بہا عروسًا فدعا القوم فاصابوا من الطعام ... الحدیث

وفی ھامشہ: وقد اختلف السلف فی وقتہا، ھل ھو عند العقد او عقبہ او عند الدخول او عقبہ؟ ... واستحب مالک کونہا سبوعًا. وفی اعلاء السنن ج:۱۱ ص:۱۲ حدیث انس فی ھذا الباب صریح فی ان الولیمۃ بعد الدخول لقولہ فیہ اصبح عروسًا بزینب فدعا القوم. وفی التاج الجامع للاصول فی احادیث الرسول للشیخ منصور علی ناصف ج:۲ ص:۳۰۹ فصریح الحدیث ان الولیمۃ کانت صباح لیلۃ الدخول فتکون وقتہا بعد الدخول عند الجمہور ... وقال جماعۃ عند الدخول وقال آخرون عند العقد، والظاہر ان وقتہا موسع من العقد الی الدخول ففی ای وقت عملت کفی لانہا نوع من اعلان النکاح ومن انواع البر ولا اکراہ واللہ اعلم. وفی المرقاۃ تحت رقم الحدیث ۳۲۱۰ ج:۶ ص:۳۲۲ (طبع مکتبہ حقانیہ پشاور) قیل انہا تکون بعد الدخول وقیل عند العقد، وقیل عندہما، واستحب اصحاب مالک ان تکون سبعۃ ایام ... وکذا فی فتح الباری ج:۹ ص:۱۹۹ وفتح الملہم ج:۳ ص:۴۸۹ واوجز المسالک ج:۴ ص:۳۱۸ نیز دیکھئے فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج:۸ ص:۷۱۔

(۳) البحر الرائق ج:۳ ص:۸۰ طبع ایچ ایم سعید، وفی الشامیۃ قولہ کھبۃ ای اذا کانت علی وجہ النکاح۔

﴿فصل فی متفرّقات النّکاح والمسائل الجدیدة المتعلّقة بالنّکاح﴾

(نکاح کے جدید اور متفرق مسائل کا بیان)

ٹیلی فون پر نکاح کی شرعی حیثیت

سوال:- ٹیلی فون پر آج کل نکاح ہوتا ہے، کیا یہ درست ہے اور نکاح ہو جاتا ہے؟

جواب:- نکاح میں چونکہ یہ ضروری ہے کہ دو گواہ مجلس نکاح میں حاضر ہوں اور ایجاب و قبول دونوں سنیں،(۱) اس لئے ٹیلی فون پر نکاح درست نہیں ہوتا، اگر دوسرے شہر یا ملک میں نکاح کرنا ہو تو اس کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس شہر میں کسی شخص کو اپنے نکاح کا وکیل مقرر کر دیں، وکیل اس کی طرف سے دوسرے فریق کے ساتھ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب و قبول کرے، اس طرح نکاح صحیح ہو جائے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۴۰۱/۱۰/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳۱۶/۳۲ ج)

خطبۂ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے ہو یا بعد میں؟

سوال:- بوقت نکاح خطبۂ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے پڑھنا سنت ہے یا ایجاب وقبول کے بعد پڑھنا سنت ہے؟

جواب:- خطبۂ نکاح کا ایجاب وقبول سے پہلے پڑھنا سنت ہے۔(۲) واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۱/۱۱/۲۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۷۴۸/۳۲ ج)

---

(۱) وفي الدر المختار، كتاب النكاح ج ۳ ص ۹ وينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر. وفيه أيضا ج ۳ ص ۲۱ وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا. وفي الهداية ج ۲ ص ۳۰۶ طبع شركت علميه: ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين. وفي الهندية كتاب النكاح الفصل الأول ج ۱ ص ۲۶۸ ومنها سماع الشاهدين كلامهما معا هكذا في فتح القدير.

(۲) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۸ ويندب إعلانه وتقديم خطبة. وفي الشامية (وتقديم خطبة) بضم الخاء ما يذكر قبل إجراء العقد من الحمد والتشهد ... اهـ. وفي البحر الرائق كتاب النكاح ج ۳ ص ۸۱ طبع مكتبه رشيديه كوئٹه) يستحب أن يكون النكاح ظاهرا وأن يكون قبله خطبة.

آزاد شخص چار تک شادیاں کر سکتا ہے

سوال:- موجودہ زمانے میں غلامی کا نظام ختم ہو چکا ہے، صرف غلامی اور آقا کا نام رہ گیا ہے، ایک غلام کے گھر میں دو بیویاں ہیں، جو پہلے سے نکاح میں لا کر گھر میں رکھے ہوئے ہے، اب ان دو عورتوں کے علاوہ اس نے ایک آزاد عورت سے تیسری شادی کر لی ہے، جو کہ اس کے خاندان سے نہیں ہے، وہ تو خود عبد ہے لیکن تیسری بیوی حر ہے، کیا یہ نکاح صحیح ہوا؟ شرعی فتاویٰ کتابوں میں دیکھا گیا ہے کہ ایک عبد دو عورتوں سے زیادہ نہیں رکھ سکتا ہے۔

جواب:- آج کل شرعی غلاموں اور باندیوں کا وجود نہیں ہے، اگر کسی شخص کے آباء واجداد غلام رہے ہوں تو محض اتنی بات سے وہ غلام نہیں ہوتا، آج کل سب احرار ہیں، لہٰذا چار تک بیویاں رکھنا ان کے لئے جائز ہے۔(۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۱/۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۱۲ الف)

ٹیلی فون پر نکاح کا حکم

سوال:- ٹیلی فون پر نکاح ہو سکتا ہے یا نہیں؟ بصورت اول کن شرطوں کے تحت؟

جواب:- ٹیلی فون پر نکاح نہیں ہو سکتا، کیونکہ دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول اس میں شرعی شرائط کے مطابق ممکن نہیں۔(۲) البتہ غیر ممالک میں رہنے والے اگر نکاح کرنا چاہیں تو اس کی یہ صورت ممکن ہے کہ جس شہر میں لڑکی موجود ہو اس شہر کے کسی آدمی کو لڑکا اپنا وکیل بنادے اور اس سے کہہ دے کہ میرا نکاح فلاں لڑکی سے کردو، اب یہ وکیل دو گواہوں کی موجودگی میں لڑکی یا اس کے ولی کے ساتھ ایجاب وقبول کرلے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۴۰۱/۱۱/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲/۱۷۱۴ ج)

دو عیدوں کے درمیان نکاح بلاشبہ جائز ہے

سوال:- کئی آدمیوں کی زبانی سننے میں آیا ہے کہ عید الفطر اور عید الضحیٰ کے درمیان شادی کرنا منع ہے اور جائز نہیں ہے، اگر دونوں عیدوں کے درمیان کوئی شادی کرتا ہے تو اس کو ۳۰ رمضان

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ "فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ" سورۃ النساء ۳

(۲) وفی الدر المختار کتاب النکاح ج ۳ ص ۹ وینعقد بایجاب من احدھما وقبول من الآخر وفیہ ایضاً ج ۳ ص ۲۱ وشرط حضور شاہدین حرین او حر وحرتین مکلفین سامعین قولھما معاً وفی الھندیۃ ج ۲ ص ۳۰۶ طبع شرکت علمیہ) ولا ینعقد نکاح المسلمین الا بحضور شاہدین حرین عاقلین بالغین مسلمین.
وفی الھدایۃ کتاب النکاح فصل اول ج ۱ ص ۲۶۹ ومنھا سماع الشاہدین کلامھما معاً ھکذا فی فتح القدیر

المبارک کو نکاح پڑھانا پڑتا ہے، کیا یہ صحیح ہے؟

جواب — شرعی اعتبار سے یہ بات قطعی بے بنیاد اور غلط ہے کہ دو عیدوں کے درمیان نکاح جائز نہیں، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح حضرت صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے شوال کے مہینے میں ہوا ہے۔[1] ایسی بے بنیاد باتوں پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، دو عیدوں کے درمیان نکاح بالاتفاقِ امت جائز ہے، اور اس کے لئے ۲۷ رمضان کو نکاح پڑھنے کی بھی کوئی قید نہیں ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۹ ۔ ۔ ۱۳۹ھ

(فتویٰ نمبر ۹۱۸/۲۸ ج)

رخصتی کے انکار سے نکاح ختم نہیں ہوگا

سوال — محمد عمر نے اپنے بھانجے یامین کی شادی شہداد پور میں محمد یوسف کی لڑکی کے ساتھ کی، اور اس کے بدلے میں محمد عمر نے اپنی لڑکی کی شادی محمد یوسف کے لڑکے کے ساتھ کی، اس شادی کا پس منظر یہ ہے کہ محمد عمر نے جب اپنے بھانجے کی منگنی محمد یوسف کی لڑکی کے ساتھ کی تو اس وقت محمد یامین کی عمر چوبیس سال تھی، اور لڑکی کی عمر تقریباً سولہ سال تھی، تو محمد عمر نے بدلے میں اپنی لڑکی جو کہ آٹھ نو سال کی تھی محمد یوسف کے لڑکے کے نکاح میں دینا قبول کی اس کی عمر دس گیارہ سال تھی، اب جب محمد یامین نے شادی کی، تو پتہ چلا معلوم ہوا کہ یامین نے اپنے سسر کو ڈھائی ہزار روپے بھی دیئے ہیں، اس لئے کہ محمد یوسف جلدی شادی کردے اور کوئی شخص رکاوٹ نہ ڈالے، جب محمد عمر کو پتہ چلا کہ یامین نے پیسے دیئے ہیں تو میں لڑکی بدلے میں کیوں دوں؟ محمد یامین کی شادی کے دو روز بعد محمد یوسف اپنے لڑکے کی برات لے کر آگیا، لوگوں نے محمد عمر کو بہت سمجھایا، مگر نہ مانا، لوگوں نے کہا تو پھر محمد یوسف اپنی لڑکی لے جائے گا اور طلاق لے لے گا، تمہارے بھانجے یامین کے پیسے بھی ڈوب جائیں گے لہٰذا تم اپنی لڑکی کا نکاح کردو، لہٰذا بھائیوں کے سمجھانے پر محمد عمر نے کہا چلو نکاح کردیتا ہوں، لیکن لڑکی جب تک جوان نہ ہوگی اسے سسرال نہ بھیجوں گا، بھائیوں نے کہا کہ وہ تو بعد کی بات ہے، لہٰذا باقاعدہ قاضی کے ذریعے ایجاب وقبول ہوا اور مہر ۳۲ روپے ۸ آنے مقرر ہوا، گواہوں کے سامنے لڑکی کی طرف سے محمد عمر نے قبول کیا، شادی کو دس بارہ سال ہوچکے ہیں، لڑکی بالغ ہوچکی ہے، اب محمد یوسف مرحوم جس کا انتقال ہوچکا ہے، کے بھائیوں نے محمد عمر کو لڑکی رخصت کرنے کو کہا، تو محمد عمر کہتا ہے کہ

---

(۱) وفي مشكوة المصابيح كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط ج ۲ ص [illegible] طبع قديمي كتب خانه. عن عائشة قالت: تزوجني رسول الله صلى الله عليه وسلم في شوال وبنى بي في شوال فأي نساء رسول الله صلى الله عليه وسلم كان أحظى عنده مني. رواه مسلم. وفي حاشية المشكوة تحته: فأي نساء [illegible] قالت هذا ردا على أهل الجاهلية فانهم كانوا لا يرون اليمن في التزوج والعرس في أشهر الحج

میں ہمیشہ یہی کہتا رہوں گا کہ میری لڑکی کا نکاح نہیں ہوا ہے، دس برس میں دونوں فریقوں میں کوئی لین دین نہیں رہا، پھر پنچایت ہوئی، لوگوں نے کہا کہ ہمارے سامنے نکاح ہوا ہے، محمد عمر کہتا ہے کہ بیوی کے مجبور کرنے پر نکاح کردیا تھا، اس لئے نکاح لڑکی کا نہیں ہوا، فتویٰ منگوا لو کہ نکاح ہوا ہے یا نہیں؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں جب محمد عمر نے اپنی لڑکی کا نکاح باضابطہ دو گواہوں کے سامنے قاضی کے ذریعے ایجاب وقبول کرکے دے دیا تو نکاح منعقد ہوگیا(۱)، اور اس نے رخصتی کرنے سے جو انکار کیا تھا، اس سے نکاح کے انعقاد پر کوئی فرق نہیں ہوتا، لہٰذا اس پر واجب ہے کہ وہ لڑکی کی رخصتی کرے یا شوہر سے طلاق حاصل کرے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۹/۱۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳۶/۲۷ د)

دُوسری شادی کے لئے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری نہیں

سوال:- مطلقہ عورت کا دُوسرا نکاح ۱۰ ماہ ۱۹ دن کے بعد ہوا، پہلی بیوی کی موجودگی میں پہلی بیوی سے دُوسرا نکاح کرنے کی شرعی طور پر اجازت لی ہو اور پہلی بیوی اس بات پر بھی آمادہ ہو کہ ساتھ رہیں، کیا یہ نکاح دُرست ہے؟

جواب:- اگر شوہر کو یہ اطمینان ہو کہ وہ ایک سے زائد بیویاں رکھنے کی صورت میں شرعی طور پر عدل وانصاف قائم رکھ سکے گا تو وہ پہلی بیوی کی موجودگی میں دُوسرا نکاح کرسکتا ہے(۲)، اور اس کے لئے پہلی بیوی سے اجازت لینا بھی ضروری نہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۱/۱۲/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۸۰۹/۳۲ ج)

ہندو مُردہ کے جلنے کا منظر دیکھنے سے نکاح نہیں ٹوٹا

سوال:- ایک روز دل میں خیال آیا کہ ہندو اپنا مردہ کس طرح جلاتے ہیں، دیکھنا چاہئے، ایک بڑے زمیندار ہندو کا انتقال ہوگیا، زید یہ دیکھنے کے لئے مسان گھاٹ چلا گیا، دُور چھپ کر دیکھتا رہا، چند سال گزر جانے کے بعد زید نے اپنے دوستوں سے اس کا ذکر کیا، ایک دوست نے کہا کہ تمہارا نکاح فسخ ہوگیا، لہٰذا آپ دُوسرا نکاح کریں۔ کیا شرعاً یہ دُرست ہے؟

---

(۱) وفی الدر المختار، کتاب النکاح ج ۳ ص ۹ طبع سعید: (وینعقد) بایجاب من احدهما وقبول من الآخر.

(۲) فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی وثلث وربع (سورة النساء: ۳) وفی الدر المختار ج ۳ ص ۷: ومکروها لخوف الجور. وفی الشامیة: وترک الشارح قسما سادسا ذکره فی البحر عن المجتبی وهو الاباحة ان خاف العجز عن الایفاء بموجبه ای خوفا غیر راجح والا کان مکروها تحریمًا لأنّ عدم الجور من مواجبه.

جواب - غیر مسلموں کی مذہبی اور معاشرتی رسموں میں دیکھنے سے بھی شرکت نہیں کرنی چاہئے، لیکن ایسا کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں زید کا نکاح فسخ نہیں ہوا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۶/۱۰/۲۱ھ

(فتویٰ نمبر [illegible])

شوہر کو بھائی یا باپ کہنے سے نکاح پر اثر نہیں پڑتا

سوال - شوہر اور بیوی کے جھگڑے میں بیوی نے اپنے شوہر کو بھائی باپ کہا، اور بعد میں افسوس کرنے لگی، کیونکہ وہ غصے میں بولی تھی، اب شرعی حکم کیا ہے؟

جواب - بیوی کو ہرگز نہ چاہئے کہ وہ اپنے شوہر کو بھائی یا باپ کہے، لیکن اس طرح کہنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، وہ بدستور میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں۔　　واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۳۴/۲۸ ج)

لڑکی کی شادی کم سے کم کتنی عمر میں کر سکتے ہیں؟

سوال - لڑکی کی شادی کم سے کم کتنی عمر میں کر سکتے ہیں؟ از روئے شرع جواب سے مطلع فرمائیں۔

جواب - شادی کے لئے کوئی عمر مقرر نہیں، ہر عمر میں نکاح کرنا جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد نکاح کیا جائے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۲/۲۳ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

بیوی کی طرف سے شوہر کو کافر کہنے پر نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال - ایک شخص اپنی بیوی سے ناراض ہو کر اپنے اوزار وغیرہ لے کر چلا گیا، بیوی کو غصہ آیا تو گھر کے کپڑے جلا دیئے اور کہنے لگی "کافر چلا گیا" اور کئی دفعہ ایسا کہا، عورت کو اپنے خاوند کے متعلق کسی دوسری عورت سے تعلق کا شبہ ہے، کیا عورت کا اپنے شوہر کو کافر کہنے سے نکاح ٹوٹا یا نہیں؟

جواب - بیوی نے اپنے شوہر کو کافر کہہ کر سخت گناہ کا ارتکاب کیا،[2] اُسے چاہئے کہ اس پر

---

(۱) دیکھئے فتاویٰ دارالعلوم دیوبند باب الظہار ج ۱۰ ص ۲۱۱۔

(۲) وفي مشكاة المصابيح ج ۲ ص ۴۱۱ (طبع قديمي كتب خانه) عن ابن عمر رضي الله عنه قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أيما رجل قال لأخيه كافر فقد باء بها أحدهما متفق عليه وفيه أيضا بعده رقم الحديث [illegible] سباب المسلم فسوق وقتاله كفر.

توبہ و استغفار کرے اور شوہر سے بھی معافی مانگے، لیکن اس سے نکاح نہیں ٹوٹا، نکاح برقرار ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۔ ۲ ۔ ۱۳۹۔ھ
(فتویٰ نمبر ۵۵۵ ۲۹ ب)

دُوسری شادی کے لئے پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری نہیں

سوال:- اگر کوئی شخص ایک سے زائد نکاح کا خواہش مند ہو تو کیا پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری ہے یا صرف برابری کرنا ضروری ہے اجازت لینا نہیں؟

جواب:- پہلی بیوی سے اجازت لینا ضروری نہیں، البتہ بہتر ہے، لیکن بیویوں کے درمیان ہر طرح سے انصاف رکھنا لازمی ہے، اگر اس میں ذرا بھی بے انصافی کا خطرہ ہو تو دُوسری شادی جائز نہیں۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۸/۶/۱۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۰ ۔ ۲۹ ب)

۱:- شادی میں فائرنگ کی رسم واجب الترک ہے
۲:- ناجائز رُسومات والی شادی میں مقتداء علماء کو شرکت نہیں کرنی چاہئے

سوال ۱:- شادی میں لوگ فخر و اشتہار کے لئے فائرنگ کرتے ہیں، فائرنگ کی یہ رسم جائز ہے یا نہیں؟

۲:- کیا ایسی شادی بیاہ جس میں رُسومات ہوں اس میں کسی کی شرکت اور خاص کر علماء کی شرکت جائز ہے؟

جواب ۱:- فائرنگ کی یہ رسم فضول خرچی بھی ہے اور متعدد منکرات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے واجب الترک ہے۔

۲:- جس شادی میں شرعی منکرات ہوں اس میں مقتداء علماء کو شرکت نہ کرنی چاہئے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۱۲/۱/۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲ ۔ ۵۱)

---

(۱) وفي الدر المختار كتاب النكاح ج ۳ ص ۔ ايچ ايم سعيد: ومكروه لخوف الجور، فإن تيقنه حرم ذلك. وفي الشامية: قوله فإن تيقنه أي تيقن الجور حرم لأن النكاح إنما شرع لمصلحة تحصين النفس وتحصيل الثواب، وبالجور يأثم ويرتكب المحرمات فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد الجور، وترك المصنف قسماً سادساً ذكره في البحر عن المجتبى وهو الإباحة إن خاف العجز عن الإيفاء بمواجبه ... إلى خوف عدم الجور، لا يكون مكروهاً تحريماً لأن عدم الجور من مواجبه ... الخ

شوہر کتنا عرصہ بیوی سے جدا رہ سکتا ہے؟

(اس مسئلہ کی تحقیق کہ شوہر کتنے عرصہ تک بیوی سے جدا رہ سکتا ہے، اس کے متعلق مولانا عبداللہ میمن صاحب کے سوال کا جواب)

سوال:- بخدمت جناب مولانا عبداللہ میمن صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ مزاج گرامی!

آنجناب کی ارسال کردہ کتابوں کے ہدیہ کی تیسری قسط موصول ہوئی، جو کہ اصلاحی خطبات اور بیوی کے حقوق پر مشتمل تھی، اس انتہائی عنایت اور کرم فرمائی پر بہت ہی مشکور وممنون ہوں اور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ جناب کی جان و مال اور علم وعمل میں برکت عطا فرمائیں۔

جناب کے ہدیہ کی مناسبت سے ایک سوال نوکِ قلم پر آگیا لیکن اس کا جواب جناب کے اور حضرت مولانا تقی عثمانی مدظلہ کے طیبِ خاطر پر موقوف کرتا ہوں۔

رسالہ "بیوی کے حقوق" میں مولانا مدظلہ نے تحریر فرمایا:-

فقہائے کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ گھر سے باہر رہنا بیوی کی اجازت اور اس کی خوشدلی کے بغیر جائز نہیں۔ (ص ٦١)

مفہوم مخالف سے یہ نکلا کہ بیوی کی اجازت سے سال دو سال کے لئے باہر رہ سکتے ہیں۔

اردو کی بعض کتابوں میں تو یہ مسئلہ ایسے ہی لکھا ہے لیکن کیا عربی فتاویٰ اور فقہ کی کتابوں میں بھی حنفیہ کے نزدیک مسئلہ کے اس طرح ہونے کی تصریح موجود ہے؟ یہ تصریح تو موجود ہے کہ بیوی کی رضامندی اور خوش دلی سے وطی کو چار ماہ سے زائد مؤخر کرسکتا ہے، لیکن اس سے یہ مطلب نکالنا کہ کوئی شخص جوان بیوی سے اجازت لے کر سال دو سال اور زائد مدت کے لئے باہر جا سکتا ہے مشکل ہے۔ پھر اکا دکا کوئی واقعہ ایسا ہو تو شاید غیر معمولی حالات پر محمول کیا جائے، لیکن موجودہ دور میں بڑے پیمانے پر ملازمت، تعلیم اور تبلیغ کے لئے اس طرح نکلنا سمجھ سے باہر ہے۔

بہر حال اگر ایسا کوئی حوالہ جناب مولانا مدظلہ سے حاصل کر کے روانہ کریں تو بڑا احسان ہوگا۔

علاوہ ازیں اگر ایسا کوئی حوالہ موجود ہے تو پھر اس کی کیا توجیہ ہوگی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ مجاہدین چار مہینے سے زیادہ گھر سے باہر نہ رہیں، اور یہ حکم کیوں نہ دیا کہ چار مہینوں سے زیادہ کے لئے بیویوں سے اجازت لے کر نکلا کریں۔

میں نے اپنے اشکال کا خلاصہ تحریر کیا ہے، اگر اس بارے میں کوئی رہنمائی میسر آجائے تو

ممنون ہوں گا۔

آخر میں ایک مرتبہ پھر شکریہ قبول فرمائیں۔ مولانا مدظلہ کی خدمت میں سلام پیش فرمائیں۔

والسلام علیکم

(مولانا ڈاکٹر عبدالواحد)

جامعہ مدنیہ لاہور

جواب:- گرامی قدر مکرم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آنجناب کا گرامی نامہ مولانا عبداللہ میمن صاحب کے نام موصول ہوا، اور آنجناب نے جس پہلو کی طرف متوجہ فرمایا، اس پر غور کیا، آپ نے درست فرمایا ہے کہ چار ماہ سے زائد گھر سے باہر رہنے کے جواز کے لئے صرف بیوی کی اجازت اور خوشدلی کافی نہیں ہونی چاہئے، اس مسئلہ میں فقہاء کی کوئی تصریح تو نہیں ملی، سوائے درمختار کی اس عبارت کے:

وسقط حقها بمرة ويجب ديانة احيانًا ولا يبلغ مدة الايلاء الا برضاها

اسی کے تحت علامہ شامیؒ نے فتح القدیر کی مندرجہ ذیل عبارت نقل کی ہے۔

ويجب ان لا يبلغ به مدة الايلاء الا برضاها وطيب نفسها به

(۱)
(درمختار مع شامی ج ۳ ص ۲۰۲)

لیکن یہ مسئلہ حق جماع سے متعلق ہے، اور اس میں یہ تصریح ہے کہ عورت اپنی رضامندی سے اپنا یہ حق ترک کرسکتی ہے، لیکن یہ درست ہے کہ مطلق سفر کے بارے میں فقہاء کرام کی کوئی تصریح احقر کی نظر سے بھی نہیں گزری، لیکن حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے واقعے سے علی اختلاف الروایت چار مہینے یا پانچ مہینے یا چھ مہینے تک سفر پر رہنے کی اجازت معلوم ہوتی ہے، بظاہر یہی ہے کہ یہ عورت کے حق کی وجہ سے ہے، اور یہ جب اس کا حق ہے تو وہ اس سے دست بردار بھی ہوسکتی ہے، رہا یہ معاملہ کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے یہ کیوں نہیں فرمایا کہ بیوی کی اجازت سے سپاہیوں کو چار ماہ سے زائد کے سفر پر بھیجا جاسکتا ہے، تو اس کے بارے میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اپنے لشکر کے سپاہیوں کے لئے ایک ضابطہ مقرر کرنا تھا کہ ان کو کتنی مدت کے بعد واپس بلایا جائے، اس کے لئے انہوں نے چار ماہ کی مدت علی الاطلاق مقرر فرمادی، چنانچہ ان کے الفاظ یہ منقول ہیں کہ:

(۱) (طبع سعید کراچی)

لا احبس الجیش اکثر من هذا. (سنن بیهقی، کتاب السیر ج ۹ ص ۲۹)[۱]

اور:-

فکتب عمر ان لا تحبس الجیوش فوق أربعة أشهر.

(مصنف عبدالرزاق ج۷ ص: ۱۵۱، ۱۵۲)[۲]

چونکہ سپاہیوں کے لئے کوئی نہ کوئی مدت مقرر کرنی ہی تھی، اس لئے آپ نے چار ماہ کی مدت علی الاطلاق مقرر فرمادی، اور اس تدقیق کی ضرورت نہیں سمجھی کہ کس کی بیوی اس سے زیادہ کے لئے راضی ہے، اور کس کی بیوی راضی نہیں۔

البتہ یہ ساری تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ گھر سے باہر رہنے میں کسی فتنے کا اندیشہ نہ ہو، جہاں فتنے کا اندیشہ ہو، وہاں صرف بیوی کی اجازت گھر سے باہر رہنے کے لئے کافی نہیں، اور فتنے کے اس دور میں اس طرز عمل کی ہرگز حوصلہ افزائی نہ ہونی چاہئے۔ آپ کا یہ فرمانا بھی بجا اور درست ہے کہ بلا ضرورت ایسے مواقع پر طویل سفر اختیار کرنا مکروہ بات ہے اور اس عمل کو معمول بنا لینا اور بھی بری بات ہے۔ اور چونکہ ایسی صورت میں فتنے کے امکانات بہت قوی ہو جاتے ہیں، اس لئے اس سے احتراز کرنا چاہئے۔ خلاصہ یہ کہ جہاں فتنے کا ظن غالب ہو وہاں تو بیوی کی اجازت کے ساتھ بھی سفر اختیار کرنا جائز نہیں، اور اس میں مدت کی کوئی قید نہیں، اور جہاں ظن غالب نہ ہو، لیکن معتد بہ احتمال ہو وہاں بھی حتی الامکان اس سے احتراز لازم ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ فقہاء کرام نے چار ماہ کا جو ذکر فرمایا ہے وہ عوارض سے قطع نظر کرتے ہوئے محض عورت کے حق کی بنیاد پر فرمایا ہے، لیکن جہاں کوئی عارض فتنہ موجود ہو، وہاں اس تفصیل پر عمل ہونا چاہئے جو اوپر عرض کی گئی۔

هذا ما ظهر لی

والله سبحانه وتعالی اعلم

والسلام

محمد تقی عثمانی

۹/۴/۱۴۱۲ھ[۳]

---

(۱) طبع نشر السنة ملتان

(۲) ناشر مجلس علمی۔

(۳) یہ فتویٰ حضرت و... دامت برکاتہم نے جوابی خط میں تحریر فرمایا۔

﴿کتاب الطّلاق﴾

(طلاق کے مسائل)

﴿باب ایقاع الطلاق﴾
(طلاق دینے اور طلاق واقع ہونے کا بیان)

پاگل پن اور نیند کی حالت میں طلاق کا حکم
نابالغ کی طلاق کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں؟ فتویٰ چاہتا ہوں (فقہِ حنفی کی روشنی میں)۔

مسئلہ - اگر کوئی مسلمان بالغ شخص جنون کی حالت میں، پاگل پن کی حالت میں یا نشے کی حالت میں یا نیند کی حالت میں یا غصے کی حالت میں یا مذاق سے یا دھمکی دینے کے انداز میں اپنی بیوی کو تین دفعہ طلاق دے دیتا ہے تو کیا طلاق ہوجاتی ہے یا نہیں؟ یا اگر ایک نابالغ خاوند اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو کیا طلاق ہوجاتی ہے یا نہیں؟ یا اگر ایک شخص قریب المرگ ہو اور وہ حالتِ نزع میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو کیا طلاق ہوجاتی ہے کہ نہیں؟

جواب - پاگل پن اور نیند کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی،[1] نیز نابالغ کی طلاق واقع نہیں ہوتی،[2] باقی تمام صورتوں میں حنفی مسلک کے لحاظ سے طلاق ہوجاتی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

۷/۴/۱۴۲۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲ ۴۷۳)

مدہوش کی طلاق کا حکم

سوال:- زید دو راتوں کا جاگا ہوا بسلسلہ نوکری اپنی ان تھک محنت سے فارغ ہوکر جب گھر

(۱، ۲) وفي تنوير الابصار كتاب الطلاق ج ۳ ص ۲۴۲ لا يقع طلاق المولى على امرأة عبده والمجنون والصبي والمدهوش وفي الهداية ج ۱ ص ۳۵۳ طبع رشيديه كوئٹه، ولا يقع طلاق الصبي وإن كان يعقل والمجنون والنائم والمبرسم والمغمى عليه والمدهوش الخ وفي البدائع ج ۳ ص ۱۰۰ ومنها أن لا يكون معتوها ولا مدهوشا ولا مبرسما ولا مغمى عليه ولا نائما فلا يقع طلاق هؤلاء لما قلنا في المجنون الخ وفي شرح الوقاية باب ايقاع الطلاق ج ۲ ص ۷۳ طبع سعيد، لا طلاق صبي ومجنون ونائم وكذا في البحر الرائق ج ۳ ص ۲۴۹ وفتح القدير ج ۳ ص ۳۵۰ وفي فتح القدير ج ۳ ص ۳۴۳ ويقع طلاق كل زوج إذا كان عاقلا بالغا ولا يقع طلاق الصبي والمجنون والنائم

کہا جاتا ہے تو گھر میں اپنی بیوی سے ملنے کے لئے پیچھے گئے تو (گھر کے لوگوں) نے کسی سے کانا پھوسی کی، جو اس کی بیوی کے خلاف تھی، زید نے مشتعل ہوکر بیوی کو بند کمرے میں پیٹنا شروع کر دیا، زید کی بیوی کی پٹائی دیکھ کر زید کے بھائیوں نے مداخلت کی جس پر زید اور مشتعل ہوا اور بات تکرار وغیرہ تک کی کیفیت میں بھائیوں سے تکرار کرنے لگا اور اسی حالت میں زید نے اپنی بیوی کو تین مرتبہ سے زائد طلاق دیتا ہے۔ کیا وہ جنون اور غصے کی حالت میں دی ہوئی طلاق درست ہے؟ زید دو گھنٹے کے بعد جب ٹھیک ہوا تو اس کی حالت بدلی ہوئی تھی اور اپنے کئے ہوئے پر پریشان نظر آ رہا ہے اور کہتا ہے کہ میرے کہے ہوئے میں میرے دماغ کا دخل نہیں، مجھے علم نہیں کہ میں نے کیا کہا ہے؟

جواب:- تنقیح کے بیانات سے معلوم ہوا کہ طلاق کے وقت شوہر کے ہوش و حواس معطل تھے اور وہ اپنے قابو میں نہیں تھا، یہاں تک کہ اس نے والدین کو بھی نہیں پہچانا، اب اگر شوہر یہ حلفیہ بیان دے کہ جس وقت اس نے طلاق کے الفاظ زبان سے نکالے اس وقت اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کیا بول رہا ہے؟ اور اس کے نتائج کیا ہوتے ہیں؟ تو صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی اور اس کی بیوی بدستور اس کے نکاح میں ہے۔ فی الشامیة: والذی یظهر لی ان کلام المدهوش والغضبان لا یشترط فیه ان یکون بحیث لا یعلم ما یقول بل یکتفی فیه بغلبة الهذیان واختلاط الجد بالهزل کما هو المفتی به فی السکران علی ما مرّ ولا ینافیه تعریف الدهش بذهاب العقل فان الجنون فنون (شامی ج ۳ ص ۲۴۴ طبع جدید)۔(۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم　　　　الجواب صحیح

احقر محمد تقی عثمانی عفی اللہ عنہ　　　　بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۷/۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۸۵۲ ب)

طلاق واقع ہونے کے لئے عدالت کے تصدیق نامے کی ضرورت نہیں

سوال:- ایک لڑکی جسے تین طلاقیں دے دی گئی تھیں، اس لڑکی سے دوبارہ شادی کرنے کی صورت میں عدالت سے کسی قسم کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے؟ کہ طلاق اب عدالت میں Confirm ہوئی کیونکہ سابقہ شوہر نے 13-10-1976 کو تحریری نوٹس دے کر طلاق دی ہے کہ اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے اور طلاق کنفرم Confirm کی جائے عدالت نے ابھی طلاق کنفرم نہیں ہوئی اور تاریخ پیشی 7-2-1977 مقرر ہوئی ہے۔

---

(۱) تحت مطلب فی طلاق المدهوش (طبع سعید)

جواب:- طلاق واقع ہونا شوہر کی عدالت کی تصدیق پر موقوف نہیں، جس روز طلاق ہوئی اس سے بعد تین مرتبہ ایام ماہواری گزر کر عورت جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۲/۱۳ھ

محض دِل میں طلاق کا خیال آنے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال:- عرض اینکہ زید نے ایک کتاب کا مطالعہ کیا جس میں نکاح وطلاق کے مسائل درج تھے، اور زید ایک شادی شدہ مرد ہے وہ اس بارے میں کافی محتاط ہو گیا، احتیاط اس حد تک بڑھ گیا کہ آرام وسکون بھی ختم ہو گیا، کبھی دل میں یہ خیال آتا ہے کہ اگر بیوی نے فلاں کام کیا تو طلاق، صرف خیال آتا ہے، منہ سے ایسا نہیں کہتا، کبھی دوسرا خیال آتا ہے کہ اگر میں نے فلاں کام کیا تو بیوی کو طلاق، پھر توبہ کرتا ہے اور خدا سے مغفرت چاہتا ہے کہ اے خدا میرے دل کو ان خیالات سے پاک کر دے۔ غرض یہ ہے کہ طرح طرح کے خیالات ان کے دل میں آتے ہیں اور توبہ کرتا ہے، بعض بعض وقت یہ بھی خیال آتا ہے کہ اگر توبہ کی تو طلاق، پھر توبہ بھی کی، اور خدا سے پھر معذرت چاہی۔ جناب عالی! یہ ان خیالات سے جو صرف دل ہی میں ہوتے ہیں اور منہ پر نہیں لاتے، زید کے نکاح میں فرق تو نہیں آیا؟ نیز خدانخواستہ اگر زید کے دل میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اگر بیوی نے روٹی پکائی تو طلاق، اور بیوی نے روٹی پکائی تو کیا اس سے نکاح میں فرق آتا ہے یا نہیں؟ زید ہر وقت اپنے ذہن سے جھگڑتا ہے کہ اس کے ذہن میں یہ خیالات کیوں پیدا ہوتے ہیں؟

جواب:- محض دل میں خیال آنے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی جب تک کہ طلاق کے الفاظ زبان سے نہ کہے جائیں، لہٰذا زید کے دل میں جو خیالات آتے ہیں ان سے ان کے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا مطمئن رہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۰۸ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۳۳/۳۹ و)

حالتِ حمل میں طلاق واقع ہوجاتی ہے

سوال:- میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا ہو گیا تھا اور میں نے اپنی بیوی کو لفظ

---

(۱) وفی الدر المختار كتاب الطلاق ج ۳ ص ۲۳۰ طبع سعید: وركنه لفظ مخصوص وفي الشامية، قوله: وركنه لفظ مخصوص هو ما جعل دلالة على معنى الطلاق من صريح أو كناية ... وأراد اللفظ ولو حكما ليدخل الكتابة المستبينة وإشارة الأخرس ... الخ وفيه أيضا ج ۳ ص ۲۴۷ طبع سعید: وأراد بما اللفظ أو ما يقوم مقامه من الكتابة المستبينة أو الإشارة المفهومة ... لأن ركن الطلاق اللفظ أو ما يقوم مقامه مما ذكر كما مر

طلاق تحریر میں لکھ کر دیدی، اس وقت میری بیوی حاملہ تھی، میں آپ سے معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

جواب:- حالتِ حمل میں بھی طلاق ہوجاتی ہے[1]، لہٰذا طلاق واقع ہوگئی، کس قسم کی طلاق ہوئی؟ یہ بات طلاق کے وقت جو الفاظ جتنی مرتبہ آپ نے کہے ہوں وہ لکھ کر بھیجئے تو ان کا حکم بتایا جاسکے گا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۹۵۵/۲۹ ج)

رسمی طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے

سوال:- مسمّی عبداللہ نے عقد ثانی کنیز بانو سے کیا، شادی کے بعد دلہن کو دولہا نے اپنی جگہ پدری میں رکھا اور میکے میں داخل نہیں ہوسکا تھا، کیونکہ عبداللہ کی پہلی زوجہ کے ورثاء نے اس کو ڈانٹ اور جبراً عبداللہ سے طلاق دلوادی، یعنی طلاق کی رسم پوری کرائی، میں (سائل) اس کے پاس گیا اس نے قسم اٹھا کر کہا کہ میں نے رسمی طلاق دی تھی۔ کیا یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

جواب:- اگر سوال میں درج شدہ واقعات صحیح ہیں تو مسماۃ کنیز بانو پر طلاق واقع ہوگئی ہے[2]، اور طلاق کے بعد اگر اس کو تین مرتبہ ماہواری آچکی ہو تو اس کی عدّت بھی ختم ہوگئی[3]، اب جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۸ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۲۳/۱۹ الف)

ناسمجھی اور مفلسی کی وجہ سے دی گئی طلاق بھی ہوجاتی ہے

سوال:- میری شادی مسماۃ حسینہ سے ۱۷ اگست ۱۹۶۶ء کو ہوئی، سال ڈیڑھ کے بعد کچھ

---

(۱) وفی الهدایة کتاب الطلاق باب طلاق السنة ج ۲ ص ۳۵۴ (طبع شرکت علمیه ملتان) وطلاق الحامل یجوز عقیب الجماع.

(۲) عن أبی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والرجعة (جامع الترمذی باب ما جاء فی الجد والهزل فی الطلاق ج ۱ ص ۲۲۵ طبع سعید) وکذا فی أبی داؤد (باب فی الطلاق علی الهزل ج ۱ ص ۳۰۵ طبع حقانیه ملتان) وکذا فی الدر المختار ج ۳ ص:۲۳۵ والبحر الرائق ج:۳ ص:۲۴۴.

(۳) وفی الدر المختار باب العدة ج ۳ ص ۵۲۰ (طبع سعید) ومبدأ العدة بعد الطلاق وبعد الموت علی الفور وتنقضی العدة وان جهلت المرأة بهما.

معمولی جھگڑے ہوئے، کچھ معاشی تنگی کے باعث میرا دماغ خراب ہوگیا تھا، اس درمیان میں بعض حبیب جو اس عقد سے ناخوش تھے درمیان میں ہوکر علیحدگی کے چکر میں پڑ گئے، اور مسماۃ مذکورہ کو بھی ورغلایا، ایک دن مجبور ہوکر ٹاؤن کمیٹی سے جاکر معہ دو گواہان کے رُوبرو تین طلاق کا ایک طلاق نامہ لکھوا کر مجھ سے دستخط کروائے، مسماۃ مذکورہ نے مہر بھی معاف کردیا، میں نے ناسمجھی اور مفلسی کے باعث یہ حرکت کردی، اور مسماۃ بھی اس معاملے سے خوش نہ تھی، مگر ان لوگوں کے رُعب کی وجہ سے ساکت ہوگئی، اس وقت سے اب تک میں اور وہ دونوں پریشان ہیں، قانونی طور پر چیئرمین نے نہ مجھ سے بیان لیا اور نہ مسماۃ حسینہ سے بیان لیا، اگر لیتے تو ہم انکار کرتے، اب ہم لوگ ایک دُوسرے سے ملنے کو تیار ہیں اور مسماۃ مذکورہ کا کوئی کفیل بھی نہیں ہے، اب اگر کوئی صورت ہو تو تحریر فرما کر ممنون فرماویں۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں حسینہ پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اب آپ کے لئے بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہوسکتی۔[1]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۱۰ھ

شوہر کے گھر سے چلی جانے والی عورت کو طلاق دینے کا حکم اور طلاق دینے کا صحیح طریقہ

سوال - ایک شخص نے دُوسری شادی پہلی عورت کی رضامندی سے کی، دُوسری شادی کے ایک سال بعد پہلی عورت میکے چلی گئی ناراض ہوکر، شوہر نے واپس لانے کی بہت کوشش کی، رشتہ داروں کو بطور جرگہ بھیجا، لیکن واپس نہ آئی، اب اس واقعہ کو پانچ سال گزر گئے ہیں، اب اگر اس کا شوہر طلاق دیدے تو کیا کوئی حرج ہے؟

جواب - اگر سوال میں درج واقعات دُرست ہیں تو شوہر کو چاہئے کہ اوّلاً اپنے طرزِ عمل پر نظر ڈال کر یہ دیکھے کہ اس کی پہلی بیوی کے چلے جانے کا سبب اس کی کوئی ناانصافی تو نہیں ہے؟ اگر ناانصافی ہو تو اس کو دُور کرے، اور اس کو واپس لانے کی کوشش کرے، اگر وہ پھر بھی واپس نہ آئے تو اس کو تحریری طور پر متنبہ کرے کہ اگر تم واپس نہ آئیں تو تمہیں طلاق دے دُوں گا، اس کے باوجود وہ واپس نہ آئے تو پھر چاہے تو اسے طلاق دیدے،[2] لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ طلاق دینے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ

---

(۱) حوالہ کے لئے دیکھئے پچھلے صفحہ کا حاشیہ نمبر۲ اور ص ۳۷۹ کا حاشیہ نمبر۲۔

(۲) وفی الشامیۃ ج ۳ ص ۴۴۱ (طبع سعید) لسنۃ اذ وقع بین الزوجین اختلاف أن یجتمع اھلھما لیصلحو بینھما فان لم یصطلحا جاز الطلاق والخلع ... الخ

جب عورت حیض سے پاک ہو تو اُسے صرف ایک طلاق دے کر چھوڑ دیا جائے، عدت گزرنے کے بعد وہ خود نکاح سے خارج ہو جائے گی،(۲) تین طلاقیں بیک وقت دینا گناہ ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۸/۲۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۹۰/۲۹ ن)

محض وہم سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال: مسمیٰ اکبر خان نے عرصہ چار سال ہوئے کہ شادی کی تھی، خانگی تعلقات انتہائی خوشگوار رہے تھے، اچانک اکبر خان کو وہم کا مرض لاحق ہو گیا کہ میں نے اپنی بیوی کو طلاق بائن دے دی ہے، اور یہ مرض اکبر خان کے بیان کے مطابق اس حد تک ہے کہ اگر ایک کام کا تصور ذہن میں آیا اور وہ نہ ہو سکا تو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس کام کے نہ ہونے کی وجہ سے میری بیوی پر طلاق بائن پڑ جائے گی، چنانچہ اکبر خان کے سسرال والے اس رویے سے تنگ آ کر اکبر خان کی بیوی کو اپنے گھر لے گئے ہیں، اکبر خان کہتا ہے کہ شریعت میں مجھ جیسے وہمی آدمی کے لئے کوئی خلاصی کا قانون ہے؟ بیوی سے جدائی بھی برداشت نہیں، کیونکہ صاحب اولاد ہوں اور اس حالت میں یہ خوف بھی رہتا ہے کہ کہیں عذاب خداوندی کا شکار نہ ہو جاؤں۔ کیا میں اگر حق طلاق اپنی منکوحہ کو سونپ دوں تو شرعاً جائز ہے؟ علاوہ ازیں کوئی اور صورت ہو کہ جس سے وہم وگمان کی صورت میں بھی یہ معتوب نہ ہو تو ارشاد فرمائیں۔

جواب: اگر اکبر خان نے زبان سے کبھی طلاق نہیں دی تو طلاق کے محض وہم ہو جانے سے طلاق واقع نہیں ہوتی،(۳) اکبر خان کو چاہئے کہ وہ یہ وہم دل سے نکال کر اطمینان سے بیوی کو گھر میں رکھے اور اس کے ساتھ رہے، اور اپنے وہم کا علاج کرائے۔ طلاق کا حق بیوی کو دینے سے بیوی کو طلاق کا حق مل جاتا ہے،(۴) لیکن شوہر کا حق طلاق ختم نہیں ہوتا۔ لہٰذا مذکورہ وجہ سے بیوی کو حق طلاق دینے کی ضرورت نہیں ہے، اس کا حل تو وہم کا علاج کرانا ہی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۶/۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۵۲۵ ب)

(۱، ۲) وفی مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۴ ص ۵ عن ابراہیم قال کانوا یستحبون ان یطلقھا واحدۃ ثم یترکھا حتی تحیض ثلاث حیض. وفی الدر المختار ج ۳ ص ۲۳۰ (طبع سعید) وقسمہ ثلاثۃ حسن واحسن وبدعی ... صفۃ رجعیۃ فقط فی طھر لا وطء فیہ وترکھا حتی تمضی عدتھا احسن ... الخ. وفی الہدایۃ ج ۲ ص ۳۵۴ طبع شرکت علمیہ ملتان، فالاحسن ان یطلق الرجل امرأتہ تطلیقۃ واحدۃ فی طھر لم یجامعھا فیہ، ویترکھا حتی تنقضی عدتھا ... الخ

(۳) وفی الدر المختار کتاب الطلاق ج ۳ ص ۲۳۰ (طبع سعید) ورکنہ لفظ مخصوص، وفی الشامیۃ قولہ ورکنہ لفظ مخصوص ھو ما جعل دلالۃ علی معنی الطلاق من صریح أو کنایۃ ... وأراد اللفظ ولو حکمًا لیدخل الکتابۃ المستبینۃ واشارۃ الاخرس ... الخ. وفیہ أیضا ج ۳ ص ۲۴۲ (طبع سعید) وأراد بما اللفظ أو ما یقوم مقامہ من الکتابۃ المستبینۃ او الاشارۃ المفھومۃ ... لأن رکن الطلاق اللفظ او ما یقوم مقامہ مما ذکر کما مر.

(۴) وفی الدر المختار کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق ج ۳ ص ۳۱۵ (طبع سعید) قال لھا "اختاری أو أمرک بیدک" ینوی تفویض الطلاق او "طلقی نفسک" فلھا أن تطلق فی مجلس علمھا بہ ... الخ

مذاق، غصّے اور حمل کی حالت میں طلاق واقع ہو جاتی ہے
کسی کے طلاق دینے کا واقعہ یا شرعی حکم بیان کرنے سے طلاق نہیں ہوتی

سوال:- میں نے اس سے پیشتر ایک فتویٰ منگایا، جس کا جواب مجھ کو موصول ہو گیا ہے، معلوم یہ کرنا تھا کہ آئندہ اگر میں نے طلاق کا لفظ زبان سے ادا کیا خواہ غصّے میں ہو یا سنجیدگی میں اس بارے میں یہ دریافت کرنا ہے کہ ۱- اگر عورت حمل سے ہو تو کیا طلاق ہو سکتی ہے؟ ۲- اگر مذاق میں یہ مذاق طلاق کا لفظ زبان سے ادا ہو جائے تو کیا وہ اس مسئلے پر صادق آتا ہے؟ ۳- آپ کے جواب میں اس جملے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، ذرا تشریح فرمادیں وہ جملہ یہ ہے ''اگر آئندہ تیسری مرتبہ میری زبان سے لفظ طلاق نکل گیا خواہ وہ غصّے میں ہو یا سنجیدگی میں ہر حالت میں آپ کی بیوی آپ پر حرام ہو جائے گی اور دوبارہ نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہ ہو سکے گا۔''

جواب:- ۱- جی ہاں! حالتِ حمل میں بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔(۱)

۲- مذاق میں طلاق دینے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے۔(۲)

۳- طلاق کا لفظ زبان سے نکلنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی بیوی سے یہ کہیں کہ میں نے تمہیں طلاق دی، یا تمہیں طلاق ہے یا کسی اور سے کہیں کہ میری بیوی کو میری طرف سے طلاق ہے، اس مفہوم کے جملے خواہ غصّے میں کہے جائیں یا مذاق میں یا حالتِ نشے میں، ہر حال ان سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔(۳) لیکن اس قسم کے جملوں سے تعلیق نہیں، ہاں اگر کسی دوسرے شخص کے بارے میں آپ یہ نقل کریں کہ فلاں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے،(۴) یا طلاق دینے کا شریعت میں یہ حکم ہے، تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی۔(۵)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۲/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۹۴۳/۲۷ الف)

---

(۱) وفي الهداية كتاب الطلاق باب طلاق السنة ج ۲ ص ۳۵۶ طبع شركت علمية، ملتان: وطلاق الحامل يجوز عقيب الجماع.

(۲، ۳) وعن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ثلاث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح والطلاق والرجعة. جامع الترمذي، أبواب الطلاق، باب ما جاء في الجد والهزل في الطلاق ج ۱ ص ۲۲۵ طبع سعيد، وأبو داود باب في الطلاق على الهزل ج ۱ ص ۳۰۵ طبع حقانية ملتان. وفي الدر المختار كتاب الطلاق ج ۳ ص ۲۳۵، ۲۳۶: ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبدا أو مكرها أو هازلا لا يقصد حقيقة كلامه. وفيه أيضا ج ۳ ص ۲۴۲: بخلاف الهازل واللاعب فإنه يقع قضاء وديانة لأن الشارع جعل هزله به جدا. وفي البحر الرائق كتاب الطلاق ج ۳ ص ۲۶۴: ولم يشترط أن يكون جادا فيقع طلاق الهازل به واللاعب للحديث المعروف ثلاث جدهن جد وهزلهن جد الخ. وفي الهندية ج ۱ ص ۳۵۳: وطلاق اللاعب والهازل به واقع. وكذا في فتح القدير ج ۳ ص ۳۴۳.

(۵) وفي رد المحتار كتاب الطلاق باب الصريح مطلب في قول البحر إن الصريح يحتاج في وقوعه ديانة إلى النية ج ۳ ص ۲۵۰ طبع سعيد: قوله ولو نوى ... لا يحتاج إلى النية ولكن لا بد في وقوعه قضاء وديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه ولم يصرفه إلى ما يحتمله كما أفاده في الفتح وحققه في النهر احترازا عما لو كرر مسائل الطلاق بحضرتها أو كتب ناقلا من كتاب امرأتي طالق مع التلفظ أو حكى يمين غيره فإنه لا يقع أصلا ما لم يقصد زوجته. الخ (محمد زبیر حق نواز)

غیر محرم کے ساتھ سفر کرنے والی نافرمان بیوی کی اصلاح اور اسے طلاق دینے کا حکم اور طریقہ

سوال - زید کی بیوی نے کہا کہ میرے والدین بیمار ہیں، مجھے ملنے کے لئے کراچی جانا ہے، دو چار روز کے بعد پھر یہ کہا کہ میرے بھتیجے بھائی نے پرمٹ بنوا لیا ہے اب آپ مجھے خرچہ دیں اور ٹکٹ بک کروا دیں۔ چنانچہ زید نے خرچہ دے کر ٹکٹ بک کرا دیا، وہ کراچی گئیں، کراچی سے کسی غیر محرم کے ہمراہ عراق تفتان کے راستے چلی گئیں، پھر اسی غیر محرم کے ساتھ تفتان کے راستے چلی گئیں، تقریباً ایک ماہ بعد واپس کراچی آگئیں۔ اس کے بعد زید بھی کراچی آیا تو تمام مذکورہ بالا حالات معلوم ہوئے، اس کے بھتیجے بھائی نے جو پرمٹ بنوا کر بھیجا تھا اس میں خاوند و بیوی ظاہر کیا تھا، وہ خود کو اپنے آپ کو بیوی ظاہر کرتی ہے، زید کے گھر مہمان کی صورت میں آئے ہوئے تھے تو زید نے غیر محرم سمجھ کر ایک کمرہ علیحدہ دے دیا، وہ دو تین روز وہاں رہتا رہا، ایک روز رات میں زید کمرے میں گیا تو دیکھا کہ مسہری پر آمنے سامنے غیر محرم اور زید کی بیوی [illegible] بیٹھی ہوئی تھی تو مسہری صاف ستھری لگی ہے کہ غیر محرم [illegible] چھپائے ہوئے تھا، وہ شرم پر ٹھہرتا، وہ روز کے بعد مہمان چلا گیا تو میں نے اپنی بیوی کو برا بھلا کہا، اس نے قرآن کی قسم کھالی، حالانکہ زید کے سامنے کا واقعہ تھا۔ شرعاً اس کا حکم صادر فرمائیں۔

جواب - صورت مسئولہ میں اگر سائل کا بیان صحیح ہے تو عورت نے سخت گناہوں کا ارتکاب کیا ہے، اسے فوراً توبہ کرنی چاہئے اور اپنے شوہر سے معافی مانگنی چاہئے، شوہر کو چاہئے کہ وہ پہلے اپنی بیوی کو اس کی غلط کاریوں پر نرمی سے سمجھائے، اگر وہ مان جائے تو اس سے نباہ کرے، اور اگر پھر بھی وہ درست نہ ہو تو تادیب کے لئے اتنا مارنے کی بھی اجازت ہے جس سے نشان نہ پڑے، اس کے باوجود اصلاح نہ ہو تو فریقین کے اہل خاندان کو جمع کرکے خرابیوں کی اصلاح کرائیں، پھر بھی اصلاح نہ ہو تو شوہر اگر ایسی بیوی کو نہیں رکھ سکتا تو طلاق دیدے(۲)، لیکن تین طلاقیں بیک وقت دینا

---

(۱) واللاتی تخافون نشوزهن فعظوهن واهجروهن فی المضاجع واضربوهن الآیة سورة النساء ۳۴، تفصیل کے لئے دیکھئے [illegible] نافرمان بیوی اور اس کی اصلاح کا طریقہ ج ۲ ص ۳۹۹

(۲) وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها ان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما سورة النساء ۳۵ [illegible] ج ۳ ص [illegible] طبع سعید [illegible] ج ۳ ص [illegible] طبع سعید [illegible]
لکن سیأتی اوّل الطلاق انه یستحب لو مؤذیة أو تارکة صلوة ویجب لو فات الإمساک بالمعروف

نہ کرے، اس سے پہلے نہیں کرے۔ (۱) هكذا أمرنا الله تعالى في القرآن الكريم ورسول الله صلى الله عليه وسلم في الأحاديث الكثيرة المعروفة۔

واللہ اعلم
۱۳۹۷/۷/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲۲ ـ ۲۹ ب)

لوگوں کا طلاق دینے پر اُکسانے اور بلاوجہ طلاق دینے کا حکم

سوال: - لڑکی کے والدین اپنی لڑکی کو پیسے ملنے کی خاطر لوگوں کو بیچتے ہیں، نکاح شرعی طور پر ہوتا ہے، لڑکی کو چھڑانے کے لئے اسے ستاتے اور غلط بیان دلاتے جاتے ہیں، تاکہ ان شوہروں سے لڑکی کو آزاد کر دیا جائے، لڑکی کے والدین جیسا کہ پہلے دو شوہروں سے طلاق حاصل کر چکے ہیں، تیسرے شوہر سے بھی کرنا چاہتے ہیں، جبکہ شوہر اپنی بیوی کو چھوڑنے پر تیار نہیں۔ اپنے پیسے ملنے کی خاطر مظلوم لڑکیوں کے ساتھ یہ کاروبار چلا رہے ہیں، ان حالات میں قرآن و سنت کی روشنی میں شرعی قاضی، پنچایت میں شوہر لڑکی کے والدین اور لڑکی کو سزا دینے کا حق ہے یا نہیں؟

جواب: - جب تک شوہر خود طلاق نہ دے، اس وقت تک وہ اس کی بیوی رہے گی، اور شوہر کو چاہئے کہ لوگوں کی بے بنیاد باتوں میں آ کر اپنی بیوی کو طلاق نہ دے، (۲) اور جو لوگ خواہ مخواہ شوہر کو طلاق دینے پر بلاوجہ اُکساتے ہیں وہ گناہ گار ہیں، اور کوئی شرعی قاضی ہو تو وہ ایسے لوگوں کو تعزیری سزا بھی دے سکتا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۱/۱۲/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹۰۹/۳۲ ج)

طلاقِ مکرہ کا حکم

سوال: - طلاقِ مکرہ کے بارے میں زید کہتا ہے کہ واقع نہیں ہوتی، اور دلیل میں مشکوٰۃ کی

---

(۱) وفي سنن النسائي كتاب الطلاق ج ۲ ص ۹۹ طبع قديمي كتب خانه كراچي: أخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلاث تطليقات جميعًا فقام غضبانًا ثم قال: أيلعب بكتاب الله وأنا بين أظهركم؟ حتى قام رجل وقال: يا رسول الله ألا أقتله. وفي الهداية كتاب الطلاق باب الأول ج ۲ ص ۳۲۹ ... أن يطلقها ثلاثًا في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمات متفرقة ... فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيًا. الخ

(۲) وفي سنن أبي داؤد كتاب الطلاق باب في كراهية الطلاق ج ۱ ص ۲۹۶ طبع سعيد: عن محارب قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: ما أحل الله شيئًا أبغض إليه من الطلاق. وبعده: عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: أبغض الحلال إلى الله عز وجل الطلاق. وفي الشامية ج ۳ ص ۲۲۸ طبع سعيد: وأما الطلاق فإن الأصل فيه الحظر بمعنى أنه محظور إلا لعارض يبيحه وهو معنى قولهم الأصل فيه الحظر والإباحة للحاجة إلى الخلاص فإذا كان بلا سبب أصلًا لم يكن فيه حاجة إلى الخلاص بل يكون حمقًا وسفاهة رأي ومجرد كفران النعمة وإخلاص الإيذاء بها وبأهلها وأولادها ... فحيث تجرد عن الحاجة المبيحة له شرعًا يبقى على أصله من الحظر الخ

حدیث "لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق" پیش کرتے ہیں جبکہ حنفیوں کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے، لہٰذا حنفیوں کی کون سی حدیث سے دلیل ہے؟

جواب — حنفیہ کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے، حنفیہ کے دلائل درج ذیل ہیں:

الف — قوله صلی الله علیه وسلم ثلاث جدهن جد وهزلهن جد النکاح والطلاق والرجعة، اخرجه الترمذی وقال حسن غریب[2] وقد اخرج الجصاص فی احکام القرآن عن سعید بن المسیب عن عمر قال اربع واجبات علی کل من تکلم بهن العتق والطلاق والنکاح والنذر.

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ محض تلفظ طلاق موجب وقوع طلاق ہے، خواہ نیت وارادہ ایقاع طلاق کا نہ ہو، اور اکراہ میں بھی یہی صورت ہوتی ہے۔

ب — عن صفوان بن عمران الطائی أن رجلا کان نائمًا فقامت امرأته فأخذت سکینا فجلست علی صدره فقالت لتطلقنی ثلاثًا أو لأذبحنک، فطلقها ثم أتی النبی صلی الله علیه وسلم فذکر له ذلک، فقال لا قیلولة فی الطلاق. اخرجه الامام محمد والعقیلی (مرقاة المفاتیح ج ۶ ص:۲۸۸)[3].

اور علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے "اعلاء السنن" ج ۱۱ ص:۱۲۵[4] میں اس بات پر دلائل دیئے ہیں کہ یہ حدیث قابل استدلال ہے۔

ج — مصنف عبد الرزاق میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وہ مکرہ کی طلاق کو واقع قرار دیتے تھے، اور یہی مذہب مصنف عبد الرزاق میں امام شعبی، امام نخعی، حضرت قتادہ اور حضرت ابوقلابہؒ سے بھی مروی ہے۔[5]

[illegible] حدیث "لا طلاق ولا عتاق فی اغلاق" کی توجیہ حنفیہ یہ کرتے ہیں کہ اغلاق کا لفظ [illegible] کے معنی میں صریح نہیں ہے، بلکہ اس کے معنی غضب [illegible] کے بھی ہیں، لہٰذا اس کا

---

(۱) سنن أبی داؤد ج ۱ ص:۳۰۵ (طبع مکتبہ حقانیہ ملتان)

(۲) جامع الترمذی باب ما جاء فی الجد والهزل فی الطلاق ج ۱ ص:۲۲۵ طبع سعید، وسنن أبی داؤد باب فی الطلاق علی الهزل ج ۱ ص:۳۰۵ (طبع حقانیہ ملتان)

(۳) [illegible] مرقاۃ المفاتیح ج ۶ ص:۲۸۸ [illegible] ج ۴ ص:۲۲ [illegible] ج ۳ ص:۲۲۲ میں بھی مذکور ہے۔

(۴) دیکھئے اعلاء السنن ج ۱۱ ص ۱۷۷ (طبع ادارۃ القرآن کراچی)۔

(۵) دیکھئے مصنف عبد الرزاق ج ۶ ص:۴۰۶ (طبع مجلس علمی) [illegible] ص:۳۰۵۔

مطلب یہ ہے کہ مغلوب العقل ہونے کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی، اور اگر بالفرض "اکراہ" کی نفی بھی اس سے لی جائیں تو مصنف عبدالرزاق کی ایک روایت سے اس کا منسوخ ہونا سمجھ میں آتا ہے، اور وہ روایت یہ ہے: "عن سعید بن جبیر انہ بلغہ قول الحسن لیس طلاق المکرہ بشیء، فقال یرحمہ اللہ انما کان اھل الشرک یکرھون الرجل علی الکفر والطلاق، فذلک الذی لیس بشیء واما ما صنع اھل الاسلام بینھم فھو جائز. حکاہ الزیلعی فی نصب الرایۃ والحافظ فی الدرایۃ وسکتا علیہ. (راجع اعلاء السنن ج:۱۱ ص:۱۲۵)۔(۳)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۹ ـ ۳۹ ـ ھ
(فتویٰ نمبر ۹۳۳ ۲۸ ج)

نافرمان بیوی کو طلاق دینے کا حکم اور طلاق دینے کا صحیح طریقہ

سوال: - ایک نیک، دیندار مسلمان نے ایک مسلمان عورت سے چھ سال پہلے شادی کی، اس سے دو بچے ہیں، عورت مذکورہ شادی کے بعد کچھ دنوں تک نماز پڑھتی رہی، جب بچہ پیدا ہوا نماز پڑھنا چھوڑ دیا اور بے پردہ بازار میں جانے لگی، مرد کی نافرمانی کرنے لگی، حکم نہیں مانتی، مرد نماز پڑھنے کو کہتا ہے، پردہ کرنے کو کہتا ہے مگر عورت نہیں مانتی، فارغ وقت میں قرآن تلاوت کرنے کو کہتا ہے، اور شوہر کہتا ہے کہ جس چیز کی ضرورت ہوگی لا کر دوں گا مگر بے پردہ مت رہو، اللہ اور اس کے رسول کے دین کے مطابق چلو، لیکن وہ نہیں سمجھتی، اس سے مرد چاہتا ہے کہ دوسری شادی کرے اور اس عورت کو طلاق دیدے، لیکن یہ عورت طلاق نہیں لیتی اور نہ طلاق لینا منظور کرتی ہے، لوگ کہتے ہیں کہ بچوں کی زندگی خراب ہوگی، کیا حکم ہے؟

جواب: - بیوی کو طلاق دینے کو حدیث میں "ابغض المباحات" فرمایا گیا ہے،(۱) یعنی جائز مباحات میں یہ چیز اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے، لہٰذا حتی الامکان اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ منکوحہ کو طلاق نہ دی جائے۔ قرآن کریم کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت نافرمانی کرتی ہو تو پہلے سے

---

(۱) [illegible]

(۲) وفی حاشیۃ اعلاء السنن ج:۱۱ ص:۱۷۸ (طبع ادارۃ القرآن کراچی) قال الشیخ العثمانی رحمۃ اللہ علیہ ثبت وعلی ھذا فحدیث عائشۃ رضی اللہ عنہا "لا طلاق ولا عتاق فی غلاق" منسوخ [illegible] قبل الھجرۃ.

(۳) دیکھئے "اعلاء السنن" ج ۱۱ ص ۱۷۷ و ۱۷۸ (طبع ادارۃ القرآن کراچی)۔

(۴) وفی سنن ابی داؤد کتاب الطلاق باب فی کراھیۃ الطلاق ج ۱ ص ۲۹۶ طبع سعید: عن محارب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما احل اللہ شیئا ابغض الیہ من الطلاق. وبعدہ عن ابن عمر رضی اللہ عنہما عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ابغض الحلال الی اللہ عز وجل الطلاق.

کرنی سے سمجھ دار بنانے کی کوشش کرے تو پہلے سونے کی جگہ اس سے الگ کرو، اگر اس سے بھی بات نہ بنے تو
نہ ہو تو ادب سکھانے کے لئے ہلکی مار مارنے کی بھی اجازت ہے(۱) (لیکن تکلیف دہ حد تک مارنے کی حدیث
میں ممانعت آئی ہے)۔ اگر اس سے بھی کام نہ چلے تو شوہر اور بیوی دونوں کے رشتہ داروں میں سے
ایک ایک آدمی کو بیچ میں ڈال کر تنازعہ کا تصفیہ کیا جائے۔ قرآن مجید میں ہے کہ اگر فریقین اصلاح
کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں کے درمیان موافقت کی صورت پیدا کردے گا(۲)۔ لہٰذا طلاق دینے سے
پہلے اصلاح کے لئے یہ تمام امور انجام دینے ضروری ہیں، اگر ان سے اصلاح ہو جائے تو طلاق کا
اقدام نہیں کرنا چاہئے، لیکن اگر اصلاح کی کوئی امید باقی نہ رہے تو بہرحال شریعت نے مرد کو طلاق کا
اختیار دیا ہے، اور بچوں کی وجہ سے یہ اختیار شرعاً ساقط نہیں ہوتا، البتہ بچوں کی مصلحت چونکہ بڑی حد تک
اسی میں ہے کہ طلاق نہ دی جائے، لہٰذا طلاق کا اقدام سخت مجبوری کے بغیر نہیں کرنا چاہئے۔ اور طلاق
دینے کا طریقہ قرآن کا بتایا ہوا یہ ہے کہ جس طہر میں بیوی سے تعلق نہ کیا ہو تو اس میں سے
صرف ایک طلاق دی جائے، عدت گزرنے کے بعد وہ خود بخود نکاح سے نکل جائے گی(۳)۔ اور دوسری
شادی شرعاً جائز ہے، لیکن پہلی بیوی کی موجودگی میں دوسری شادی کے جواز کے لئے شرط یہ ہے کہ
انسان پورے طور پر دونوں بیویوں کے درمیان ہر اعتبار سے مکمل برابری کا سلوک اور
انصاف کرسکتا ہو، اگر ناانصافی کا خطرہ ہو تو دوسرا نکاح شرعاً جائز نہیں، اور چونکہ
آج کل بیویوں کے درمیان برابری کا سلوک بہت مشکل ہوتا ہے، اس لئے دوسری شادی کا اقدام بھی
انتہائی ضرورت کے موقع پر کرنا چاہئے، لیکن اگر پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسرا نکاح کرے تو یہ جائز
ہے اور بچوں کی وجہ سے اس کی اجازت ختم نہیں ہوتی۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۷/۶/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۶۴۷/۲۸ ب)

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: وَاللّٰتِی تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ الآیة (سورة النساء ۳۴) تفصیل کے لئے دیکھئے معارف القرآن "نافرمان بیوی اور اس کی اصلاح کا طریقہ" ج ۲ ص ۳۹۹۔

(۲) وان خفتم شقاق بينهما فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها ان يريدا اصلاحا يوفق الله بينهما الآية (سورة النساء ۳۵)

(۳) [illegible]

(۴، ۵) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۲۰ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔

(۶) [illegible] لنفس وتحصيل الثواب، وبالجور يأثم ويرتكب المحرمات فتنعدم المصالح لرجحان هذه المفاسد [illegible] الخ

محض طلاق کا خیال آنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کو عرصہ چھ ماہ سے وہم اور وسوسہ کی بیماری ہے، اور وہ یہ ہے کہ زید کو عرصہ چھ ماہ سے اکثر طلاق کا وہم اور وسوسہ ہوجاتا ہے۔ اکثر غیر ارادی طور پر طلاق کی سوچ آتی ہے، توجہ ادھر ادھر کرنے کے بعد کچھ چونکہ یہی طلاق کی غیر اختیاری سوچ آجاتی ہے، اور اس میں اتنی شدت ہوتی ہے کہ بات کرتے وقت ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طلاق کے الفاظ نکل رہے ہیں، حالانکہ زید کا قطعی اس قسم کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اب اسی حالت میں ایک دفعہ اچانک غیر ارادی طور پر مسلط خیال کی وجہ سے طلاق کا تلفظ ہوجاتا ہے، فوراً زید کلمہ پڑھتا ہے کہ ایسا تو نہیں ہوسکتا، برائے مہربانی فرمائیں کہ طلاق واقع تو نہیں ہوئی؟ برائے مہربانی یہ بھی بتائیں کہ اس وہم کا علاج اور اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟ اکثر و بیشتر اسی وسوسے کا تسلط رہتا ہے۔

جواب - اگر سوال میں بیان کردہ واقعات درست ہیں تو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہئے۔ محض طلاق کا خیال آنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی، اسی خیال کے دوران اگر کوئی لفظ بھی اس طرح زبان سے نکل جائے کہ بات بولنے والا خود بھی نہ سن سکے تو اس سے بھی طلاق نہیں ہوتی، اور اگر الفاظ اس طرح زبان سے ادا ہوئے کہ یقینی طور پر خود بھی سن لیا تو اس صورت میں مسئلہ دوبارہ پوچھیں، اور پوچھتے وقت وہ الفاظ لکھیں جو زبان سے ادا ہوئے اور انہیں خود سنا، نیز یہ بھی لکھیں کہ کیا اس طرح اور الفاظ بھی غیر اختیاری طور پر زبان سے نکلتے رہتے ہیں یا نہیں؟ اور وہم کی بیماری دور کرنے کے لئے کسی طبیب یا ڈاکٹر سے رجوع کریں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴۲۳/۳/۲۶ھ

(فتویٰ نمبر ۵۴۳/۹۷)

نشے کی حالت میں طلاق کا حکم

سوال - از روئے شرع محمدی ایک شخص غلام مصطفیٰ نامی نے شادی کی، اور بیوی کو عرصہ دو ماہ تک رکھا، پھر والدین کے سامنے کہا کہ میں نے بیوی کو چھوڑ دیا، طلاق دیدی میں نہیں رکھتا۔ والدین کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارا لڑکا چرس وغیرہ نشے کا عادی تھا، ہم نے سمجھا کہ یہ سب نشے کی شکل میں

---

(۱) وفی البحر الرائق ج: ۳ ص: ۲۳۰ طبع سعید: ورکنه لفظ مخصوص وفی الشرح هو ما جعل دلالة علی معنی الطلاق من صریح او کنایة ... واراد اللفظ ولو حکما لیدخل الکتابة المستبینة واشارة الاخرس الخ۔ نیز دیکھئے سابقہ ص ۳۰۷ کا حاشیہ نمبر ۱۔

اس نے جلا دیا، مگر وہ دوبارہ نہ تو اس عورت کی طرف رجوع نہیں کرتا اور اپنا سامان اٹھا کر چلا گیا اور مدعا بھی جا رہا، عرصہ دو سال سے غائب ہے، بوجہ جب کہ وقت یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کا دماغی توازن خراب ہے۔ اب اس کی بیوی والدین کے بچے کے پیش نظر معلق ہے، اور دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟ مہربانی فرما کر وضاحت فرمائیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں اگر غلام مصطفیٰ نے واقعی اپنی بیوی کے بارے میں وہی الفاظ کہے تھے جو سوال میں مذکور ہیں اور وہ اس وقت مجنون نہیں تھا، خوش حواس میں ہو تو اس کی بیوی پر طلاق واقع ہو چکی ہے، اور جس وقت شوہر نے وہ الفاظ کہے تھے اس کے بعد سے تین ماہواری پوری ہونے پر بیوی کی عدت پوری ہو گئی۔ بہرصورت عدت کے پورے ہونے کے بعد مذکورہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ اعلم
۱۳۹۸/۶/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۷۱۰ ب)

زبردستی طلاق کے الفاظ کہنے سے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے

سوال۔ کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیان شرع متین اس مسئلے کے بارے میں؟ فتویٰ چاہتا ہوں۔

مسئلہ۔ جناب مفتی صاحب! آپ نے میری درخواست مورخہ 30-06-1999 کی پشت پر یہ تحریر کیا تھا کہ میں فقہ حنفی کی روشنی میں طلاق کی بابت پوچھنا چاہتا ہوں کہ اگر زبردستی بھی طلاق کی بابت زبان سے کہلوا دیا جائے تو فقہ حنفی کی رو سے طلاق ہو جاتی ہے۔

مفتی صاحب! میں فقہ حنفی کی اس بات سے متفق نہیں، کیونکہ خود جب چاہے کا کیا قصور ہے؟ اس سے تو زبردستی طلاق کے الفاظ کہلوائے گئے ہیں۔

میرے علم کے مطابق فقہ شافعی، فقہ مالکی، فقہ حنبلی اور فقہ جعفریہ والے فقیہ بھی نیک اور متقی لوگ تھے، اور ان میں سے کسی بھی فقہ کی رو سے "زبردستی طلاق کے الفاظ کہلوانے سے زبانی طلاق واقع نہیں ہوتی" تو اگر ایک حنفی مسلمان جیسے میں ہوں وہ متعلقہ فقہ یا فقہ جات مذکورہ بالا سے اس مسئلے سے اتفاق کرتے ہوئے زبردستی زبان سے کہلوائے گئے الفاظ و طلاق کا واقع

---

(۲۰۱) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۲۳۹ (طبع سعيد) أو سكران ولو بنبيذ أو حشيش أو أفيون أو بنج زجرا به [illegible] وفي الهندية كتاب الطلاق فصل فيمن يقع طلاقه وفيمن لا يقع طلاقه ج ۱ ص ۳۵۳ طبع ماجدية، وطلاق السكران واقع إذا سكر من الخمر أو النبيذ وهو مذهب أصحابنا رحمهم الله تعالى كذا في المحيط [illegible] ومن سكر من البنج يقع طلاقه ويحد لفشو هذا الفعل بين الناس وعليه الفتوى في زماننا [illegible]

و نہیں سمجھتا تو کیا ایک حنفی مسلمان کے لئے اسلام ایسا دین نہیں ہے کہ جس میں ذرہ برابر بھی ظلم ہو
لہذا میں بالکل اس بات سے متفق نہیں ہوں، آپ واضح فرمائیں۔

جواب - آپ نے فقہ حنفی کے مطابق جواب مانگا تھا، فقہ حنفی کے مطابق راقم نے جو جواب دیا وہ صحیح ہے، حنفی فقہ میں زبردستی طلاق کے الفاظ کہنے سے بھی طلاق ہو جاتی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴۲۰/۴/۷ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳/۳۷۳)

شادی سے پہلے زنا کرنے کے بعد توبہ کرنے والی عورت کو طلاق دینے کا حکم

سوال - ایک لڑکی جو بہت اچھے گھرانے کی شریف لڑکی ہے، نیک سیرت، نماز روزے کی پابند ہے، ایک ایسے ہی لڑکے سے شادی ہوگئی ہے، بیس سال کی عمر میں، تین ماہ تک خوشی سے زندگی بسر کرتے رہے، تین ماہ کے بعد لڑکے نے لڑکی سے کہا کہ سچ بتا تو نے کبھی کسی کے ساتھ بدفعلی تو نہیں کی؟ اس پر لڑکی نے کہا کہ آج سے چار سال قبل ایک لڑکے سے میں نے بدکاری کی تھی جس کا کسی کو علم نہیں۔ اس دن سے شوہر اپنی بیوی سے نفرت ظاہر کرتا ہے اور طلاق کا ارادہ رکھتا ہے، کیا ایسی حالت میں طلاق دینا صحیح ہے؟

جواب - توبہ اگر صدق دل سے ساتھ کی جائے اور آئندہ نہ کرنے کا عزم بھی دل میں ہو تو اللہ تعالیٰ گناہ معاف فرما دیتے ہیں، لہذا اگر لڑکی توبہ کرچکی ہے اور اب اس کے حالات درست ہیں تو شوہر کو بھی درگزر کرنا چاہئے، اور اس بناء پر طلاق نہ دینا چاہئے۔

واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۲/۶ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹۷/۱۹ الف)

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

---

(۱) وفي الدر المختار مع رد المحتار كتاب الطلاق ج ۳ ص ۲۳۵ طبع سعيد: ويقع طلاق كل زوج بالغ عاقل ولو عبدًا أو مكرهًا فإن طلاقه صحيح ... الخ. وفي الهندية ج ۱ ص ۳۵۳ طبع ماجدية كوئٹہ: يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغًا عاقلًا سواء كان حرًا أو عبدًا طائعًا أو مكرهًا

فصل فی الطّلاق الصّریح

(طلاقِ صریح کا بیان)

ایک طلاقِ رجعی کا حکم

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ذیل کی صورت میں کہ کچھ لوگوں نے مجھے مجبور کر دیا کہ تم اپنی بیوی کو طلاق دے دو، میں نے بحالتِ مجبوری ایک طلاق دے دی، پھر اس کے بعد انہوں نے مجھ سے دستخط کرائے جس کا مضمون مجھے معلوم نہیں تھا، کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوگئی؟

جواب - اگر سوال میں درج شدہ واقعات درست ہیں تو آپ کی بیوی پر ایک طلاقِ رجعی واقع ہوگئی، جس کا حکم یہ ہے کہ جس دن آپ نے زبان سے طلاق دی تھی اس دن کے بعد بیوی کو تین مرتبہ ماہواری گزرنے سے پہلے اگر آپ زبان سے یہ کہہ دیں کہ "میں نے طلاق سے رجوع کرلیا" تو عورت بدستور آپ کی بیوی رہے گی، لیکن اگر رجوع کے بغیر عورت کو تین مرتبہ ماہواریاں گزر گئیں تو نکاح ختم ہو جائے گا، البتہ اس کے بعد دونوں کی رضامندی سے نکاح ہو سکے گا۔(۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۳/۲/۱۳۹۸ھ

(فتویٰ نمبر ۲۳۸/۱۹ الف)

دو طلاقیں دینے کے بعد رجوع کا بہتر طریقہ

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے کرام اس مسئلے میں کہ شوہر بیوی کے درمیان [illegible]

---

(۱) وفي الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة ج ۲ ص ۳۹۴ طبع شركت علمية ملتان: وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها. وفي الشامية ج ۳ ص ۳۹۹ طبع ايچ ايم سعيد كمپني: والمستحب أن يراجعها بالقول فافهم. وفي الهندية ج ۱ ص ۴۶۸ طبع رشيديه كوئٹہ: فالسني أن يراجعها بالقول.

(۲) وفي الهداية باب الرجعة ج ۲ ص ۳۹۴: وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض، لقوله تعالى فأمسكوهن بمعروف، من غير فصل ولا بد من قيام العدة لأن الرجعة استدامة الملك ألا ترى أنه سمي إمساكا وهو الإبقاء وإنما يتحقق الاستدامة في العدة لأنه لا ملك بعد انقضائها. الخ. وفي فقه السنة كتاب الطلاق تحت حكم الطلاق الرجعي ج ۲ ص ۲۷۰ طبع دار الكتاب العربي، بيروت) فإذا انقضت العدة ولم يراجعها بانت منه. الخ

جھگڑے میں شوہر نے اپنی بیوی سے بحالت غصہ دو دفعہ الفاظ کہے کہ ''میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' یا دو دفعہ مندرجہ بالا الفاظ کہنے سے طلاق صریح یا مغلظہ ہوگئی یا طلاق بائن ہوئی؟ اگر طلاق بائن ہوئی تو شوہر کب تک بیوی سے رجوع کرسکتا ہے؟ اگر رجوع کرسکتا ہے تو کیا نکاح ضروری ہے؟

جواب - اگر سائل کا یہ بیان درست ہے کہ اس نے صرف دو مرتبہ طلاق کے مذکورہ بالا الفاظ کہے تھے، تین مرتبہ نہیں کہے تھے، تو صورتِ مسئولہ میں اس کی بیوی پر دو طلاقیں رجعی واقع ہوگئی ہیں، جس کا حکم یہ ہے کہ طلاق دینے کے وقت سے عورت کو تین مرتبہ ماہواری آنے تک اس کی عدت ہے،[1] اس عدت کے دوران شوہر اگر چاہے تو طلاق سے رجوع کرسکتا ہے،[2] اور رجوع کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے بیوی سے یہ کہہ دے کہ میں نے تجھ سے رجوع کرلیا،[3] اس کے بعد دونوں حسبِ سابق میاں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں، البتہ آئندہ طلاق دینے سے سخت احتیاط لازم ہے، کیونکہ اگر ایک مرتبہ بھی طلاق دے گا تو بیوی اس پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو جائے گی، اور آپس میں دوبارہ نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہیں ہوسکے گا۔[4] واضح رہے کہ یہ جواب اس صورت میں ہے کہ جبکہ شوہر نے صرف دو مرتبہ طلاق کے الفاظ کہے ہوں، اگر شوہر نے تین مرتبہ الفاظ طلاق کہہ کر غلط بیانی سے یہ فتویٰ حاصل کرلیا تو اس کی ذمہ داری مفتی پر نہیں، ایسا کرنے سے وہ عمر بھر حرام کاری میں مبتلا رہے گا اور جھوٹ کا وبال الگ ہوگا۔

واللہ اعلم

۱۳۹۸/۴/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۳۳۳/۲۹ الف)

''جاؤ میں نے تجھے طلاق دی'' دو مرتبہ کہنے کا حکم اور رجوع کا بہتر طریقہ

سوال - ایک شخص نے جھگڑے کی حالت میں اپنی بیوی سے دو مرتبہ یہ الفاظ کہے کہ ''جاؤ میں نے تجھے طلاق دے دی، جاؤ میں نے تجھے طلاق دے دی'' کیا اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی؟

---

(۱) وفي الهندية كتاب الطلاق باب العدة ج [illegible] ص [illegible] طبع [illegible] وهي في حق حرة بعد الدخول حقيقة أو حكماً ثلاث حيض كوامل ... الخ

(۲) وفي الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة ج ۲ ص ۳۹۴ طبع شركت علمية: وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في العدة

(۳) في الدر المختار ج ۳ ص: ۴۰۱ وندب اعلامها بها ... وندب الاشهاد بعدلين. في الشامية تحت قوله ولو بعد الرجعة بفعل ... فالسنى أن يراجعها بالقول ويشهد على رجعتها بعدلين. وفي الهداية ج [illegible] ص [illegible] طبع رشيدية كوئٹه) فالسُّنی ان یراجعها بالقول ويشهد على رجعتها شاهدين

(۴) حوالے کے لئے آگے صفحہ ... کا فتویٰ ... حاشیہ نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد زبیر حق نواز)

اور تینی طلاق بھی ہو جائیں گی؟ کیا یہ عورت اس موجودہ شوہر کی زوجیت میں بدون حلالہ وغیرہ کے شامل رہ سکتی ہے؟ شریعتِ مطہرہ کی رُو سے مسئلہ واضح فرمائیں۔

جواب:- اگر واقعۃً طلاق صرف دو مرتبہ ہی دی ہے، تیسری بار مذکورہ الفاظ نہیں کہے تو صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر دو طلاقیں رجعی واقع ہوگئیں، جن کا حکم یہ ہے کہ اگر شوہر چاہے تو عدت کے دوران (یعنی طلاق کے وقت سے تین ماہواریاں گزرنے سے پہلے پہلے) بیوی سے رجوع کر سکتا ہے،(۱) اور رجوع کا طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں اس سے یہ کہہ دے کہ میں نے تم سے رجوع کیا،(۲) اس کے بعد وہ دونوں گھر میں بیوی کی طرح رہ سکتے ہیں، اور اگر رجوع کے بغیر عدت گزر گئی تو بعد میں باہمی رضامندی سے نیا مہر مقرر کر کے نکاح ہو سکتا ہے، لیکن خواہ رجوع کیا جائے یا دوسرا نکاح، دونوں صورتوں میں شوہر کو صرف ایک طلاق کا حق باقی رہ گیا ہے، یعنی اب اگر وہ صرف ایک مرتبہ بھی طلاق دیدے گا تو بیوی مغلظہ ہو کر حرام ہو جائے گی اور حلالہ کے بغیر دوسرا نکاح بھی نہ ہو سکے گا،(۳) لہٰذا آئندہ طلاق کا لفظ استعمال کرنے سے بہت احتیاط رکھے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۷/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۷۵۰ ب)

"میں نے تجھے طلاق دی" کے الفاظ ایک مرتبہ کہنے کا حکم اور رُجوع کرنے کا طریقہ

سوال:- میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر جو بیان دیتا ہوں وہ میرے علم کے مطابق بالکل ٹھیک ہے، میرا اور میری بیوی کا جھگڑا لڑکے کے اوپر ہوا، میں نے لڑکے کا گلا دبا دیا تھا، پھر میں نے اس کو چھوڑ کر کہا کہ "میں نے تجھے طلاق دی" اس کے بعد اس نے کہا "نہیں یہ نہیں ہو سکتا" اس نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور میں صوفے پر بیٹھ گیا، پھر اس کی والدہ آئی تو میں نے ان کو بتایا کہ میں نے تمہاری لڑکی کو طلاق دے دی ہے، اب اس کو لے جاؤ، پھر اپنے والد کو بتایا کہ میں نے نفیسہ کو طلاق دے دی ہے، آپ ان کے گھر والوں سے فیصلہ کریں، میرے خیال میں یہ تھا کہ میں نے اس کو تین مرتبہ طلاق دے دی ہے، لیکن میں نے دو دن تک سوچا پھر اپنی بیوی سے پوچھا بعد اس نے قرآن مجید اٹھایا، اس نے بھی یہی کہا کہ تم نے ایک مرتبہ طلاق دی تھی، دوسری مرتبہ

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔ (۲) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔
(۳) دیکھئے صفحہ ۳۱۸ کا حاشیہ نمبر ۲ اور اگلے صفحہ ۳۳۳ کا حاشیہ نمبر ۵۔ (۴) دیکھئے صفحہ ۳۱۲ کا فتویٰ اور حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

میں نے منہ پر ہاتھ رکھ دیا تھا، چنانچہ مجھے اپنی بیوی کی بات پر بھی یقین ہے، اس مسئلے میں شرعی طور پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب – صورتِ مسئولہ میں اگر سائل کا بیان درست ہے اور واقعۃً سائل نے اپنی بیوی کو صرف ایک مرتبہ ہی طلاق دی تھی اور بعد میں بیوی کے والدین کو اسی طلاق کی خبر دی، نئی طلاق دینا مقصود نہ تھا، تو اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوئی ہے،(۲) جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے دوران اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے،(۳) جس کی بہتر صورت یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے بیوی سے یہ کہہ دے کہ "میں نے تم سے رجوع کرلیا ہے"(۴) اور اگر عدت گزرنے تک رجوع نہ کیا تو عدت پوری ہونے پر بیوی بائنہ ہوجائے گی لیکن ازسرِنو نکاح کے بغیر اس کے نکاح میں نہ آسکے گی۔(۵) یہ واضح رہے کہ شوہر رجوع کرے یا عدت کے بعد نیا نکاح کرے تو اب اسے صرف دو طلاقوں کا اختیار باقی ہوگا، یعنی اگر آئندہ اس نے صرف دو مرتبہ طلاق کے الفاظ کہہ دیئے تب بھی وہ مغلظہ ہوجائے گی اور پھر بغیر حلالہ کے نکاح نہ ہوسکے گا، لہٰذا آئندہ سخت احتیاط لازم ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

۹/۱۰/۱۴۰۰ھ
(فتویٰ نمبر ۳۱/۱۲۹۳ د)

ایک طلاق رجعی کے بعد طلاق کی خبر دینے سے مزید طلاق واقع نہیں ہوگی، زبان سے رُجوع کرنے اور اس پر گواہ بنانے کا حکم

سوال – میں نے اپنی بیوی کو غصے میں کہہ دیا کہ "تم اب رشتہ داروں کے گھر چلی جاؤ مجھے تمہاری ضرورت نہیں، میں نے تمہیں طلاق دے دی" اس کے بھائیوں نے کہا کہ اسے طلاق دے دو، میں نے جواب دیا کہ "میں نے اسے طلاق دے دیا ہے" پھر تیسری مرتبہ بیوی کے چچا سے کہا کہ "میں نے اس کو طلاق دے دی ہے"، شرعاً کتنی طلاقیں ہوئیں؟

جواب – صورتِ مسئولہ میں جب آپ نے اپنی بیوی کے بھائی اور چچا سے یہ کہا کہ "میں نے اسے طلاق دے دی ہے" تو اگر آپ کی نیت نئی طلاق واقع کرنے کی نہیں تھی بلکہ بیوی کو دی

---

(۲) وفي الشامية ج ۳ ص ۲۹۳ ولو قال أنت طالق ثم قيل له ما قلت؟ فقال قد طلقتها أو قلت هي طالق، فهي طالق واحدة لأنه جواب، كذا في الكافي للحاكم. وفي الهندية ج ۱ ص ۳۵۵ ولو قال لامرأته أنت طالق، فقال له رجل ما قلت؟ فقال طلقتها، أو قال قلت هي طالق، فهي واحدة في القضاء، كذا في البدائع

(۳) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۱و۲۔ (۴) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔

(۵) في الدر المختار ج ۳ ص ۴۰۹ (طبع سعيد) وينكح مبانة بما دون الثلاث في العدة وبعدها بالإجماع

ہوئی ایک طلاق کو نقل کرنا مقصود تھا تو آپ کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، جس کا مطلب یہ ہے کہ عدت یعنی تین مرتبہ ایام ماہواری کے گزرنے سے پہلے پہلے اگر زبان سے رجوع کر لیں تو آپ کا نکاح دستور قائم رہے گا،[1] بہتر یہ ہے کہ اس رجعت پر دو گواہ بھی بنالیں۔[2] اور اگر نیت تین طلاقیں دینے کی تھی تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی اور آپ کی بیوی حلالہ کے بغیر آپ کے لئے اب حلال نہیں ہوسکتی۔

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۶/۶ھ
(فتویٰ نمبر ۶۲۷/۱۹ الف)

"میں نے تم کو طلاق دی" دو مرتبہ کہنے کا حکم اور رجوع کا طریقہ

سوال - ایک شخص گھریلو تنازعے کی وجہ سے اپنی منکوحہ کو ایک ہی مجلس میں پہلے یہ کہتا ہے کہ "اگر تم نے زبان بند نہ کی تو میں تم کو طلاق دے دوں گا" اور اس کے فوراً بعد دو مرتبہ کہہ دیتا ہے کہ "میں نے تم کو طلاق دی" اب وہ شخص اپنی بیوی سے رجوع کرنا چاہتا ہے، اس سلسلے میں شریعت اور قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب باصواب سے مطلع کریں۔

جواب - اگر یہ صحیح ہے کہ اس شخص نے پہلی بار یہی الفاظ کہے تھے کہ "اگر تم نے زبان بند نہ کی تو میں تم کو طلاق دے دوں گا" اور اس کے بعد صرف دو مرتبہ یہ کہا کہ "میں نے تم کو طلاق دی" تو اس کی بیوی پر دو طلاقیں رجعی واقع ہوگئی ہیں، جن کا حکم یہ ہے کہ عدت یعنی تین مرتبہ ایام ماہواری گزرنے سے پہلے پہلے شوہر رجوع کرسکتا ہے،[4] جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے بیوی سے یہ کہہ دے کہ "میں نے تم سے رجوع کرلیا"[5] اور اگر عدت گزر گئی تو پھر باہمی رضامندی سے نیا مہر مقرر کرکے دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے،[6] لیکن واضح رہے کہ اب شوہر کو صرف ایک طلاق کا اختیار رہ گیا ہے، اب اگر ایک مرتبہ بھی طلاق دی تو بیوی مغلظہ ہوجائے گی اور حلالہ کے بغیر دوسرا نکاح بھی نہیں ہوسکے گا۔[7]

الجواب صحیح
محمد رفیع عثمانی عفی عنہ

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۷/۷/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۷۸۵/۲۸ ج)

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔
(۲) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔
(۳) دیکھئے ص ۳۱۲ کا فتویٰ اور حواشی نمبر ۱ تا ۳۔
(۴) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔
(۵) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔
(۶) [illegible]
(۷) دیکھئے ص ۳۱۲ کا فتویٰ اور حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

ایک طلاق رجعی کے بعد رُجوع کا بہتر طریقہ اور رُجوع کے بعد بیوی پر شوہر کے گھر آنا لازم ہے

سوال:- مسمّی سیمان ولد محمد صاحب نے اپنی منکوحہ بیوی مسماۃ سکینہ بی بی دختر محمد صاحب کو ناراضگی کی وجہ سے ایک طلاق دے دی، مورخہ ۲۹ اپریل سنہ ۱۹ء کو، مسمّی سیمان اپنی بیوی کو ایک طلاق دینے کے بعد رجوع کرنے کے لئے متعدد بار محلے کے مرد اور عورتوں کو بلانے کے لئے بھیج چکا ہے، مگر فدوی کے سسرال والوں نے بھیجنے سے انکار کردیا ہے، ایسی صورت میں عورت کو تین طلاقیں ہوجاتی ہیں یا نہیں؟

جواب:- اگر واقعۃً صرف ایک طلاق دی تھی، تین مرتبہ طلاق کا لفظ نہیں کہا تھا تو عدت کے دوران (یعنی طلاق دینے کے بعد سے تین ماہواری گزرنے سے پہلے پہلے) شوہر رجوع کرسکتا ہے،[1] جس کا بہتر طریقہ تو یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ ''میں نے طلاق سے رجوع کرلیا''،[2] لیکن اگر گواہوں کے بغیر کہہ دیا تب بھی رجوع صحیح ہوگیا،[3] اس کے بعد بیوی پر واجب ہے کہ وہ شوہر کے پاس واپس آجائے، بیوی کے میکے والے اسے اپنے پاس نہیں رکھ سکتے، البتہ اگر طلاق کے بعد تین ماہواریاں آچکی ہوں اور شوہر نے رجوع نہ کیا ہو تو باہمی رضامندی سے نیا نکاح ہوسکتا ہے،[4] شوہر عورت کو واپس آنے پر مجبور نہیں کرسکتا، اور یہ جواب اسی صورت میں ہے جبکہ طلاق صرف ایک دی ہو، تین طلاقیں دے دی ہوں تو یہ حکم نہیں ہے، خوب اچھی طرح سمجھ لیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳/۱۰/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۵۷/۲۸ ج)

ایک طلاق رجعی کے بعد رُجوع کا بہتر طریقہ اور حاملہ کی عدّت

سوال:- مسمّی قاسم عمر ۸۵ سالہ نے اپنی زوجہ مسماۃ خدیجہ بائی بنت گل محمد کو حالتِ غصہ میں دس جولائی ۱۹۷۶ء کو ایک طلاق دے دی، جبکہ اس کی بیوی موجود نہیں تھی، دونوں الگ الگ رہ رہے ہیں، لیکن صلح کرنے کی نیت کرتے ہیں، اس کا شرعی حکم ارشاد فرمائیں۔

جواب:- اگر یہ دُرست ہے کہ مسمّی قاسم نے اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق دی تھی تو یہ طلاق رجعی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے دوران شوہر رجوع کرسکتا ہے،[5] جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں نے طلاق سے رجوع کرلیا،[6] اور عدت تین ماہ نہیں، بلکہ تین

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔
(۲، ۳) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر ۲ و ۳۔
(۴) حوالہ کے لئے ص:۳۲۷ کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔
(۵) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔
(۶) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر ۲ و ۳۔

حیض سے، اور اگر بیوی حاملہ ہو تو بچے کی پیدائش سے،[1] عدت کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا البتہ باہمی رضامندی سے نیا مہر مقرر کر کے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے،[2] آئندہ طلاق دینے میں احتیاط کرتے رہیں، اب اگر ایک طلاق بھی دیدی تو بیوی مغلظہ ہو جائے گی اور دوبارہ نکاح بھی نہ ہو سکے گا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۲۰/[illegible]/۱۳۹۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷/۲۳۰۷ ء)

دو مرتبہ "طلاق دیا" کے الفاظ کہنے کا حکم

سوال - میں نے ایک مرتبہ غصے کی حالت میں اپنی بیوی کو دو طلاق کہا، طلاق اس طرح کہا "طلاق دیا، طلاق دیا" اس کے بعد بہت پشیمان ہوا اور اسی وقت بیوی کی خوشامد اور معافی مانگ کر اپنے گھر لے آیا، کچھ روز تک نہایت خوشی اور محبت سے رہ کر میکے چلی گئی، بعد ازاں میں نے بیوی کو کہا کہ میں نے تیرا نام لے کر تو نہیں کہا تھا، اس لئے میں بھی ہم دونوں نہایت محبت اور خوشی سے رہتے ہیں، بچے اور میاں بیوی اب بھی بڑی محبت سے رہتے ہیں، میں نے کوئی تحریر بھی اس وقت نہیں دی، کیا اس سے طلاق ہو جاتی ہے، اب اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب - اگر یہ صحیح ہے کہ طلاق صرف دو مرتبہ دی تھی تین مرتبہ نہیں، تو آپ کی بیوی پر دو طلاقیں رجعی واقع ہوئی ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ عدت (یعنی تین مرتبہ ایام ماہواری) گزر چکی ہو تو رجوع نہیں ہو سکتا، لیکن باہمی رضامندی سے نئے مہر پر دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے۔

بہرصورت اگر رجوع کریں یا نیا نکاح کریں، آئندہ آپ کو صرف ایک طلاق کا اختیار رہے گا، یعنی اگر آئندہ ایک مرتبہ بھی طلاق دے دی، خواہ زبانی ہو یا تحریری، غصے میں ہو یا مذاق میں، تو بیوی آپ پر حرام ہو جائے گی اور حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہ ہو سکے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۱۰۰۶ ج)

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر۱۔
(۲) دیکھئے حوالہ ص ۳۱۱ کا حاشیہ نمبر۲۔
(۳) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۳ کا حاشیہ نمبر۵۔
(۴) حوالہ کے لئے ص ۳۷۳ کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔
(۵) حوالہ کے لئے آگے ص ۳۷۹ کا حاشیہ نمبر۲ ملاحظہ فرمائیں۔
(۶ و ۷) حوالہ کے لئے ص ۳۱۸ کا حاشیہ نمبر۲ ملاحظہ فرمائیں۔
(۸) حوالہ کے لئے آگے ص ۳۱۲ کا فتویٰ اور حواشی نمبر۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

لوگوں کے دباؤ کی بناء پر اپنی بیوی کے بجائے اس کی بہن کا نام لے کر طلاق دینے کا حکم

سوال:- ایک شخص سلطان کا نکاح ۔۔۔ صاحبزادی کے ساتھ ہوا، اور برادری نے اس کو مجبور کیا کہ تم اس کو طلاق دے دو، تو بحالت مجبوری اس وجہ سے اس کو کہا گیا کہ ”تم صاحبزادی کو طلاق دے دو“ سلطان کہتا ہے کہ میری بیوی کا نام صاحبزادی ہے، اور اس کی دوسری بہن کا نام نواب زادی ہے، میرا ارادہ یہ ہوا کہ برادری کے دباؤ سے بچ جاؤں اور اپنی بیوی کو طلاق دینے سے بھی بچ جاؤں، انہوں نے کہا کہ اس کی بیوی کا نام کیا ہے؟ (اس وقت لڑکی کا والد موجود نہیں تھا) اور دوسرے لوگوں کو اس کا نام نہیں آتا تھا، انہوں نے سلطان سے پوچھا کہ تیری بیوی کا کیا نام ہے؟ اس نے جان بوجھ کر نواب زادی کہا، انہوں نے کہا اس کو طلاق دیدے، سلطان نے کہا کہ میں نے کہا کہ ”نواب زادی کو چھوڑا“ تین مرتبہ کہا، وہ خوش ہوگئے، مگر سلطان نے دو تین آدمیوں سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی صاحبزادی کو طلاق نہیں دی ہے بلکہ نواب زادی کو دی ہے، ان لوگوں سے بچنے کے لئے فرضی طور پر چھوڑا کا لفظ استعمال کیا ہے، اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

جواب:- اگر سوال میں درج شدہ تمام واقعات صحیح ہیں تو سلطان کے مذکورہ جملے سے اس کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، وہ بدستور سلطان کے نکاح میں ہے،(۱) البتہ آئندہ اس قسم کی باتوں سے احتیاط کرنا چاہئے اور دباؤ کا خطرہ ہو تو پہلے سے کسی مفتی عالم سے ایسا طریقہ پوچھ لیں جس سے دباؤ بھی ختم ہو جائے اور طلاق بھی واقع نہ ہو، کیونکہ اس طرح بعض صورتوں میں طلاق ہو بھی جاتی ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۰ھ
(فتویٰ نمبر ۹۳۵/۲۸ ج)

”چل تجھے طلاق ہے، طلاق ہے“ الفاظ کا حکم

سوال:- بیان حق نواز ولد فیض قوم بلوچ 0-7-1980 بروز ہفتہ کا واقعہ ہے، میرے اور میری بیوی کے درمیان جھگڑا ہوا، میری بیوی ناراضگی کی وجہ سے اپنی ہمشیرہ کی شادی کے گھر چلی گئی اور میری ساس بھی آئی ہوئی تھی، میں اپنی ساس کے گھر گیا اور اپنی ساس کو سمجھانے کا کہہ کے لئے تو

(۱) فی الهندیة ج: ۱ ص: ۳۵۹: ولو قال امرأته فاطمة بنت محمد طالق ولا نية له في طلاق امرأته و امرأته بنت محشة لا تقع عليها وعلى هذا اذا سمى بغير اسمها ولا نية له في طلاق امرأته. وفي الهندية ج: ۱ ص: ۳۵۹ قال امرأته عمرة بنت صبيح طالق وامرأته عمرة بنت حفص ولا نية له لا تطلق امرأته ... الخ

اپنی نانی مسماۃ افشاں خاتون کو بھی، وہ مجھے سخت اذیت دیتی تھی، میرا ان سے ساتھ رہنا مشکل تھا، میں نے کہا کہ تو وہ میری کوئی بات نہیں مانتی ہے اور نہ ہی میری کوئی بات سنتی ہے، وہ کسی کی بھی بات نہیں مانتی، میری بیوی نے مجھے سخت برا بھلا کہا اور گالی گلوچ دیتی تھی، میں نے غصے میں آکر دو دفعہ ان الفاظ سے طلاق دی، طلاق دیتے وقت میری بیوی، میری ساس، نانی ساس، اور میرے سسر موجود تھیں، نانی ساس، اور سسر کے بیانات میں دو طلاق کا ذکر ہے، حق نواز کی ساس نے تین طلاق کا ذکر کیا ہے، جو حق نواز کی مخالفت میں پیش پیش ہے، اس طرح حق نواز کی ساس کی بیٹی یعنی والدہ کی موجودگی میں سے صرف دو عورتیں غیر جانبدار ہیں۔

جواب: صورت مسئولہ میں اگر حق نواز کا بیان درست ہے تو اس کی بیوی پر دو طلاق واقع ہوگئی ہیں جن کا حکم یہ ہے کہ اگر عدت کے دوران حق نواز نے رجوع نہ کیا تو عدت گزرنے پر اس کی بیوی بائنہ ہو جائے گی، اور جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، البتہ عدت کے دوران حق نواز کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے، اگر اس نے رجوع کر لیا تو وہ بدستور حق نواز کی بیوی رہے گی، البتہ آئندہ اگر اس نے ایک مرتبہ بھی طلاق دی تو وہ ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہو جائے گی، اور بغیر حلالہ کے حلال نہ ہوگی۔ (۳)

واللہ اعلم
۲؍رمضان المبارک ۱۴۰۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶۶/۳۱ ر)

"میں آپ کی لڑکی کو طلاق دے رہا ہوں" کے الفاظ کا حکم

سوال: "میں آپ کی لڑکی کو طلاق دے رہا ہوں، یہ ہے اس طلاق دینے کے وجوہات یہ ہیں کہ اس نے میری بے عزتی کی اور ... میرے گھر سے ... اور میری والدہ سے ... آپ کی لڑکی کی بے عزتی کی، صرف اس کی بدمعاشی تھی، کیونکہ اس نے اس سے ناجائز تعلقات رکھے تھے، میں نے اس بات سے منع کیا مگر اس نے میری پرواہ نہیں کی، آپ کی لڑکی نے کئی قسم کے ... اس کے علاوہ یہ کہ اس نے مجھے ... بھی کئے تھے مگر میں بات برداشت نہ کر سکا، اس لئے میں نے اس کو طلاق کا مکمل ارادہ کر لیا ہے۔" کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی؟

جواب: مندرجہ بالا تحریر کے لکھنے والے کی بیوی پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی جس کا حکم یہ ہے کہ تم عدت کے دوران رجوع کر سکتے ہو، اور عدت کے بعد باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۲۔ (۲) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۲۔

(۳) حوالہ کے لئے آگے ص ۳۱۲ کا فتویٰ ور حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) وفی الهندیة کتاب الطلاق باب الرجعة ج ۱ ص ۴۷۰ طبع شرکت علمیه: وإذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية أو تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها . الخ

ہوسکتی ہے، مذکورہ تحریر میں اگرچہ لفظ "طلاق" تین مرتبہ استعمال ہوا ہے، لیکن آخری دو الفاظ طلاق دینے کے لئے نہیں طلاق کی وضاحت کرنے کے لئے ہیں، اس سے ایک طلاق واقع نہیں ہوئی۔

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲/ /۱۳۹۰ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱/۵۷۹ الف)

"میں نے آپ کی بیٹی کو طلاق دی" اور "میں انہیں طلاق دیتا ہوں" الفاظ کا حکم

سوال - ۲۵ نومبر کو میری زوجہ خالدہ بیگم اور ان کی والدہ بغیر میری اجازت کے اپنے بہنوئی کے یہاں چلی گئیں، جبکہ ان کو کورنگی سے جاکر کپڑے لانے تھے، میں دفتر سے تقریباً ۵ بجے گھر پہنچا، معلوم کرنے پر چھوٹے سالے نے بتایا کہ امی اور باجی کورنگی گئی ہوئی ہیں، رات کے ۹ بجے تک، مجھے پریشانی لاحق ہوئی، چھوٹا بچہ ساتھ تھا، بہرحال ۹ بجے اسکوٹر پر اپنے بہنوئی کے ساتھ آئیں، میں غصے کی وجہ سے پلنگ پر لیٹ گیا، سالے کے جانے کے بعد میں نے بیوی کو کافی ڈانٹا کہ کپڑے لینے نہیں گئیں اور بہن کے گھر چلی گئیں، اس پر انہوں نے کہا کہ بہن کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی، ملنے گئے تھے۔ میں گھر سے اٹھ کر جانے لگا تو میرے سسر نے مجھے روکنے کی کوشش کی، میں غصے میں تھا، میں نے ان سے کہہ دیا کہ ۱- میں نے آپ کی بیٹی کو طلاق دی۔ ۲- میں انہیں طلاق دیتا ہوں۔ اور پھر میری زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی خالدہ بیگم منہ پھیر کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں، میں فوراً گھر سے چلا آیا۔ عزیز و اقارب کا اصرار ہے کہ تمہارا یہ فیصلہ غلط ہے، بیوی دو ماہ کی حاملہ بھی ہے، جواب سے مطلع فرمائیں تاکہ شریعت کے مطابق عمل کرسکوں۔

جواب:- اگر آپ نے سوال کے مطابق صرف دو مرتبہ ہی طلاق کے الفاظ استعمال کئے تھے، تین مرتبہ نہیں تو آپ کی بیوی پر دو طلاقیں رجعی واقع ہوئی ہیں، جن کا حکم یہ ہے کہ عدت کے دوران آپ رجوع کرسکتے ہیں،[۲] جس کا طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں[۳] زبان سے یہ کہہ دیں کہ "میں نے اپنی بیوی کی طلاق سے رجوع کرلیا"[۴] اس کے بعد وہ بدستور آپ کی بیوی رہیں گی، لیکن آئندہ آپ کو صرف ایک طلاق کا حق باقی رہے گا، یعنی آئندہ اگر ایک مرتبہ بھی آپ کے منہ سے

(۱) حوالہ کے لئے ص ۳۷۳ کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) دیکھئے حوالہ بالا ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۲۔
(۳ و ۴) دیکھئے حوالہ بالا ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۳۔

طلاق [illegible] حالت میں آپ کی بیوی آپ پر حرام ہو جائے گی، اور دوبارہ نکاح بھی بغیر حلالہ کے نہ ہو سکے گا، لہٰذا آئندہ طلاق کے معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۱۲/۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷۸۲/۲۷ و)

''میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' دو مرتبہ کہنے کا حکم اور رجوع کا بہتر طریقہ

سوال:- مسمّی محمد تقی ولد صدیق عبدالغنی مرحوم ساکن [illegible] (52 [illegible]) [illegible] نے دو دن قبل اپنی منکوحہ بیوی نورجہاں بیگم دختر [illegible] ایک وقتی [illegible] کی حالت میں [illegible] سے [illegible] ہو کر دوسرے لوگوں کی موجودگی میں [illegible] مکان کی طرف منہ کر کے جیسے کہ وہ اپنی بیوی سے مخاطب ہو، دو مرتبہ بلند آواز میں یہ کہا کہ ''میں تجھے طلاق دیتا ہوں، میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' بیوی نے [illegible] میں نے شوہر سے طلاق دینے کے متعلق بالکل نہیں سنا۔ نورجہاں بیگم کے والد [illegible] سمجھتے ہیں اور میاں بیوی میں جدائی ہو گئی ہے، اگر طلاق نہیں ہوئی تو کیا کفارہ وغیرہ واجب ہے؟

جواب:- اگر واقعۃً مسمّی محمد تقی نے صرف دو مرتبہ اپنی بیوی کو یہ الفاظ کہے ہیں کہ ''میں تجھے طلاق دیتا ہوں'' تین مرتبہ نہیں کہا تو اس کی بیوی پر دو طلاقیں رجعی واقع ہو گئی ہیں، جن کا حکم یہ ہے کہ عدت کے دوران (یعنی طلاق کے بعد سے تین مرتبہ ایام ماہواری گزرنے سے پہلے پہلے) اگر شوہر رجوع کرنا چاہے تو کر سکتا ہے، اور رجوع کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کے سامنے اپنی بیوی سے یہ کہہ دے کہ ''میں نے تمہاری طلاق سے رجوع کر لیا'' اور عدت گزرنے کے بعد شوہر رجوع تو نہیں کر سکتا البتہ باہمی رضامندی سے نئے مہر پر دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، (۵) اور اس کا کفارہ کوئی نہیں۔

واضح رہے کہ شوہر رجوع کرے یا نکاح، ہر صورت میں اب اسے صرف ایک طلاق کا اختیار رہ جائے گا، اور آئندہ ایک مرتبہ بھی طلاق دی تو بیوی بالکل حرام ہو جائے گی اور حلالہ کے بغیر دوسرا نکاح بھی نہ ہو سکے گا۔(۶)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۱۰/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۶۶۰/۲۸ ج)

---

(۱) [illegible] (۲) [illegible]
(۳) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۱و۲۔ (۴) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر۳۔
(۵) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۲۳ کا حاشیہ نمبر۱۔ (۶) دیکھئے ص ۳۱۲ کا فتویٰ اور حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

"طلاق دیتا ہوں" الفاظ کا حکم اور زبان سے رُجوع کا طریقہ

سوال – ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک طلاق نامہ بھیجا، جس کے الفاظ یہ ہیں: "میں محمد نور ولد گل محمد عثمانی ہوتانی مسماۃ مہرانسہ دختر عثمانی نور محمد ہوتانی کو طلاق دیتا ہوں، وہ اب میری بیوی نہیں ہے۔" اس طلاق نامے پر دو گواہوں کے دستخط بھی موجود ہیں، اس طلاق نامے کو مدنظر رکھتے ہوئے شرعی فیصلے سے ممنون فرمادیں۔

جواب – صورت مسئولہ میں مہرانسہ پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت یعنی طلاق کے بعد سے تین مرتبہ ایام ماہواری گزرنے کے بعد وہ جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے، لیکن شوہر کو اختیار ہے کہ وہ عدت گزرنے سے پہلے پہلے اگر چاہے تو رجوع کرسکتا ہے، اگر زبان سے یہ کہہ دے کہ "میں نے طلاق سے رجوع کرلیا" تو مہرانسہ دوبارہ اس کی بیوی بن جائے گی،[۱] لیکن عدت گزرنے کے بعد اس کو یہ اختیار باقی نہیں رہے گا۔[۲] فقط واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۲/۵ھ

"میں نے اُسے چھوڑ دیا" کہنے کا حکم

سوال – ایک نابالغ بچی کا ۳ سال کی عمر میں نکاح کردیا گیا، بعد ازاں وہ مرد جس سے اس نابالغہ کا نکاح ہوا تھا، اس نے دو یا دو گواہوں کے سامنے یہ کہہ دیا کہ "میں نے یہ رشتہ نہیں کیا، جہاں مرضی ہو وہ شادی کردیں، کیونکہ لڑکی مجھے پسند نہیں ہے۔" گواہ موجود ہیں جو یہ بیان دیتے ہیں کہ اس مرد نے ایک دفعہ نہیں بلکہ کئی دفعہ بعد ان کے سامنے یہ کہا کہ "میں نے اسے چھوڑ دیا، جہاں چاہیں دے دیں۔" کیا اس لڑکی کا نکاح اس مرد سے رہا یا نہیں؟ بچی جوان ہے، رخصت کا خطرہ ہے، مذکورہ بالا بیان حلفیہ ہے۔

جواب – اگر یہ بیان درست ہے کہ مرد نے رخصتی سے پہلے ہی اس منکوحہ کے بارے میں یہ کہہ دیا ہے کہ "میں نے اسے چھوڑ دیا" تو صورت مسئولہ میں اس کی بیوی پر طلاق بائن واقع

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۲۔
(۲) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر ۳۔
(۳) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۳۳ کا حاشیہ نمبر ۵۔

ہوتی ہے، مگر چونکہ رخصتی نہیں ہوئی، اس لئے اس پر عدت بھی واجب نہیں، وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، لیکن واضح رہے کہ یہ جواب اس صورت میں ہے کہ جبکہ شوہر نے واقعۃً یہ الفاظ کہے ہوں کہ ''میں نے اسے چھوڑ دیا'' اگر کوئی اور الفاظ کہے ہوں تو وہ لکھ کر بھیجئے، ان کے مطابق جواب دیا جائے گا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۸/۶/۲۹ھ

(فتویٰ نمبر ۷۲۳/۲۹ ب)

میمنی زبان میں ''میں تم کو رجاء دیتا ہوں'' کے الفاظ کا حکم

سوال: محمد حبیب نے اپنی بیوی کو غصے کی حالت میں یہ لفظ کہے ''میں تمہیں اجازت دیتا ہوں'' اور اس سے مراد اس کی طلاق تھی، اب شریعت میں طلاق ہوتی ہے یا نہیں؟ اگر ہوتی ہے تو کون سی طلاق ہوتی ہے؟ (اور یہ لفظ گجراتی زبان میں ''میں تم کو رضا دیتا ہوں'' تین مرتبہ کہا ہے)۔

تنقیح:

پہلے یہ بتایئے کہ گجراتی زبان میں جب بیوی سے یہ کہا جائے کہ ''میں تم کو رضا دیتا ہوں'' تو کیا یہ لفظ صرف طلاق ہی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یا اس کا کوئی اور مطلب بھی ہو سکتا ہے؟ اس سوال کا واضح جواب اسی کاغذ پر لکھ کر دیں، تو اصل مسئلے کا جواب دیا جائے گا۔

جوابِ تنقیح:

جب سے میری بیوی نے شوہر سے کہا کہ تم مجھ کو رضا دے دو، اس پر شوہر نے تین مرتبہ کہا ''میں تم کو رضا دیتا ہوں'' رضا کے معنی اجازت کے بھی آتے ہیں، جیسے شادی میں کہیں جانا ہو تو بیوی رضا پوچھتی ہے، اس وقت بھی شوہر کہتا ہے کہ ''میں تم کو رضا دیتا ہوں'' لیکن یہ جس موقع کی بات ہے اس وقت اس سے طلاق ہی کی نیت تھی اور اسی کے لئے ہی یہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔

جواب: تحریری و زبانی جوابِ تنقیح سے، نیز میمنی زبان کے دوسرے اہلِ زبان سے تحقیق سے معلوم ہوا کہ میمنی زبان میں لفظ ''رجا'' کے معنی اگرچہ دوسرے بھی ہوتے ہیں، لیکن طلاق کے علاوہ دوسرے معنی مراد لینے کے لئے قرینہ یا دلالتِ حال کی ضرورت ہے، اور کسی قرینے یا دلالتِ حال کے بغیر اگر کوئی شوہر اپنی بیوی سے کہے کہ ''میں نے تم کو رجا دے دی'' تو اس سے طلاق ہی کے معنی

(۱) وفی رد المحتار، کتاب الطلاق، باب الکنایات ج ۳ ص ۲۹۹ طبع سعید: فان سرحتک کنایۃ لکنہ فی عرف الفرس غلب استعمالہ فی الصریح فاذا قال "رہا کردم" ای سرحتک یقع بہ الرجعی مع ان اصلہ کنایۃ ایضا وما ذاک الا لانہ غلب فی عرف الفرس استعمالہ فی الطلاق وقد مر ان الصریح ما لم یستعمل الا فی الطلاق من ای لغۃ کانت ... الخ۔ نیز دیکھئے امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۲۵، امداد المفتیین ص ۲۱۴، امداد الاحکام ج ۲ ص ۴۴۳، اور آگے ص ۳۴۵ کا فتویٰ۔

کہتے جاتے ہیں، اور یہ علامت اس لفظ کے صریح طلاق ہونے کی ہے، اور اس کی نظیر اردو میں "چھوڑ دیا" ہے، اور فارسی میں "رہا کردم" ہے، اور یہ طلاق کے ساتھ جب بولے جائیں تو طلاق کی نیت کے بغیر بھی ہوتے ہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں تینوں طلاقیں چونکہ صریح ہیں اس لئے تینوں واقع ہوگئیں، اور محمد حبیب کی بیوی مغلظہ ہوگئی، جس کا حکم یہ ہے کہ حلالہ شرعیہ کے بغیر وہ محمد حبیب کے لئے حلال نہیں ہوسکتی، اور نہ حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے۔(۵)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۹/۴/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۳۷۷ ب)

الجواب صحیح
محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۷/۴/۶ھ

"ایک طلاق دے رہا ہوں" الفاظ سے ایک طلاق رجعی واقع ہوئی

سوال:- ہماری ہمشیرہ نشیمن [illegible] جو کہ محمد یوسف کے نکاح میں تھی، محمد یوسف نے [illegible] پرچہ میں اس نے اس کو طلاق دی ہے یا پرچے کے سبب سے جو تاریخ اس نے دی ہے تاریخ گزر جانے پر اس کو طلاق ہوگئی ہے یا نہیں؟

جواب:- جس تاریخ کو محمد یوسف نے منسلکہ پرچہ تحریر کیا، اس تاریخ سے اس کی بیوی نشیمن [illegible] پر ایک طلاق رجعی واقع ہوگئی، جس کی عدت تین مرتبہ ایام ماہواری گزرنا ہے، [illegible] عدت کے دوران محمد یوسف نے اس طلاق سے رجوع نہیں کیا تو عدت گزرنے پر نشیمن [illegible] اس کے نکاح سے خارج ہوگئی اور دوسری جگہ نکاح [illegible] اگر یہ میاں بیوی چاہیں تو آپس میں دوبارہ نئے مہر کے ساتھ ایجاب وقبول کے ساتھ عدت کے بعد بھی نکاح کرسکتے ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۲۱ رمضان المبارک ۱۳۱۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹۵)

طلاق نامہ

میں محمد یوسف ولد [illegible] [illegible]

---

(۱) وفی رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۲ [illegible] [illegible] [illegible]
"انت علیّ حرام" بانّه طلاق بائن للعرف بلا نیة مع انّ المنصوص علیه عند المتقدمین توقفه علی النیة

(۲، ۳) لفظ "چھوڑ دیا" کے طلاق صریح ہونے سے متعلق تفصیل کے لئے دیکھئے ص ۳۶۵ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۲، اور اگلے صفحہ ۳۴۴ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۔

(۴، ۵) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۲، ۳۔
(۶) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳ کا حاشیہ نمبر ۱۔
(۷) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۲۔
(۸) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۷۳ کا حاشیہ نمبر ۱۔

[illegible]

سب سے بڑی بات یہ کہ جائز اور حلال چیزوں میں سب سے زیادہ ناپسند اللہ تعالیٰ کو طلاق ہے۔

[illegible]

قا تو نا میری منکوحہ بیوی ہو۔

[illegible]

تک انتظار کروں گا، فقط۔

محمد یوسف

۳ر نومبر ۱۹۹۷ء

تین مرتبہ لفظ ''چھوڑا'' استعمال کرنے کا حکم

سوال [illegible] ''چھوڑا، چھوڑا، چھوڑا'' [illegible] الفاظ سے طلاق ہوگئی؟

جواب [illegible] اضافت [illegible] طلاق مغلظ واقع ہوگئی، اب حلالہ کے بغیر ہرگز حلال نہیں ہوسکتی۔

واللہ اعلم

(فتویٰ نمبر ۲۳۱/۱۹ الف)

[illegible] ای لغة کانت

[illegible] ج ۲ ص ۳۴۳۔

ایک مرتبہ طلاق کا لفظ کہنے کا حکم

سوال - ایک آدمی نے اپنے غیظ وغضب کی حالت میں زبان سے طلاق کا لفظ چھوڑ دیا، یعنی طلاق کہہ دیا، عدد استعمال نہیں کیا، اب مذکورہ صورت پر طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو کتنی واقع ہوگی؟

جواب - اگر سوال میں درج شدہ واقعہ درست ہے اور طلاق کا لفظ ایک سے زائد مرتبہ استعمال نہیں کیا تو مذکورہ صورت میں اس کی بیوی پر ایک طلاق رجعی ہوگئی، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے دوران یعنی تین ماہواریاں گزرنے سے پہلے اگر شوہر چاہے تو رجوع کرسکتا ہے،(۱) جس کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں بیوی سے یہ کہہ دے کہ "میں نے تم سے رجوع کیا"(۲) اور عدت گزرنے کے بعد دونوں کی رضامندی سے نئے مہر پر نیا نکاح ہوسکتا ہے،(۳) البتہ دونوں صورتوں میں اب اس کو صرف دو طلاقوں کا اختیار باقی رہے گا، یعنی آئندہ اگر اس نے صرف دو مرتبہ بھی طلاق دی تو بیوی مغلظہ ہوکر حرام ہوجائے گی، پھر حلالہ کے بغیر نیا نکاح بھی نہ ہوسکے گا،(۴) لہٰذا آئندہ طلاق کے معاملے میں انتہائی احتیاط سے کام لے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۱/۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۱ الف)

"طلاق دے دوں گا" کے الفاظ سے طلاق نہیں ہوتی

سوال - تین ماہ قبل میرے سسر مجھ سے اپنی لڑکی مسماۃ حمیدہ بیگم دختر [illegible] خان کے نام [illegible] مال [illegible] زمین لکھوانا چاہتے تھے، میں نے انکار کردیا اور کہا کہ "ایسی صورت میں تمہاری لڑکی کو طلاق دے دوں گا"، اور کچھ نہیں کہا، اس وقت غصے کی حالت میں تھا، کیا طلاق ہوئی یا نہیں؟

جواب - اگر واقعۃً آپ نے خط کشیدہ الفاظ کہے تھے جو سوال میں لکھے ہیں، یعنی "طلاق دے دوں گا" تو ان سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی،(۵) لیکن آئندہ طلاق کے الفاظ بولنے میں سخت احتیاط

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔ (۲) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳ کا حاشیہ نمبر ۳۔
(۳) حوالہ کے لئے ص ۳۲۳ کا حاشیہ نمبر ۱ دیکھئے۔ (۴) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۱۳ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۱ تا ۳۔
(۵) وفي الفتاوى تنقيح الحامدية كتاب الطلاق ج ۱ ص ۳۸ طبع مكتبة رشيدية كوئٹه صيغة المضارع لا يقع بها الطلاق الّا اذا غلب في الحال كما صرّح به الكمال بن الهمام
وفي البحر الرائق كتاب الطلاق باب تفويض الطلاق ج ۳ ص ۳۰۹ طبع سعيد بخلاف قوله طلقي نفسك فقالت انا طالق، او انا اطلق نفسي، لم يقع لأنّه وعد ... الخ

لازم ہے، اور اگر اتفاق سے چند ہی لوگ تھے تو غلط فہمی کا امکان ہے، ان سے دوبارہ مسئلہ پوچھ لیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۹/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۱۱ ج)

طلاق کی تعداد میں شک ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال: تقریباً چار سال قبل میں (محمود شوکت)، میری بیوی اور ایک بیٹی عمر ۲ سال کے ہمراہ سسرال میں قیام پذیر تھا، میرا گھر پنجاب میں ہے، یہاں کراچی میں رہنے کی وجہ سے مجھے اعصابی تناؤ کی تکلیف ہوا کرتی تھی۔ ایک روز مجھے شدید تکلیف کا دورہ ہوا، اور اسی دوران ایک معمولی بات کی وجہ سے چھوٹی سالی سے تکرار کر بیٹھا، اس کی باتوں کو اپنی توہین سمجھتے ہوئے اپنی بیوی سے الجھ گیا، اس سے پیشتر بیوی سے تعلقات اچھے تھے اور کوئی جھگڑا نہ تھا، لیکن اس وقت شدید غصے کے عالم میں اور اپنے مرض کی تکلیف میں مبتلا ہوتے ہوئے جلدی میں تحریراً طلاق دے دی، یہ عمل صرف سسرال پر دباؤ ڈالنے کے لئے کیا تھا، اس لئے مجھے طلاق کی تعداد کا کامل یقین نہیں ہے کہ کتنی دفعہ لکھی ہے۔ دوسرے روز اپنی حرکت پر اس قدر پریشان ہوا اور اپنے سسر صاحب سے اپنی پشیمانی کا اظہار کیا، بیوی سے بھی معافی مانگی، اس کو اپنے ہمراہ پنجاب چلنے پر آمادہ کیا، میرے بار بار اصرار پر میری بیوی نے معاف کر دیا، چونکہ اپنی بیوی سے تعلقات ختم کرنے پر آمادہ نہیں تھا، اس لئے میں اپنی بیوی اور بیٹی کو لے کر اپنے بھائی کے گھر چلا گیا، اور یہ بھی (طلاق نامہ) چھوڑ دیا۔ اس واقعے کے چوتھے روز میں مفتی شفیع صاحب مرحوم کی قیام گاہ پہنچا، انہوں نے تعداد کے یقین کے بارے میں پوچھا، لیکن میں خود بھی تعداد کے بارے میں یقین نہ رکھتا تھا، اور اسی دن اپنی بیوی اور بچی کو لے کر پنجاب چلا گیا۔

آج اس واقعے کو گزرے ہوئے تقریباً ۴ سال گزر چکے ہیں، لیکن میرے سسر صاحب اب تک مطمئن نہیں ہوئے ہیں، اور انہوں نے مجھ سے اور اپنی بچی سے تعلقات منقطع کر رکھے ہیں، یہ حالات ہمارے خاندان کی رسوائی کا موجب بنے ہوئے ہیں، ہمارے حالات اور میری نیت کو دیکھتے ہوئے ہمیں شرعی فیصلہ دیں تاکہ ہم اپنی آئندہ زندگی سکون سے گزار سکیں۔ نہ ہی میری بیوی کو تعداد کا یقین ہے کہ کتنی مرتبہ لکھی ہے، دو دفعہ یا تین دفعہ۔

جواب: صورت مسئولہ میں محمود شوکت اور فرحت دونوں کو پوری احتیاط اور غور و فکر کے ساتھ یاد کرنا چاہئے کہ کتنی طلاقیں لکھی تھیں؟ اور جو دوسرے لوگ اس وقت موجود تھے یا جنہوں نے تحریر پڑھی تھی ان سے بھی تحقیق کرنی چاہئے، اگر خود یاد آجائے یا کسی دوسرے پڑھنے والے کے بیان سے

یہ گمان غالب قائم ہو جائے کہ تین طلاقیں دے دی تھیں، تو فرحت اپنے شوہر پر حرام ہوگئی۔ اس پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اور حلالہ کے بغیر دونوں کے درمیان دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا، دونوں پر فرض ہے کہ فوراً ایک دوسرے سے علیحدگی اختیار کرلیں، اور جتنا عرصہ طلاق کے بعد ساتھ گزارا اس پر توبہ و استغفار کریں۔ لیکن اگر غور و فکر اور تحقیق کے بعد بھی یاد نہ آئے کہ کتنی طلاقیں دی تھیں اور نہ کسی طرف گمان غالب ہو تو صورت مسئولہ کا حکم یہ ہے کہ محمود شوکت کی بیوی پر دو طلاقیں رجعی واقع ہوئی ہیں اور چونکہ محمود شوکت نے عملاً ان سے رجوع کرلیا ہے اس لئے فرحت بدستور اس کی بیوی ہے، البتہ اب محمود شوکت کو صرف ایک طلاق کا اختیار باقی ہے، یعنی اب اگر وہ ایک طلاق بھی دیدے گا خواہ غصے میں دے یا مذاق میں دے تو اس کی بیوی اس پر حرام ہوجائے گی اور حلالہ کے بغیر ہرگز حلال نہ ہوگی۔

مذکورہ صورت میں اگرچہ محمود شوکت کو اپنی بیوی کو رکھنے کا اختیار ہے، لیکن چونکہ حلال و حرام کا معاملہ نازک ہے، اور اس کو تردد پیدا ہوگیا ہے، اور بعض فقہاء ایسی صورت میں بھی تین طلاقوں کے وقوع کا فتویٰ دیتے ہیں، لہذا احتیاط اسی میں ہے کہ وہ بہرصورت بیوی سے علیحدگی اختیار کرے، اور اس کی عدت گزار کر بیوی کسی اور جگہ نکاح کرلے، پھر اگر کسی وجہ سے دوسرا شوہر خود طلاق دیدے تو اس کی عدت کے بعد محمود شوکت بھی اس سے نکاح کرسکے گا۔

والدليل على كل ذلك ما يأتي:

١ - قال الله تعالى: "فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره" (١)

٢ - عن علي رضي الله عنه قال: سمع النبي صلى الله عليه وسلم رجلا طلق البتة فغضب وقال: تتخذون آيات الله هزوا أو دين الله هزوا أو لعبا؟ من طلق البتة ألزمناه ثلاثا لا تحل له حتى تنكح زوجا غيره. وفي حديث ابن عمر قال: قلت: يا رسول الله! أرأيت لو طلقتها ثلاثا؟ قال: إذا عصيت ربك وبانت منك امرأتك. (المغني لابن قدامة ج ـ ص ١٠٣) (٢)

وقد أخرج البيهقي قصة طلاق الحسن بن علي امرأته ثلاثا وفيه حديث مرفوع إلى النبي صلى الله عليه وسلم.

٣ - قال ابن نجيم: شك أنه طلق واحدة أو أكثر بنى على الأقل كما ذكره الإسبيجابي إلا أن يستيقن بالأكثر أو يكون أكبر ظنه على خلافه وإن قال الزوج عزمت على أنه ثلاث يتركها. (الأشباه والنظائر مجتبائی ج ١ ص ٨١، القاعدة الثالثة) (٣)

٤ - وعن الإمام الثاني إذا كان لا يدري أثلاث أم أقل يتحرى وإن استويا عمل بأشد

(١) سورة البقرة ٢٣٠

(٢) كتاب الطلاق تحت مسئلة ١٢٢٨ ج ١٠ ص: ٣٣٢ (طبع دار عالم الكتب رياض)

(٣) الأشباه والنظائر، الفن الأول، القاعدة الثالثة ص ٩ (طبع إدارة القرآن كراچی) و ص ٧٤ طبع قدیمی کتب خانہ

ذلک عنده اشتباه عن البزازیة قال ط وعلی قول الثانی اقتصر قاضی خان ولعله لأنه عمل بالاحتیاط خصوصاً فی باب الفروج اھ قلت ویمکن حمل الأول علی القضاء والثانی علی الدیانة. (شامی ج:۲ ص ۴۵۴)۔(۱)

آخر میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ مفتی کو علم غیب نہیں ہوتا، اس کے سامنے جیسا سوال پیش کیا جائے گا، وہ اس کے مطابق جواب دے گا۔ سوال کی صحت کی ذمہ داری سائل پر ہے، اور چونکہ معاملہ حلال و حرام کا ہے، اور ہر شخص کو آخرت میں اپنی جوابدہی کرنی ہے، لہٰذا بہت احتیاط اور غور و فکر سے سوچ سمجھ کر متعین کیا جائے کہ کتنی طلاقیں دی تھیں؟ اگر ذرا بھی ظن غالب تین طلاقوں کا ہو تو دونوں کا ساتھ رہنا ہرگز جائز نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۸/۷/۱۸ھ

(فتویٰ نمبر ۲۹/۸۰۵ ب)

"میں نے اس کی بہن کو چھوڑا" کے الفاظ دو مرتبہ کہنے کے بعد طلاق کی خبر کسی کو دینے سے مزید طلاق نہ ہونے کا حکم اور رجوع کا طریقہ

سوال - زید کی مارپیٹ ساس سے ہوتی رہتی ہے، میری بیوی کا کوئی قصور نہیں، میں نے طلاق دی تھی اور میری بیوی اندر کمرے میں تھی، میں نے دو دفعہ ساس کو یہ کہہ دیا "میں نے اس کی بہن کو چھوڑا" فوراً ایک عورت نے میرے منہ پر ہاتھ رکھ دیا، یہی عورت اس بات کی گواہ ہے، میں نے ساس کی دکان پر جا کر شور مچایا "میں اس کی بہن کو چھوڑ آیا ہوں" اب تو جاؤ، میں نے دو دن جلدی کہا، یہ بات آٹھ روز پہلے کی ہے، ان لوگوں نے میری بیوی کی چوڑیاں بھی اتار دیں، ایسی صورت میں طلاق ہوگئی؟

جواب - صورت مسئولہ میں سائل کی بیوی پر دو طلاقیں واقع ہوگئی ہیں،(۲) ان دو طلاقوں کے بعد ساس کی دکان پر جو الفاظ سائل نے کہے "میں اس کی بہن کو چھوڑ آیا ہوں" یہ طلاق جدید کا نہیں، بلکہ سابق دو طلاقوں کی خبر ہے، اردو محاورے کے لحاظ سے "چھوڑ آیا ہوں" کا یہی مفہوم ہے، اور سائل سے زبانی دریافت کیا گیا تو اس نے بھی یہی مراد ظاہر کیا ہے، لہٰذا اس کہنے سے تیسری طلاق واقع نہیں ہوئی۔ تین مرتبہ ایام ماہواری سے پہلے پہلے اگر شوہر طلاق سے رجوع کرنا چاہے تو کرسکتا ہے، اور رجوع کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ دو گواہوں کی موجودگی میں بیوی سے کہہ دے کہ "میں نے تمہاری

---

(۱) ردّ المحتار قبیل باب طلاق غیر المدخول بها ج ۳ ص ۲۸۳ (طبع سعید)

(۲) [illegible]

(۳) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔

طلاق سے رجوع کر لیا، اس کے بعد وہ بدستور اس کی بیوی ہوں، لیکن طلاق دے دی تو بیوی بالکل حرام ہو جائے گی، اور بغیر حلالے کے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکے گا۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۷/۱۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۸۹۵ ب)

الفاظ ''طلاق لے لو'' کا حکم
''المرأة كالقاضي'' کا مطلب
عددِ طلاق میں زوجین کے اختلاف کا حکم

(زوجین میں الفاظ اور وقوعِ طلاق میں اختلاف کے فیصلے اور تحکیم کی شرعی حیثیت سے متعلق حضرت مولانا سیف الدین صاحب کاکاخیل کے سوال کا مفصل ومدلل جواب)

سوال: مندرجہ ذیل مسئلے کے بارے میں تحقیقی اور کتب فقہ حنفی کے حوالوں کے ساتھ جواب تحریر فرمائیے، بڑی مہربانی ہوگی۔

ایک لڑکی کا دعویٰ یہ ہے کہ مجھے اپنے شوہر نے دو دفعہ طلاق دی تھی، جس کے بعد بھی مجھے پاس رکھا، مجھے معلوم نہیں تھا کہ طلاق کن الفاظ سے واقع ہوتی ہے اور اس کا اثر کیا ہوتا ہے؟ اس لئے میں نے والدین سے کوئی ذکر نہیں کیا، اور شوہر کے ساتھ رہتی رہی، کچھ عرصہ بعد اس نے ایک دفعہ غصے میں آکر ایک دم تین مرتبہ طلاق دے دی، مجھے اس کا علم نہیں تھا کہ اس طرح کہنے سے عورت مرد پر مستقل حرام ہو جاتی ہے، اس لئے نہ والدہ صاحبہ سے کسی کو اس کا ذکر کیا اور نہ سمجھی کہ مجھے تین طلاقیں ہو چکی ہیں اور میں اس شوہر پر حرام ہو چکی ہوں، البتہ اپنی والدہ سے اس کا ذکر کیا تھا، مگر ڈر تھا کہ والد صاحب کو میری ایسی باتوں اور غصے کا علم ہو جائے تو اس سے ناراض ہوں گے، جھگڑا ہو جائے گا، اس لئے والد کو نہیں بتایا، اور والدہ نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا، کچھ عرصہ بعد کسی دوست سے یہ مسئلہ معلوم ہوا، اور بہشتی زیور دیکھ کر خود بھی اس کا علم ہوا کہ ایسی صورت میں تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے اور عورت اس مرد کے لئے حرام ہو جاتی ہے، اس لئے خوفِ خدا کی بنا پر میں اب اس مرد کے پاس نہیں رہ سکتی، اور اب اس نے والد کو بھی یہ واقعہ بتا دیا ہے، (لڑکی کا خود لکھا ہوا تفصیلی بیان آپ ملاحظہ فرمائیے)۔ اس کے جواب میں شوہر کہتا ہے کہ ہاں میں نے پہلی دفعہ غصے میں آکر کہا تھا ''مجھ سے طلاق لے لو'' پھر نادم ہو گیا اور اس کو میں نے طلاق سمجھا ہی نہیں تھا، پھر ایک دوسرے موقع پر غصے میں آکر کہا کہ ''طلاق

( ) دیکھئے حوالہ سابقہ ص: ۳۳۰ کا حاشیہ نمبر۳۔

سے وغیرہ اس وجہ سے میں نے طلاق نہیں سمجھی اور بیوی کو اپنے پاس رکھا، پھر ایک موقع پر غصے میں آکر طلاق کے الفاظ دو دفعہ محض بیوی کو ڈرانے دھمکانے کے ارادے سے کہے۔ (شوہر کا تحریر کردہ بیان بھی آپ ملاحظہ فرمائیے)۔

اب صورتِ حال یہ ہے کہ لڑکی کہتی ہے کہ میرا نکاح ٹوٹ گیا ہے، میں اس کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ لڑکا کہتا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی ہے، کیونکہ میں نے ان الفاظ کو طلاق سمجھا ہی نہیں، اور اگر آخری الفاظ کو طلاق قرار بھی دیا جائے تو یہ دو دفعہ ہے، اور میں رجوع کرچکا ہوں، اور بیوی کو اس کے بعد بھی اپنے پاس بیوی بنا کر رکھا تھا، اب بھی وہ میری بیوی ہے۔ ان دونوں نے تحریری بیان دے کر ایک عالمِ دین کو اس بارے میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے، جو وہ فیصلہ کریں گے دونوں مانیں گے۔ اس کا والد بھی کہتا ہے کہ حق واضح ہوجانے کے بعد شریعت کا فیصلہ مانوں گا، اور جو بھی فیصلہ شرعی طور پر صادر کردیا جائے میں اُسے تسلیم کروں گا۔

اس معاملے میں خصوصی اہمیت پر یہ طے کیا گیا ہے کہ دوسرے علمائے کرام اور مفتیانِ عظام شرع کی خدمت میں پیش کرکے ان سے بھی استفادہ کیا جائے، اور پھر ان فتاویٰ کی روشنی میں کوئی فیصلہ کیا جائے، لہٰذا آپ سے بھی گزارش ہے کہ مندرجہ بالا صورت میں شرعی حکم کیا ہے؟

۱- کیا دو طلاقیں صرف واقع ہوئی ہیں اور مرد رجوع کرکے بیوی کو رکھ سکتا ہے؟

۲- یا تین طلاقیں واقع ہوئی ہیں اور حرمتِ مغلظہ ثابت ہوئی ہے؟

۳- اگر وہ مرد قسم کھا کر کہے کہ میں نے صرف دو طلاقیں دی ہیں تو اس سے حلف کا اعتبار کرکے اس کا قول معتبر قرار دیا جائے گا یا نہیں؟

۴- ظاہر ہے کہ گواہ تو بالکل موجود نہیں، تو اس صورت میں قضاءً و دیانةً حکم ایک ہے یا مختلف؟

۵- عورت اس حکم پر عمل کرے گی جو قضاءً ہے یا اس پر جو دیانةً ہے؟ ایک مفتی اس کو کیا مسئلہ بتائے گا؟

۶- فقہائے کرام جو عموماً "المرأة کالقاضي" لکھتے ہیں، اس سے یہ مراد ہے کہ ایسی صورت میں قضاءً جو حکم ہوسکتا ہے عورت بھی اس حکم پر عمل کرے گی یا اس عبارت کا مطلب کچھ اور ہے؟

۷- جس عالم کو دونوں نے اس معاملے میں فیصلہ دینے کا اختیار دیا ہے، اس کی حیثیت حکم اور قاضی کی ہے اور وہ قضاءً فیصلہ دے گا یا اس کی حیثیت ایک مفتی کی ہے اور وہ دونوں کو وہ فیصلہ سنادے جو دیانةً حکمِ شرعی ہے؟ اس مسئلے کے سارے پہلوؤں پر غور فرماکر کتبِ فقہ کے مفصل حوالے

دلائل کی روشنی میں اس عالمِ دین کو پوری جرأت کے ساتھ فیصلہ کرنے کا موقع دے اور وہ عند اللہ ماخوذ نہ ہو۔

سائل:- (حضرت مولانا) سیّد سیاح الدین کاکاخیل
(مدرسہ اشاعت العلوم گھنٹہ گھر کچہری بازار فیصل آباد)

لڑکی کا بیان

میرے شوہر نے ایک دفعہ مجھے اپنے گھر میں کہا ”جا میں نے تجھے طلاق دی“، اس پر میں نے ان سے کہا آپ یہ لفظ کیوں استعمال کرتے ہیں، اور بہت سے الفاظ ہیں، اس کے علاوہ استعمال نہ کریں، چند چھ دنوں کے بعد یہ مجھ سے روٹھ گئے ہیں یعنی خود میں نے ان کو بلایا، دوسری بار انہوں نے مجھے کمرہ میں کہا ”جا تجھے میں نے طلاق دی“ صرف تمہارے والد کا انتظار کرتا ہوں، جب وہ آجائیں گے تو تم ان کے ساتھ چلی جانا، مجھے تمہاری ضرورت نہیں، اگر ابھی جانا چاہو تو ابھی چلی جاؤ، میں سیٹ بک کروا دیتا ہوں، تم اکیلی جاؤ، میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ اس کے بعد جہاز میں ناراض ہوگئے اور مجھے بہت نامناسب باتیں کہہ دیں، میں نے کہا کچھ سوچ کر الفاظ نکالیں تو کہنے لگے کیوں کیا ہوا، میں نے سب کچھ سوچ لیا ہے۔ ”جا میں نے تجھے طلاق دی ہے، جا میں نے تجھے طلاق دی، جا میں نے تجھے طلاق دی تین“ یعنی ساتھ کئی بھی کہتے رہے، لہٰذا میں خاموش ہوگئی یہ سوچ کر کہ جہاز میں سب کچھ والدین سے کہہ دوں گی، اور ساتھ یہ بھی سوچتی تھی کہ والد کی وفات کا تازہ صدمہ ان کو پہنچا ہے اب یہ دوسرا صدمہ کس طرح برداشت کریں گے؟ اس کے بعد راستے میں مجھے بڑی تاکید کی کہ دیکھنا جو تم نے کوئی بات اپنے والدین سے کی یعنی جو کچھ میں نے جہاز میں کہا ہے۔ میں اس کی بات سے ڈر گئی، گھر جاکر کسی سے کوئی بات نہیں کی، امی جان کو دو تین روز بعد یہ قصہ سنایا، وہ اس وقت جب یہ مجھ سے دوبارہ جھگڑنے لگے اور ساتھ ہی مجھے یہ بھی تاکید کی کہ ابا جان کو نہ بتانا ورنہ اچھا نہ ہوگا، میں نے امی جان کو تو بتادیا مگر یہ تاکید کی کہ ابا جان کو نہ بتانا کیونکہ ان کی طبیعت سخت ہے اس سے فتنہ پیدا ہوگا۔ مجھے اس وقت علم نہیں تھا کہ اس طرح طلاق دینے سے طلاق ہوجاتی ہے، میں تو یہ سمجھتی تھی کہ طلاق تو وہ ہوتی ہے جو گواہوں کے سامنے ہو اور لکھ کر دی جائے۔ پانچ ماہ گزرنے کے بعد مجھے صحیح مسئلے کا پتہ چلا تو میں نے امی جان کو کہا کہ اب وہ سارا واقعہ ابا جان کو بتادیں تاکہ وہ مفتی صاحب سے صحیح فیصلہ کرائیں، اس کے بعد رات کو خود میں نے اپنے شوہر سے پوچھا کہ آپ نے مجھے جہاز میں تین طلاق دی تھی، تو کہنے لگے کیوں پوچھتی ہو؟ میں نے کہا آپ میری بات کا جواب دیں پھر میں بتاؤں گی۔ لہٰذا انہوں نے کہا کہ ”ہاں“ یعنی تین بار طلاق دی تھی، میں نے کہا اب میرا

آپ کے پاس رہنا جائز ہے، کل مفتی صاحب آپ کو صحیح فیصلہ بتادیں گے۔ جب مفتی صاحب نے پوچھا تو انہوں نے انکار کردیا اور کہا کہ میں نے تو صرف دو بار کہا ہے حالانکہ رات میں نے تصدیق کردی تھی، اس کے بعد میں نے ان سے کہا کہ آپ نے مفتی صاحب کے سامنے جھوٹ بول دیا، کہنے لگے آپ کی بات کو چھوڑو، لوگ تو ایسی باتیں چھپاتے ہیں اور تم خواہ مخواہ بتا رہی ہو۔ میں نے کہا جہاں تک میرا تعلق ہے دنیوی معاملات ہوتے تو میں چھپا سکتی ہوں لیکن یہ تو اللہ کا حکم ہے، اس کو میں کسی صورت میں نہیں چھپاؤں گی، لہٰذا آپ کو بھی اقرار کرنا ہوگا۔ مجھ سے میرے والدین اور بھائی بہنوں کا وعدہ لینے لگے کہ مفتی صاحب کے سامنے بھی دو بار کہو، میں نہیں مانی، تیسرے دن مجھ سے کہنے لگے خدا کی قسم تجھے انگلی بھی نہیں لگاؤں گا، بس میرے ساتھ بولنا چالنا، تعلق کی رکھو یہ ختم نہ کرنا۔ میں نے تین بار کہا ہے۔ میں نے کہا کہ میرا آپ سے بولنا بھی حرام ہے، کیونکہ آپ نے تین بار کہا ہے۔ پھر کہنے لگے تم جھوٹی ہو، میں نے تمہارے سامنے اقرار نہیں کیا۔ میں نے کہا کہ پچھلی رات کی بات ہے، خدا سے ڈریں آخرت کو سوچیں۔ کہنے لگے اچھا اگر یہ بات ہے تو میں اپنے ۲ سال کے لڑکے کو لے کر چلا جاؤں گا، لیکن اس بات کا بھی اعتراف نہیں کروں گا، تم چاہتی ہو کہ میں دنیا کے سامنے ذلیل ہو جاؤں۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ انہوں نے تین دفعہ مجھے جہاز میں کہا ہے، اب یہ جھوٹی قسم کھاتے ہیں کہ میں نے دو دفعہ کہا ہے، یہ جھوٹی قسمیں بہت کھاتے ہیں۔ واللہ شہید علی ما اکتب وھو علی کل شیء شہید۔

لڑکے کا بیان

جو کچھ میں کہہ رہا ہوں وہ خدا کو حاضر ناظر جان کر کہہ رہا ہوں، جہاز چڑھتے وقت میری بیوی نے پردہ نہیں کیا تھا، جہاز میں بیٹھتے ہی میں نے اسے پردے کے لئے کہا، معلوم نہیں اس نے سنا یا نہیں، دوبارہ میں نے کچھ کہا تو اس نے کہا "اچھا" "اچھا" اس طرح کہا کہ مجھے برا لگا، لیکن تھوڑی دیر بعد پھر میں نے تیسری بار پردے کے لئے کہا، اس نے پردہ تو کیا مگر غصے سے اور عجیب طرح کیا، اس پر مجھے غصہ آگیا، اس وقت میں نے اسے کہا "تو پھر جاؤ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" دوبارہ پھر تھوڑی دیر کے بعد میں نے دوسری بار کہا "جاؤ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" اس کے بعد میں چپ ہوگیا اور دل میں کہہ رہا تھا کہ اے اللہ جو میں نے غصے کی حالت میں کہا ہے اس کو نہیں چاہتا تھا بیٹھے بیٹھے بھی دو دفعہ کہا تھا، کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ اگر تیسری بار کہہ دیتا تو یقیناً طلاق ہوجاتی تھی، اس لئے دو دفعہ کے بعد چپ ہوگیا تھا، لیکن بعد میں کچھ اور باتیں ادھر ادھر غصے میں ہوتی رہیں، لہٰذا میں قسم کھا کر کہتا ہوں میں نے دو دفعہ کہا ہے وہ بھی دل سے نہیں کہا۔

اس واقعے سے قبل ایک دفعہ "تو تو میں میں" آپس میں ہوئی تھی تو اس وقت میں نے اپنی بیوی کو یہ کہا تھا کہ اگر تم میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو تو مجھ سے طلاق لے لو، جاؤ طلاق لے لو، تو میں نے ویسے کہا تھا، دل سے نہیں کہا تھا، لہذا اس وقت تھوڑی دیر کے بعد ہم آپس میں بالکل ٹھیک ہوگئے تھے، میں پھر عرض کرتا ہوں جھگڑے کے سوا کہنے کا ارادہ رکھتا ہوں اور دعا کریں، اللہ تعالیٰ ہمیں ہمیشہ آپس میں اتفاق سے رہنے کی توفیق دے، آمین۔

جناب میں بھی بتا دوں کہ اب تقریباً چھ ماہ گزر گئے ہیں، بالکل ٹھیک ٹھاک اور خوشی رہ رہے تھے، معلوم نہیں یہ بات ہوئی جو اس نے ایسا کہنا شروع کر دیا کہ مجھے تین دفعہ کہا ہے، لیکن میں کہتا ہوں میں نے دو دفعہ کہا ہے، آپ ہی اس مسئلے کو طے کریں۔

جواب - صورت مسئولہ میں پہلا قابل غور مسئلہ یہ ہے کہ شوہر نے جھگڑے کے واقعے سے قبل اپنی بیوی سے جو یہ کہا کہ "اگر تم میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتی ہو تو مجھ سے طلاق لے لو، جاؤ طلاق لے لو" اس سے طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ بظاہر تو یہ جملہ عربی کے جملے "خذی طلاقک فقالت أخذت" اختلف في اشتراط النية وصحح الوقوع بلا اشتراطها اهـ وظاهره انه لا يقع حتى تقول المرأة "أخذت" ويكون تفويضا وظاهر ما قدمناه عن الخانية خلافه وفي البزازية معزيا الى فتاوى صدر الاسلام والقاضي لا يحتاج الى قولها أخذت. البحر الرائق ج ٣ ص ٢٧٠.

علامہ شامیؒ نے بحر کی اس عبارت سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ:-

ومنه خذی طلاقک فقالت أخذت فقد صحح الوقوع به بلا اشتراط نية كما في الفتح وكذا لا يشترط قولها أخذت كما في البحر. شامی ج ٣ ص ٢٣٠ باب الصريح تحت قول الدر وما بمعناها من الصريح).(٢)

لیکن جس سیاق میں شوہر نے مذکورہ جملہ کہا ہے، اس کے پیش نظر اس میں اور عربی جملے "خذی طلاقک" میں فرق ہے، اور وہ فرق یہ ہے کہ اردو محاورے میں مذکورہ جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں، ایک یہ کہ "جب تم میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں تو پھر میں تمہیں طلاق دیتا ہوں، طلاق لے لو" اور دوسرا مطلب اردو محاورے میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ "جب تم میرے ساتھ رہنا نہیں چاہتیں تو پھر مجھ سے طلاق لے لو" یعنی مجھ سے طلاق طلب کر لو، اردو محاورے کے لحاظ سے مذکورہ جملے میں

---

(١) باب الطلاق الصريح طبع دار المعرفة بيروت وفي طبع مكتبة سعيد كراتشي ج ٣ ص ٢٥٥ وكذا في الشامية ج ٣ ص ٢٤٨ (طبع سعيد)

(٢) رد المحتار ج ٣ ص ٢٤٨ (طبع سعيد)

بعض معنی کا پیش ہونا ممکن ہے، اس کے برخلاف "أحدي طلاقك" میں عربی محاورے کی رو سے دوسرا احتمال نہیں، لہٰذا وہ پہلے معنی پر صریح ہے، اسی لئے وہاں نیت کی ضرورت نہیں۔

اب اردو محاورے کے لحاظ سے اگر متکلم کی مراد پہلے معنی ہوں تب تو "احدی الطلاق" کے معنی میں ہوکر اس سے طلاق واقع ہوجانی چاہئے، لیکن اگر دوسرے معنی مراد ہوں تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، کیونکہ وہ طلاق کا ایقاع نہیں بلکہ بیوی کو اپنے آپ سے طلاق طلب کرنے کا امر ہے، اس صورت میں فقہ کے قریب تر جزئیات یہ ہیں:-

امرأة طلبت الطلاق من زوجها فقال لها "الطلاق [illegible]" لا يقع، ويكون هذا تفويض الطلاق اليها، وان نوى يقع. (عالمگيرية ج:۱ ص:۳۸۲)[1].

رجل دعا امرأته الى الفراش فأبت، فقال لها اخرجي من عندي، فقالت طلقني حتى اذهب، فقال الزوج "اگر از روئے تو چنین است چنین گیر" فلم تقل شيئا وقامت، لا تطلق، كذا في المحيط. (عالمگيرية ج:۱ ص:۳۸۲)[2].

اور جب شوہر کے مذکورہ جملے میں دونوں کا احتمال ہے تو کسی ایک معنی کی تعیین میں اس کا قول معتبر ہوگا، لہٰذا وہ جو ان الفاظ کا "ماضی اور مستقبل کا ارادہ" بتاتا ہے، اگر وہ اس پر حلف دے کہ میرا مقصد طلاق دینا نہ تھا، بلکہ بیوی کو طلاق کے مطالبے کا حکم دینا تھا، تو اس کا قول قضاءً معتبر ہوگا، اور ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

البتہ شوہر نے جھگڑے کے وقت میں جن الفاظ کے کہنے کا اقرار کیا ہے کہ "میں تو پھر جا رہا ہوں تمہیں طلاق دیتا ہوں" اور تھوڑی دیر بعد پھر کہا "جاؤ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" ان الفاظ سے دو رجعی طلاقیں واقع ہوگئیں۔

لیکن اس میں پیچیدگی یہ ہے کہ شوہر جھگڑے کے وقت میں صرف دو مرتبہ طلاق دینے کا اقرار کرتا ہے، اور عورت کا دعویٰ یہ ہے کہ اس نے اس وقت تین مرتبہ طلاق دی ہے، بلکہ بعد میں تنہائی کے وقت ان تین طلاقوں کا اقرار بھی کیا تھا، اور یہ بھی کہا ہے کہ مفتی کے سامنے میں نے اصل واقعہ چھپانے کے لئے صرف دو طلاقوں کا اقرار کیا ہے، اب اگر عورت کے پاس ان باتوں کے گواہ موجود ہوتے تب تو اس کے لئے اپنا دعویٰ ثابت کرنا ممکن تھا، لیکن چونکہ اس کے پاس گواہ موجود نہیں ہیں اور یہ ساری باتیں تنہائی میں ہوئی ہیں، اس لئے ایسی صورت میں جب قاضی کے پاس معاملہ جائے گا تو وہ شوہر سے حلف کروائے گا، اور اگر اس نے اس بات پر حلف کرلیا کہ اس نے دو سے زیادہ

(۱، ۲) طبع رشیدیہ کوئٹہ

طلاقیں نہیں دیں، تو قضاءً اس کے حق میں فیصلہ ہو جائے گا، لیکن عورت نے چونکہ اپنے کانوں سے تین طلاقیں سنی ہیں، اس لئے اس کے حق میں یہ جائز نہیں ہے کہ وہ مرد کو مقاربت کا موقع دے، اور اس کی عملی تفصیل یہ ہے کہ اگر جھگڑے کے واقعے کے بعد (جس میں شوہر نے دو طلاقیں دینے کا اقرار کیا ہے) عدت گزرنے تک شوہر نے زبانی یا عملی رجوع نہیں کیا، تب تو وہ عدت گزرتے ہی شوہر کے نکاح سے نکل گئی، اب اس عورت کے لئے حلالہ کے بغیر اس مرد سے دوبارہ نکاح کرنا جائز نہیں ہوگا، اور شوہر قضاءً بھی اسے نکاح ثانی پر مجبور نہیں کر سکتا، ہاں اگر شوہر نے جھگڑے والے واقعے کے بعد عدت گزرنے سے پہلے پہلے زبانی یا عملی رجوع کر لیا تھا تو اس صورت میں وہ قضاءً بیوی کو اپنے پاس رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ لیکن ایسی صورت میں عورت کو یہ چاہئے کہ اول تو وہ شوہر کو خدا کا خوف دلائے اور عذاب آخرت سے ڈرا کر اسے اس بات پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے کہ وہ غلط بیانی کر کے ساری عمر حرام کاری میں مبتلا ہونے کے بجائے یا تو تیسری طلاق کا اقرار کرے، یا کم از کم عورت کو علیحدہ کر دے، اور اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہو تو اس کا مہر معاف کر کے یا روپیہ دے کر اس سے اپنی جان چھڑا لے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ وہ اس کا گھر چھوڑ کر اپنے ماں باپ کے یہاں رہنے لگے، اور ہر ممکن طریقے پر اس کو مقاربت سے باز رکھے، اور اگر زیادہ عرصہ اس طرح رہنا ممکن نہ ہو تو دیانۃً اس کی بھی گنجائش ہے کہ وہ عدت کا زمانہ گزرنے کے بعد اس کی غیر موجودگی یا لاعلمی میں دوسرا نکاح کرے، اور جب دوسرا شوہر طلاق دیدے تو اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر کے پاس چلی جائے اور اس سے یہ کہہ کر تجدید نکاح کا مطالبہ کرے کہ مجھے پچھلے نکاح میں شبہ پیش آ گیا ہے اس لئے میں دوبارہ عقد کرنا چاہتی ہوں (كما في العبارة الاولى والثانية)۔

اور اگر ان میں سے کسی بات پر عمل کرنا عورت کے لئے ممکن نہ ہو تو چونکہ عورت مجبور ہے، اور قاضی کے پاس شوہر کے حلف کر لینے کے بعد قاضی نے شوہر کے حق میں فیصلہ کر دیا ہے، اس لئے اگر وہ شوہر سے کسی طرح جان چھڑانے پر قادر نہ ہو تو سارا گناہ مرد پر ہوگا، اور عورت عند اللہ معذور سمجھی جائے گی (كما في العبارة الثالثة) بشرطیکہ اس نے جان چھڑانے کی تمام ممکن تدبیریں اختیار کر لی ہوں، اور جان نہ چھڑا سکی ہو (كما في العبارة الرابعة)، اس سلسلے میں فقہاء کی عبارات درج ذیل ہیں

---

(۱) [illegible]

فلیتامل واللہ اعلم۔ (حاشیہ از حضرت والا دامت برکاتہم)

۱:- البحر الرائق میں ہے:-

ولهذا قالوا لو طلقها ثلاثا وأنكر لها أن تتزوج بآخر وتحلل نفسها سرًا منه إذا غاب في سفر، فإذا رجع التمست منه تجديد النكاح لشك خالج قلبها، لا لإنكار الزوج النكاح. وقد ذكر في القنية خلافا، فرقم للأصل بأنها إن قدرت على الهروب منه لم يسعها أن تعتد وتتزوج بآخر لأنها في حكم زوجة الأول قبل القضاء بالفرقة ثم رمز شمس الأئمة الأوزجندي وقال: فلو هذا في القضاء ولها ذلك ديانة. وكذلك إن سمعته طلقها ثلاثا ثم جحد وحلف أنه لم يفعل وردها القاضي عليه لم يسعها المقام معه ولم يسعها أن تتزوج بغيره أيضا. قال يعني البديع والحاصل أنه على جواب شمس الإسلام الأوزجندي ونجم الدين النسفي والسيد أبي شجاع وأبي حامد والسرخسي يحل لها أن تتزوج بزوج آخر فيما بينها وبين الله تعالى وعلى جواب الباقين لا يحل . . . حلف بثلاثة فظن أنه لم يحنث وعلمت الحنث وظنت أنه لو أخبرته ينكر اليمين فإذا غاب عنها بسبب من الأسباب فلها التحلل ديانة لا قضاء. قال عمر النسفي سألت عنها السيد أبا شجاع فكتب أنه يجوز، ثم سألته بعد مدة، فقال إنه لا يجوز، والظاهر أنه إنما أجاب في امرأة لا يوثق بها. (البحر الرائق ج ۴ ص ۵۷، ۵۸، فصل فيما تحلّ به المطلقة)[1]

۲:- وفي التاتارخانية -

وسئل الشيخ الامام أبو القاسم عن امرأة سمعت من زوجها أنّه طلقها ثلثًا ولا تقدر أن تمنع نفسها منه هل يسعها أن تقتله؟ قال: لها أن تقتله في الوقت الذي يريد أن يقربها ولا تقدر على منعه إلا بالقتل، وهكذا كان فتوى شيخ الإسلام أبي الحسن عطاء بن حمزة والإمام أبي شجاع، وكان القاضي الإمام الإسبيجابي يقول ليس لها أن تقتله وفي الملتقط وعليه الفتوى. (أيضًا ص ۵۸).[2]

۳- فتاوی بزازیہ میں ہے:-[3]

سمعت بطلاق زوجها إياها ثلثا ولا تقدر على منعه إلا بقتله إن علمت أنه يقربها تقتله بالدواء، ولا تقتل نفسها، وذكر الأوزجندي رحمه الله أنها ترفع الأمر إلى القاضي، فإن لم تكن لها بينة تحلفه، فإن حلف فالإثم عليه . . . وفي نوازل . . . حرمت عليه بثلث ويمسكها

(۱) طبع مكتبه رشيديه كوئٹه

(۲) التاتارخانية ج ۳ ص ۲۰۹ (طبع إدارة القرآن كراچى) وكذا في البحر الرائق ج ۴ ص ۵۸، طبع رشيديه كوئٹه)

(۳) فتاوى بزازية على هامش الهنديه ج ۴ ص ۲۶۰، ۲۶۱ (طبع رشيديه كوئٹه)

يباح لها أن تتزوج بآخر من غير علم الزوج، ولا تطلق له. وقال الامام صاحب النظم (الناسع في الحظر والاباحة من الطلاق).

۴:- علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:-

والفتوى على أنه ليس لها قتله ولا تقتل نفسها، بل تفدي نفسها بمال أو تهرب وفي البزازية عن الأوزجندي أنها ترفع الأمر للقاضي، فإن حلف ولا بينة لها فالإثم عليه اهـ قلت أي إذا لم تقدر على الفداء أو الهرب ولا على منعه عنها، فلا ينافي ما قبله (شامي ج ۲ ص: ۴۳۲ باب الصّريح تحت قوله ولو صرح به ديّن فقط).(۱)

مذکورہ بالا تفصیل سے جناب کے سوالات میں سے نمبر ۳ تا نمبر ۴ کا جواب ہو گیا، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر مرد اس بات پر حلف کر لیتا ہے کہ اس نے دو سے زیادہ طلاقیں نہیں دیں، تو قضاءً دو ہی طلاقیں واقع ہوں گی، البتہ عورت کے حق میں دیانۃً تین طلاقیں ہو چکی ہیں۔

اب باقی سوالات کا جواب درج ذیل ہے:-

۵- عورت دیانت کے حکم پر عمل کرے گی، اور مفتی اس کو دیانت ہی کا حکم بتائے گا جو اوپر تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے، مفتی کا اصل منصب دیانت ہی کا حکم بتانا ہے، البتہ فقہائے متأخرین نے جب یہ دیکھا کہ قاضیوں میں جہالت عام ہو چکی ہے تو انہوں نے یہ حکم دیا کہ مفتی دیانت کے حکم کے ساتھ قضاء کا حکم بھی ضرور لکھنا چاہئے، علامہ شامیؒ لکھتے ہیں -

لكن يكتب (المفتي) يدين ولا يصدق قضاءً لأن القضاء تابع للفتوى في زماننا لجهل القضاة، فربما ظن القاضي أنه يصدق قضاءً أيضًا (رد المحتار كتاب الحظر والاباحة)(۲)

نیز تنقیح الحامدیہ میں ہے:-

المراد من قولهم يدين ديانة لا قضاء أنه إذا استفتى فقيهًا يجيبه على وفق ما نوى، ولكن القاضي يحكم عليه بوفق كلامه ولا يلتفت إلى نيته إذا كان فيما نوى تخفيف عليه جرى العرف في زماننا أن المفتي لا يكتب للمستفتي ما يدين به بل يجيبه عنه باللسان فقط لئلا يحكم له القاضي لغلبة الجهل على قضاة زماننا (تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۳)(۳)

۶- فقہائے کرام کے مقولے "المرأة كالقاضي"(۴) کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہر حال میں

---

(۱) شامية ج ۳ ص ۲۵۱ (طبع ایچ ایم سعید)
(۲) ج ۶ ص: ۴۲۱ (طبع ایچ ایم سعید)
(۳) (طبع دار المعرفة بيروت).
(۴) رد المحتار مطلب في قول البحر ان الصريح يحتاج في وقوعه ديانة الى النية ج ۳ ص ۲۵۰ طبع سعيد

کے حکم پر عمل کرے گی، جو قضاءً معتبر ہو، چنانچہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح قاضی کا یہ فریضہ ہے کہ وہ الفاظ کے ظاہری اور متبادر معنی و مفہوم پر عمل کرے، اور خلاف ظاہر نیت کا اعتبار نہ کرے، اسی طرح عورت کا فرض بھی یہی ہے کہ وہ اپنے شوہر کے الفاظ کے ظاہر پر جائے، اس کی خلاف ظاہر نیت پر اعتماد نہ کرے، لہٰذا زیر بحث مسئلے میں "المرأة کالقاضی" کا مطلب یہ ہوا کہ اگر قاضی نے خود اپنے کانوں سے شوہر کو تین طلاقیں دیتے ہوئے سنا ہوتا تو وہ اپنے علم کے مطابق فیصلہ کرتا، اور تین طلاقیں نافذ کر دیتا، اسی طرح عورت چونکہ خود بغیر کسی شک کے تین طلاقوں کے الفاظ سن چکی ہے، اس لئے اس کے لئے تین طلاقوں ہی کے حکم پر عمل کرنا لازم ہے قاضی نے خواہ کچھ فیصلہ کیا ہو۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ "المرأة کالقاضی" کوئی مستقل قاعدہ نہیں ہے، بلکہ فقہائے کرام یہ جملہ ایسے ہی مواقع پر ذکر فرماتے ہیں جہاں شوہر اپنے الفاظ کے ظاہری مفہوم کے خلاف کسی دوسرے معنی کی نیت کا دعویٰ کرتا ہے، ایسے مواقع پر فقہاء کہتے ہیں کہ عدالتی فیصلہ اس کے ظاہری الفاظ پر ہوگا، نیت قضاءً معتبر نہ ہوگی، اور اس معاملے میں عورت کا حکم قاضی جیسا ہے کہ اگر اس نے خود وہ الفاظ سنے ہوں یا اس کو ان کا یقینی علم ہو گیا ہو تو وہ ظاہر پر عمل کرے گی شوہر کی نیت پر نہیں، چند عبارات درج ملاحظہ ہوں:-

(الف)... اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو "انت طالق" کہے اور یہ دعویٰ کرے کہ میرا مقصد طلاق دینا نہیں تھا بلکہ قید سے آزاد ہونا تھا، تو اس کے بارے میں علامہ [illegible] لکھتے ہیں:-

ویدین فی الوثاق والقید ویقع قضاء، الا ان یکون مکرها، والمرأة کالقاضی اذا سمعته او اخبرها عدل لا یحل لها تمکینه، هکذا اقتصر الشارحون وذکر فی البزازیة وذکر الاوزجندی انها ترفع الامر الی القاضی فان لم یکن لها بینة تحلفه فان حلف فالاثم علیه اهـ ولا فرق فی البائن بین الواحدة والثلاث. (البحر الرائق ج ۳ ص ۲۷۳ طبع دار المعرفة، بیروت، باب الطلاق الصریح تحت قوله: ویقع واحدة رجعیة وان نوی الاکثر ...الخ)

[illegible] نہیں ہے۔ (شامی ج ۲ ص ۳۵۵) (۱) (حاشیہ از حضرت والد دامت برکاتہم)

---

(۱) وفی [illegible] طبع سعید [illegible]

(۲) وفی طبع مکتبة سعد کراتشی ج ۳ ص ۲۵۷ (محمد زبیر حق نواز)

ب:- یہی مسئلہ علامہ فخر الدین زیلعیؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے:-

ولو قال لها أنت طالق ونوى به الطلاق عن وثاق لم يصدق قضاء، ويدين فيما بينه وبين الله تعالى، لأنه خلاف الظاهر، والمرأة كالقاضي، لا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك أو شهد به شاهد عدل عندها (زيلعي شرح كنز ج ۲ ص ۱۹۸ باب الطلاق)[1]

علامہ شامیؒ نے بھی "المرأة كالقاضي" کا جملہ اس مسئلے میں ذکر فرمایا ہے۔ (شامی ج ۲ ص:۴۳۲ باب الصریح)[2]

ج:- اسی طرح اگر کوئی شخص تین مرتبہ لفظ طلاق استعمال کرے اور یہ دعویٰ کرے کہ میری نیت تاکید کی تھی، نہ کہ تاسیس کی، تو اس کے بارے میں یہ مسئلہ مشہور ہے کہ دیانۃً اس کی تصدیق کی جائے گی لیکن قضاءً نہیں، اس کے بارے میں علامہ حامد آفندیؒ نے جو کچھ لکھا ہے اس سے "المرأة كالقاضي" کا مذکورہ بالا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے:-

لا يصدق في ذلك قضاء، لأن القاضي مأمور باتباع الظاهر والله يتولى السرائر. وقال في الحاوية: لو قال أنت طالق، أنت طالق، أنت طالق، وقال أردت به التكرار صدق ديانة، وفي القضاء طلقت ثلاثا اهـ ومثله في الأشباه والحدادي، وزاد الزيلعي أن المرأة كالقاضي، فلا يحل لها أن تمكنه إذا سمعت منه ذلك أو علمت به، لأنها لا تعلم إلا الظاهر (تنقيح الحامدية ج:۱ ص:۳۷ كتاب الطلاق)[3]

اس سے واضح ہوگیا کہ قاضی سے عورت کی تشبیہ من کل الوجوہ نہیں، بلکہ حکم بالظاہر کے معاملے میں ہے۔

د:- اسی طرح اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے یہ کہے کہ "أنت علي كظهر أمي" اور یہ دعویٰ کرے کہ میرا مقصد ماضی کی جھوٹی خبر دینا تھا، تو اس کے بارے میں فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:-

لو قال لامرأته أنت عليّ كظهر أمي كان مظاهرا ... ولو قال أردت به الإخبار عما مضى كذبا لا يصدق في القضاء، ولا يسع المرأة أن تصدقه كما لا يسع القاضي ويصدق فيما بينه وبين الله تعالى. (عالمگيرية ج ۱ ص:۵۰۷ باب الظهار)[4]

---

(۱) تبيين الحقائق ج ۳ ص ۳۰ (طبع دار الكتب العلمية، بيروت)

(۲) شامية ج ۳ ص:۲۵۱ (طبع ايچ ايم سعيد).

(۳) تنقيح الحامدية ج ۱ ص ۳۶ و ۳۷ (طبع مكتبه رشيديه كوئٹه)

(۴) (طبع رشيديه كوئٹه)

ان تمام عبارتوں سے "المرأة کالقاضی" کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے کہ عورت نے اپنے شوہر سے جو کچھ خود سنا ہو اس کے مطابق عمل کرنا اس پر واجب ہے، خواہ معاملہ قاضی کے پاس پہنچا ہو یا نہ پہنچا ہو، اور مطلب یہ نہیں ہے کہ اگر قاضی نے بینہ کے فقدان کی بنا پر کوئی فیصلہ شوہر کے حق میں کر دیا تو عورت بھی اس پر عمل کرے، خواہ اس نے خود شوہر سے اس کے خلاف الفاظ سن رکھے ہوں، کیونکہ اگر "المرأة کالقاضی" کا مطلب یہ ہوتا تو تلفظ طلاق میں زوجین کے اختلاف کی صورت میں فقہاء یہ نہ فرماتے کہ قضاءً طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن عورت پر واجب ہے کہ اس سے علیحدہ رہے، اس مسئلے کی مفصل عبارتیں پیچھے گزر چکی ہیں۔

۲- طلاق کے تنازعات میں تحکیم جائز ہے، اور اس میں حکم کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے، لما فی معین الحکام: یجوز التحکیم فی الأموال والطلاق والعتق ... وینفذ حکم المحکم فی سائر المجتهدات نحو الکنایات والطلاق والعتاق وهو الصحیح، لکن شیوخ المذهب امتنعوا عن الفتوی بهذا لئلا یتجاسر العوام فیه (معین الحکام ص ۲۸ فصل نمبر ۸)۔[۱]

لہٰذا زوجین نے جس عالم کو حکم بنایا تھا وہ فیصلہ تو اسی حکم کے مطابق کرے گا جو قضاءً ثابت ہو، لیکن صورت مسئولہ میں وہ تو یہ کرے کہ شوہر کو خدا کا خوف دلا کر صحیح صحیح بیان دینے پر آمادہ کرے، اور جھوٹے حلف کا انجام، نیز مطلقہ کو بیوی بنا کر اپنے پاس رکھنے کا گناہ اسے بتائے، اس کے باوجود اگر وہ حلف کرے اور عورت کوئی بینہ پیش نہ کر سکے تو فیصلہ مرد کے حق میں دے، لیکن عورت کو بحیثیت مفتی دیانت کا مذکورہ بالا حکم بھی بتائے، چنانچہ اگر اسے عورت کی سچائی کا ذاتی طور پر گمان غالب ہو تو عورت کو مرد سے علیحدہ رہنے کی جو تدبیر بھی اس کے اختیار میں ہو اسے نجی طور سے تجویز کرے، اور اس معاملے میں نجی طور پر عورت کی پوری مدد کرے، چنانچہ درمختار میں ہے:-

وعن الامام ان علم القاضی فی طلاق وعتاق وغصب یثبت الحیلولة علی وجه الحسبة لا القضاء.[۲]

اس کے تحت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:-

قوله "یثبت الحیلولة" ای بأن یأمر بأن یحال بین المطلق وزوجته والمعتق وأمته او عبده والغاصب وما غصبه بأن یجعله تحت ید أمین الی ان یثبت ما علمه القاضی بوجه شرعی (قوله علی وجه الحسبة) ای الاحتساب وطلب الثواب لئلا یطأها الزوج او السید او الغاصب

(۱) مطبع حاجی عبدالغفار و پسران تاجران کتب ارگو بازار قندھار افغانستان
(۲) الدر المختار ج ۵ ص ۴۳۹ (طبع ایچ ایم سعید کمپنی)

(قوله لا القضاء) أي لا على طريق الحكم بالطلاق أو العتاق أو الغصب (رد المحتار ج ۴ ص ۳۵۵، ۳۵۲ باب كتاب القاضي الى القاضي، مطلب قضاء القاضي بعلمه)

الجواب صحیح

فلله درُّ المصيب كثّر الله تعالى امثاله

وزاده بسطةً في العلم والجسم

محمد رفیع عثمانی عفا اللہ عنہ

هذا ما ظهر لهذا العبد الضعيف

والله سبحانه وتعالىٰ اعلم

بالصواب واليه المرجع والماب

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱/۳/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۳۰۹/۲۸ ب)

الجواب صحیح

بندہ عبدالحلیم غفرلہٗ

الجواب صحیح

العبد منیب الرحمن

''میں نے تجھے چھوڑ دیا'' کے الفاظ تین مرتبہ کہنے کا حکم

سوال:- میں نے چھ سات ماہ قبل اپنی بیوی سے یہ الفاظ کہے تھے: ''میں نے تجھے چھوڑ دیا'' اور یہ الفاظ میں نے تقریباً دس بارہ دفعہ کہے تھے، اور وجہ اس کی ایک جھگڑا تھا جو میری بیوی اور میرے درمیان ہوا تھا، اس وقت نہ بیوی پاس موجود تھی اور نہ یہ الفاظ کہتے وقت بیوی کا نام لیا تھا، اس کے دو ماہ بعد بحکم والد صاحب میں نے اپنی بیوی سے ہم بستری کی، اور یہ الفاظ کہتے وقت میں نے طلاق کا نام یا لفظ بالکل نہیں کہا تھا۔

جواب:- ''میں نے اس کو چھوڑ دیا ہے'' یہ الفاظ اگر تین یا زائد مرتبہ کہہ دیئے ہیں تو آپ کی اہلیہ پر تین طلاق واقع ہو گئیں، اب وہ آپ پر بغیر حلالہ کے ہرگز حلال نہیں ہو سکتیں، اس واقعے کے بعد جو ہم بستری کی گئی وہ جائز نہیں تھی، اس پر توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔ لان الألفاظ المذكورة صريحة في الطّلاق في عرفنا فلا يحتاج الى النيةً وأما الضمير فيغني عن تسمية المرأة اذا كان مرجعهٗ معلومًا۔

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی بلند شہری

واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۴/۱۲/۱۳۸۷ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۵۹/۱۸ الف)

---

(۱) رد المحتار ج ۵ ص ۴۳۹ (طبع ایچ ایم سعید کمپنی)

(۲) [illegible]

''تجھے طلاق دے دیں گے'' الفاظ کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید کی اپنی اہلیہ سے کسی بات پر کچھ تلخ گفتگو ہوئی، بیوی نے اپنے شوہر سے کہا کہ تم مجھ سے کیا چاہتے ہو؟ زید نے کہا کہ ''ہم چلے جائیں گے اور تجھے طلاق دے دیں گے'' اور دو مرتبہ الفاظ کہے، اس پر اہلیہ خاموش ہوگئی، پھر زید اس کے بعد طلاق وغیرہ دیئے بغیر اپنے کام میں باہر کہیں چلا گیا، اب سوال یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ میں اس کی بیوی پر طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

جواب:- اگر سوال کا بیان صحیح ہے اور شوہر نے یہی الفاظ استعمال کئے ہیں کہ ''تجھے طلاق دے دیں گے'' تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوئی، وہ دونوں بدستور میاں بیوی ہیں، البتہ آئندہ طلاق کے الفاظ استعمال کرنے میں بڑی احتیاط لازم ہے، بعض صورتوں میں بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتی ہے، لہٰذا آئندہ کسی مستند عالمِ دین سے مشورہ کئے بغیر طلاق کا لفظ کبھی زبان سے نہ نکالیں۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۱/۴/۲۹ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۵۷۷ ب)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

امداد الفتاویٰ میں دو بیویوں کو طلاق دینے کے مسئلے میں درمختار کا جزئیہ ذکر کرنے میں تسامح ہے

سوال:- امداد الفتاویٰ مبوب ج ۲ ص ۳۵۰ میں ہے کہ خاوند نے اپنی دو بیویوں سے کہا تم کو دو طلاق ہے..... الخ۔

حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے جواب لکھا کہ ہر بیوی پر دو دو طلاقیں واقع ہوگئیں، اس جواب پر کسی عالم نے تنقید کی کہ اس جواب میں تسامح ہے، صحیح یہ ہے کہ تحریر کردہ جزئیہ کے تحت ہر ایک بیوی پر ایک طلاق واقع ہوگی۔ چنانچہ یہ تنقید بھی اسی صفحے پر طبع ہوئی ہے۔

مسئلہ بالا میں بندہ کی رائے یہ ہے کہ جواب اول صحیح ہے، لیکن اس جواب سے حضرت تھانویؒ نے جو جزئیہ نقل کیا ہے وہ جزئیہ صورتِ سوال پر منطبق نہیں، کیونکہ جزئیہ میں ''[illegible] طالقة وطالقان'' کے الفاظ ہیں اور صورتِ سوال میں یہ الفاظ نہیں ہیں، الفاظ جزئیہ کی وضاحت یہ ہے

(۱) حوالہ کے لئے ص ۳۲۵ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۵ ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد زبیر حق نواز)

ناقد نے تنقید کی ہے۔ اور ان الفاظ کے اعتبار سے یہ تنقید درست بھی ہے، لیکن صورتِ سوال کے لحاظ سے تنقید غلط ہے۔ غرض جواب اول اور تنقید دونوں میں فی الجملہ تسامح معلوم ہوتا ہے۔ گو صحیح جواب اوّل ہے۔

بندہ کے نزدیک صورتِ سوال پر منطبق اور اقرب جزئیہ ذیل ہے:-

ولو قال لأربع نسوة له انتن طوالق ثلثًا أو طلقتكن ثلثًا يقع على كل واحدة ثلث ولا ينقسم اهـ. (هندية ج:۲ ص:۵۳).[1]

کیا اس بنا پر صورتِ مسئولہ میں ہر بیوی پر دو دو طلاقیں واقع ہوں گی جیسا کہ آپ کی رائے ہے؟

سائل:- (مولانا مفتی) عبدالستار (صاحب مدظلہم)
(جامعہ خیر المدارس ملتان)

جواب:- مخدوم و مکرمی قدر، محترم دامت ظلہم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ باعثِ مسرت ہوا۔

امداد الفتاویٰ[2] میں طلاق کے جس مسئلے کے متعلق آپ نے تسامح کی نشاندہی فرمائی ہے، احقر کو آپ کی رائے سے اتفاق ہے، واقعۃً عالمگیریہ کا جزئیہ یہاں قابلِ انطباق ہے، درمختار کا جزئیہ یہاں منطبق نہیں ہوتا۔ دعاؤں کی درخواست۔

والسلام
احقر محمد تقی عثمانی
۱۴۰۳/۳/۲۰ھ
(فتویٰ نمبر ۳۴/۵۴۲ ب)

لفظ ''چھوڑ دیا'' طلاق صریح ہے یا کنایہ؟

(دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اور جامعہ دارالعلوم کراچی کا الگ الگ موقف)

سوال:- میں نے کہیں پڑھا تھا کہ لفظ ''چھوڑ دیا'' جب کوئی شخص اپنی بیوی کو بلانیتِ طلاق بھی کہہ دے تو طلاق وقوع پذیر ہو جاتی ہے، غالباً حضرت تھانوی کا دیا ہوا تھا، آپ کی رائے ہے'' مثلاً کسی شخص سے گھر کے کسی فرد نے پوچھا کہ تمہاری بیوی کہاں ہے؟'' تو اس نے کہا کہ ''میں نے اس کو میکے میں چھوڑ دیا ہے'' اس کا مطلب یہ تھا کہ ایک دو دن میکے ٹھہرے گی پھر واپس آجائے گی۔ مثلاً ایک گانا عموماً ریڈیو، ٹیلی ویژن پر گایا جاتا ہے جس کا مندرجہ ذیل شعر ہے

(۱) ج ۱ ص ۳۶۱ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)
(۲) ج ۲ ص ۴۰۴ سوال نمبر ۴۹۰۔

دل کا لگانا ہائے ہائے

دل کا لگانا ہم نے چھوڑ دیا، چھوڑ دیا

اب اگر کوئی شخص یہ گانا سنتے وقت خود بھی گانے لگے اور بیوی موجود اور بیوی بھی گانے لگے (ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر) گانا گانے والے گویے کے ساتھ ساتھ گانے لگ گئے، (طلاق کا خیال تک بھی میاں بیوی میں نہ ہو) تو کیا ایسی صورت میں چھوڑ دیا لفظ کو یقینی کنایہ مانا جائے گا؟ مثلاً بیوی نے خاوند سے کہا کہ مجھے چھوڑ دو، میں فلاں جگہ ماں کے ہاں جا رہی ہوں اور یہ کام ضروری ہے، تو خاوند نے کہہ دیا کہ "اچھا" یا کہہ دیا "چھوڑ دیا" لیکن نیت طلاق قطعاً نہ ہو، جبکہ پنجاب میں یہ عرف نہ تسلیم کیا جاتا ہو، کیونکہ حقیقۃً سنا ہے کیا ان صورتوں میں آپ بھی طلاق کا فتویٰ دیتے ہیں یا کہ چونکہ اب ایسا لفظ عرف عام بدل لفظ طلاق بالکل نہیں ہے خاص کر خطۂ پنجاب میں تو اس سے بلا نیت طلاق بالکل نہیں ہوتی ہے؟ مثلاً بیوی نے خاوند سے مذاق کے لئے شرارۃً صاف طور پر کہہ دیا خاوند نے کہہ دیا "چھوڑ دو" غصے سے بیوی نے کہہ دیا چھوڑو؟ (سوال صورت میں) تو خاوند نے کہہ دیا "ہاں" یا کہہ دیا "اچھا" یا کہہ دیا "چھوڑو" تو کیا ان صورتوں میں طلاق کا وقوع ہوتا ہے؟ مفتی محمود صاحب نے ایک دفعہ مجھے بتلایا کہ میرا خیال یہی ہے کہ اس لفظ کے استعمال سے بلا نیت طلاق بالکل واقع نہیں ہوتی ہے۔

میرا خیال ہے کہ چونکہ ہمارے ہاں خصوصاً پنجاب میں یہ لفظ "چھوڑ دیا" دونوں صورتوں یعنی طلاق اور دیگر مقاصد کے لئے (جبکہ طلاق کا خیال تک نہیں ہوتا ہے) استعمال کیا جاتا ہے یعنی کہ اسے تو بغیر کسی نیت کے بھی کہہ دیتے ہیں طلاق تک نہ ہو تو کیا آپ مذکورہ لفظ کے استعمال سے بلا نیت بھی طلاق کا حکم دیتے ہیں یا کہ نہیں؟

(جواب از مفتی محمد فرید مدظلہم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک)

جواب: واضح رہے کہ یہ لفظ "چھوڑ دیا" طلاق اور غیر طلاق دونوں میں کثرت سے استعمال ہوتا ہے قرائن کی وجہ سے کسی ایک کا تعین کیا جاتا ہے۔ پس بظاہر یہ لفظ "ترکتها" کی طرح کنایات سے ہوگا، جن میں نیت کے بغیر طلاق واقع نہیں ہوتی، نیز یہ لفظ اگر طلاق میں متعارف ہو تو طلاق بائن میں متعارف ہوگا۔ کل عرف کے نزدیک بینونت مراد لی جاتی ہے، و الصریح قد یقع به البائن کما فی رد المحتار ج ۲ ص ۴۳۹ والصریح لا یقع به الطلاق دیانةً عند عدم النیة کما فی رد

(۱) رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۲ (طبع سعید)

المختار ج ۲ ص ۵۹۳ نعم اذا كان عالماً فيقع طلاقه لكونه نوى رجعياً وللحديث المشهور فافهم۔

محمد فرید عفی عنہ
دار الافتاء دار العلوم حقانیہ، اکوڑہ خٹک ضلع پشاور
نمبر ۱۰۶۱۹

(جواب از حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم جامعہ دار العلوم کراچی)

جواب: اور اس سے زیادہ واضح مثال فارسی کے لفظ "بہشتم" اور "پسے شدہ کردم ترا" کی ہے، ظاہر ہے یہ الفاظ مختلف عقلی قرائن کے ساتھ دوسرے معنی میں بھی استعمال ہوتے تھے، اس کے باوجود فقہاء نے اس دور کے غالب استعمال کی بناء پر صریح قرار دیا، چنانچہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ولو قال الرجل لامرأته "ترا چنگ باز داشتم" او "بہشتم" او "پلہ کردم ترا" او "پائے کشادہ کردم ترا" فهذا كله تفسير قوله "طلقتك" عرفاً، حتى يكون رجعياً، ويقع بدون النية، كذا في الخلاصة، وكان الشيخ الامام ظهير الدين المرغيناني رحمه الله تعالى يفتي في قوله "بهشتم" بالوقوع بلا نية وبكون الواقع رجعياً ويفتي فيما سواها باشتراط النية... الخ (عالمگیریہ ج:۱ ص:۳۷۹ فصل الطلاق بألفاظ الفارسية)۔[1]

بعض اوقات دوسرے قرائن لفظیہ کے ساتھ لفظ "چھوڑ دیا" غیر طلاق کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس کے صریح ہونے کے منافی نہیں ہے، کیونکہ الفاظ صریحہ بھی دوسرے قرائن لفظیہ کی موجودگی میں غیر طلاق کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور ان سے طلاق واقع نہیں ہوتی، لہٰذا اس سے ان علماء کے خلاف حجت قائم نہیں ہوتی جو لفظ "چھوڑ دیا" کو صریح قرار دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ جو مثالیں آپ نے لکھی ہیں، ان میں کسی کے نزدیک بھی طلاق واقع نہیں ہوتی، کیونکہ وہاں غیر طلاق کے معنی کے صریح قرائن موجود ہیں، لیکن جب کوئی قرینہ اس کے خلاف موجود نہ ہو، اور کوئی شخص بیوی کو کہے کہ "میں نے تمہیں چھوڑ دیا" تو ظاہر ہے کہ اردو محاورے میں یہ صریح الفاظ ہیں، البتہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے "امداد المفتین" کے حاشیہ پر تحریر فرمایا ہے کہ "غرض اس میں علماء کا اختلاف ہے، سائل کو دیکھنا چاہئے جس پر زیادہ اعتماد ہو اس کے فتویٰ پر عمل کرنا چاہئے۔" (فتاویٰ دار العلوم دیوبند ج:۲ ص:۵۰۲)۔[2]

اور یہ ساری گفتگو اردو محاورے میں ہے، پنجاب کے عرف سے احقر کو علی وجہ البصیرۃ واقفیت نہیں ہے، اس میں پنجاب کے اہل فتویٰ سے رجوع کرکے عمل کرنا چاہئے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۷/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۵۶۹/۲۸ ب)

---

(۱) ج ۱ ص ۳۷۹ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)
(۲) ص ۲۱۲ (طبع دار الاشاعت کراچی)۔

فصل فی الطّلاق بالکنایات
(کنایاتِ طلاق کا بیان)

"جا اور شادی کر لے، میرا تیرے ساتھ کوئی واسطہ نہیں" الفاظ کا حکم

سوال:- ایک شوہر نے اپنی بیوی کو کہا کہ "تو جا اور شادی کر لے، میرا تیرے ساتھ کوئی واسطہ نہیں ہے" اس صورت حال میں شوہر سے پوچھا گیا کہ تو نے طلاق دی ہے، شوہر نے کہا کہ میں نے رنج کی وجہ سے کہا ہے، اس نے موقع پر ثبوت طلاق دینے کی نیت سے انکار نہیں کیا، تیرے مذکورہ الفاظ سے طلاق بائنہ ہو چکی ہے، اب میں تم سے غیر آدمی کی طرح ہوں تیرے نکاح دوبارہ کر سکتے ہیں، یہ کہہ کر اس ایک غیر آدمی کو گواہی کے طور پر سمجھا کر ایسا کہ تو طلاق کے بارے میں پوچھ، غیر آدمی نے شوہر سے پوچھا کہ تو نے طلاق دی ہے؟ شوہر نے کہا ہاں دی ہے، پھر کہا کس طرح کی دی ہے؟ شوہر چپ رہا، اس نے کہا کہ تو کہہ میں نے طلاق بائنہ دی ہے، پھر شوہر نے کہا کہ میں نے طلاق بائنہ دی ہے۔ اب اس صورت میں مذکورہ مسئلہ اور شوہر کے اقرار کے حکم شرعی سے مطلع فرمائیں۔

جواب:- صورت مسئولہ میں بیوی پر ایک طلاق بائن واقع ہوگئی، جس کا حکم یہ ہے کہ شوہر اور بیوی دونوں باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ "جا اور شادی کر لے" کے الفاظ کنایہ ہیں، جو محتمل رد و جواب ہیں، کما فی البحر ولو قال اذهبی فتزوجی، وقال لم انو الطلاق، لم یقع شیء لان معناه تزوجی ان امکنک وحل لک (البحر الرائق ج ۳ ص ۳۲۶)[۱]۔ اور صورت مسئولہ میں جب شوہر سے ان الفاظ کے ذریعہ طلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے نیت طلاق کی نفی نہیں کی، اور نہ کوئی ایسے معنی بتائے جن میں رد طلاق ہو جائے، بلکہ یہ کہا کہ "میں نے رنج کی وجہ سے کہا تھا" پھر جب اس سے کہا گیا کہ ان الفاظ سے

---

(۱) البحر الرائق باب الکنایات فی الطلاق ج ۳ ص ۳۰۲ طبع سعید وفی الهندیة کتاب الطلاق الفصل الخامس فی الکنایات ج ۱ ص ۳۷۶ طبع رشیدیة کوئٹہ ولو قال لها اذهبی فتزوجی تقع واحدة اذا نوی ... ج

ذریعہ طلاقِ بائن واقع ہوچکی ہے، تب بھی اس نے کوئی اور مفہوم واضح نہیں کیا، یہاں تک کہ خود صراحۃً اقرار بالطلاق کیا۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۰/۱۱/۳۰ھ
(فتویٰ نمبر ۶۲۰/۲۱ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

"مجھ کو تیری ضرورت نہیں، جا چلی جا" الفاظ کا حکم

سوال - ایک شخص کیمبل پور میں ہے اور اس کا داماد کراچی میں ملازم ہے، شخص مذکور نے اپنی لڑکی کو داماد کے پاس پہنچایا، چنانچہ میاں بیوی کچھ مدت تک اتفاق و سلوک سے رہے، لیکن بعد میں ناچاقی ہوگئی، نوبت یہاں تک پہنچی کہ لڑکی نے شوہر کو کہا کہ اگر تجھ کو میری ضرورت نہیں تو مجھ کو ماں باپ کے گھر بھیج دو۔ شوہر نے اس کو کہا کہ "مجھ کو تیری کوئی ضرورت نہیں، جا چلی جا" اور سب چیزیں اس سے لے لیں اور ایک برقعہ دے کر کہا کہ یہ تمہارا حق مہر ہے۔ اور مکان سے نکال کر تالا لگا دیا، لڑکی اپنے والد کے گھر پہنچ گئی، لڑکی کے والد نے چھ دنوں تک تو ناراضگی کی وجہ سے داماد کے پاس خط بھی نہیں بھیجا، چھ دنوں کے بعد خط بھیجا کہ عزیز! اپنی بیوی کو سنبھالو اور اگر نہیں سنبھال سکتے یا تجھ کو ضرورت نہیں تو چھوڑ دو، کیونکہ وقت نازک ہے اور ہم غریب آدمی ہیں، اس پر داماد نے لکھا کہ "آپ نے جو کچھ بندہ کی عزت کی ہے اور جو کچھ شادی کرنے سے آرام ملا ہے اور جو کچھ خدمت کی گئی ہے، یہ کافی ہے، اور اب بندہ کو ضرورت نہیں، اپنی لڑکی کو واپس لے لو، بندہ کو صبر کا موقع دیں، کیونکہ میں اس کے سنبھالنے سے معذور ہوں" اب لڑکا کہتا ہے کہ میں نے صریح طلاق نہیں دی اور طلاق سے انکار کر رہا ہے، تو کیا اس صورت میں طلاقِ بائن واقع نہیں ہوئی؟

جواب - صورتِ مسئولہ میں شوہر نے دو جملے استعمال کئے ہیں، ایک یہ کہ "مجھ کو تیری ضرورت نہیں" اور دوسرے "جا چلی جا" ان میں سے پہلے جملے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوتی، خواہ طلاق کی نیت کی ہو، لما فی الہندیۃ ولو قال لا حاجۃ لی فیک، ینوی الطلاق فلیس بطلاق (عالمگیریہ نولکشور ج ۲ ص ۸۵)۔ البتہ دوسرا جملہ یعنی "جا چلی جا" کنایاتِ طلاق میں سے

الفتاوی الہندیۃ الفصل الخامس فی الکنایات ج ۱ ص ۳۷۵ طبع رشیدیہ کوئٹہ۔ وفی بدائع الصنائع کتاب الطلاق ج ۳ ص ۱۰۷ طبع رشیدیہ کوئٹہ ولو قال لا حاجۃ لی فیک لا یقع الطلاق وان نوی لان عدم الحاجۃ لا یدل علی عدم الزوجیۃ فان الانسان قد یتزوج بمن لا حاجۃ لہ الیھا فلم یکن ذلک دلیلا علی النیۃ، لکنہ فلم یکن محتملا للطلاق الخ۔ وفی البحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۳ (طبع سعید) اذا قال لا حاجۃ لی فیک فانہ لا یقع وان نوی .... الخ

ہے، اور اس میں رد اور جواب دونوں کا احتمال ہے، اور حالت بھی مذاکرۂ طلاق کی، اس لئے بغیر نیت کے طلاق واقع نہیں ہوئی۔ لما فی العالمگیریۃ: وفی حالۃ مذاکرۃ الطلاق یقع الطلاق فی سائر الاقسام قضاءً الا فیما یصلح جوابًا وردًا فانہ لا یجعل طلاقًا کذا فی الکافی۔(۱)

اس لئے مذکورہ صورت میں دار ومدار شوہر کی نیت پر ہے، اگر اس نے "جا چلی جا" کہتے ہوئے طلاق کی نیت کی تھی تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی (۲)، اور اگر اس نے نیت طلاق کی نہیں کی تو طلاق واقع نہیں ہوئی، اور چونکہ اس معاملے میں شوہر کا قول قضاءً معتبر ہے، اس لئے اس کا نیت طلاق سے انکار بمع حلف معتبر ہوگا، شوہر کو چاہئے کہ وہ خدا و آخرت کو پیش نظر رکھ کر سچ سچ بتائے کہ اس کی نیت کیا تھی؟ اگر وہ پھر بھی اس بات پر قائم رہے کہ اس کی نیت طلاق دینے کی نہیں تھی تو پھر لڑکی بدستور اس کی منکوحہ ہے، اور اب اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے یا تو اس سے طلاق لینے یا خلع کرنے کی کوشش کی جائے، یا عدالت میں نان ونفقہ نہ دینے کی بناء پر فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا جائے، عدالت شوہر کو بلا کر اسے نان نفقہ دینے پر مجبور کرے، اگر وہ آمادہ نہ ہو یا حاضر عدالت ہونے سے انکار کرے تو عدالت نکاح فسخ کر سکتی ہے، اس کے بعد عدت گزار کر لڑکی دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔(۳)

واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۱/۵/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۶۹۰/۲۲ ب)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

"تو میری ماں بہن ہے" الفاظ کا حکم

سوال – مرد اپنی عورت کو ماں بہن کہے، یعنی یہ کہے کہ "تو میری ماں بہن ہے، اور میرے ساتھ نہیں جاتی اپنا گاؤں چھوڑ کر نہیں جاتی تو میری ماں اور بہن ہے۔" تو کیا مرد جیسے بیوی دو ماں خرچہ بند کیا، یعنی میں باہر جا رہا ہوں، اگر تم ساتھ نہیں چلتی۔ عورت نے کہا کہ میں نے گاؤں چھوڑ کر نہیں ساتھ جاؤں گی، اس پر شوہر نے کہا "تو میری ماں بہن ہے" اور یہ کہہ کر چلا گیا، اور میں نے شوہر سے پوچھا خط بھیج کر کہ "تو میری ماں بہن ہے" اس سے تمہاری کیا مراد ہے؟

جواب – "تو میری ماں بہن ہے" کہنے سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، یہ جملہ لغو ہے، لہٰذا

---

(۱) الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الفصل الخامس في الكنايات ج ۱ ص ۳۷۵ (طبع رشيديه كوئٹه)

(۲) دیکھئے امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۴۳۳،۴۳۲ (طبع مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

(۳) فسخ نکاح کا مفصل طریقہ کار ص ۳۶۱ کے حاشیہ نمبر ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

صورتِ مسئولہ میں عورت بدستور اپنے شوہر کے نکاح میں ہے، اگر علیحدگی مقصود ہو تو شوہر واضح لفظوں میں طلاق دینی چاہئے، لما فی الدر المختار وان نوی بأنت علیّ مثل امی او کأمی برًا أو ظهارًا أو طلاقًا صحت نیته ووقع ما نواه لأنه کنایة و لا ینو شیئًا أو حذف الکاف لغا وتعین الأدنی. (شامی ج:۲ ص:۴۷۶، ۴۷۷)۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹ / ۹۲۶ ج)

''ہمارا رشتہ میاں بیوی والا ختم ہے'' کے الفاظ سے طلاق کا حکم

سوال:- ایک شخص محمد سلیمان ولد محمد اسلم نے اپنی بیوی مسماۃ عائشہ بیگم کو خط کے ذریعہ طلاق بھیجی ہے، اس عورت کو خاوند نے پال پوسا تھا اور سلیمان باہر ملازمت پر جاتے وقت کہہ گیا تھا کہ اسے اپنے پاس بلاؤں گا، سات سال کا طویل عرصہ گزر گیا، اس دوران ایک مرتبہ پاکستان آیا وہاں سے بغیر ملے چلا گیا، خط میں طلاق کے متعلق جو الفاظ استعمال کئے ہیں وہ حرف بحرف درج ذیل ہیں:-

''میں اپنے ہوش و حواس قائم رکھتے ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاضر و ناظر کرتے ہوئے نہایت تسلی کے ساتھ آج مؤرخہ پہلی مارچ ۱۹۷۷ء بروز منگل کو تمہیں مطلع کرتا ہوں کہ ہمارا رشتہ میاں بیوی والا ختم ہے، اور اس فیصلے کو شرعی یا قانونی طور پر جسے طلاق کہتے ہیں سمجھیں، اس کے بعد اور کوئی گنجائش، امید یا شک والی بات رہتی نہیں گئی جس سے یہ خیال کیا جاوے کہ ہمارا رشتہ میاں بیوی والا قائم ہے، میرے اس فیصلے سے اب تم اپنی مرضی سے جس طرح اپنی بہتری خیال کرتی ہو بے شک کرو، چونکہ میری طرف سے اب فارغ ہو۔''

کیا اپنی دوری کے لئے شرعی عدالت میں کن کن حقوق کے لئے دعویٰ کرسکتی ہے؟ مثلاً سات سال کا خرچہ، حق مہر اور عدت کی مدت کا خرچہ اس کے علاوہ اور کن حقوق کا مطالبہ کرسکتی ہے۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں مسماۃ عائشہ بیگم پر طلاقِ بائن واقع ہوچکی ہے،[2] اور وہ عدت

---

(۱) کتاب الطلاق باب الظهار ج ۳ ص ۴۷۰ طبع سعید، نیز دیکھئے امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۳۹۰، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، سوال نمبر ۹۰۰، ۹۰۱۔ وامداد المفتین ص ۶۲۵۔

(۲) وفی الهندیة کتاب الطلاق الباب الثانی فی ایقاع الطلاق الفصل الخامس فی الکنایات ج ۱ ص ۳۷۶ طبع ماجدیه: ولو قال لم یبق بینی وبینک عمل ونوی یقع کذا فی العتابیة. وفی الهندیة ایضاً ج ۱ ص ۳۷۵ قال لم یبق بینی وبینک نکاح، یقع الطلاق اذا نوی ... الخ

گزرنے کے بعد جبکہ ابھی نکاح برقرار ہے، شوہر اس کے ساتھ خلوت کرچکا ہے تو اس پر پورا مہر واجب ہے، اور مسماۃ مذکورہ شوہر سے اس کے وصول کرنے کا بذریعہ عدالت حق حاصل ہے۔[1] نیز عدت کے زمانے کا نفقہ بھی وہ اپنے شوہر سے وصول کرنے کا حق رکھتی ہے،[2] البتہ گزشتہ مدت کا نفقہ کا دعویٰ بصورتِ مسئولہ میں نہیں ہوسکتا، شوہر جو چاہے کہ یہ نفقہ بھی ادا کردے تو ... لیکن اسے بذریعہ عدالت اُسے مجبور نہیں کیا جاسکتا۔[3]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۵/۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۴۵۴ ب)

"اب تو مجھے نکاح پر شک ہے کہ وہ قائم ہے یا نہیں؟" الفاظ کا حکم

سوال: زید کی بیوی اپنے شوہر کا ہر دنیاوی معاملات میں کہنا نہیں مانتی، ایک دن ایک ہی واقعہ کی بنا پر زید نے سخت غصے کی حالت میں کہا کہ "اب تو مجھے نکاح پر شک ہے کہ وہ قائم ہے کہ نہیں" زید کا مطلب اس سے یہ تھا کہ بیوی اگر شوہر کا کہنا نہ مانے تو سخت گناہ کی بات ہے، بلکہ وہ بیوی ہی نہیں رہتی۔ زید کی بیوی کا کہنا ہے کہ زید نے نکاح پر شک کیا ہے لہٰذا اس کے ساتھ اب رہنا نکاح کے بغیر درست نہیں، زید کی بیوی نے مطلب کی شرعی حیثیت ... زید سے مطلب کی شرعی حیثیت معلوم کی، زید نے کہا کہ زید کے ان الفاظ سے نکاح میں خدانخواستہ کوئی خلل واقع ہوگیا ہے، جبکہ زید کا خیال ہے کہ ایسی کوئی بات نہیں، بیوی کا محض بہانہ ہے۔

جواب: زید نے جو یہ الفاظ کہے کہ "اب تو مجھے نکاح پر شک ہے کہ وہ قائم ہے کہ نہیں" ان الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی اور نہ نکاح ٹوٹا ہے، دونوں کا نکاح بدستور قائم ہے، بیوی واپس ... کی خلاف ورزی ہے، ... کرنے سے پہلے مسئلہ پوچھ لینا چاہئے۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۱/۳/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲/۳۰۱۲ الف)

---

[1] وفي الهندية: كتاب النكاح باب المهر ج ١ ص ٣٠٣ طبع ماجديه: والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق. الخ

[2] وفي الهندية: الفصل الثالث في نفقة المعتدة ج ١ ص ٥٥٧ طبع ماجديه: المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيًا أو بائنًا أو ثلثًا حاملًا كانت المرأة أو لم تكن، كذا في فتاوى قاضي خان
وكذا في البحر الرائق ج ٤ ص ١٩٨ (طبع رشيديه كوئٹه)

[3] وفي الدر المختار ج ٣ ص ٥٩٤ طبع سعيد: والنفقة لا تصير دينًا إلا بالقضاء أو الرضا أي اصطلاحهما على قدر معين ... وفي الشامية قوله والنفقة لا تصير دينًا ... الخ وكذا في البحر الرائق ج ٤ ص ١٨٢ (طبع رشيديه كوئٹه)

"میری طرف سے فیصلہ ہے" الفاظ کا حکم

سوال: ایک شخص کی دو بیویاں تھیں، پہلی بیوی کو دو دفعہ اور دوسری بیوی کو ایک دفعہ طلاق دے کر رجوع کر چکا تھا، پھر ایک موقع پر اس نے دونوں بیویوں سے متعلق کہا کہ "میری دونوں بیویاں کل تک میرے پاس آجائیں، اگر کل تک نہ آئیں تو میری طرف سے فیصلہ ہے" مگر بیویاں اس کے پاس نہ آئیں، اس واقعے کی تفصیل آپ کے دار الافتاء کو لکھ کر بھیجی تھی، تو جناب کی طرف سے ۲-۳-۱۳۹۳ھ کو جواب موصول ہوا تھا کہ پہلی بیوی کو تینوں طلاقیں ہو چکی ہیں، اور دوسری بیوی کو طلاق بائن ہوگئی ہے، رجوع نہیں ہو سکتا، باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح ہو سکتا ہے، مگر دوسری بیوی آمادہ نہ ہوئی تھی، دونوں بیویاں اپنی اولاد کے پاس رہتی ہیں، اب وہ شخص یہ کہتا ہے کہ میں نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے، اور وہ الفاظ میں نے غصے کی حالت میں کہے تھے، حالانکہ یہ بالکل واضح تھا کہ جب اس نے یہ الفاظ کہے تھے اس کی مراد طلاق تھی، اگر وہ شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں نے طلاق کی نیت سے یہ الفاظ نہیں کہے تھے تو اس کے اس دعوے کی کیا حقیقت ہے؟

جواب: پہلے جواب میں یہ لکھا گیا تھا کہ "اگر یہ بات غصے کی حالت میں کہی تھی تو نیت کے بغیر بھی طلاق ہوگئی" اور موجودہ سوال میں شوہر خود اقرار کر رہا ہے کہ یہ بات اس نے غصے کی حالت میں کہی تھی لہذا طلاق واقع ہوگئی، اس کے علاوہ سوال میں (جس کا نمبر ۳۴۹/۲۲ ب ہے) یہ تصریح ہے کہ اس نے مذکورہ الفاظ کے ساتھ یہ بھی کہا کہ "یہ نہ سمجھنا کہ میں خالی دھمکی دے رہا ہوں، بلکہ بعد میں بذریعہ تحریری طلاق بھی ارسال کردوں گا" یہ صریح مذاکرۂ طلاق ہے، اور مذاکرۂ طلاق میں بھی نیت کا اعتبار نہیں ہوتا، لہذا طلاق بائن واقع ہو چکی ہے، اور شوہر کے قول کا اعتبار نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۵ر رمضان ۱۳۹۶ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲۰۵/۲۷ د)

[illegible]

الشامیة ج ۳ ص ۳۰۱ (طبع سعید)۔ (فتویٰ نمبر ۲۷/۹۷۰ ج) رجسٹر نقل فتاویٰ دار العلوم کراچی۔

بطور گالی لفظ "حرام" کہنے کی ایک مخصوص صورت کا حکم

سوال - زید کی بیوی کی ایک بچی مصری تھی، وہ اپنے بچوں کو منع کرتی تو لفظ "حرام" استعمال کرتی، زید کی بیوی کو بھی اس لفظ کی عادت ہوگئی، زید کی بیوی نے زید کو ایک مرتبہ کہا تو زید کی زبان سے نکل گیا "حرام" زید کی نیت طلاق دینے کی قطعاً نہ تھی۔

۲ - زید نے ایک مرتبہ بطور گالی اپنی زوجہ کو "حرام زادی" کہنا چاہا مگر فوراً کان کا ذہن میں آجانے سے صرف لفظ "حرام" کہہ کر رک گیا، کیا مندرجہ بالا صورتوں میں طلاق ہوگئی؟

جواب ۱ - اگر واقعہ یہی ہے جیسے تحریر کیا گیا تو اس سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔

۲ - اگر واقعہ ایسا ہی ہے تو اس سے بھی کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، لان المتأخرین انما أفتوا بانصراف لفظ الحرام الی الطلاق لغلبة العرف (۱) ولا عرف فیما ذکرہ السائل۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۵-۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۵۵۳ ب)

بذریعہ مبارات ایک طلاق بائن کا حکم

سوال - شہزی نقوی ولد فرزند علی نقوی نے اپنی بیوی یاسمین شیخ بنت عثمان شیخ کو جون ۱۹۹۳ء کو بذریعہ مبارات طلاق دی تھی، مطلقہ نے مہر معاف کیا تھا اور نفقہ عدت کے لئے عدت کے دوران ۲۰ ہزار روپے دیئے تھے، فریقین اس پر راضی تھے، دونوں نے معاہدے پر دستخط کئے تھے جو منسلک ہیں اور دو گواہان نے بھی دستخط کئے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا یہ طلاق مکمل ہے؟ جبکہ فریقین نے خلع کا نوٹس جاری نہیں کیا تھا، وہ کاغذات متعلقہ کو خلع نوٹس ہونے کی تاریخ مارچ ۱۹۹۴ء میں دیا گیا، براہ مہربانی اس پر رائے دی جائے تاکہ برطانیہ میں عدالت میں پیش کیا جاسکے۔

جواب - میں نے منسلک معاہدے کا مطالعہ کیا، یہ ایک مبارأة کا معاہدہ ہے، اور اس کی رو سے شہزی نقوی نے اپنی بیوی یاسمین شیخ کو مہر کی معافی اور دیگر شرائط معاہدہ کے عوض طلاق دی ہے، لہذا شرعاً اس معاہدے کی رو سے یاسمین شیخ پر شہزی نقوی کی طرف سے ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، جس کا حکم شرعاً یہ ہے کہ اب شہزی نقوی کو رجوع کرنے کا اختیار نہیں ہے، یاسمین ان سے نکاح کے

---

(۱) وفی البحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۰ ولو قال لها أنت علی حرام والحرام عنده طلاق وقع وان لم ینو، وذکر الامام ظهیر الدین لا نقول لا تشترط النیة ولکن نجعله ناویا عرفا، وفی رد المحتار ج ۳ ص ۳۳۳ الی ۳۳۵ قال لامرأته انت علی حرام ... نفی انه طلاق بائن وان لم ینوه لغلبة العرف، راجع للتفصیل الی رد المحتار تحت قوله لغلبة العرف

علیحدہ ہوچکی ہیں، البتہ اگر دونوں باہمی رضامندی سے نئے مہر پر نکاح کرنا چاہیں تو ان کے درمیان دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے،(۱) نیز جس تاریخ کو اس معاہدے پر دستخط ہوئے اور شوہر نے طلاق دی، اس تاریخ سے تین ایام ماہواری گزر جانے کے بعد یاسمین کسی اور جگہ شادی نکاح کرسکتی ہیں،(۲) البتہ اس کے قانونی تقاضے پورے کرنے کے لئے کسی قانون داں سے رجوع کیا جائے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳/۱/۱۴۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۷/۹)

ایک طلاقِ بائن کے بعد نکاحِ جدید کی صورت

سوال:- پشت پر مندرجہ اقرارنامے کے ذریعہ زوجین کے مابین علیحدگی کے بعد ان کے درمیان مصالحت اور یکجائی کے لئے شریعت اسلامیہ کیا راستہ تجویز کرتی ہے؟

۲- اگر مصالحت کا واحد راستہ زوجین کے درمیان دوبارہ نکاح کا انعقاد ہو تو یہ فرمایا جائے کہ اس میں شرعاً کراہت کا کوئی پہلو تو نہیں ہے؟

۳- مذکورہ اقرارنامہ سخت غیظ کے عالم میں تحریر کیا گیا، نیز زوجین سات ماہ کے لڑکے کے والدین بھی ہیں، ایسی صورت میں مصالحت کے شرعی، اخلاقی مصالح کیا ہیں؟

۴- مذکورہ اقرارنامے کے ذریعے علیحدگی کے بعد رجعت یا نکاح جدید کے لئے وقت اور میعاد کی کیا شرط ہے؟

۵- اگر دوبارہ نکاح کرنا ضروری ہو تو کیا اس کے لئے تحلیل (حلالہ) ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی براہِ راست دُوسری بار نکاح پڑھایا جاسکتا ہے؟

۶- اگر دوبارہ نکاح ضروری ہو تو کیا اس کے لئے کسی اہتمام، اعلان اور اسی پیمانے کی تقریب کی ضرورت ہے جیسی پہلی بار منعقد ہوئی تھی یا گھر میں نکاح پڑھایا جاسکتا ہے؟

جواب:- مندرجہ پشت اقرارنامے کی رُو سے محمد جنید فاروقی صاحب کی بیوی صبیحہ گل اندام صاحبہ پر ایک طلاقِ بائن واقع ہوگئی ہے، جس کا حکم یہ ہے کہ شوہر اب یک طرفہ طور سے رجوع

---

(۱) وفي الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة ج ۲ ص ۳۹۹ (طبع شركت علميه ملتان)

وإذا كان الطلاق بائنًا دون الثلاث فله أن يتزوّجها في العدّة وبعد انقضائها ... الخ

وفي الدرّ المختار ج ۳ ص ۴۰۹ (طبع سعيد) وينكح مبانة بما دون الثلاث في العدّة وبعدها بالإجماع

وكذا في الهندية ج ۱ ص ۴۷۲، ۴۷۳ (طبع رشيديه كوئته)

(۲، ۳) وفي الشامية ج ۳ ص ۵۲۹ (طبع سعيد) وتعتبر ابتداء العدة من وقت وقوع الطلاق لا من وقت الإخبار ... الخ وفي الدر المختار باب العدة ج ۳ ص ۵۰۴ و ۵۰۵ وهي في حقّ حرّة ... بعد الدخول حقيقة أو حكمًا ثلاث حيض كوامل ... الخ

نہیں کر سکتا ہے۔ اگر فریقین راضی ہوں تو از سرِ نو نکاح کر سکتے ہیں، اس نکاح کے لئے عدت گزرنا شرط نہیں، بلکہ عدت ہی میں نکاح ہو سکتا ہے۔ درصورتِ مسئولہ میں حلالہ کی ضرورت نہیں، نکاح سے پہلے اس شخص اور خاتون کو ترتیب کی ضرورت نہیں جو پہلے نکاح میں ہوئی تھی بلکہ صرف دو مسلمان مردوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کریں تو نکاح منعقد ہو جائے گا۔ کسی عالم سے نکاح پڑھوائیں تو بہتر ہے۔ البتہ اس نکاح کے لئے الگ مہر مقرر کرنا ہوگا۔ اور آئندہ شوہر کو صرف دو طلاقوں کا اختیار رہ جائے گا۔ اس کے بعد اختیار نہیں ہوگا، یعنی اب صرف دو طلاقوں سے بھی بیوی مغلظہ ہو جائے گی اور حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہو سکے گا۔(۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۶/۱/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۵۹ الف)

۱- طلاق صریح میں رجعت کے اختیار اور بائن میں نیا نکاح ضروری ہونے کی وجہ

۲- بیوی کو زنانی (عورت) کہنے سے کوئی طلاق نہیں ہوئی

۳- "بیوی کو اس کی ماں کے گھر چھوڑ آؤ" کہنے کا حکم

سوال: ۱- بحث طلاق سے معلوم ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی سے کہہ دے کہ میں نے تمہیں چھوڑ دیا تو اس سے طلاق صریح کا وقوع پذیر ہونا مانا جاتا ہے، یعنی طلاق صریح سے طلاق رجعی مراد ہوتی ہے اور نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اب اگر کوئی اپنی بیوی کو یہ کہہ دے کہ "تم مجھ پر حرام ہو" تو اس سے طلاق صریح یوں واقع نہیں ہوتی بلکہ بائن واقع ہوتی ہے جس میں نکاح کی ضرورت پڑتی ہے، ایسا کیوں ہے؟ اس میں فرق کیا ہے؟

۲- بیوی نے جھگڑے کی بات پر کہا تو میں نے کہا کہ زنانیوں (عورتوں) کی عادت ہوتی ہے، اور میں نے تنگ ہو کر کہنے کے بعد اس سے کہہ دیا کہ تو بھی تو میری زنانی (بیوی) ہے۔ تب یہ دور ہو گئی ہے کہ میں نے "بیوی" کیوں نہ کہا "زنانی" کیوں کہا؟ کیا نعوذ باللہ یہ مطلب نہ لیا جائے کہ میں اپنی بیوی نہیں سمجھتا۔ بہرکیف جب میں نے اسے کہا کہ تو بھی تو میری زنانی (بیوی) ہے

(۱، ۲) دیکھئے پچھلے صفحے کا حاشیہ نمبر ۱۔

(۳) وفي الدر المختار كتاب النكاح ج ۳ ص ۹ (طبع سعيد) وينعقد بايجاب من أحدهما وقبول من الآخر
وفيه أيضا ج ۳ ص ۲۱ وشرط حضور شاهدين حرين أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معا

(۴) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

چھینی چھینی، پنجابی زبان میں چھپے ناک والی کو کہتے ہیں۔ بصورت مذکورہ میں نکاح پر تو کوئی اثر نہیں پڑا؟ طلاق کی نیت نہیں تھی۔

۳- آج سے تقریباً ۴ سال قبل جب میں نے نئی نئی شادی کی تھی تو بیوی کو کسی بات پر غصہ آ گیا تھا، والدہ اور دیگر رشتہ دار عورتوں کے سامنے میں نے والدہ کو اپنی زوجہ کے سامنے (زوجہ کو غصہ سے کہتے) یہ مندرجہ ذیل لفظ پنجابی زبان میں کہا تھا جس کا اردو ترجمہ یہ ہے "اس کو (بیوی کو) اس کی ماں کے گھر چھوڑ دو" یا یہ کہا تھا "چھوڑ آؤ اس کو اس کی ماں کے گھر" معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا اس فقرہ مذکورہ سے طلاق پڑتی ہے یا نہیں؟ میں نے یہ رعب ڈالنے اور دھمکانے کے لئے کہا تھا۔

جواب ۱- اس فرق کو سمجھنے کے لئے فقہ پڑھنے کی ضرورت ہے، لہٰذا یا تو آپ فقہ کی تعلیم حاصل فرمائیں یا پھر اہل علم سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل فرمائیں اور دلیل کے پیچھے نہ پڑیں۔

۲- صورت مسئولہ میں طلاق واقع نہیں ہوئی، لہٰذا شک و تردد میں نہ پڑیں۔

۳- اگر آپ کی نیت ان الفاظ سے طلاق کی نہیں تھی تو ان الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۹-۲-۱۳۹۷ھ
(فتویٰ نمبر ۶۲۹/۲۸ ب)

"یہ ہیں تمہارے لے لو" الفاظ طلاق کی نیت سے بولے جائیں تو کیا حکم ہے؟

سوال:- محمد صادق اور اس کی بیوی کے درمیان ہمیشہ جھگڑا رہتا تھا، اس جھگڑے کے دوران ایک دن محمد صادق نے غصے میں اپنا ہاتھ اپنی جیب کے قریب کر کے سامنے کھڑی ہوئی اپنی بیوی سے کہا کہ "یہ ہیں تمہارے لے لو" (جیب سے کچھ نہیں نکالا)، دوسری بار پھر یہی الفاظ دہرائے تھے کہ فوراً اس کی بیوی وہاں سے اٹھ گئی اور باہر جا کر رونے لگی۔ بعد میں محمد صادق سے مذکورہ بات کہنے کا مقصد پوچھا گیا کہ کیا مقصد تھا؟ تو اس نے کہا کہ میرا مقصد اپنی بیوی کو طلاق دینا تھا، شرعاً طلاق ہوئی یا نہیں؟

جواب:- اس کا صریح جزئیہ تو نہیں ملا، لیکن قواعد اور مماثل جزئیات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، اس لئے کہ "یہ ہیں تمہارے لے لو" میں طلاق کا کوئی صریح لفظ ہے نہ کنایہ اور نہ مقتضی اور مقدر، اور ایسی صورت میں نیت کے باوجود طلاق واقع نہیں ہوتی۔ علامہ شامیؒ علامہ رملیؒ سے نقل کرتے ہیں: وسئل بعضهم عن حكم ما يقع من الأتراك من رمي ثلاث حصوات قائلا أنت هكذا ولا ينطق بلفظ الطلاق، وهو عدم الوقوع تأمل. ومحمله لحالف

حاشیہ البحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۹، باب الصریح تحت قولہ "أنت طالق هكذا"[1] اور عالمگیریہ میں ہے ولو قال لها بعد ما طلبت منه الطلاق "گفتہ گیر" لا يقع وإن نوى، كذا في الخلاصة (عالمگيرية ج:۱ ص:۳۸۰)[2]۔

تاہم چونکہ صریح جزئیہ نہیں ملا، اس لئے اگر دوسرے علماء سے بھی رجوع کر کے معلوم کر لیا جائے تو بہتر ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۶/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۵۶۸ ب)

"بیوی کو اپنے اُوپر حرام کرتا ہوں" الفاظ سے طلاق بائن کا حکم

سوال:- ایک شخص نے مندرجہ ذیل الفاظ طلاق کے لئے استعمال کئے "میں اپنی بیوی مسمات فلاں کو اپنے اُوپر حرام کرتا ہوں" ان الفاظ سے کون سی قسم کی طلاق واقع ہوگی؟

جواب:- صورت مسئولہ میں ایک طلاق بائن واقع ہوگئی ہے[3]، بغیر دوبارہ نکاح کے زوجین میں تعلقات زوجیت قائم نہیں ہو سکتے۔

واللہ اعلم بالصواب
۱۳۸۷/۱۲/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۱۸/۳۹ الف)

"البائن لا یلحق البائن" میں دُوسرے بائن سے مراد وہ ہے جو اصل وضع میں بائن ہو اگرچہ عرف کی وجہ سے صریح بن گیا ہو

سوال:- بخدمت شیخی واُستاذی مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

بندہ نے حضرت والا کی خدمت میں ایک فقہی سوال لکھا تھا، حضرت والا نے اس کا جواب یوں تحریر فرمایا:-

اس کے لئے مراجعت کرنی ہوگی، اور وقت بھی درکار ہے، لہٰذا اگر یہ سوال الگ ارسال فرمادیں تو اس کی مستقل تحقیق کر لی جائے۔

حضرت والا کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے بندہ الگ سے اس سوال کو دوبارہ مزید تنقیح کر کے

---

(۱) ج ۳ ص ۲۸۷ (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)
(۲) (طبع مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)
(۳) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۲۳۲ الى ۲۳۵ (طبع سعيد) قال لامرأته أنت علي حرام ... نفي به طلاق بائن وإن لم ينوه لغلبة العرف وكذا في البحر الرائق ج ۳ ص ۳۰۰ وانظر أيضاً امداد المفتيين ص ۲۶۶۔

لکھ رہا ہے۔

سوال - وہ طلاق بائن جو عرف کی وجہ سے صریح بن گئی ہے، جس سے بلا نیت کے بھی طلاق ہو جاتی ہے (مثلاً تو مجھ پر حرام ہے، تو آزاد ہے، وغیرہ)، کیا وہ طلاق سابق (خواہ وہ صریح ہو یا کنایہ) سے عدت کے دوران لاحق ہو جائے گی یا نہیں؟

رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۶ [۱] کی درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ لاحق نہیں ہوگی "قال ح: ولا يرد انت على حرام على المفتى به من عدم توقفه على النية مع انه لا يلحق البائن، ولا يلحقه البائن لكونه بائنا لما أن عدم توقفه على النية امر عرض له لا بحسب اصل وضعه اهـ"۔

اس عبارت کے مطابق امداد المفتین ص ۶۲۶ میں عدم لحوق کا فتویٰ مذکور ہے۔ مگر ردالمحتار ج ۳ ص ۳۰۸ [۲] کی درج ذیل عبارت سے معلوم ہوتا ہے لاحق ہونی چاہئے "(قوله لا يلحق البائن البائن) المراد بالبائن الذى لا يلحق هو ما كان بلفظ الكناية لأنه هو الذى ليس ظاهرًا فى انشاء الطلاق كذا فى الفتح"۔

اس عبارت میں طلاق بائن بالکنایہ (ثانی) کے عدم لحوق کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ یہ انشاء طلاق میں ظاہر نہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو طلاق انشاء طلاق میں ظاہر ہو اس کو لاحق ہونا چاہئے، اور طلاق بائن صریح (مثلاً تو مجھ پر حرام ہے، تو آزاد ہے، وغیرہ) تو انشاء طلاق میں ظاہر ہے، لہٰذا اس کو بھی طلاق سابق سے لاحق ہونا چاہئے۔

احسن الفتاویٰ ج ۵ ص ۱۸۳ [۳] میں اسی کے مطابق لحوق کا فتویٰ مذکور ہے۔

اس بارے میں صحیح بات کیا ہے؟

سائل:- مولانا محمد عامر صاحب
دارالاقراء والارشاد ناظم آباد کراچی

جواب:- مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

رد المحتار میں لحوق کی بحث تفصیل سے پڑھی جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ صورت مسئولہ میں طلاق ثانی لاحق نہیں ہوگی، جیسا کہ امداد المفتین میں مذکور ہے، اور اس میں جو حوالہ دیا ہے وہ بھی اس پر صریح ہے، علامہ شامی کی جس عبارت سے آپ کو اشکال ہوا ہے، یعنی "لأنه هو الذى ليس ظاهرا فى انشاء الطلاق" اس کا مطلب ہے "ليس ظاهرا باعتبار أصله" چنانچہ خود انہوں نے اگلے صفحے پر "قوله أو انتک بتطليقة" کے تحت اس کی تقریباً صراحت کردی ہے، فرماتے ہیں -

(۱ تا ۳) طبع ایچ ایم سعید کمپنی

والإشارة إلى أنه لا يشترط اتحاد اللفظ، فيشمل ما إذا كان الأول بلفظ الكناية البائنة ... بعد كون الثاني بلفظ الكناية البائنة كالخلع ونحوه مما يتوقف على النية، ولو باعتبار الأصل، كأنت حرام.[1]

صورتِ مسئولہ میں عدمِ لحوق پر مندرجہ ذیل دلائل مزید ہیں:-

۱- بائن کے بائن کو لاحق نہ ہونے کی علت تمام کتب فقہ میں یہ بیان کی گئی ہے کہ ثانی کو خبر یعنی اول کی خبر قرار دینا ممکن ہوتا ہے، چنانچہ درمختار میں فرمایا "إذا أمكن جعله إخبارا عن الأول"[2] اور "أنت حرام" میں ایسا ہی ہے۔

۲- فتاویٰ عالمگیری سے علامہ شامیؒ نقل فرماتے ہیں: "وإذا طلقها تطليقة بائنة ثم قال لها في عدتها: أنت علي حرام، وهو يريد به الطلاق لم يقع عليها شيء، لأنه صادق في قوله هي علي حرام اهـ"۔ علامہ شامیؒ اس پر لکھتے ہیں: "أي لأنه يمكن جعل الثاني خبرا عن الأول"[3] یعنی علت وقوعِ طلاق سے موقوف علی النیۃ ہونے کو قرار نہیں دیا، بلکہ اس بات کو علت قرار دیا ہے کہ ثانی کو خبر یعنی اول بنانا ممکن ہے، اور عرف سے توقف علی النیۃ ختم ہوا ہے، احتمالِ اخبار ختم نہیں ہوا۔

۳- علامہ شامیؒ نے نہایت مضبوط دلائل سے ثابت کیا ہے کہ "الصريح يلحق الصريح" میں صریح سے مراد صریح رجعی ہے، صریح بائن نہیں، لہٰذا صریح بائن کو بائن لاحق نہیں ہوتی، اور "أنت علي حرام" صریح ہونے کے باوجود بائن ہے، شامی میں یہ پوری بحث غور سے پڑھنے پر امید ہے کہ آپ کو کوئی اشکال نہیں رہے گا۔

احسن الفتاویٰ ج۵ ص۱۸۳ میں لحوق کے مسئلے سے بحث نہیں فرمائی گئی، صرف "حرام" کے صریح ہونے کا ذکر ہے، البتہ قوسین میں لکھا ہے کہ "اس پر اشکال و جواب تتمہ میں ہے" یہ تتمہ مجھے نہیں ملا، لیکن رد المحتار کی پوری بحث پڑھنے کے بعد [illegible] کوئی اشکال نہیں کہ یہ طلاق لاحق نہیں ہوگی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد تقی عثمانی

۶ شعبان ۱۴۲۳ھ

(فتویٰ نمبر ۵۸۶/۱)

---

(۱) ج ۳ ص ۳۰۴ رد المحتار (طبع ایچ ایم سعید کمپنی)

(۲) الدر المختار ج ۳ ص ۳۰۹ (طبع أیضاً)

(۳) رد المحتار ج ۳ ص ۳۰۸ (طبع أیضاً)

فصل فی الطّلاق بالکتابة
(تحریری طلاق دینے کا بیان)

خود طلاق نامہ لکھنے، یا کسی سے لکھوانے کے بعد دستخط کرنے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے

سوال:- إن السيد المرحوم رفيع الرحمن قد طلّق زوجته نجمة بنت منظور بوثيقة الطلاق المرفقة باللغة الانكليزية مع ترجمتها العربية، وإنه قد كتب هذه الوثيقة لخمس والعشرين من شهر ابريل سنة ١٩٨٠م، وتزوج السيّد رفيع الرحمن زوجة أخرى، وله من كل واحد من الزوجين أولاد. وقد توفي قريبا، فالمرجو افادتنا، هل طلقت نجمة بنت منظور بالوثيقة المرفقة[١] وهل ترث الآن من السيّد رفيع الرحمن أم لا ترث؟ بيّنوا وتؤجروا.

جواب:- إن كان السيّد المرحوم رفيع الرحمن كتب هذه الوثيقة بنفسه أو استكتبها من غيره ووقّع عليها، فإن نجمة بنت منظور وقع عليها الطّلاق منه[٢] وخرجت من نكاحه وجاز لها أن تتزوج غيره بعد انقضاء العدّة. وبما أنّ رفيع الرحمن توفّي قريبا، في حين أن وثيقة الطّلاق كتبت قبل أكثر من عشر سنوات، فالظاهر أن نجمة قد أكملت عدّتها، وهي ثلث حيض، وبما أنها لم تكن زوجته وقت وفاة رفيع الرحمن، فإنها لا ترث منه شيئا. أما الأولاد، فإنهم يرثون من كلّهم، سواء كانوا من بطن نجمة أو من بطن زوجته الثانية.

والله سبحانه وتعالىٰ أعلم

محمد تقي العثماني
دار الافتاء، دار العلوم كراتشي ١٤
غرة ذي الحجة سنة ١٤١٤هـ

---

(١) یہ وثیقہ (طلاق نامہ) اس جواب کے بعد آرہا ہے۔

(٢) وفي الدر المختار ج ٣ ص ٢٤٦ طبع سعيد: كتب الطلاق إن مستبينا على نحو لوح وقع إن نوى وقيل مطلقا. وفي رد المحتار: مطلب في الطلاق بالكتابة ... إن كتب ... بعد ... طلق فكما كتب هذا يقع الطلاق ... ولو قال للكاتب اكتب طلاق امرأتي كان إقرارا بالطلاق وإن لم يكتب، ولو استكتب من آخر كتابا بطلاقها وقرأه على الزوج فأخذه الزوج وختمه وعنونه وبعث به إليها فأتاها وقع ... وكذا في الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب الثاني في إيقاع الطلاق الفصل السادس في الطلاق بالكتابة ج ١ ص ٣٧٩.

وثيقة طلاق

انى سيّد رفيع الرحمن بن سيّد سعيد الرحمن المسلم، البالغ، العمر حوالى ٤٠ سنة، المهنة خدمة خاصة، الساكن ب - ١٨٠ بلوك ١١، منطقة فيدرل بي كراتشي، اقرر تحريرا بانى قد اطلق زوجتي نجمة بنت منظور علي المسلمة، البالغة، عمرها حوالى ٣٥ سنة القاطنة في ١٥١ دهرم بورة، لاهور (باكستان) بناء على ما يلي

١ - بأن منذ مدة ٨ سنوات ماضية خلال مدة زواجها معى انها كانت متمردة ومتنازعة معى

٢:- بأنها تسئى التّصرف والسلوك وتتعسف لي.

٣ - وبالعموم لكل الوقت خلال اسكانها في البيت انها ابدعت قدع وتعارض على اساس نجمة.

ونتيجة هذا غير ممكن لي بالرغم عن جهدى المخلص السكن معها بين حدود الله انني لذلك الفظ طلاق لها.

١ انى سيد رفيع الرحمن بن سيّد سعيد الرحمن اطلق لكم نجمة عالية بنت منظور علي.

٢:- ________ كالمذكور ________

٣:- ________ كالمذكور ________

سيّد رفيع الرحمن بن سيّد سعيد الرحمن الساكن ب - ١٨٠ بلوك ١١، منطقة فيدرل بي، كراتشي

توقيع الشاهد توقيع:

سيّد محمد الحق ١٩٨٠/٤/٢٨م

سعود اباد كراتشي

تین طلاق لکھ کر دینے سے بھی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں

سوال:- فیض علی کا نکاح مسماۃ نسیم اختر کے ساتھ ۱۴؍نومبر ۱۹۶۰ء کو ہوا، بعد نکاح نہ لڑکی سسرال گئی اور نہ لڑکے نے آکر سسرال میں قربت کی، اس وجہ سے کہ لڑکی کے والدین نے یہ شرط رخصتی کے لئے عائد کی تھی کہ جب تک لڑکا بی۔ اے پاس نہ کرے گا جب لڑکی کی رخصتی ہوگی، اور یہ شرط لڑکے نے منظور کرلی تھی، لیکن کچھ عرصہ بعد فریقین میں نزاع پیدا ہوگیا، اور لڑکی کے والدین نے طلاق طلب کی اور لڑکے نے تحریری تین طلاق دے دی، اب کیا اس لڑکی کا نکاح اس لڑکے کے ساتھ ہوسکتا ہے؟

جواب:- طلاق نامہ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ لڑکے نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں، لہٰذا اب وہ لڑکے کے لئے قطعی طور پر حرام ہوچکی ہے، اب اس کے ساتھ حلالہ کے بغیر نکاح ثانی بھی

نہیں ہوسکتا۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۷/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۹۵۔ ۱۹ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

تحریر سے بھی طلاق ہوجاتی ہے اور طلاق کے لئے گواہ ضروری نہیں

سوال:- عرض یہ ہے کہ میری ہمشیرہ نجمہ اعوان بنت غلام ربانی اعوان کی شادی ایک صاحب بنام ڈاکٹر ہارون ایم قاضی ولد قاضی محمد اسحاق سے مورخہ ۳۰/جون ۱۹۷۱ء کو قرار پائی، یعنی نکاح ہوا، اور پھر ۲/جولائی کو رخصتی ہوئی۔ شادی کے دوسرے ہی روز سے موصوف نے اپنی نوبیاہتا بیوی کے ساتھ گالی گلوچ اور میری مرحومہ والدہ کو گالیاں دینا شروع کردیں، ساتھ میرے بوڑھے والد صاحب کے بارے میں بھی یہی رویہ اختیار کیا۔ شادی کے چند روز کے بعد ہی دونوں میاں بیوی امریکہ روانہ ہوگئے، کیونکہ میرے بہنوئی امریکہ میں سرجن کی حیثیت سے پچھلے بیس سال سے وہاں آباد ہے۔ امریکہ پہنچنے کے چند دنوں بعد میرے بہنوئی نے اپنی بیوی (میری ہمشیرہ کو) مارنا پیٹنا شروع کردیا، اور وقت گزرنے کے ساتھ ان کی گالی گلوچ اور مارپیٹ میں شدت آتی گئی، اور ایسے واقعات اکثر پیش آتے رہے، جب اس طرح ایک سال گزر گیا اور ڈاکٹر صاحب نے اپنے آپ کو تبدیل نہ کیا تو آخرکار میری ہمشیرہ نے تنگ آکر طلاق کا مطالبہ کیا، انہوں نے طلاق نہ دی، دونوں کے کراچی آنے پر ان کے بڑوں نے اور ہم نے دونوں کو سمجھایا، جب ڈاکٹر صاحب سے پوچھا گیا کہ انہیں بیوی سے کیا شکایت ہے تو انہوں نے کہا کہ ''مجھے یاد نہیں کہ یہ کیا کہتی ہے یا کرتی ہے؟'' الغرض ہم اس نتیجے پر پہنچے کہ انہیں مارپیٹ اور گالی گلوچ کی عادت ہے اور شکایت کچھ نہیں۔ ہم نے خدا کی ذات پر بھروسہ کرکے ان کی بیوی کو امریکہ اس امید پر روانہ کردیا کہ خدائے پاک کی ذات رحیمی اپنے فضل سے ڈاکٹر صاحب کو نیک محبت کرنے والا شوہر بنادے اور حالات بہتر ہوجائیں۔ ڈاکٹر صاحب نے وعدہ بھی کیا کہ اب وہ مارپیٹ سے گریز کریں گے۔ مگر ایسا نہ ہوا، تھوڑے ہی دنوں میں انہوں نے یہ حرکات دوبارہ شروع کردیں، بہت مارپیٹ کی، گندی گالیاں میرے والد اور مرحومہ والدہ کو دیں، جب یہ سب کچھ برداشت نہ ہوا، تو میری بہن نے طلاق کا مطالبہ کیا، ہر دفعہ کی طرح انہوں نے اس بار بھی انکار کیا، اس کے بعد بھی گالی گلوچ کا سلسلہ تقریباً ہر روز ہونے لگا اور وقتاً فوقتاً ہاتھ گھمانا ان کا مشغلہ بنتا چلا گیا، آخر میری ہمشیرہ نے ایک دن جب انہوں نے ہمیشہ کی طرح بے سبب بے گناہ مارا پیٹا اور گالیاں دیں تو ان سے

---

(۱) حوالہ کے لئے ص ۳۴۴ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

مطالبہ کیا کہ وہ اسی حال میں طلاق دے دیں، اس کے بعد انہوں نے اٹھ کر ایک پرچے میں عربی کی میں تحریر کر دیا کہ "میں نجمہ کو تین طلاق دیتا ہوں" اور نیچے اپنے نام کے دستخط کر دیئے، مگر طلاق دیتا ہوں کے الفاظ منہ سے ادا نہ کئے۔

اس واقعے کے بعد میری ہمشیرہ کچھ عرصہ تو وہیں رہیں، مگر تھوڑے عرصے کے بعد انہوں نے اصرار کرنا شروع کر دیا کہ تم کراچی واپس چلی جاؤ، انہوں نے مجھے ایک خط بھی مریمہ سے بھیجا جس میں یہ تحریر کیا کہ نجمہ وہاں کراچی چلی جائے، میں اسے خرچ دے دوں گا، خرچ وغیرہ اس کا اور بچوں کا بھیجتا رہوں گا، اس طرح شادی ٹوٹنے سے بچ جائے گی۔ ابھی ہم اس بات پر غور کر ہی رہے تھے کہ انہوں نے نجمہ کو زبردستی ٹکٹ وغیرہ دے کر کراچی روانہ کر دیا، اور بہت سے وعدے کئے، واپسی پر وہ کہہ رہے تھے کہ وہ خوشی خوشی روانہ کر رہے ہیں۔ کل مورخہ ۱۹؍اگست ۱۹۸۸ء کو ہمیں ایک خط موصول ہوا جس میں انہوں نے حالات تحریر کرنے کے بعد یہ لکھا ہے کہ چونکہ میں پہلے نجمہ کو "طلاق مغلظہ" جس کا مطلب وہ کہتے ہیں کہ "دو طلاقیں" دے چکا ہوں اس لئے اب میں تیسری طلاق بھیج رہا ہوں، اور ہمارا اب ایک دوسرے سے واسطہ نہیں رہا۔

اب سوال یہ ہے کہ تینوں طلاقیں ڈاکٹر ہارون نے تحریر تو کر دیں مگر زبان سے ادا نہیں کی ہیں، اور ان کی بیوی حاملہ بھی ہے، طلاق واقع ہوئی ہے؟ اگر طلاق ہوئی ہے تو کتنی مدت کے اندر دوبارہ صلح ہو سکتی ہے؟ شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔ کیا وقوع طلاق کے لئے طلاق دیتے وقت گواہوں کا ہونا ضروری نہیں؟

جواب۔ صورت مسئولہ میں آپ کی ہمشیرہ نجمہ اعوان پر تینوں طلاقیں واقع ہو گئی ہیں، طلاق کے لئے زبان سے کہنا ضروری نہیں، تحریر سے بھی طلاق ہو جاتی ہے[1]، اور اس کے لئے گواہوں کی موجودگی بھی شرط نہیں، تیسری طلاق کے بعد اب وہ کسی صورت میں اپنے شوہر کے لئے حلال نہیں ہیں، اور اب مصالحت کر کے ایک ساتھ رہنا بھی شرعاً جائز نہیں ہے[2]، آپ کی ہمشیرہ چونکہ حمل سے ہیں، اس لئے ان کی عدت بچے کی پیدائش پر پوری ہوگی[3]، بچے کی پیدائش کے بعد وہ جہاں چاہیں نکاح کرسکتی ہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۹/۱/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۴۰/۵ الف)

---

(۱) وفی الدر المختار ج ۳ ص ۲۴۶ (طبع سعید) کتب الطلاق ان مستبینا علی نحو لوح وقع ان نوی، وقیل مطلقا

(۲) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۶۲ [illegible] (۳) [illegible]

طلاق نامہ لکھنے کے بعد طلاق نامے سے انکار کرنے یا الفاظِ طلاق لکھتے وقت سر چکرانے کا دعویٰ کرنے کی ایک مخصوص صورت

خلاصۂ سوال: مسمّی جلال الدین نے بغرضِ خودکشی خواب آور گولیاں کھائیں، اور اس پر بے ہوشی طاری ہوئی، اور وہ ہسپتال پہنچا دیا گیا، تفتیش کرنے سے اس کی جیب سے ایک رقعہ برآمد ہوا جس میں وصیت لکھی ہوئی تھی، وصیت نامے کے آخر میں اپنی بیوی کو یہ الفاظ طلاق لکھے تھے "طلاق، طلاق، طلاق دی، طلاق، طلاق، طلاق دی، اور خود بھی خودکشی کر رہا ہوں، یہ پرچہ میں نے ہوش وحواس میں لکھا ہے، کسی دوسرے کا ہاتھ اس میں نہیں ہے۔" آخر میں تاریخ اور اپنا نام درج کر دیا ہے۔ علاج معالجے کے بعد جلال الدین صحت یاب ہو گیا ہے، اور اب کبھی کہتا ہے کہ میں نے الفاظ طلاق نہیں لکھے اور کبھی اقرار کرتا ہے، ایک دوسری جگہ سے فتویٰ منگوایا گیا ہے اس میں طلاق مغلظہ کا لکھا ہے، اب عرض یہ ہے کہ جلال الدین کبھی تو پورے پرچے کا انکار کرتا ہے اور الفاظِ طلاق کا انکار کرتا ہے اور کبھی تمام باتوں کا اقرار کرتا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ میں نے پرچہ تو ہوش وحواس میں لکھا ہے مگر لفظ طلاق اس وقت لکھا ہے جب میں بے ہوش ہو رہا تھا، اور میرے سر میں چکر تھا۔

جواب: صورتِ مسئولہ میں چونکہ ایک مرتبہ جلال الدین اس بات کا اقرار کر چکا ہے کہ طلاق کے الفاظ اس نے لکھے ہیں اس لئے اس کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو گئی، حلالہ کے بغیر دوبارہ اس کے ساتھ نکاح نہیں ہو سکتا، سر چکرانے کی جو حالت جلال الدین بیان کرتا ہے اس کی وجہ سے مسئلے پر کوئی اثر نہیں پڑتا، لأنه لا يصدق عليه حد السكران على مذهب أبي حنيفة حتى لا يعرف الأرض من السماء، ولا على مذهب الجمهور حتى يهذي ويخلط كلامه،[2] ولو صدق عليه السكران فإن لي شبهة في وقوع الطلاق فإنه ينبغي أن لا يقع طلاق السكران بالكتابة كما لا يقع طلاق المكره على ما صرحوا به،[3] لا سيما إذا كانت الكتابة غير مرسومة فإن وقوع الطلاق بها يحتاج إلى النيّة عند البعض،[4] وعلّل صاحب البحر عدم وقوع طلاق المكره بالكتابة

---

(١) وفي الدر المختار ج ٣ ص ٢٤٢ (طبع سعيد) كتاب الطلاق [illegible] ويقع [illegible] مطلب [illegible] الخ

(٢) راجع التفصيل الى ردّ المحتار مطلب في تعريف السكران وحكمه ج ٣ ص ٢٣٩ (طبع سعيد)

(٣) وفي الشامية قبيل مطلب في المسائل التي تصح مع الإكراه ج ٣ ص ٢٣٦ طبع سعيد وفي البحر [illegible] الإكراه على التلفظ بالطلاق فلو أكره على أن يكتب طلاق امرأته فكتب لا تطلق لأن الكتابة أقيمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة هنا ... الخ

(٤) وفي الشامية مطلب في الطلاق بالكتابة ج ٣ ص ٢٤٦ فهي غير المستبينة لا يقع الطلاق وإن نوى وإن كانت مستبينة لكنها غير مرسومة إن نوى الطلاق يقع وإلّا لا ... الخ

بقوله لأن الکنایة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ھنا (۱) (راجع رد المحتار ج ۲ ص ۹-۵۰۵، وج ۲ ص ۵۸۳ (۲)، وج ۲ ص ۵۸۹ (۳)) فلیتأمل۔ (۴)

صورتِ مسئولہ میں مغلظہ طلاق واقع ہوگئی　　　واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح　　　احقر محمد تقی عثمانی

محمد عاشق الٰہی بلند شہری　　　۱۳۸۷/۱۲/۵ھ

(فتویٰ نمبر ۱۴۱۸/۱۸ الف)

انگریزی طلاق نامے میں "Divorce" کے بجائے "Divorse" لکھ دینے سے بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے

سوال - میں نے اپنی بیوی کو جو میری بغیر اجازت کے اپنے والدین کے یہاں چلی گئی تھی، اس کو ڈرانے کے لئے ایک تحریر نامہ لکھا جو انگریزی میں تھا، بذریعہ ڈاک بھیج دیا، اس میں لفظ "Divorse" انگریزی میں لکھا ہوا ہے، جس کے معنی طلاق کے بالکل نہیں ہوتے، میرا منشاء بالکل طلاق دینے کا نہیں تھا، صرف اس نے لکھا تھا کہ آئندہ کے لئے میری بیوی اس حرکت کا ارتکاب نہ کرے، تو کیا اس صورت میں طلاق ہوگئی؟

جواب - اس مسئلے کا جواب دار العلوم کراچی کی طرف سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہم نے پہلے لکھ دیا ہے، وہ جواب پورے غور وفکر اور تحقیق کے بعد لکھا گیا ہے، وہ ہی درست ہے، ہجاء کی مذکورہ غلطی سے کہ "Divorce" کو 'Divorse' لکھ دیا، کوئی فرق نہیں پڑتا، تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں، آپ کی بیوی آپ پر حرام ہوچکی ہیں، اور اب دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا، الّا یہ کہ وہ عدت گزارنے کے بعد کہیں اور نکاح کریں، پھر اس شوہر کا انتقال ہوجائے یا وہ بھی کسی وجہ سے صحبت کے بعد طلاق دیدے، اس کی عدت گزارنے کے بعد باہمی رضامندی کے ساتھ آپ سے نکاح ہوسکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح　　　احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ　　　۱۳۹۱/۵/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۶۸۱/۲۲ ب)

(۱ تا ۴) متعلقہ عبارات پچھلے صفحے کے حاشیہ نمبر ۴ میں درج کردی گئی ہیں۔ (محمد زبیر حق نواز عفی عنہ)

بیوی نے جعلی طلاق نامہ تیار کیا ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال:- میری زوجہ نے میری جانب سے جعلی تحریر و دستخط کے ذریعہ اپنی جانب سے طلاق نامہ پیش کر کے طلاق ذہنی حاصل کی ہے، نقول جعلی طلاق نامہ پیش خدمت ہیں، کیا اس صورت میں میری جانب سے میری بیوی کو طلاق واقع ہوگئی ہے؟

جواب:- اگر سوال میں درج کیا ہوا بیان درست ہے، یعنی منسلکہ تحریر جعلی ہے، تو آپ کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، اس لئے کہ طلاق کے وقوع میں اگر زوجین کا اختلاف ہو تو یہ ضروری ہے کہ یا تو شوہر طلاق دینے کا اقرار کرے یا گواہوں کے ذریعہ شرعی طریقہ پر عدالت میں یہ ثابت کر دیا جائے کہ شوہر نے طلاق دی ہے۔(۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۶/۸ھ
(فتویٰ نمبر ۶۷۶/۱۹ الف)

جواب صحیح
بندہ محمد شفیع

طلاق نامہ پر زبردستی دستخط کروانے کا حکم

سوال:- میری شادی [illegible] سال ہوئے میری بیوی میکے چلی گئی، کچھ عرصہ بعد واپس آگئی، اور میری غیر موجودگی میں وہاں خوشی خوشی چلی گئی [illegible] جب میں نے [illegible] اپنی بیوی کے والدین سے سبب دریافت کیا [illegible] انہوں نے [illegible] اقدام کیا تو وہاں ان کے دوسرے رشتہ دار بھی موجود تھے انہوں نے مجھے طلاق کی دھمکی دے دی، اور پھر [illegible] زبردستی سے طلاق نامہ [illegible] مجھ سے زبردستی اس پر دستخط لے لئے، نہ مجھے تحریر معلوم اور نہ میں نے زبان سے الفاظ طلاق کہے تھے۔

تنقیح:-

زبردستی دستخط کرانے کی کیا صورت پیش آئی؟ اگر آپ دستخط نہ کرتے تو آپ کو کیا اندیشہ تھا؟ اس کا جواب آنے پر اصل مسئلہ کا جواب لکھا جائے گا۔

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۱۳۸۸/۱/۱۲ھ

[illegible]

(۲) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۳۵۲ (فإن اختلفا في وجود الشرط) أي ثبوته ليعم العدمي (فالقول له مع اليمين) لانكاره الطلاق

جوابِ تنقیح:-

بات یہ تھی کہ میری بچی زد دلہن میرے سالے کے گھر تھی، تو انہوں نے اس کو کافی تکلیف دینے کے بعد طلاق کا کاغذ دے دیا تھا تو بعد میں مجھے دھمکی دینے لگے کہ تم سے بھی یہی معاملہ کردیں گے، چونکہ میں اکیلا ہوں، میرا کوئی بھائی و مددگار نہیں، اس لئے میں نے وہاں سے گھر بھی بھاگنے کی کوشش کی مگر انہوں نے نہ چھوڑا اور زبردستی دستخط کرنا پڑے۔

جواب:- صورتِ مذکورہ میں اگر آپ کو یہ معلوم تھا کہ جس کاغذ پر مجھ سے دستخط لئے جارہے ہیں وہ طلاق نامہ ہے، تو اس پر دستخط کرنے سے طلاق واقع ہوگئی، کتنی طلاقیں واقع ہوئیں؟ اور دوبارہ زوجیت کا تعلق قائم کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ ان باتوں کا جواب طلاق نامہ دیکھ کر دیا جاسکتا ہے۔

واللہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی
۱۳۸۸/۱/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۵۴/۱۹ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

فصل فی تعلیق الطّلاق

(طلاق کو کسی شرط پر معلق کرنے کا بیان)

"کُلما طلاق کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا" الفاظ کا حکم

(حضرت مولانا علی محمد رحمہ اللہ مہتمم دارالعلوم کبیر والا کے سوال کے جواب میں)

سوال: غیر منکوحہ (غیر شادی شدہ) نے یوں کہا "مجھے کلما طلاق کی قسم فلاں فلاں کام نہیں کروں گا" پھر کرلیا، کیا نکاح کرسکتا ہے؟

۲- اگر قسم صحیح ہو جائے تو کیا تزویج فضولی و اجازت عملیہ کا حیلہ یہاں چل سکتا ہے؟

(حضرت مولانا) علی محمد (صاحب)

(مہتمم دارالعلوم عیدگاہ کبیر والا، ملتان)

جواب: ان الفاظ کا کوئی صریح حکم کتب میں نہیں ملا، البتہ قواعد کا مقتضی یہ ہے کہ صورت مسئولہ میں نکاح کرنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ قال الشامی فی ردّ المحتار نقلا عن الفتح وقد تعورف فی عرفنا فی الحلف الطّلاق یلزمنی لا افعل کذا یرید ان فعلته لزم الطّلاق ووقع فیجب أن یجری علیهم لأنه صار بمنزلة قوله ان فعلت فانت طالق، وکذا تعارف اهل الأریاف الحلف بقوله علیّ الطّلاق لا افعل اهـ وهذا صریح فی أنّه تعلیق فی المعنی علی فعل المحلوف علیه بغلبة العرف وإن لم یکن فیه اداة تعلیق صریحًا (شامی ج ۲ ص ۴۳۳)۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جب کلام میں صریح لفظ تعلیق موجود نہ ہو تو اعتبار عرف کا ہوتا ہے، جن صورتوں میں فقہاء نے وقوعِ طلاق کا حکم دیا ہے، وہ سب شادی شدہ شخص سے متعلق ہے، کیونکہ شادی شدہ شخص ایسے الفاظ استعمال کرے تو عرفاً ان کا مطلب تعلیق طلاق ہی ہوتا ہے، لیکن غیر شادی شدہ شخص کا یہ کہنا کہ مجھے طلاق کی قسم فلاں کام نہیں کروں گا، یہ تعلیق مضاف الی الملک میں متعارف نہیں ہے۔(۲)

---

(۱) ردّ المحتار ج:۳ ص ۲۵۳ (طبع سعید)

(۲) حاشیہ نمبر۲ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

خاص طور پر "کلمہ طلاق کی قسم" لفظاً متعارف تو ہے، عوام کی سمجھ سے بھی باہر نہیں، اور جب عرف میں ان الفاظ کو تعلیق طلاق کے معنی نہیں سمجھا جاتا تو ان سے طلاق بھی واقع نہیں ہوگی، لأنّ مبنى الأيمان على العُرف۔[1]

بہتر احتیاط کا تقاضا یہ ہے کہ مذکورہ شخص اپنا نکاح خود نہ کرے، بلکہ کوئی فضولی اس سے کہے بغیر اس کا نکاح کر دے، اور پھر وہ اسے اپنے عمل سے، مثلاً مہر ادا کر کے نافذ قرار دیدے، اس طرح نکاح درست ہو جائے گا اور بلاشبہ[2] طلاق واقع نہیں ہوگی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۹/۵ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۲۲/۵۶۴ ب)

"میں نے اس کو طلاق دی، طلاق، طلاق ان شاء اللہ" الفاظ کا حکم

سوال - ایک شخص نے سخت غصے کے عالم میں اور نشے میں اپنی بیوی کو جبکہ وہ غیر حائضہ تھی اس طرح الفاظ کہے "میں نے اس کو طلاق دی، طلاق، طلاق ان شاء اللہ" اب جبکہ غصہ رفع ہو گیا ہے، کیا یہ شخص اپنی بیوی سے رجوع کر سکتا ہے؟

جواب - صورت مسئولہ میں "ان شاء اللہ" اگر متصلاً کہا تھا، یعنی بیچ میں خاموشی نہیں کی تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، لما في البحر: والفاصل اللغو يبطل المشيئة فهذا طلقت ثلاثا

[illegible]
[illegible] ... ولا ... في ...
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] ... ص ۲۹۸ ...
[illegible] ... مبنى الأيمان على الألفاظ دون الأغراض ... لہٰذا "کلمہ کی قسم" منعقد ہی نہیں ہوئی، کیونکہ غیر اللہ کی قسم کھانے سے قسم منعقد نہیں ہوتی۔
(مذکورہ حاشیہ رجسٹر نقل فتاویٰ دار الافتاء دار العلوم کراچی کے فتویٰ نمبر ۲۴/۲۵۸ سے ماخوذ ہے)۔ (محمد زبیر حق نواز)

(۱) دیکھئے فتاویٰ شامیہ مطلب الأيمان مبنية على العُرف ... الخ ج ۳ ص ۷۴۳ (طبع سعید)

(۲) وفي البحر الرائق ج ۳ ص ۱۲۶ طبع سعید، حلف لا يتزوج فزوجه فضولي ... [illegible] نكاح فضولي ... [illegible]

في قوله أنت طالق ثلاثا وثلاثا إن شاء الله وفي قوله أنت طالق وطالق وطالق إن شاء الله بخلاف أنت طالق واحدة وثلاثا إن شاء الله يكون فاصلا للتكميل كقوله أنت طالق وطالق وطالق إن شاء الله. (البحر الرائق ج۴ ص:٣٧)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

١-٩-١٣٩...ھ

(فتویٰ نمبر ٢٨/٩٦٢ ج)

"اگر اب تم میرے گھر آئی تو ان شاء اللہ تمہیں طلاق ہوجائے گی" الفاظ کا حکم

سوال:- مسئلہ یہ ہے کہ میری بیوی اپنے والدین کے گھر چلی گئی اور میں نے بیوی سے کہا کہ "اگر اب تم میرے گھر آئی تو ان شاء اللہ تمہیں طلاق ہوجائے گی" یہ کہہ کر چند دنوں کے بعد اس کے چھوٹے برادران، بھتیجا اس کے والدین کے گھر جاکر زبردستی یعنی اس کی بیوی خود راضی نہ تھی، اس شوہر کے گھر لے آئے، شوہر نے جب بیوی واپس گھر دیکھی تو اس پر ناراض ہوا اور کہا کہ منع کیا تھا کہ گھر مت آنا ورنہ تین طلاق ہوجائے گی، پھر شوہر نے ایک ہی نشست میں تین بار کہا کہ "ان شاء اللہ میں تمہیں طلاق دیتا ہوں" واضح رہے کہ بیوی نو ماہ کی حاملہ بھی ہے۔ جواب دیں۔

جواب:- اگر یہ درست ہے کہ دونوں خط کشیدہ جملوں کی ادائیگی کے وقت آپ نے "ان شاء اللہ" کہا تھا تو صورتِ مسئولہ میں آپ کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، وہ بدستور آپ کے نکاح میں ہیں، لیکن اگر کسی ایک مرتبہ بھی "ان شاء اللہ" نہ کہا ہو تو جواب مختلف ہوگا، اس صورت میں مسئلہ دوبارہ پوچھیں اور معاملہ چونکہ حلال وحرام کا ہے اس لئے خوب سمجھ سوچ کر فیصلہ کریں۔

واللہ اعلم

١٣/١٢/١٤٠٦ھ

(فتویٰ نمبر ١٧٩٣/٣٧ د)

---

(١) طبع مكتبه رشيديه كوئٹه. وفي مجمع الأنهر في الطلاق ج ١ ص ٤١٩ طبع مكتبه [illegible] [illegible] وفي [illegible] ج ٣ ص٣٦٧ الى ٣٦٨ (طبع سعيد) قال لها أنت طالق ان شاء الله متصلا مسموعا لا يقع

(٢) وفي [illegible] ج ٣ ص ٣٦١ و٣٦٦ قال لها أنت طالق ان شاء الله متصلا مسموعا لا يقع [illegible]

(٣) [illegible]

''اگر زوجہ کے باپ نے ایک ہفتے کے اندر عورت نہ دی تو میری طرف سے طلاق ہے'' الفاظ کا حکم

سوال - ایک شخص نے اپنی زوجہ کے متعلق جو کہ اس وقت باپ کے گھر میں ناراض بیٹھی ہوئی ہے، کہا کہ ''اگر زوجہ کے باپ نے ایک ہفتے کے اندر عورت نہ دی تو میری طرف سے طلاق ہے'' اس پر لڑکے کے والد نے ڈانٹا اور لڑکے نے پھر وہی الفاظ دہرائے، پھر والد نے ڈانٹا اور لڑکے نے پھر کہا کہ ''اگر ایک ہفتے کے اندر نہ دی تو میری طرف سے آزاد ہے'' اب اس گفتگو کی نہ عورت کو خبر ہے نہ اس کے والد کو اطلاع ہے، نہ زوجہ کے پیچھے کوئی لانے کے لئے گیا ہے، کیا اس صورت میں طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟

جواب - صورت مسئولہ میں اگر زوجہ کا باپ اس کو ایک ہفتے کے اندر شوہر کے پاس نہیں بھیجے گا تو زوجہ پر تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی، کما فی الدر المختار فی أیمان الفتح ما لفظه وقد عرف فی الطلاق أنه لو قال إن دخلت الدار فأنت طالق، إن دخلت الدار فأنت طالق، إن دخلت الدار فأنت طالق، وقع الثلاث (شامی ج ۲ ص ۵۱۵)[1] واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۸/۱/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۶ الف)

''اگر میں ہندہ کو آئندہ چاہوں اور بدخیلی کروں تو جو بیوی ابھی میرے نکاح میں ہے مجھ سے تین طلاق'' الفاظ کہنے کا حکم

سوال - زید نے اپنے چچازاد بھائی جو رضاعی بھائی بھی ہے، ان کی لڑکی ہندہ سے خفیہ تعلقات قائم کئے، باپ کو واضح ہونے پر زید کو مارنا چاہا تو لوگوں نے خلاف مصلحت بتا کر روک دیا، لوگوں نے کہا کہ زید سے ایک اقرار نامہ لے لیا جائے تاکہ دوبارہ اس کا ارتکاب نہ کرے، مضمون اس طرح ہے ''میں اقرار کرتا ہوں کہ اگر میں ہندہ کو آئندہ چاہوں اور بدخیلی کروں تو جو بیوی ابھی میرے نکاح میں ہے مجھ سے تین طلاق ہو جائے گی اور اس مجلس میں بدرضائی اور بخوشی اقرار کرتا ہوں کہ اس لڑکی کو آئندہ اپنی بیٹی سمجھوں گا''

---

(۱) الدر المختار مع ردّ المحتار كتاب الأيمان باب التعليق ج۳ ص ۳۴۶ (طبع سعيد)
وفي الهندية كتاب الطلاق الباب الرابع في الطلاق بالشرط الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة إن وإذا وغيرهما ج ۱ ص ۴۲۰ طبع ماجدية كوئٹه وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق. وفي الهداية كتاب الطلاق باب الأيمان في الطلاق ج ۲ ص ۳۸۵ طبع شركت علميه ملتان
وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط مثل أن يقول لامرأته إن دخلت الدار فأنت طالق

اس مضمون کی تحریر پر چار گواہوں کے دستخط بھی ہیں، اس اقرارنامے کے بعد ہندہ کے باپ نے دوسری جگہ شادی کردی، شادی کے دس پندرہ روز کے بعد ایک نکاح نامہ بنوا کر اپنے چند حامیوں کی مدد سے ہندہ کے شوہر (یعنی داماد) کے پاس گئے اور نکاح نامہ دکھا کر کہا کہ میری بیوی دو، ورنہ پولیس سے گرفتار کرادوں گا، لیکن داماد اور چند آدمیوں نے زید کو جعل باز و مکار کہہ کر بھگا دیا، دو ایک روز کے بعد زید، ہندہ کو زبردستی اٹھا کر لے گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس اقرارنامے کے بعد ان شرطوں کی خلاف ورزی کرتے ہوئے جو ثابت ہو رہی ہے، لہٰذا وجود شرط ہوتا ہے یا نہیں؟ اور زید کی منکوحہ مطلقہ ہوئی یا نہیں؟

جواب - اگر سوال میں درج شدہ واقعات درست ہیں اور زید نے واقعۃً ہندہ کو جھوٹے طریقے پر اپنی بیوی بنانے یا اسے اغوا کرنے کی کوشش کی ہے تو اس کے خط کشیدہ الفاظ کی رو سے اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں[1]، اور وہ حلالہ کے بغیر اس کے لئے حلال نہیں ہوسکتی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۱۳ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۱۰۵۸ ج)

تعلیق کی ایک مخصوص صورت میں طلاق کے عدم وقوع کا حکم

بیوی کے کلمۂ کفر کہنے پر طلاق کو معلق کیا اور بیوی نے کلمۂ کفر کہہ دیا تو کیا حکم ہے؟

سوال - ہمارے دفتر میں دیگر ساتھیوں نے ایوبیہ جاکر سیر کرنے کا پروگرام بنایا، میں نے بیوی کو بتایا کہ ایوبیہ جا رہا ہوں، اس نے کہا کہ مجھے چھوڑ کر کیسے سیر کو جاؤگے، میں نے کہا کہ "تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، صبح جاؤں گا شام کو آجاؤں گا" اس پر وہ کہنے لگی کہ اس کا مطلب ہے کہ مجھے ساتھ لے جاؤگے، میں نے کہا نہیں صرف مرد جائیں گے۔ خط کشیدہ فقرہ میں نے کہا کہ خیال طلاق دل میں آگیا تھا، بہرکیف بعد میں اس نے پوچھا کہ تم پھر کل جاؤگے، میں کسی اور دھیان میں تھا، کہہ دیا "ہاں!" "اب اگر کل میں چلا جاؤں (طلاق کی نیت بالکل نہیں ہے اور نہ تھی) تو کیا اس سے طلاق واقع ہوجائے گی؟ اور فرض کریں کہ اگر پکنک کے دوران یہ کہا جائے کہ "اب تو چھوڑتا ہوں آئندہ نہیں چھوڑوں گا" اس سے طلاق تو نہیں ہوگی؟

---

[1] وفی الهندية ج ٣ ص ٥٠٣ قال لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق فدخلت مرارا وقع الطلاق بوجود الشرط۔ نیز دیکھئے سابقہ فتویٰ اور اس کا حاشیہ۔

۲- اور زید نے اپنی بیوی کو کہا کہ ''اگر تم کفریہ کلمہ کہو گی یا کفریہ بات کرو گی تو تمہیں طلاق ہوگی'' تو اس کی بیوی نے کسی مصیبت کی حالت میں غلطی سے کہہ دیا (معاذ اللہ) ''خدا بھی تو رحم نہیں کرتا'' (بغیر قصد حاصل کرنے کی غرض سے نہ کہا) کیا طلاق ہوگئی؟ مرسلہ ... ۵؍۶

جواب ۱- صورت مسئولہ میں آپ کے الفاظ سے طلاق واقع نہیں ہوئی، نیز دونوں کی صورت میں جب یہ کہے کہ ''اب تو چھوڑتا ہوں، آئندہ نہیں چھوڑوں گا'' اس سے بھی طلاق نہیں ہوگی۔

۲- ''خدا بھی تو رحم نہیں کرتا'' (معاذ اللہ) کلمہ کفر ہے، ایسی صورت میں بیوی سے توبہ اور تجدید نکاح کرانا چاہئے، اور صورت مسئولہ میں نکاح جدید سے پہلے تحقیق یہ کر لینا چاہئے کہ آئندہ ... سے محتاط ہو جائیں، ... طلاق نہیں ہوگی۔

وفي العالمگيرية من سب الله تعالى الى الجور فقد كفر (عالمگيرية ج ۲ ص: ۲۵۹)۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۲-۲-۱۳۹۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۵۷۷ ب)

شوہر کے الفاظ ''تمہیں طلاق تو ہو جائے گی'' میں شوہر کی نیت کی ایک مخصوص صورت

سوال: فتویٰ نمبر ... دارالعلوم کراچی ۱۴، ۱۳۹۱ھ مرسل خدمت ہے، یہ مسئلہ جناب رشید احمد صاحب کی خدمت میں لایا گیا ہے، تا کہ کوئی حتمی قطعی فتویٰ صادر فرمایا جائے، اس سلسلے کے چند ضروری واقعات مختصراً درج ذیل ہیں۔

نمبر ۱- شوہر کا اصل خط ... مورخہ ۵ اپریل ۱۹۷۱ء جس کی نقل (فتویٰ کی پشت پر ہے) ملاحظہ فرمایا ہے، اس میں شوہر نے دوسری صورت کے متعلق ''تمہیں طلاق تو ہو جائے گی'' کی مدت اس مہینے کی آخر تک یعنی ۳۰ اپریل تک مشروط رکھی ہے کہ اس وقت تک ... جہیز اور مہر وغیرہ سے متعلق باتوں کا تصفیہ اس مہینے کے آخر تک کر لیں۔

نمبر ۲- بیوی کے والد نے اس کا جواب ایک خط مورخہ ۲۶ اپریل ۱۹۷۱ء کے ذریعہ روانہ کی تھی، اس کی نقل منسلک ہذا ہے، جس میں جہیز اور مہر وغیرہ کا ذکر کئے بغیر یہ لکھا گیا ہے کہ شوہر اور اس کے

(۱) طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ

والد صاحب جلد از جلد اندرون ایک ہفتہ آئیں تاکہ معاملات کو مناسب طریقے سے سلجھایا جاسکے، مگر افسوس کہ شوہر نہ آئے اور نہ ان کے والد صاحب آئے، اس طرح کوئی بات نہ بنی۔

نمبر۳ - بیوی کے والد نے اپنی ایک لڑکی کی شادی کے موقع پر شوہر اور ان کے والد کو بلایا لیکن پھر بھی حاضر نہ ہوئے۔

نمبر۴ - بیوی کے والد کا قیام لندن میں ہے، وہ اپنی دو بیٹیوں کی شادی کے موقع پر حاضر ہوئے اور چاہا کہ اس معاملے کا بھی تصفیہ ہو جائے، لیکن ناکام رہے۔

نمبر۶ - بعد "تعلیق طلاق تو ہو جائے گی" کے متعلق فتویٰ منسلکہ ہے جس پر اطراف سے آخری حصہ میں شوہر کا مقصد دریافت کیا گیا ہے۔ جس کا علم نہ ہو سکا ہے، لیکن بندہ صرف یہ نتیجہ اخذ کرسکتا ہے کہ شوہر تہذیب یافتہ ہے اور مرنجان و مرنج طبیعت کا حامل ہے، کسی سنگین معاملے کی خود ابتداء کرنا نہیں چاہتا اور نہ اس کی ذمہ داری اپنے سر لینا چاہتا ہے۔

نمبر۷ - اس کی بیوی اس وقت تقریباً آٹھ مہینے کی حاملہ ہے، اور وسط فروری ۱۹۷۰ء سے اپنے میکے میں ہے، شوہر اس بارے میں اپنی بیوی کو سخت اذیت میں رکھتا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اس طلاق کے احتمال کی خبر کی بابت شوہر کا مقصد بیان نہیں کیا ہے، وہ اپنے آپ پر اس کی ذمہ داری لینا نہیں چاہتا، شوہر نے اپنے مذکورہ خط مورخہ ۵ اپریل ۱۹۷۱ء کے بعد اب تک اپنی بیوی سے ملاقات نہیں کی، اور نہ ہی بیوی اپنے شوہر کے گھر جاسکتی ہے، یعنی بیوی تادم تحریر اپنے گھر میں ہے، اور ان دنوں تقریباً آٹھ مہینے کی بچی کی زچگی سے فارغ ہوئی، بیوی اب تک آپ سے ایسے مدلل فتویٰ کی خواہاں ہے تاکہ وہ اپنی ازدواجی زندگی استوار کرسکے۔

جواب - جو حالات آپ نے دوبارہ لکھے ہیں ان سے فتویٰ کے جواب میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، جہاں تک طلاق کا مسئلہ ہے اس کے بارے میں پہلے ہی لکھا جا چکا ہے کہ شوہر نے جو یہ الفاظ لکھے ہیں کہ "دوسری صورت میں تعلیق طلاق تو ہو جائے گی" ان کی صحیح مراد شوہر ہی سے معلوم کی جاسکتی ہے کہ آیا وہ ان الفاظ کی تحریر کے وقت طلاق واقع کرنے کی نیت رکھتا تھا یا محض آئندہ واقع ہو جانے کی خبر دے رہا ہے، اس لئے بہتر یہ ہے کہ یہ فتویٰ اس کے پاس بھیج کر اس سے وضاحت طلب کی جائے، اور وضاحت میں وہ جو کچھ تحریر کرے وہ یہاں بھیج دیا جائے تاکہ پھر کوئی حتمی جواب دیا جاسکے گا۔

یہ بات قابل وضاحت ہے کہ اگر شوہر جواب میں یہ ظاہر کرے کہ ان الفاظ سے وہ طلاق ہی واقع کرنا چاہتا تھا تب بھی ایک طلاق رجعی واقع ہوئی، جس کا حکم یہ ہے کہ عدت کے دوران (یعنی بچے کی

پیدائش سے پہلے پہلے) وہ رجوع کرسکتا ہے،(۱) اور عدت کے بعد دوبارہ باہمی رضامندی سے نکاح بھی ہوسکتا ہے، لہٰذا اس طلاق کی وجہ سے آئندہ تصفیہ کی راہ میں کوئی خاص رکاوٹ نہیں ہوگی، آپ نے خواہش ظاہر کی ہے کہ یہاں سے شوہر کے نام کوئی مشورہ کا خط لکھا جائے، لیکن فریقین کے حالات سے مکمل واقفیت کے بغیر محض یک طرفہ بیان پر ایسا کوئی خط لکھنا دارالافتاء کا منصب نہیں ہے، اس لئے اس معاملے میں معذرت قبول فرمائیں، یہ معاملہ باہمی گفتگو ہی سے سلجھانا چاہئے، اگر وہ آپ کے پاس نہیں آتا تو آپ اس کے پاس جاسکتے ہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۱/۴/۲۲ھ

(فتویٰ نمبر ۹ــ۵ ۲۲ ب)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

شوہر کے الفاظ ”اپنے دو بھائیوں کی گھر والیوں سے کچھ نہ مانگوں گا، اگر مانگوں تو مجھ پر میری بیوی سات شرطوں پر طلاق“ کا حکم

سوال - تین بھائی ہیں، دو بھائیوں کے درمیان گھر کے کسی معاملے میں بات بڑھ گئی، ایک بھائی نے یہ کہا کہ ”میں اپنے دونوں بھائیوں کی گھر والیوں سے کچھ نہیں مانگوں گا، اگر مانگوں تو مجھ پر میری بیوی سات شرطوں پر طلاق ہوگی۔“ کیا اگر وہ اب کوئی چیز مانگے یا بغیر اس کے مانگے، بھابھیاں اگر خود اس کو چائے، پانی دے دیں تو طلاق ہوجائے گی؟

جواب - اگر اس بھائی نے ٹھیک وہی الفاظ استعمال کئے تھے جن کا خط کشیدہ دیا گیا ہے، تو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بھائی جب بھی کبھی اپنی دونوں بھاوجوں میں سے کسی سے کوئی چیز مانگے گا تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی،(۲) اور پھر اس بیوی سے دوبارہ نکاح بھی حلالہ کے بغیر نہ ہوسکے گا، ہاں! اگر وہ خود کوئی چیز دیں اور یہ لے لے تو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، لیکن مانگنے میں سخت احتیاط کی ضرورت ہوگی، اور اگر اس خطرے سے مکمل طور پر بچنا ہو اور بھاوجوں سے کچھ مانگنا ضروری ہو تو اس مشکل سے نکلنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی بیوی کو صرف ایک طلاق رجعی دیدے اور عدت گزر جانے دے، عدت گزرنے کے بعد بیوی نکاح سے نکل جائے گی، اب دونوں بھابھیوں سے کچھ

---

(۱) وفی الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة ج ۲ ص ۳۹۴ (طبع شركت علميه، ملتان) واذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله أن يراجعها في عدتها ... الخ

(۲) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۳۹۰ اور ص ۳۹۱ کا حاشیہ نمبر۱۔

مانگ لے تو کوئی طلاق واقع نہیں ہوگی، پھر اپنی مطلقہ بیوی سے دوبارہ نئے مہر پر نکاح کرے[2] تو اس نئے نکاح کے بعد ہمیشہ کے لئے بھتیجوں سے پیسہ مانگنا اس کے لئے ممکن ہو جائے گا اور پھر اس سے کبھی طلاق واقع نہ ہوگی،[3] البتہ آئندہ اُسے صرف دو طلاقوں کا اختیار رہ جائے گا، لیکن اس طریقے پر عمل کرنے سے پہلے کسی مستند عالم سے اس کو اچھی طرح سمجھ لیں، کیونکہ ذرا سی بے احتیاطی سے معاملہ خراب ہوسکتا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۹/۹ھ

(فتویٰ نمبر ۹۳۴/۲۸ ج)

”تم اگر بغیر اجازت گھر سے باہر قدم رکھوگی تو تمہاری جانب سے خلع یعنی طلاق ہوجائے گی“ الفاظ کا حکم

سوال:- میری شادی کو ساڑھے تین سال کا عرصہ ہوا ہے، اور ڈھائی سالہ لڑکی بھی ہے، اور گزشتہ ساڑھے تین سال سے ہی میرے گھریلو حالات ٹھیک نہیں ہیں، اکثر میری بیوی معہ بچی کے اپنے گھر بیٹھ جاتی ہے، اور اس طرح ہم دونوں کی صحت پر برا اثر پڑا ہے، میرا خیال ہے کہ میرے سسرال والوں کی جانب سے میری بیوی کو شہ ملنے کی وجہ سے صورتِ حال بد سے بدتر ہوتی گئی، میں بدنام اور بے عزت ہوا، اکثر گھر کا سب گھر ہوتے مجھے ڈرایا دھمکایا گیا، اور کبھی کبھی ان کے بھائی اور والدہ صاحبہ ان کو میرے گھر آکر لے گئے، اس طرح ہماری زندگی گزرتی رہی، ان کے گھر والوں کی جانب سے کارروائی بھی کرنے کا حق نہ دینے اور دور رکھنے کا ارادہ کر لیا تھا، بہرحال اب جبکہ میری بیوی دو مہینے گزار کر میرے گھر واپس لوٹی تو ہم اچھی طرح رہ رہے تھے، پچھلے دنوں میں بیمار رہا، اور گھر میں کچھ تنازعہ پیدا ہوگیا، اس طرح آفس کو ٹھیک سے نہ جاسکا، مجھے میری بیوی کا بغیر اجازت میرے غائبانہ میں باہر کسی کے گھر جانا رہنا بالکل ناپسند ہے، گو کہ میری بیوی پر مجھے کامل بھروسہ ہے۔ ایک دفعہ جب میں آفس جانے لگا تو میری بیوی نے میری چیزوں میں سے گھر کی چابی نکال کر رکھ لی، اس پر میں نے ان کو کہا تم کہیں بھی نہیں جانا، اس پر میری بیوی نے کہا کہ میں ضرور جاؤں گی، اکیلی گھر میں بند نہیں رہ سکتی۔ اس پر میں برہم ہوگیا اور کہا کہ تم کو میں بار بار سمجھاتا ہوں پر تم نہیں مانتی۔ پھر میں نے قرآن شریف کو

---

(۲) وفي الدر المختار باب التعليق ج ۳ ص ۳۵۵ طبع سعيد: فحيلة من علق الثلاث بدخول الدار ان يطلقها واحدة ثم بعد العدة تدخلها، فتنحل اليمين فينكحها ... الخ

وكذا في الهندية، الباب الرابع في الطلاق بالشرط، الفصل الأول في ألفاظ الشرط ج [illegible] ص [illegible] طبع ماجديه

(۳) وفي الدر المختار مع رد المحتار كتاب الطلاق باب التعليق ج ۳ ص ۳۵۲ طبع سعيد: وتنحل اي تبطل اليمين ببطلان التعليق اذا وجد الشرط مرة ... الخ (محمد زبير حق نواز)

گویا رکھا گیا، یہ الفاظ تھے: "تم اگر بغیر اجازت میرے گھر سے باہر قدم رکھو گی تو تمہاری جانب سے خلع یعنی طلاق ہو جائے گی۔" اس کے بعد بیوی جو والد کے مکان پر ہے، اس کو بھی معلوم ہے کہ میں نے اپنی بیوی کو باز رکھنے کے لئے ایسا کہا ہے، اس کی خلاف ورزی کرے گی تو خود ذمہ دار ہوگی، پھر میں گھر سے نکل آیا اور جب میں نے اپنی بیوی کی ضد دیکھی تو میں نے جانے کی اجازت دے دی اور قرآن شریف گواہ رکھا، پھر میں نے اسی وقت مکان پر آ کر والدہ سے کہا کہ آپ اپنی بہو کو میری بیوی کو سمجھانے کے لئے بھیج دیں، اسے میں نے اجازت دے دی ہے۔ اس کے بعد میں سسرال گیا اور اپنے سسر صاحب کو پورا واقعہ سنایا، وہ آپے سے باہر اور غصہ ہوئے اور کہا کہ میں تمہاری بیوی کو [illegible] رہا ہوں، آج کل فون کر دوں گا آپ بعد کو آ کر لے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ میں آپ کے اوپر کے فتوے کی تصدیق کروں گا، اس پر میں نے [illegible] زیور اور اوپر کے [illegible] الفاظ [illegible] صاحب کو واپس دیئے کہ کسی سے تصدیق کریں، کہیں یہ لوگ غلط فہمی میں میری بیوی کو بٹھا کر مجھ سے دور نہ کر دیں، اس کا فتویٰ صادر فرمائیں۔

جواب: اگر سوال میں درج شدہ واقعات درست ہیں تو آپ کی بیوی پر کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، وہ بدستور آپ کی بیوی ہیں، اور آپ انہیں اپنے گھر رکھ سکتے ہیں، اور خط کشیدہ الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ ان الفاظ میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ بیوی کی طرف سے شوہر پر طلاق کے وقوع کو خروج من الدار پر معلق کیا گیا ہو، اس صورت میں طلاق کا عدم وقوع ظاہر ہے۔

لما فی ردّ المحتار: (قال أنا منک طالق یلغو) فإن قوله أنا منک طالق فیه وصف الرجل بالطلاق صریحا فلا یقع لأن الطلاق صفة للمرأة (شامی ج ۲ ص ۴۳۳)۔[1]

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ شوہر کی طرف سے خلع کی معلق پیشکش ہو، اس صورت میں یہ زوجہ کے قبول پر موقوف ہوگی، اور قبول تعلیق کے وقت ہوا نہیں، اور شرط ابھی تک پائی نہیں گئی، اور شوہر زبانی اس احتمال کی نفی کرتا ہے۔

تیسرا احتمال یہ ہے کہ یہ اخبار ہو بیوی کے خلع کرنے سے، یعنی مطلب یہ ہو کہ تیرا خروج بلا اجازت علامت ہوگی تیری خواہش خلع یا بسبب خلع کی (اور شوہر اپنے جملے کا یہی مطلب زبانی بیان کرتا ہے) اس صورت میں یہ قول کذب یا محض زعم غلط ہے، جس سے کوئی اثر طلاق نہیں ہوتا۔ بہرصورت مذکورہ الفاظ سے کوئی طلاق واقع نہیں ہوئی۔　　واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۹/۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۱۴ ج)

(۱) ردّ المحتار تحت مطلب فی قوله علیّ الطلاق من ذراعی ج ۳ ص ۲۵۰ (طبع سعید)

شوہر کے الفاظ ''اگر کچھ دوبارہ والدہ کے بارے میں کچھ کہا تو میں طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں'' کا حکم

سوال:- مسئلہ یہ ہے کہ الف کی اپنی بیوی ب سے شدید تکرار ہوئی، جس پر ب نے الف کی والدہ صاحبہ کی شان میں گستاخی کی، الف نے بیوی کو کہا کہ: ''اگر کچھ دوبارہ والدہ صاحبہ کے بارے میں کچھ کہا تو میں تمہیں طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں۔'' بیوی بدستور گھر رہی، لیکن دوبارہ والدہ صاحبہ کے بارے میں کچھ نہ کہا، کیا بیوی کو طلاق ہوگئی؟ جواب دیں۔

جواب:- صورت مسئولہ میں اگر الف کی بیوی الف کی والدہ کی زبان سے گستاخی کرے گی یا ان کے بارے میں کوئی ایسی بات کہے گی جو ان کی برائی پر مشتمل ہو تو الف کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، اور وہ حلالہ کے بغیر الف کے لئے حلال نہ ہوگی۔ لیکن جب تک والدہ کے بارے میں کچھ برائی کی بات نہ کہے اس وقت تک وہ بدستور الف کے نکاح میں ہے۔ تاہم شدید احتیاط کی ضرورت ہے، اگر کبھی کوئی کلمہ غلطی سے بھی منہ سے نکل گیا تو طلاق واقع ہوجائے گی۔ اگر شوہر اس خطرناک صورت سے بچنے کے لئے اپنے مذکورہ طلاق سے بچنا چاہے اور عدم وقوع چاہے تو اس کا طریقہ کسی وقت زبانی آکر سمجھ لے۔

واللہ اعلم

۳-۳-۱۴۰۲ھ

(فتویٰ نمبر ۹۳-۱-۳۴ د)

کسی کو اس کی ہجو بتانے پر طلاق کو معلق کرنے کے بعد اسے ہجو سنا دی تو بھی طلاق واقع ہوجائے گی

سوال:- خالد نے زید و بکر کے روبرو عمرو کی ہجو کی ہے، زید نے بکر سے کہا کہ یہ ہجو عمرو کو بتا دے، تو دونوں شخص عمرو کے پاس گئے، تو بکر نے عمرو سے کہا کہ خالد نے تمہاری ہجو کی ہے، چنانچہ وہ ہجو زید نے عمرو کو سنا دی، تو اس نے اس کو پختہ یقین جان لیا، عمرو جب خلاف میں داخل ہوگیا تو قدیم شیوہ زید نے تقریر کی کہ میں نے ہجو کو بتا دینے سے عمرو کو مطلع نہیں کیا بلکہ بکر نے مطلع کیا ہے، کیونکہ اس نے خود ہجو سنا دی ہے اور بتائی نہیں، اس سے پہلے پہلے بکر نے ہجو بتا دینے سے عمرو کو مطلع کردیا ہے، نیز بکر کی زبانی شہادت اور باقی گواہوں کی شہادت کو بکر نے صرف زید کے مشورے سے اتنی کہا کہ خالد نے تمہاری ہجو کی ہے، چونکہ ہجو زید خوب جانتا ہے مجھے معلوم نہیں، کوشش یہ ہے کہ جب

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۹۰ و ص ۳۹۱ کا حاشیہ نمبر ا۔

بستی والوں نے زید سے سوال کیا کہ تم نے عمرو کو تجویز کیوں بتادی؟ زید نے کہا کہ میں نے تجویز بتادی ہے اور بتانے کی میری حلف نہیں۔

جواب — پہلے دو مرتبہ اس سوال کا جواب دیا جاچکا ہے، بتانے اور نہ بتانے میں کوئی فرق نہیں، اگر تجویز بتانے پر طلاق کو معلق کیا تھا اور بعد میں تجویز بتادی تو طلاق واقع ہوئی، اگر اس جواب سے اطمینان نہیں ہوتا تو اطمینان پیدا کرنا کسی کی قدرت میں نہیں ہے، فضول بار بار سوالات کرکے وقت ضائع نہ کیجئے، دین وشریعت کے معاملے میں یہ بہانہ جوئی سخت مذموم ہے۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ
۱۳۸۸/۱/۲۸ھ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۵۹/۱۹ الف)

''ہم پر اپنی عورتیں بشرعِ محمدی حرام ہوں اگر فلاں واقعہ نہ ہوا ہو'' الفاظ کا حکم

سوال — غلام محمد ولد جہان محمد قوم قصاب سکنہ جہلم ۲— محمد حیات ولد شاہ دین قوم اعوان سکنہ جہلم ۳— بشیر محمد ولد دوست محمد قوم اعوان ۴— سردار ولد بشیر محمد ۵— دوست محمد ولد محمد شیر نے دو جھوٹی قسم اٹھائی کہ غوث محمد ولد نور محمد کو مظفر خان ولد حاجی محمد خان نے بمع کیدو ہمراہیوں کے اغواء کرلیا ہے، پھر دوسرے دن کو غوث محمد نے اور اس کے ہمراہیوں نے حاجی محمد خان کی سماۃ صاحبہ خاتون دختر حاجی محمد خان خالہ مظفر خان، اسم خاتون دختر مظفر خان کو قتل کردیا ہے، پھر انہی

۱— مذکورہ پانچ شخص نے پولیس کے روبرو ان الفاظ سے طلاق اٹھائی ہے، باوضو ہوکر قرآن شریف سر پر رکھ کر اور زبانی بولا کہ ''ہم قسم اٹھاتے ہیں اس کلام پاک کی کہ غوث محمد ولد نور محمد و مظفر خان ولد حاجی محمد خان نے بمع کیدو شخص کے اغواء کرلیا ہے۔''

۲— ہم پانچوں اشخاص نے اپنی اپنی بیویوں کے نام لے کر تین تین دفعہ یہ الفاظ بولے کہ ''ہم پر اپنی عورت بشرع محمدی حرام ہو، اگر غوث محمد ولد نور محمد و مندرجہ بالا اشخاص نے اغواء نہ کیا ہو''

جبکہ صورت حال یہ ہے کہ غوث محمد ولد نور محمد کی زندگی کا ثبوت اور اشتہاری ملزم ہونے کا ثبوت اخبار میں درج ہے، اور اس کی گرفتاری 26.8.1968 کو عمل میں آئی ہے۔

جواب — اگر سوال کا یہ بیان درست ہے کہ غوث محمد کو کسی نے اغواء نہیں کیا تو پولیس کے

(۱) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۳۹۰ اور ص ۳۹۱ کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

ان سے قسم کھانے والے تمام افراد کی بیویوں پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں،[1] اب وہ حلالہ کے بغیر ان کے لئے ہرگز حلال نہیں ہوسکتیں۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۶/۱۴ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

تعلیق کی ایک مخصوص صورت میں شوہر کی نیت کا اعتبار

سوال:- زید نے ایک دن اپنے خاص کمرے میں آرام کیا، جس وقت وہاں اس کی بیوی سوئی ہوئی تھی، اتنے میں زید کے والد اس کے کمرے کے قریب گزرے، اس علاقے میں دن میں بیوی کے ساتھ سونا عیب سمجھا جاتا ہے، جب زید اپنے کمرے سے نکلا تو والد نے اس کو کہا کہ تم دن کو بیوی کے ساتھ سوتے ہو؟ زید نے اپنی [illegible] کے زجر پر کہا کہ "اگر ایسا ہے تو میری بیوی پر تین طلاق ہے"۔ اب اس سے پوچھا گیا کہ تمہارے اس کلام کا کیا مطلب ہے؟ اس نے کہا کہ میرا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے والد صاحب نے مجھے بیوی کے ساتھ سوتے ہوئے دیکھا ہے تو بیوی کو تین طلاق ہے۔ چونکہ کمرے کا دروازہ بند تھا، لہٰذا اس کے والد صاحب کے دیکھنے کا امکان بھی نہیں، اب سوال یہ ہے کہ مندرجہ بالا صورت میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟ نیز زید کے کلام کا کیا مطلب ہے؟

جواب:- صورت مسئولہ میں زید کے کلام "اگر ایسا ہے [illegible]" کا مطلب خود اسی سے معلوم کیا جائے گا، اگر وہ خدا کو حاضر وناظر جان کر یہ بیان دیتا ہے کہ اس کی مراد والد صاحب کا میاں بیوی کو ساتھ سوتے ہوئے دیکھنا ہے تو اس کی تصدیق کی جائے گی، اور طلاق کا دار ومدار والد کے دیکھنے پر ہوگا، اگر انہوں نے ان دونوں کو ساتھ سوتے ہوئے دیکھا ہو تو تین طلاقیں واقع ہوجائیں گی، ورنہ نہیں۔[2]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفا اللہ عنہ

۱۳۹۰/۱۲/۲۰ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱/۶۴۸ الف)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

---

(۱) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۳۹۰ اور ص ۳۹۱ کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) وفي الهندية كتاب الطلاق الباب الرابع في الطلاق بالشرط الفصل الثالث في تعليق الطلاق ج [illegible] ص [illegible] طبع مكتبة ماجدية كوئٹہ: وإذا أضافه إلى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقاً. وفي البحر الرائق ج ۳ ص ۳۴۰ طبع سعيد: [illegible] الشرط كالشرط عند وجود الشرط [illegible] الخ. وفي الهداية باب الأيمان في الطلاق ج ۲ ص ۳۸۵ (طبع شركت علميه) وإذا أضافه إلى شرط وقع عقيب الشرط [illegible] الخ. نیز دیکھئے ص ۳۹۰ اور ص ۳۹۱ کا حاشیہ نمبر۱۔

"اگر اُس نے نماز نہ پڑھی تو اس کو طلاق" الفاظ کا حکم

سوال - ایک شخص نے اپنی بیوی کی عدم موجودگی میں یہ الفاظ کہے "اگر اس نے نماز نہ پڑھی تو اس کو طلاق ہے" یعنی پورے الفاظ مستحضر نہیں ہے، لیکن غالباً یہی الفاظ یاد آتے ہیں، یہ الفاظ دو یا تین دفعہ کہے گئے ہیں، غالباً یہ بھی تین دفعہ کا امکان ہے، بعد میں انہوں نے بیوی کو اس کی اطلاع کردی، کچھ عرصہ تک تو وہ نماز پڑھتی رہی، یعنی جب تک خاوند کے گھر میں تھی، جب والدین کے ہاں چلی گئی تو نماز بالکل نہیں پڑھتی تھی، اور بعد میں پھر جب خاوند کے ہاں آئی تو پھر نماز پڑھنا شروع کی۔ یاد رہے کہ اس بیوی کو سلسل البول کا عارضہ ہے، کیا ایسی صورت میں طلاق واقع ہوئی؟

جواب - طلاق کے احکام کا تمام تر دارومدار الفاظ پر ہوتا ہے، لہٰذا کہنے والے کو چاہئے کہ وہ اچھی طرح الفاظ کو یاد کرے کہ کیا کہا تھا؟ اگر غالب گمان انہی الفاظ پر قائم ہوتا ہے جو سوال میں درج کئے گئے ہیں تو سوال میں مندرجہ حالات میں طلاق واقع نہیں ہوئی، لیکن اگر الفاظ اس کے علاوہ کچھ اور یاد آئیں تو دوبارہ مسئلہ پوچھ لیا جائے۔

واللہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۱۱۹/۳۳۳ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

"اگر فلاں زمین کو فروخت نہ کروں تو میری بیوی کو طلاق" الفاظ کا حکم

سوال - ایک شخص مسمی میرا کرم نے والد سے ناراض ہو کر بات چیت کے دوران کہا کہ "فلاں زمین کا رقبہ جو میری حق اسامی ہے موقع ملنے پر بیچ کر فروخت نہ کروں تو میری عورت پر تین طلاق سے طلاق ہے" اور یہ بھی کہا کہ "تجھ کو دوں تب بھی بیوی تین طلاق سے طلاق"۔ ازاں بعد چھ مہینے خاموش رہا، کہ یہ زمین والد کے پاس رہن کردی البتہ فروخت نہیں کی۔ اب یہ پریشان ہے، زمین بیچ فروخت کرنے سے بھی سخت مجبور ہے، کیونکہ زمین کم ہے اور والد کے ہاتھ بھی فروخت نہیں کرسکتا، اگر ایسا کرے گا تو طلاق ہوگی۔ طلاق سے بچنے کی کیا صورت ہوگی؟

جواب ـ آپ نے ایسے الفاظ استعمال کرکے گناہ کا ارتکاب کیا جس پر آپ کو توبہ و استغفار کرنا چاہئے، اور موجودہ صورت حال سے بچنے کی صورت صرف یہی ہے کہ یہ زمین کسی شخص کو فروخت کر دے، فروخت کرنے کے بعد پھر اس سے دوبارہ خرید لے تو پھر زمین اپنے پاس رکھنے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، اور آئندہ اس قسم کے الفاظ استعمال کرنے سے مکمل پرہیز کیا جائے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۳/۳۳ الف)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

---

(۱) وفي الهداية كتاب الطلاق باب الأيمان في الطلاق ج ۲ ص ۳۸۵ طبع شركت علميه ملتان، واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط مثل ان يقول لامرأته ان دخلت الدار فانت طالق. وفي الهداية كتاب الطلاق باب الرابع ج ... ص ۴۲۰ ... واذا اضافه الى الشرط وقع عقيب الشرط اتفاقا ... ص ۳۹۵ ...

فصل فی تفویض الطّلاق
(کسی کو طلاق واقع کرنے کا حق دینے کا بیان)

"تین طلاق تفویض" کہنے کا حکم

سوال - زید جس کی عمر تقریباً پندرہ سال ہوگی، اس نے اپنی بیوی ہندہ کو بالفاظ واضح دو عدد شاہدان کے سامنے یہ الفاظ کہے "تین طلاق تفویض"، اب اس میں بعض جاہل بضد ہو کر اختلاف کر رہے ہیں کہ زید نابالغ ہے اس لئے طلاق نہیں ہوئی، دوسرے کہتے ہیں کہ زید کی عمر جب پندرہ سال ہے تو بالغ ہے اور طلاق بالغ کی ہوجاتی ہے، شرعاً صحیح صورت کیا ہے؟

جواب - پندرہ سال کی عمر کا لڑکا شرعاً بالغ ہے، اگر وہ طلاق دے تو طلاق واقع ہوجاتی ہے(۲)، سوال میں جو تفویض کے الفاظ لکھے ہیں اگر اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے خود طلاق دے دی تب تو طلاق بلاشبہ ہوگئی، اور اگر تفویض سے مراد یہ ہے کہ اس نے عورت کو اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار دے دیا ہے تو معاملہ عورت کے ہاتھ میں ہے، اگر وہ اپنے نفس پر طلاق واقع کرلے تو طلاق ہوجائے گی، ورنہ نہیں(۳)۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

الجواب صحیح

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۱۵۳ طبع سعيد: بلوغ الغلام بالاحتلام والإحبال والإنزال ... فإن لم يوجد فيهما شيء فحتى يتم لكل منهما خمس عشرة سنة به يفتى.

(۲) وفي الهندية كتاب الطلاق باب الأول ج ۱ ص ۳۵۳ طبع ماجدية: يقع طلاق كل زوج إذا كان بالغا عاقلا

(۳) في الدر المختار ج ۳ ص [illegible] (طبع سعيد): وأنواعه ثلاثة تفويض وتوكيل ورسالة وألفاظ التفويض ثلاثة تخيير، وأمر بيد، ومشيئة

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ ۱۳۸۷/۱۰/۳۰ھ

شرائط کی خلاف ورزی پر طلاق کا حق بیوی اور سسر کو تفویض کرنے کا حکم

سوال:- ایک آدمی نے بیک حقیقہ کاغذ پر مندرجہ ذیل اقرار نامہ لکھا۔ ۱- اپنی زوجہ کو پردہ شرعی کا پابند کروں گا۔ ۲- نان نفقہ وغیرہ رزقِ حلال کا ضامن رہوں گا۔ ۳- اپنی زوجہ کو زدوکوب نہیں کروں گا۔ ۴- سسرال کے پڑوس و جوار میں رہوں گا اور مکان اپنا بناؤں گا۔ ۵- سسرال وغیرہ کا خدمت گزار رہوں گا، صلہ رحمی کروں گا۔ ۶- بیوی کو فی ماہ کے حساب سے مبلغ ۵ روپے نفقہ کے طور پر ادا کروں گا۔ ۷- بدون اجازت بیوی دوسری شادی نہیں کروں گا۔ ۸- دینی امور مثلاً صوم و صلوٰۃ وغیرہ کا حتی المقدور ادا کرنے کا پابند رہوں گا۔ بصورت عدم پابندی مذکورہ بالا ہر ایک شرط یا کسی شرط میں زوجہ اور یا باپ زوجہ کو طلاق بائنہ واقع کرنے کا پورا پورا اختیار رہوگا۔

اب خلاف ورزی کرکے زوجہ کو مارنے کا سسر کے چھڑانے پر سسر کو کہتا ہے کہ تو کافر ہے، بے ایمان ہے۔ مذکورہ فساد کی بنا پر سسر نے اس کو دو لٹھی ماری، داماد نے سسر کو گردن سے پکڑ کر زمین پر گرا دیا۔ ۲- دوسرے دن زوجہ کو طلب کرنے میں سسر پر حملہ کرنا چاہتا تھا مگر حقیقی بھائی کے روکنے سے باز رہا اور فساد و حملہ کے ڈر سے سسرال سے چھ میل دور دیہات میں بس گیا۔ ۳- تھانہ میں درخواست دی کہ سسرال میری زوجہ اور ۵۰۰ روپیہ اور زیورات لے گئے ہیں۔ یہ بالکل جھوٹ تھا۔ ۴- عدالت دیوانیہ میں زن آشوئی کا مقدمہ دعویٰ دائر کر چکا ہے۔ ۵- رقم نقدی سسرال سے ادھار تھوڑے دن میں واپس کرنے کا عہد کرکے واپس نہیں دیتا، کئی ماہ گزر چکے ہیں۔ علاوہ ازیں گزری ہوئی قربانی میں سسر سے اپنی قربانی کے حصے کی رقم کاؤں میں دی کر اب تک ادا کرنے میں ٹال مٹول کرتا ہے اور حق مہر بھی نہیں دیتا۔ کیا ان خلاف ورزیوں کی صورت میں طلاق ہوگئی؟

جواب:- اگر مذکورہ واقعات درست ہیں تو بلاشبہ شوہر نے قرار نامے کی کئی شرائط کی خلاف ورزی کی ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں بیوی یا سسر کو طلاق واقع کرنے کا اختیار صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ کسی شرط کی خلاف ورزی کے فوراً بعد طلاق بائنہ واقع

(۱ تا ۳) وفی الدر المختار مع رد المحتار، کتاب الطلاق باب تفویض الطلاق ج ۳ ص ۳۰۵ و ۳۱۱ طبع سعید: قال لها اختاری او امرک بیدک ینوی تفویض الطلاق ... او طلقی نفسک فلها ان تطلق فی مجلس علمها به مشافهة او اخبارا ... ما لم تقم لتبدل مجلسها حقیقة او حکما بأن تعمل ما یقطعه ... لا تطلق بعده ای المجلس ... الخ.

کرے اور اس میں بالکل تاخیر نہ کرے، اگر شوہر کی خلاف ورزی کے فوراً بعد طلاق واقع نہیں کی اور ذرا سی دیر ہوگئی تو عورت پر اس کا طلاق واقع کرنا صحیح نہ ہوگا، البتہ اقرارنامہ چونکہ کئی شرائط پر مشتمل ہے اس لئے اگر بیوی پر اس نے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر فوراً طلاق واقع نہیں کی تو اب انہیں آئندہ اسی شرط کی دوبارہ خلاف ورزی پر طلاق کا اختیار نہ ہوگا، لیکن اس کے بعد اگر شوہر کسی اور شرط کی خلاف ورزی کرے تو اس وقت انہیں پھر اختیار رہے گا بشرطیکہ خلاف ورزی کے فوراً بعد طلاق واقع کریں، اب مذکورہ صورت میں اگر بیوی نے کسی شرط کی خلاف ورزی کے بعد مذکورہ بالا (۲۰) کے مطابق طلاق دی ہے تو وہ واقع ہوگئی، اور اگر شرط کی خلاف ورزی کے بعد دیر کردی اور پھر طلاق واقع کی تو طلاق نہیں ہوئی۔ (۲۱)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۰/۱۲/۱۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱/۶۳۲ الف)

مسئلہ غلط سمجھنے کی بناء پر تفویض طلاق متحقق نہ ہونے کے باوجود طلاقِ بائن کا وقوع سمجھنا

سوال: میری شادی لاہور میں ۲۴ جولائی ۱۹۵۳ء کو یعنی چھبیس سال قبل نجمہ خاتون سے ہوئی، نجمہ خاتون کے ماں باپ نہیں تھے، اپنی خالہ اور چچا کی وفات کے بعد خالہ زاد بہنوں سے پرورش پائی، میری شادی ان کی خالہ زاد بہن کے ذریعہ ہوئی، شادی سادہ طریقے پر ہوئی، مہر مبلغ پانچ ہزار روپئے بند مطلب قرار پایا۔ میں پاکستان ایئر فورس میں ملازم تھا، پانچ اولادیں ہوئیں، تنخواہ قلیل تھی لیکن زندگی بڑی خوشی سے گذری، اس کے بعد میری بیوی نے مانع حمل دوا میں استعمال کرکے اپنے کو مزید اولاد سے بچایا (کیونکہ ملازمت میں خدشہ یہ تھا اور مزید بچوں کی پیدائش تعلیم میں مانع ہوسکتی تھی)۔

جب میری شادی ہوئی تو وہ معمولی پڑھی لکھی تھی، چنانچہ میں نے اپنی بیوی کو گھر پر پڑھانا شروع کیا، جب میری پہلی بچی پیدا ہونے والی تھی اسے آٹھویں جماعت کا کورس پڑھانا شروع کردیا، اور ۱۹۶۰ء میں جبکہ میرا تیسرا بچہ پیدا ہوا تھا تو میں نے اس کو میٹرک کا امتحان دلوا دیا، جس میں وہ دو تین پرچوں میں فیل ہوئی، اس کے بعد ۱۹۶۹ء میں جبکہ میری بچی میٹرک کا پرائیویٹ امتحان دے رہی تھی میں نے اپنی بیوی کو بھی ساتھ پڑھایا اور دونوں کا امتحان دلوایا، خدا کے فضل سے دونوں کامیاب

---

(۲۱) گزشتہ صفحے کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔

ہوگئیں۔ بعد میں میری بچی نے بی اے کر لیا، اور میں نے اپنی بیوی طیبہ کالج کراچی میں چار سالہ کورس کے لئے داخلہ دلوا دیا، اور میں نے یہ اس خیال سے کیا کہ اگر میں مر جاؤں تو میری بیوی کسی پر بوجھ نہ بنے اور عزت کے ساتھ اپنا پیٹ بھر کر بچوں کی پرورش و تعلیم کر سکے۔

۱۹۶۵ء کی سترہ دن کی جنگ میں یک دم بوڑھا ہو گیا، جب میں محاذ سے واپس آیا تو میرے سر کے آدھے سے زیادہ بال سفید ہو چکے تھے۔ ۱۲ فروری ۱۹۶۷ء کو پاکستان ایئر فورس کی طرف سے میں دو تین سال کے لئے ابوظہبی ایئر فورس میں مقرر ہو کر چلا گیا، اس وقت میری بیوی طیبہ کالج میں زیر تعلیم تھیں، اور میں کورنگی کریک میں رہتا تھا، جانے سے قبل ناظم آباد میں کرایہ پر مکان لے کر اس میں بیوی بچوں کو منتقل کر دیا اور چلا گیا۔

۱۹۷۰ء میں طیبہ کالج سے انہوں نے اپنا چار سالہ کورس مکمل کر لیا، اور اپنے کالج کے ایک ساتھی جو ان سے دو سال پہلے فارغ ہوئے تھے وہ ان دنوں کلینک چلا رہے تھے اور اپنی ہونے والی بیوی سے علیحدہ کلینک بھی چلانے کا پروگرام بنا رہے تھے، ان سے اس شرط پر کہ ان کی زیر نگرانی شام کے اوقات میں کلینک پر بیٹھیں گی اور وہ جلد ہی ان کو رجسٹریشن سے سرٹیفکیٹ دلا دیں گے اور ساتھ ہی اپنی آمدنی میں سے بھی کچھ حصہ ان کو دیا جائے گا۔ لہذا وہ بیٹھنے لگیں، یہ تمام باتیں میری بیوی نے مجھے خط کے ذریعہ مطلع کیں اور میں نے اجازت دے دی، چونکہ مجھے اپنی بیوی پر مکمل اعتماد تھا اور میں ان کی کسی بات پر شک نہیں کرتا تھا، اب تک ہماری زندگی انتہائی مسرت گزری تھی۔

ابوظہبی کے دوران قیام میں تین ہزار روپیہ ماہوار تنخواہ پاتا رہا، دو ہزار خرچ کے لئے اور ایک ہزار مکان کی قیمت کے لئے، یہ مکان خریدنے کے لئے، لیکن بعد میں یہ پتہ چلا کہ تین ہزار روپے خرچ ہوتے رہے اور چھوٹی کوڑی بھی جمع نہیں کی گئی، اس دوران انہوں نے دوسرا مکان ناظم آباد میں لے لیا جس کا کرایہ چار سو روپے ماہوار تھا، اس میں ٹیلیفون لگی تھی، مجھے یہ کہا گیا کہ ٹیلیفون سے یہ فائدہ ہے کہ مہینے میں کم از کم ایک بار بھی ٹرنک کال پر بات ہو سکتی ہے، میں مطمئن اور خوش تھا۔ لیکن یہ ٹیلیفون میرے لئے سب سے بڑی پریشانی کا سبب بنا، اس کے ذریعہ میری بیوی نے دوستیاں بڑھانا شروع کر دیں، اس بات پر ماں بیٹے میں جھگڑے شروع ہوگئے، میرے بڑے لڑکے کو ان باتوں پر اعتراض ہوتا تھا، تنگ آکر لڑکے نے مجھے ایک خط میں ان حالات سے مطلع کیا، میں نے لڑکے کو بہت سخت ڈانٹ کر خط لکھا کہ تم نے اپنی ماں کے بارے میں ایسا کیونکر سوچا؟ ساتھ ہی اپنی بیوی کو بھی کافی ڈانٹ کر سخت خط لکھا، یہ بات فروری ۱۹۶۹ء کی ہے، لیکن میری بیوی نے غصہ اور اپنی ضد سے اب جھوٹ بولنا شروع کر دیا، اور ان کی دوستی کا سلسلہ چلتا رہا، انتہا یہ کہ انہوں نے اپنے ایک "بھائی" کے اشتہ

میں علیحدہ کلینک کھول لی اور مجھ کو انہوں نے یہ باور کرایا کہ یہ لڑکا شادی شدہ ہے (جو کہ غلط تھا)، اور ایک ڈاکٹر صاحب کا لڑکا ہے (یہ بھی غلط تھا)، خود میڈیکل کی تعلیم حاصل کر رہا ہے (یہ بھی غلط تھا)، غرضیکہ مجھ سے تمام باتیں جھوٹ اور غلط لکھ کر نئی کلینک کھولنے کی اجازت لے لی۔ اب حالات اور خراب ہوگئے، دو دو ماہ تک خط کا منتظر رہتا، خیریت کی اطلاع نہیں ملتی، روپیوں کا کوئی حساب نہیں معلوم ہو رہا تھا کہ ان کے پاس کس قدر رقم جمع ہوئی ہے؟

دوسرے لوگوں کے جو خطوط آئے ان کے ذریعہ معلوم ہوتا کہ گھر کا ماحول تباہ ہو رہا ہے، بچے اسکول نہیں جا رہے ہیں، اور مسلسل ناغوں کی وجہ سے ایک بچے کا نام کٹ گیا ہے، غرضیکہ نہایت پریشان کن اطلاعات ملتی رہیں، ان حالات سے تنگ آکر ایک تفصیلی خط لکھا اور اس میں ان تمام حالات کی نشاندہی کی، ساتھ ہی ساتھ خط میں ایک جملہ محض روانی میں تحریر کر دیا "حالات اس قدر خراب ہوگئے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کو جائز کاموں میں سب سے ناپسند کام طلاق نہ ہوتا تو شاید اب کا دے چکا ہوتا، بہرحال اگر تم چاہو تو میں اس پر غور کر سکتا ہوں۔"

حسن اتفاق سے میں ان ہی دنوں تفہیم القرآن کا مطالعہ کر رہا تھا، اور یہ بھی محض اتفاق تھا کہ اس دن جو سورت زیر مطالعہ تھی وہ سورۂ احزاب کی سورت تھی، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ ظاہر کیا کہ اگر تمہاری بیویاں دنیا کی آسودگیاں چاہتی ہیں تو ان کو چھوڑ دے کر علیحدہ کر دو، اور اگر اللہ اور رسول کا قرب چاہتی ہیں تو اس کا بڑا اجر و ثواب ہے، جب میں نے اس کی یہ تفسیر پڑھی تو میرے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، اور میں یہ سمجھا کہ میرے اس مذکورہ جملے سے میں نے اپنی بیوی کو یہ حق منتقل کر دیا ہے، حالانکہ قبل ازیں میرا کوئی ارادہ یا مقصد نہیں تھا اور نہ ہی بعد میں کوئی ارادہ تھا اور نہ اب ہے، چنانچہ میں نے اس جملے کے بعد کا سارا مضمون جو زیادہ اہمیت کا حامل نہیں تھا، حذف کر دیا اور تفہیم القرآن کی وہ تمام عبارت جو اس سورۃ سے متعلق تھی نقل کی اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ "میں نے محض اتفاقیہ طور پر نادانستگی میں یہ جملہ لکھ دیا تھا، لیکن اب پتہ چلا کہ اگر مرد عورت کو طلاق کا اختیار دیدے اور وہ اس کو حاصل کرنے کے بعد طلاق مانگ لے تو ایک عدد طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے، اور اس کے بعد سارا معاملہ ختم ہو جاتا ہے، لہٰذا تم کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے خوب اچھی طرح حالات کو دیکھ لو، اسی لئے میں نے تم کو پوری تفسیر کی نقل کر کے روانہ کی ہے، ساتھ ہی ساتھ میں اس تفسیر کے مطالعے کے بعد وقت بھی متعین کر رہا ہوں یعنی ۲۴/جولائی ۱۹۷۶ء کو رات بارہ بجے تک تم مجھ کو اپنے جواب سے مطلع کر دو، خیال رہے کہ یہ تاریخ ہماری شادی کی سالگرہ بھی ہے، تمہارا جواب مجھ کو ۳۰، ۳۱ جولائی تک مل جائے گا، میں بہت بے چینی سے تمہارے خط کا منتظر ہوں" وغیرہ۔ اس کے جواب میں انہوں نے جو

خط بھیجا اس میں اس سے متعلق جو جملہ تھا وہ اس طرح کا تھا ''آپ کو یاد ہوگا میں نے ایک بار کہا تھا کہ ہماری زندگی میں لفظ طلاق اگر کبھی مذاق میں بھی آیا تو میں سمجھوں گی کہ ہوگئی، اور اس خط میں تو آپ نے یہ لفظ طلاق سینکڑوں بار استعمال کیا ہے۔''

میں نے ان کے اس جواب سے یہ سمجھا کہ انہوں نے طلاق مانگ لی، چنانچہ میں نے ان کو جو خط لکھا اس میں جو جملہ تحریر کیا تھا وہ یہ تھا ''آپ کے خط کے بموجب ایک عدد طلاق واقع ہوگئی ہے، باقی کی طلاقیں خود بخود وقت مقررہ پر ہوجائیں گی، جس کی تفصیل میں اپنے پچھلے خط میں تحریر کرچکا ہوں۔'' ساتھ ہی ان کو ہدایات کیں کہ اب آپ اپنی رہائش کے لئے کسی جگہ کا انتخاب کریں، حق مہر ادا کرچکا ہوں، پھر بھی اگر آپ کہتی ہیں کہ نہیں ملا تو جو رقم آپ کے پاس بینک میں جمع ہے اس میں سے آپ اپنا مہر لے سکتی ہیں، گھر کی ہر چیز آپ کی ملکیت ہے، البتہ بچی کے جہیز کی جو چیزیں ہیں وہ اس کو دے دیں اور اگر بچوں کے کپڑے دے دیں گی تو بڑا احسان ہوگا۔ ساتھ ہی میں نے اپنی بچی کو بڑا تفصیلی خط لکھا کہ تمہاری ماں کو میں نے محض اتفاقیہ یہ جملہ لکھا تھا اور انہوں نے فوراً طلاق حاصل کرلی، میں ان کو زندگی کے کسی حصے میں سکون سے رہنے نہیں دوں گا، بچوں سے پوچھ لو کہ وہ کس کے ساتھ رہنا پسند کرتے ہیں؟ اگر ماں کے ساتھ رہنا پسند نہ کریں تو تم ان کو میرے بڑے بھائی کے گھر پہنچادو۔

اس خط کے جواب میں ۲۳؍اگست کو میری بیوی کا جو خط آیا اس میں انہوں نے لکھا کہ آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ نہ تو میں نے جب طلاق مانگی تھی اور نہ ہی اب مانگ رہی ہوں، میں نے اس خط میں آپ کو محض ایک بات یاد دلائی تھی، آپ ذرا ذرا سی بات کو کس قدر اہمیت دے رہے ہیں، میرا کون ہے اور میں اب طلاق لے کر کیا کروں گی؟ وغیرہ وغیرہ۔ جب یہ خط مجھ کو ملا میں نے خدا کا شکر ادا کیا اور نماز شکرانہ ادا کی، لہٰذا ۲۴؍ستمبر سے پہلے ۱۳؍ستمبر کو میں پاکستان آیا اور باقاعدہ تعلقات زن وشو قائم کئے۔

اب میری بیوی کو چند لوگوں نے یہ یقین دلادیا کہ اس کو طلاق ہوچکی ہے، چنانچہ میں ابوظہبی سے ملازمت ختم کرکے جون ۱۹ــ میں واپس آیا تو کچھ عرصہ بعد ہی اس نے یہ کہنا شروع کردیا کہ ہماری طلاق ہوچکی ہے، اور ۱۸؍ستمبر ۱۹ــ کو بچوں اور گھر کو چھوڑ کر چلی گئی اور عدالت میں تنسیخ نکاح کا دعویٰ بھی کردیا، اس کا کہنا یہی ہے کہ یہ مجھ کو طلاق دے چکے ہیں۔ آپ سے یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ واقعی ان حالات میں طلاق ہوگئی یا نہیں؟

تنقیح:۔

صفحہ ۵ کے آخر کی خط کشیدہ عبارت اور صفحہ ۶ کی شروع کی خط کشیدہ عبارت کے متعلق چند باتیں وضاحت طلب ہیں، جن کے بارے میں آپ کی زبانی وضاحت زیادہ مناسب ہے، لہٰذا آپ جمعہ کے علاوہ کسی بھی صبح ۹ بجے دار الافتاء، دار العلوم کورنگی کے ریا کراچی نمبر۱۴ میں تشریف لاکر ملاقات کریں۔

والسلام

بندہ عبدالرؤف سکھروی

۱۳۹۸/۴/۱۲ھ

جوابِ تنقیح:-

۱- حالات اس قدر خراب ہوگئے ہیں کہ اگر اللہ کو جائز کاموں میں سب سے ناپسند کام طلاق نہ ہوتا تو شاید میں کب کا دے چکا ہوتا، بہرحال اگر تم چاہو تو اس پر غور کرسکتا ہوں۔ (خط کشیدہ سیاہ)

۲- لیکن اب پتہ چلا کہ اگر مرد، عورت کو طلاق کا اختیار دیدے اور وہ اس کو حاصل کرنے کے بعد طلاق مانگ لے تو ایک عدد طلاق بائن واقع ہوجاتی ہے، اور اس کے بعد معاملہ ختم ہوجاتا ہے۔ (سرخ)

۳- ساتھ ہی ساتھ اس تفویض کے مطابق کے بعد وقت متعین کر رہا ہوں، یعنی ۲۴ جولائی ۱۹۷۶ء رات بارہ بجے تک تم مجھ کو اپنے جواب سے مطلع کردو۔ (سرخ)

۴- آپ کو یاد ہوگا میں نے ایک بار کہا تھا کہ ہماری زندگی میں لفظ طلاق اگر کبھی مذاق میں بھی آیا تو میں سمجھوں گی کہ ہوگئی، اور اس خط میں تو آپ نے یہ لفظ طلاق سینکڑوں بار استعمال کیا ہے۔ (سرخ)

۵- آپ کے خط کے بموجب ایک عدد طلاق بائن واقع ہوگئی ہے، باقی طلاقیں خود بخود وقت مقررہ پر ہوجائیں گی، جس کی تفصیل میں اپنے پچھلے خط میں تحریر کرچکا ہوں۔ (سرخ)

۶- آپ کو کیا ہوگیا ہے؟ نہ تو میں نے جب طلاق مانگی تھی اور نہ ہی اب مانگ رہی ہوں، میں نے اس خط میں (سیاہ) تو آپ کو محض ایک بات یاد دلائی تھی، آپ ذرا ذرا سی بات کو اس قدر اہمیت دے رہے ہیں، اور میں اب طلاق لے کر کیا کروں گی۔ (سرخ)

۷- میں نے ان خطوط کی نقل اپنے پاس رکھ لی تھی جو میں نے پھاڑ کر جلادیئے تاکہ اس تلخ واقعے کی یاد پھر کبھی نہ آئے۔

۸- یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ واقعی ان حالات میں طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟

جواب - جس قدر باتیں سوال میں لکھی گئی ہیں، اگر وہ درست ہیں تو صورت مسئولہ میں سائل کی بیوی پر طلاق واقع نہیں ہوئی، کیونکہ سائل نے جو جملہ صفحہ ۴ کے آخر میں نقل کیا ہے کہ ”اگر اللہ تعالیٰ کو جائز کاموں میں سب سے ناپسند کام طلاق نہ ہوتا تو شاید میں کب کا دے چکا ہوتا، بہرحال

اگر تم چاہو تو میں اس پر غور کرسکتا ہوں" اس جملے سے تفویض طلاق متحقق نہیں ہوتی، لیکن سائل نے تفہیم القرآن کے مطالعے سے غلط طور پر یہ سمجھا کہ مذکورہ جملے سے تفویض طلاق ہوگئی ہے، اس کی بنیاد پر جب بیوی نے اس کو خط لکھا تو سائل نے یہ کہا کہ "آپ کے خط کے بموجب ایک عدد طلاق بائن واقع ہوگئی ہے۔"

یہ انشاء طلاق نہیں بلکہ حکم شرعی کا غلط بیان ہے، اس لئے اس سے بھی طلاق واقع نہ ہوگی، لیکن یہ جواب صرف اس صورت میں ہے جبکہ سائل نے اپنے خطوط میں یا زبانی انشاء طلاق کا کوئی جملہ استعمال نہ کیا ہو، اگر کوئی ایسا جملہ کہا یا لکھا ہو جس کا ذکر اس سوال میں نہیں ہے تو صورت حال مختلف ہوگی، لہٰذا بہت سوچ سمجھ کر اور آخرت کو پیش نظر رکھ کر عمل کریں۔

هذا ما عندی
واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۵/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۵۳۷ ب)

شرائط کی خلاف ورزی پر بیوی کو طلاق کا حق دیا ہوا ہو تو بیوی اپنے اوپر طلاق واقع کرسکتی ہے

سوال - اقرار نامہ جو تین باتوں پر لکھا گیا ہے، حسب ذیل ہے: ۱- یہ کہ زوجہ کے ساتھ شرعی پردہ کا التزام کروں گا۔ ۲- یہ کہ نفقات وغیرہ رزق حلال کا ضامن رہوں گا۔ ۳- یہ کہ زوجہ کو زدوکوب نہیں کروں گا، حسن سلوک سے گزارا کروں گا۔ ۴- یہ کہ سسرال کا خدمت گزار رہوں گا اور حصہ داری کروں گا۔ ۵- یہ کہ دینی امور مثل صوم، صلوٰۃ وغیرہ میں پابند رہوں گا۔ اس صورت میں داماد نے سسر کو زدوکوب کیا، چند منٹ تک سسر اور داماد آپس میں لڑتے رہے، جس کو کافی آدمیوں نے مل کر چھڑایا تھا۔ ۲- سسر نے داماد کو قربانی کے لئے رقم دی تھی، چند بار طلب کرنے پر نہیں دیتا، ان خلاف ورزیوں کے باوجود عورت نے اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کی ہیں جس کا تمام لوگوں میں اعلان ہوچکا ہے، اس بناء پر شوہر کہتا ہے کہ طلاق زوج کرتا ہے عورت کی طلاق کیوں جائز ہے؟ بلکہ شوہر کہتا ہے کہ مجھے یہ پتہ نہ تھا کہ میرے اقرار نامہ کی وجہ سے میری زوجہ پر طلاق ہوگی، اب قابل دریافت امر یہ ہے کہ شوہر کا عذر طلاق زوجہ میں یہ حق رکھتا ہے، چاہے عذر سچا ہو یا جھوٹا؟ عورت پر طلاق بائن کن خلاف ورزیوں سے پڑتی ہے؟

جواب - اگر مذکورہ واقعات درست ہیں تو بلاشبہ شوہر نے اقرار نامے کی شرائط کی خلاف ورزی کی ہے، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں بیوی یا سسر کو طلاق واقع کرنے کا

اختیار صرف اس وقت حاصل ہوتا ہے جبکہ وہ کسی شرط کی خلاف ورزی کے فوراً بعد طلاق بائن واقع کرے اور اس میں بالکل تاخیر نہ کرے، اگر شرط کی خلاف ورزی کے فوراً بعد طلاق واقع نہیں کی اور ذرا بھی دیر ہوگئی تو اس کے بعد عورت یا خسر کا طلاق واقع کرنا صحیح نہیں ہوگا،[۱] البتہ اقرار نامہ چونکہ کئی شرائط پر مشتمل ہے، اس لئے اگر بیوی یا خسر نے کسی ایک شرط کی خلاف ورزی پر فوراً طلاق واقع نہیں کی تو اب انہیں آئندہ اسی شرط کی دوبارہ خلاف ورزی پر تو طلاق کا اختیار نہ ہوگا، لیکن اس کے بعد شوہر کسی اور شرط کی خلاف ورزی کرے تو اس وقت انہیں پھر اختیار ملے گا بشرطیکہ وہ خلاف ورزی کے فوراً بعد طلاق واقع کرلیں،[۲] اب مذکورہ صورت میں اگر بیوی نے کسی شرط کی خلاف ورزی کے فوراً بعد مذکورہ بالا احکام کے مطابق طلاق دی ہے تو وہ واقع ہوگئی اور اگر شرط کی خلاف ورزی کے بعد دیر کردی اور پھر طلاق واقع کی تو طلاق واقع نہیں ہوئی۔[۳]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۰/۱۲/۲۸ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(۱ تا ۳) وفي الدر المختار مع رد المحتار، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق ج ۳ ص ۳۱۵ (طبع سعيد)
قال لها اختاري أو أمرك بيدك ينوي تفويض الطلاق ... أو طلقي نفسك فلها أن تطلق في مجلس علمها به مشافهة أو اخبارا ... ما لم تقم لتبدل مجلسها حقيقة أو حكما بأن تعمل ما يقطعه ... لا تطلق بعده في المجلس ... الخ

﴿فصل فی الطّلاق الثلث وأحکامه﴾

(تین طلاق کے احکام)

تین طلاق کا مسئلہ اور حاملہ کی عدّت اور شرعی حلالہ کا طریقہ

سوال ۱:- میاں بیوی میں جھگڑا ہوگیا، میاں نے انتہائی غصّے کی حالت میں کہا کہ ''خاموش ہو جاؤ ورنہ طلاق دے دوں گا'' بیوی نے کہا ''دے دو'' میاں نے کہا ''اچھا طلاق، طلاق، طلاق'' آیا شوہر کے فقط یہ الفاظ کہنے سے اس کی بیوی کو طلاق ہوگی یا نہیں؟

۲:- اگر ہوگئی تو رجعی ہوئی یا مغلّظ؟

۳:- یہ عورت حمل سے ہے، اس کی عدّت کیا ہوگی؟

۴:- اگر عورت مرد کے نکاح میں رہنا چاہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟

جواب ۱:- صورتِ مسئولہ میں بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں۔

۲:- مغلّظ طلاق ہوئی۔[1]

۳:- صورتِ مسئولہ میں اس کی عدّت وضعِ حمل یعنی بچے کی ولادت ہے۔[2]

۴:- کوئی صورت نہیں، بجز اس کے کہ عدّت گزارنے کے بعد وہ کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ شخص اپنی مرضی سے کسی وقت اس کو ہم بستری کے بعد طلاق دیدے یا اس کا انتقال

---

(۱) وفي الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب الأول ج ۱ ص ۳۴۹ (طبع مكتبه رشيديه كوئٹه) وأما البدعي ... أن يطلقها ثلاثًا في طهر واحد بكلمة واحدة أو بكلمات متفرقة ... فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيًا.

وفي الهداية كتاب الطلاق باب طلاق السنة ج ۲ ص ۳۵۵ (طبع مكتبه شركت علميه ملتان) وطلاق البدعة أن يطلقها ثلاثًا بكلمة واحدة أو ثلاثًا في طهر واحد فإذا فعل ذلك وقع الطلاق وكان عاصيًا الخ.

وفي الدر المختار ج ۳ ص ۲۳۲ (طبع سعيد) والبدعي ثلاث متفرقة. وفي الشامية (قوله ثلاثة متفرقة) وكذا بكلمة واحدة بالأولى ... وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين إلى أنه يقع ثلاث.

(۲) وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَن يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ. (الطلاق: ۴)

وفي الدر المختار مع رد المحتار باب العدة ج ۳ ص (طبع سعيد) وفي حق الحامل مطلقًا ... وضع جميع حملها الخ. وفي الهداية ج ۲ ص ۴۲۳ (طبع شركت علميه ملتان) وإن كانت حاملًا فعدتها أن تضع حملها الخ.

ہوجائے تو اس کی عدت گزارنے کے بعد یہ عورت پہلے شوہر سے نئے مہر پر نیا نکاح کرسکتی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۸/۴/۲۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۷۰۳ ب)

ایک وقت میں تینوں طلاقیں واقع ہونے پر ائمہ کا اجماع ہے، اور اس اجماع کے خلاف کوئی بات قابلِ قبول نہیں

سوال:- زید کی بیوی اپنے بچے کو مار رہی تھی اور گالیاں دے رہی تھی، اتنے میں زید بھی آگیا، زید نے بیوی کو گالیاں دینے سے منع کردیا، مگر بیوی باز نہ آئی اور شوہر کو بھی گالیاں دینی شروع کردیں، جس پر زید کو غصہ آگیا اور اس نے یہ الفاظ کہے: "طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے" لفظ طلاق تین مرتبہ سے بھی زائد کہا ہے، مگر اس کو یاد نہیں ہے، اور یہ بات زید نے اپنے خاندان کے تقریباً تین آدمیوں کے سامنے بیان کی ہے، کیا طلاق واقع ہوگئی یا نہیں؟ اب کوئی صورت ہے حلال ہونے کے لئے؟

۲- اگر مذہب حنفی کے مطابق تین طلاق ہوچکی ہیں تو اہلِ حدیث سے فتویٰ لے کر عمل کیا جائے؟ کیونکہ نہ شوہر بیوی کو جدا کرنا چاہتا ہے، اور نہ بیوی جدا ہونا چاہتی ہے۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں زید کی بیوی پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئیں، اب وہ زید کے لئے مغلظہ حرام ہوچکی ہے اور حلالہ کے بغیر ہرگز اس کے ساتھ نکاحِ ثانی بھی جائز نہیں ہے، دونوں کو فوراً الگ ہوجانا چاہئے، اگر وہ الگ نہ ہوں تو مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ ان سے بیزاری کا اظہار کریں۔

۲- تین طلاق دینے کی صورت میں چاروں امام امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت مغلظہ حرام ہوجاتی ہے،[۱] اور بغیر حلالہ کے حلال نہیں ہوسکتی، اس اجماع کے خلاف جو بات بھی کہی جائے وہ قابلِ قبول نہیں،[۲] اور کسی سے خلاف اجماع ائمہ اربعہ فتویٰ

---

(۱) وفي مشكوة المصابيح ج:۲ ص:۲۸۳ طبع قديمي كتب خانه، عن عائشة رضي الله عنها قالت جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقي فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبير وما معه إلا مثل هدبة الثوب فقال أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة قالت نعم قال لا حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك. متفق عليه. وفي الهداية كتاب الطلاق، باب الرجعة فصل فيما تحل به المطلقة ج:۲ ص:۳۹۹ (طبع شركت علميه ملتان) وإن كان الطلاق ثلاثًا في الحرة أو ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجًا غيره نكاحًا صحيحًا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها والأصل فيه قوله تعالى: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زَوْجًا غيرَهُ" والمراد الطلقة الثالثة

(۲، ۳) حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔

لے کر اس پر عمل کرنا اور بھی گناہ ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

جواب صحیح

محمد عاشق الٰہی بلندی شہری عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۳ھ

(فتویٰ نمبر ۵۰/۱۹ الف)

[illegible] ایک وقت میں تین طلاقیں [illegible] تینوں واقع [illegible]

[illegible] سے متعلق [illegible] تحقیق [illegible] (م ت)

سوال: میں آپ سے ایک مسئلے کے بارے میں فتویٰ لینا چاہتا ہوں، امید ہے کہ آپ رہنمائی [illegible]

میں نے اپنی بیوی کو [illegible] سے پریشان ہو کر [illegible] کے مطابق باقاعدہ تین طلاقیں [illegible]

[illegible] میری بیوی [illegible] اور میری [illegible] طلاق سے پہلے [illegible]

[illegible] میں نے [illegible] کو تینوں [illegible]

[illegible] ۱۹۹۹ [illegible] ایک [illegible] گزر چکے ہیں، میری بیوی [illegible]

[illegible] پہلے [illegible] غلط [illegible]

[illegible] میری معلومات [illegible] اہل حدیث حضرات

رجوع کی اجازت دیتے ہیں۔

[illegible] پہلے ہم اصل مسئلہ [illegible] تفصیل سے

[illegible] ایک مجلس کی تین طلاقیں خواہ ایک جملے [illegible]

[illegible] تین طلاقیں [illegible] تینوں طلاقیں واقع ہو [illegible] حرمت مغلظہ ثابت ہوگی جس میں

[illegible] بغیر [illegible] امکان بھی نہیں ہوتا [illegible] موقف [illegible] احادیث صحیحہ

[illegible] صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم [illegible] حضرت امام ابوحنیفہ، حضرت امام

مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے۔

[illegible] ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں [illegible] الگ الگ جملوں سے

[illegible] خلاف سنت اور ناجائز ہے تاہم اگر کسی نے اس طریقے سے تین طلاقیں دیں تو اس کی بیوی پر تین

طلاقیں واقع ہو کر حرمت مغلظہ ثابت ہو جائے گی۔ [illegible] قرآن کریم، احادیث [illegible]

عبارات فقہ ملاحظہ ہوں:-

قال اللہ تعالی: الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان (الآیۃ) سورۃ البقرۃ[1]

"طلاق دو مرتبہ [illegible] پھر خواہ قاعدے کے مطابق [illegible] خواہ اچھے طریقے سے اس کو چھوڑ دے۔"

اس آیت [illegible] ایک دفعہ میں تین طلاقیں دینے سے تینوں [illegible] واقع ہو [illegible]

[illegible] آیت [illegible] کا مضمون [illegible] طلاق [illegible] اس میں دونوں [illegible]

[illegible] طلاق [illegible] طہر میں [illegible] ایک ساتھ [illegible] دونوں واقع ہو [illegible]

[illegible] طلاقیں واقع ہوتی ہیں، تو تین بھی واقع ہوں گی۔ [illegible]

---

(۱) آیت نمبر ۲۲۹ پ ۲۔

(قرار دیا گیا ہے) ...... اس سے یہ کہ دو اور تین میں فرق کرنے کا کوئی معنی نہیں ہے، چنانچہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب صحیح بخاری میں "باب من اجاز الطلاق الثلث"[1] میں تین طلاقوں کے واقع ہونے پر اس آیت کریمہ سے استدلال کیا ہے۔

قال ابوبکر الرازی تحت عنوان "ذکر الحجاج لایقاع الثلث معا" قوله تعالى "الطلاق مرتان فامساک بمعروف او تسریح باحسان" الآیة یدل علی وقوع الثلث معا مع کونه منهیا عنه وذلک لأن قوله تعالی "الطّلاق مرتان" قد ابان عن حکمه اذا اوقع اثنتين بان یقول انت طالق، انت طالق، فی طهر واحد وقد بینا ان ذلک خلاف السنّة فاذا کان فی مضمون الآیة الحکم بجواز وقوع الاثنتين علی هذا الوجه دلّ ذلک علی صحة وقوعهما لو أوقعهما معا لأن أحدا لم یفرق بینهما. اهـ

(رساله حکم الطّلاق الثلث بلفظ واحد فتوى علماء الحرمين الشريفين)

وفی الصحیح للامام البخاری رحمه الله تعالی باب من اجاز طلاق الثلث بقوله تعالی الطلاق مرتان فامساک بمعروف أو تسریح باحسان اهـ (ج ۲ ص ۷۹۱)[2]

وفی عمدة القاری شرح الصحیح للامام البخاری: وجه الاستدلال به ان قوله تعالی ("الطّلاق مرتان") معناه مرة بعد مرة، فاذا جاز الجمع بین اثنتين جاز بین الثلث. اهـ (ج ۹ ص ۵۳۹)[3]

اس آیت کریمہ کے علاوہ بھی چند آیات مبارکہ اور بھی ہیں، جن سے تین طلاقوں کے واقع ہونے پر استدلال کیا گیا ہے، ہم نے ایک آیت کے ذکر کو کافی سمجھا۔ اب چند احادیث طیبہ ملاحظہ ہوں جن سے یہ مدعا ثابت ہو رہا ہے۔

فی سنن النسائی[4] اخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم عن رجل طلق امرأته ثلث تطلیقات جمیعًا، فقام غضبانا، ثم قال: أیلعب بکتاب الله وانا بین أظهرکم؟ الحدیث

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی گئی کہ ایک شخص نے اکٹھی تین طلاقیں دے دی ہیں، یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم غصے میں کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میری موجودگی میں اللہ تعالیٰ کی کتاب سے کھیلا جا رہا ہے۔"

اس روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے کا اظہار تو کیا، لیکن تین طلاقوں کو ایک طلاق قرار نہیں دیا، بلکہ تینوں کو نافذ فرمایا، جیسا کہ حافظ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: "فلم یرده النبی صلی الله علیه وسلم بل امضاه"

عن سهل بن سعد فی هذا الخبر قال: فطلقها ثلث تطلیقات عند رسول الله صلی الله علیه وسلم فانفذه رسول الله صلی الله علیه وسلم. (ابوداؤد ج:۱ ص:۳۰۶)[5]

"حضرت عویمرؓ نے اپنی بیوی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تین طلاقیں دے دیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تینوں کو نافذ فرمایا۔"

کان ابن عمر رضی الله عنهما اذا سئل عمن طلق ثلثاً قال: لو طلقت مرة أو مرتين فان النبی صلی الله علیه وسلم أمرنی بهذا، فان طلقها ثلثاً حرمت حتی تنکح زوجا غیره. (بخاری ج ۲ ص ۷۹۲)[6]

(باقی اگلے صفحے پر)

(۱) ج:۲ ص:۷۹۱ (طبع قدیمی کتب خانہ) (۲) (طبع قدیمی کتب خانہ)
(۳) ج ۲۰ ص ۲۳۲ (طبع دار الکتب العلمیہ بیروت) (۴) ج ۲ ص ۹۹ (طبع قدیمی کتب خانہ)
(۵) (طبع میر محمد کراچی). (۶) (طبع قدیمی کتب خانہ)

(صحیح مسلم شریف) ''حضرت ابن عمرؓ سے جب اس شخص کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں تو وہ فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاقیں دی ہوتیں (تو رجوع کر سکتا تھا)، اس لئے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اس کا (یعنی رجعت کا) حکم دیا تھا، اور اگر تین طلاقیں دے دیں تو عورت حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔''

ان احادیث مبارکہ کے علاوہ بھی کئی روایات موجود ہیں جو اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی تھیں۔

غیر مقلدین حضرات جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کو ایک طلاق شمار کرتے ہیں، وہ عام طور پر دو روایات سے استدلال کرتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں:-

حدیث نمبر ۱: عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: طلّق ركانة بن عبد يزيد أخو بني مطلب امرأته ثلاثا في مجلس واحد فحزن عليها حزنا شديدا، قال: فسأله رسول الله صلى الله عليه وسلم كيف طلقتها؟ قال: طلقتها ثلاثا، قال: فقال: في مجلس واحد؟ قال: نعم، قال: فإنما تلك واحدة فارجعها إن شئت، قال: فرجعها. إسناده صحيح (مسند احمد ج ۴ ص ۲۱۵)۔(۱)

''حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دے دیں اور پھر وہ بہت افسردہ ہوئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے کیسے طلاق دی؟ انہوں نے عرض کیا تین طلاقیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ایک مجلس میں؟ عرض کیا جی ہاں! اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر تو رجوع کرو، چنانچہ انہوں نے رجوع کرلیا۔''

حدیث نمبر ۲: عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: كان الطلاق على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وأبي بكر وسنتين من خلافة عمر طلاق الثلاث واحدة. الحديث (مسلم شریف ج ۱ ص ۴۷۷)۔(۲)

''حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں اور حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت کے شروع میں (ایک مجلس کی) تین طلاقیں ایک ہوا کرتی تھیں۔''

غیر مقلدین اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے عام طور پر مذکورہ بالا ان دو روایتوں سے استدلال کرتے ہیں، لیکن ان روایتوں سے مذکورہ موقف پر استدلال درست نہیں، وجوہات درج ذیل ہیں:

حدیث نمبر ۱ میں حضرت رکانہؓ کی طلاق کا جو قصہ مذکور ہے، اس میں روایت کے اندر اضطراب پایا جاتا ہے، بعض روایات میں ہے کہ حضرت رکانہؓ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دی تھیں جیسا کہ مذکورہ روایت میں ہے، اور بعض روایت میں آیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو لفظ ''بتہ'' سے طلاق دی تھی، اور طلاق ''بتہ'' سے مراد وہ طلاق ہے جس میں ایک سے تین طلاقوں تک کی گنجائش ہوتی ہے، یعنی اگر ایک طلاق کی نیت ہو تو ایک، اور تین کی نیت ہو تو تین طلاقیں واقع ہوں گی، اس اضطراب کی وجہ سے اس روایت کے بارے میں علمائے حدیث نے مختلف قول اختیار کئے، مثلاً

حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ''معلول'' قرار دیا۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے اس کو ''ضعیف'' کہا۔

(باقی اگلے صفحے پر)

(۱) ج ۴ ص ۲۱۵ (طبع مؤسسة الرسالة بيروت)
(۲) ج ۱ ص ۴۷۷ (طبع قديمي كتب خانه)

[illegible] حضرت امام ابوبکر جصاص رحمہ اللہ نے [illegible]

چونکہ یہ روایت ان معتبر اور ثقہ راویوں کی روایت کے خلاف ہے جنہوں نے طلاق ثلاثہ کے بجائے طلاق بتہ دینا نقل کیا ہے۔

حضرت امام ابوداؤد رحمہ اللہ نے بھی اس کو ترجیح دی ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی، کیونکہ حضرت رکانہ کے اہل خانہ نے یہی روایت بیان کی ہے اور گھر والے قصے کو دوسروں سے زیادہ جانتے ہیں، چنانچہ امام ابوداؤدؒ نے فرمایا:-

عن عبد الله بن علي بن يزيد بن ركانة عن أبيه عن جده أنه طلق امرأته البتة فأتى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال ما أردت؟ قال واحدة، قال آلله؟ قال آلله، قال هو على ما أردت. قال أبو داود وهذا أصح من حديث ابن جريج أن ركانة طلق امرأته ثلاثاً لأنهم أهل بيته وهم أعلم به (سنن ابی داؤد)(۱)

حضرت یزید بن رکانہ حضرت رکانہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دے دی، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تمہاری نیت کیا تھی؟ انہوں نے کہا ایک طلاق کی، آپ نے فرمایا خدا کی قسم؟ عرض کیا ہاں خدا کی قسم! آپ نے فرمایا جو تم نے نیت کی وہی معتبر ہے (یعنی نیت کے مطابق ایک طلاق واقع ہوئی) امام ابوداؤد نے فرمایا کہ یہ حدیث [illegible] سے زیادہ صحیح ہے، اس لئے کہ یہ ان کے اپنے گھر کے افراد ہیں، اور وہ اس واقعے کو دوسروں کے مقابلے میں زیادہ جانتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ حضرت رکانہ سے [illegible] رجوع نقل کیا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاق پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طلاق شمار کرکے ان کو رجوع کا حکم دیا تھا، [illegible] انہوں نے رجوع کیا تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو ایک طلاق کی نیت سے طلاق "بتہ" دی تھی۔

حدیث نمبر۲ :- اسی طرح غیر مقلدین کا اس حدیث شریف سے بھی استدلال کرنا درست نہیں، وجوہات درج ذیل ہیں:-

الف :- اس روایت میں راوی کو وہم ہوا ہے، [illegible] اس کے خلاف روایت [illegible] حضرت ابن عباس کی روایت کو تحقیق قرار دیا ہے، چنانچہ [illegible] اس مضمون کو درج ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:-

في أوجز المسالك شرح الموطا للإمام مالك نقلاً عن الباجي: وما روي عن ابن عباس في ذلك من رواية طاوس، قال فيه بعض المحدثين هو وهم، وقد روى ابن طاوس عن أبيه عن ابن عباس خلاف ذلك وإنما وقع الوهم في التأويل. قال الباجي: وعندي أن الرواية عن ابن طاوس بذلك صحيحة فقد رواه عنه الأئمة معمر وابن جريج وغيرهما (ج ۱۰ ص ۲۳۱)(۲)

وفي السنن الكبرى للبيهقي: وهذا الحديث أحد ما اختلف فيه البخاري ومسلم فأخرجه مسلم وتركه البخاري وأظنه إنما تركه لمخالفته سائر الروايات عن ابن عباس (ج ۷ ص ۳۳۷)(۳)

(باقی اگلے صفحے پر)

(۱) ج ۱ ص ۳۰۱ (طبع میر محمد)۔ (۲) ج ۱۰ ص ۷ و ۸ (طبع تالیفات اشرفیہ ملتان)
(۳) (طبع نشر السنۃ ملتان)

اس باب میں [illegible] اس حدیث کے بارے میں حضرت امام بخاری [illegible] کا [illegible] امام [illegible] نے [illegible] میں [illegible] امام بخاری نے [illegible] اس روایت کو اس لئے نہیں لیا کہ یہ روایت حضرت ابن عباسؓ کی دیگر روایات کے خلاف ہے۔"

وفی الجوهر النقی علی هامش السنن الکبری: وذکر صاحب الاستذکار ان هذه الروایة وهم وغلط لم یعرج علیها أحد من العلماء اهـ. (ج ۷ ص ۳۳۷)۔(۱)

"صاحب استذکارؒ نے فرمایا کہ یہ روایت وہم اور غلط ہے، علماء میں سے کسی نے اس کو ذکر نہیں کیا ہے۔"

اب اگر ان وجوہ سے قطع نظر کی جائے تو بھی اس حدیث کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں، ایک مطلب وہ ہے جس کی بناء پر غیر مقلدین نے [illegible] لیکن یہ مطلب دوسری احادیث کی [illegible] میں سے کسی کا مطلب متعین [illegible] نہیں [illegible] ایک مجلس کی تین طلاقیں [illegible] محدثین [illegible] زیادہ صحیح اور قوی مطلب ذیل میں بیان کیا جاتا ہے [illegible] حضرت [illegible] قرطبیؒ نے پسند فرمایا ہے اور جس کو خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے تقویت ملتی ہے۔

اس حدیث شریف میں کسی عام قاعدہ کا ذکر نہیں، بلکہ اس کا تعلق ایک خاص صورت سے ہے، اور وہ یہ کہ شوہر لفظ طلاق [illegible] تاکید کی نیت سے [illegible] طلاق کی نیت نہ ہو تو اس صورت میں [illegible] تصدیق کی جائے [illegible] ایک ہی طلاق [illegible] لیکن شوہر کی تصدیق اس وقت [illegible] اس وقت تک [illegible] جب [illegible] حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ [illegible] میں [illegible] نیت [illegible] تصدیق مشکل ہوگئی تو حضرت عمرؓ نے ظاہر [illegible] کے مطابق تینوں طلاقوں کو نافذ فرمایا اور نیت تاکید کے دعویٰ کو قبول نہیں فرمایا۔

فی تکملة فتح الملهم: وهذا الجواب ارتضاه القرطبی وقواه بقول عمر ان الناس استعجلوا فی امر کانت لهم فیه اناة وکذا قال النووی ان هذا اصح الأجوبة (ج ۱ ص ۱۵۸)۔(۲)

"اس جواب کو علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے پسند فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول سے اس کی تائید بھی فرمائی [illegible] جس میں انہوں نے فرمایا کہ لوگوں نے مہلت والی چیز میں جلدبازی سے کام لیا، حضرت امام نووی رحمہ اللہ نے بھی یہی فرمایا ہے اور یہ صحیح ترین جواب ہے۔"

اب چند مشہور اور [illegible] صحابہ کرام کے فتاویٰ ملاحظہ ہوں جن میں تین طلاقوں کو تین ہی شمار کیا ہے، یہ فتاویٰ مصنف ابن ابی شیبہ میں مذکور ہیں:۔

کان عمر اذا اتی برجل قد طلق امرأته ثلاثا فی مجلس اوجعه ضربا وفرق بینهما۔(۳)

"حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جب کوئی ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوں، تو حضرت عمر اس کو سزا دیتے اور میاں بیوی کے درمیان جدائی کر دیتے۔"

(باقی اگلے صفحے پر)

(۱) (طبع نشر السنة ملتان) (۲) (طبع مکتبه دارالعلوم کراچی)
(۳) مصنف ابن أبی شیبة ج ۵ ص ۱۱ (طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیه).

[illegible] جاء رجل الی عثمان فقال انی طلقت امرأتی مائة، قال: ثلاث تحرمها علیک وسبعة وتسعون عدوان.[۱]

''ایک آدمی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں، آپ نے فرمایا کہ تین طلاقوں سے بیوی تمہارے اوپر حرام ہوگئی اور باقی ستانوے حد سے تجاوز ہے۔''

جاء رجل الی علی فقال انی طلقت امرأتی ألفا، قال: بانت منک بثلاث اھ[۲]

''ایک آدمی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آکر عرض کرنے لگا کہ میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ: تین طلاقوں سے بیوی تم سے الگ ہوگئی۔''

عن عبداللہ انه سئل عن رجل طلق امرأته مائة تطلیقة، قال: حرمتها ثلاث.[۳]

''حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے کسی شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی تھیں، تو انہوں نے فرمایا کہ: وہ تین طلاقوں سے حرام ہوگئی۔''

ان حضرات صحابہ کرامؓ کے علاوہ حضرت ابن عمر، حضرت ابن عباس، حضرت عمران بن حصین اور حضرت مغیرہ بن شعبہ وغیرہم رضی اللہ عنہم کا فتویٰ بھی یہی ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔

اب مذاہب اربعہ کی عبارات ملاحظہ ہوں!

قال ابن الهمام الحنفی رحمه الله: وذهب جمهور الصحابة والتابعین ومن بعدهم من أئمة المسلمین الی انه یقع ثلاث. (فتح القدیر ج۳ ص ۲۵)۔[۴]

''جمہور صحابہ، تابعین اور بعد میں آنے والے ائمہ کا مذہب یہی ہے کہ تین طلاق دینے کی صورت میں تینوں طلاقیں واقع ہوں گی۔''

وقال العلامة الحطاب المالکی رحمه الله: وکلمة طلق من ذلک یلزمه اھ (مواہب الجلیل ج۴ ص ۳۹)۔[۵]

''تین طلاقیں شوہر جس طریقے سے بھی دیدے، وہ تینوں نافذ ولازم ہوں گی۔''

وقال العلامة النووی الشافعی رحمه الله: فقال الشافعی ومالک وأبو حنیفة واحمد وجماهیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلث اھ (شرح النووی شرح الصحیح للامام مسلم ج [illegible] ص [illegible])[۶]

''حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ اور اگلے پچھلے علماء میں سے جمہور علمائے کرام کا مذہب یہی ہے کہ تین طلاق دینے کی صورت میں تین ہی واقع ہوں گی۔''

(باقی اگلے صفحے پر)

---

(۱) ج:۵ ص:۱۳۰ (طبع ادارۃ القرآن)
(۲) مصنف ابن أبی شیبة ج:۵ ص ۱۳ (طبع أیضًا)
(۳) مصنف ابن أبی شیبة ج:۵ ص:۱۲ (طبع أیضًا)
(۴) ج:۳ ص:۴۵۱ (طبع مکتبه عثمانیه کوئٹه)
(۵) (طبع دار الفکر بیروت)
(۶) (طبع قدیمی کتب خانه)

تین طلاق کے بعد حلالہ کا شرعی طریقہ

سوال - اگست ۱۹۶۰ء میں میری شادی ہوئی تھی، اگست ۱۹۶۳ء ایک لڑکا تولد ہوا، جنوری ۱۹۶۴ء میں نے اپنی زوجہ کو تحریری طور پر تین طلاق دے دی، زوجہ بھی تب اُس کے ساتھ والدین کے ہاں ہے، اب والدین بھی بہت ناراض ہیں، میں خود بھی پریشان ہوں، کیونکہ یہ کام میں نے دوسروں کے ورغلانے سے کیا تھا، اب کوئی صورت ہو سکے تو تحریر فرمائی جائے۔

جواب - صورت مسئولہ میں بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہو چکی ہے، اب حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ نکاح نہیں ہو سکتا، جس کی صورت یہ ہے کہ بیوی کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اور اس کے ساتھ حقوق زوجیت بھی پورے کرے، اس کے بعد اگر وہ شخص کسی وجہ سے طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہو جائے تو آپ بیوی کی عدت گزر جانے کے بعد اس کی صراحتاً مرضی سے دوبارہ نکاح کر سکیں گے، اس عمل کو "حلالہ" کہتے ہیں، لیکن حلالہ کی نیت سے دوسری جگہ نکاح کروانا

[illegible] وقال العلامة ... قدس سره وإن طلق ثلاثا بكلمة واحدة وقع الثلاث وحرمت عليه حتى تنكح زوجا غيره ... حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد على فتوى علماء الحرمين الشريفين بالعربية)

"اگر شوہر نے بیوی کو تین طلاقیں دیں، تو تینوں واقع ہوں گی۔"

واللہ تعالیٰ اعلم
عصمت اللہ عصمہ اللہ
۱۴۱۹/۷/۲۹ھ

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۴۱۹/۸/۹ھ

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمود اشرف غفراللہ لہ	بندہ عبدالرؤف سکھروی	بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ
الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
اصغر علی ربانی	محمد عبدالمنان عفی عنہ	محمد کمال الدین الراشدی

✻✻✻

(۲) وفي مشكوة المصابيح ج ۲ ص ۲۸۳ طبع قديمي كتب خانه: عن عائشة رضي الله عنها قالت جاءت امرأة رفاعة القرظي إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقالت إني كنت عند رفاعة فطلقني فبت طلاقي فتزوجت بعده عبد الرحمن بن الزبير وما معه إلا مثل هدبة الثوب، فقال أتريدين أن ترجعي إلى رفاعة قالت نعم قال لا حتى تذوقي عسيلته ويذوق عسيلتك.

وفي الهندية ج ... ص ... طبع ماجديه: وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها.

وفي الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة ج ۲ ص ۳۹۹ طبع شركت علميه ملتان: وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة وثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها والأصل فيه قوله تعالى: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره والمراد الطلقة الثالثة.

جائز نہیں ہے۔[1]

واللہ اعلم بالصواب

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی بلندشہری

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۲/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۱۰/۱۸ الف)

تین طلاق کے بعد شوہر کا بیوی کو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا

سوال:- میرے خاوند مسمّی سردار خان نے عرصہ تین سال ہوا طلاق مغلظہ تین بار طلاق، طلاق، طلاق دے کر مجھے آزاد کردیا، اور میرے صرف ایک چھوٹے سے کاغذ پر لکھ کر میرے حوالہ کردیا، بعدہ تین سال تک مکمل میری کوئی خبر نہیں لی، اور نہ ہی مجھے اس کا پتہ معلوم ہوسکا، اب تین سال بعد آیا اور مجھے مجبور کر رہا ہے کہ میں اس کے ساتھ رہ کر حقوق زوجیت ادا کروں، قرآن و سنت اور حنفی مسلک کی روشنی میں کیا میں اس کے ساتھ رہ کر حقوق زوجیت ادا کرسکتی ہوں؟

جواب:- مفتی عالم الغیب نہیں ہوتا، بلکہ جو صورت سوال میں بیان کی جاتی ہے، اس کے مطابق جواب دے دیتا ہے، چنانچہ اگر یہ حقیقت ہے کہ آپ کے شوہر نے آپ کو تین مرتبہ زبانی طور پر طلاق دے دی تھی تو آپ اس کے نکاح میں نہیں رہیں، بلکہ آپ پر طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے،[2] اب شوہر کو نہ رجوع کا اختیار ہے اور نہ حلالۂ شرعیہ کے بغیر آپ سے دوبارہ نکاح کرسکے گا،[3] لہٰذا اب اس کا یہ مطالبہ کہ آپ اس کے ساتھ رہیں حرام مطالبہ ہے جس کی تعمیل آپ کے لئے حرام ہے، آپ ہرگز اس کے پاس نہ جائیں، اور اگر طلاق کے بعد آپ کی تین ماہواریاں گزر چکی ہیں تو آپ دوسری جگہ جہاں چاہیں نکاح کرسکتی ہیں۔[4]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۴۰۱/۳/۱۶ھ
(فتویٰ نمبر ۳۳۸/۳۲ الف)

تین طلاق کے بعد غلط بیانی کرکے بیوی کو ساتھ رکھنے کا حکم

سوال:- اورنگی ٹاؤن سیکٹر نمبر 13C کراچی نمبر ۴۱ کا رہنے والا بنام شمس الاسلام زوج ماجدہ خاتون بنت سلطان احمد نے اپنی ساس بانو خاتون سے جھگڑا کرکے اپنی بیوی ماجدہ خاتون کو تین

---

(۱) وفي مشكوة المصابيح ج ۲ ص ۲۸۴ (طبع قديمي كتب خانه) عن عبدالله بن مسعود رضي الله عنه قال: لعن رسول الله صلى الله عليه وسلم المحلل والمحلل له. رواه الدارمي ورواه ابن ماجه عن علي وابن عباس وعقبة بن عامر. وفي الدر المختار ج ۳ ص ۴۱۴ (طبع سعيد) وكره التزوج للثاني تحريمًا لحديث لعن المحلل والمحلل له بشرط التحليل كتزوجتك على ان أحللك وان حلّت للأول لصحة النكاح ... الخ

(۲ تا ۴) حوالہ کے لئے ص ۴۱۳ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

طلاق دے دی، مورخہ ۲۵/۶/۱۹۷۷ء کی رات کو محلے کے معتبر اشخاص کو لے جا کر میں نے حضرت کی نوعیت بتائی اور صاف الفاظ میں سب کے سامنے تین طلاق کا اقرار کیا اور بیان دے کر دستخط بھی ثبت کیے، اور متواتر تین چار روز مختلف آدمی اور محلے کے ذی استعداد علماء کے سامنے بار بار تین طلاق کا اقرار کیا، جس کی بنا پر علمائے کرام نے طلاق مغلظہ کا فتویٰ دے دیا، اور آپ سے اور دوسرے معتبر مفتی صاحب سے تائید لی اور دستخط لے گئے، اس نے خفیہ طور سے اپنا اصلی بیان کو مولوی محمد یوسف کے ذریعہ تبدیل کرا کے دارالعلوم سے جواز کا فتویٰ لیا، آپ مہربانی فرما کر اس فتویٰ کو منسوخ قرار دے دیں تاکہ لوگ اس کو زنا سے باز رکھ سکیں۔

جواب – اصل یہ ہے کہ مفتی کو علم غیب نہیں ہوتا، اس کا کام صرف یہ ہے کہ جیسا سوال اس کے سامنے آئے اس کا جواب سوال کے مطابق دیدے، اگر کوئی شخص تین طلاقیں بیان کرے گا تو مفتی اس کا حکم بتادے گا، اور اگر کوئی شخص ایک یا دو طلاق بیان کرے گا تو اس کا حکم بتادے گا، اصل واقعے کی تحقیق نہ مفتی کا فرض ہے اور نہ اس کے لئے ممکن ہے۔

لہٰذا اگر کسی شخص نے غلط سوال مرتب کر کے اپنی مرضی کا جواب حاصل کر لیا تو اس کا وبال اسی شخص پر ہوگا، لہٰذا اگر واقعۃً اس شخص نے تین طلاقیں دی تھیں اور پھر اس بات کو چھپا کر عورت کے حلال ہونے کا فتویٰ حاصل کر لیا تو اس نے کئی سخت گناہوں کا ارتکاب کیا، جھوٹ بولنے اور مفتی کو دھوکا دینے کا گناہ الگ ہے، اور ساری عمر زنا میں مبتلا رہنے کا گناہ الگ ہے، اس کو چاہئے کہ خدا سے اور آخرت کے حساب و کتاب سے ڈرے، اور بیوی کو فوراً علیحدہ کر کے توبہ و استغفار کرے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۱/۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۲۳ الف)

عورت اگر اپنے کانوں سے طلاق سن لے تو اسے "المرأة کالقاضی" کے مسئلے پر عمل کرنا لازم ہے

سوال – میری بیٹی انجم ظفر اور داماد (سابقہ) سردار محمود علی خان کے درمیان طلاق کا مسئلہ چل رہا ہے، دونوں نے اپنے تحریری بیان دے کر نوری ٹاؤن مسجد کے مفتی صاحب سے فتویٰ لیا جو ساتھ منسلک کر رہا ہوں۔

انجم ظفر نے آپ کے سامنے بیان دیا کہ اگست ۱۹۷۶ء میں دو مرتبہ طلاق اس کے خاوند سردار

محمود علی خان نے زبانی دی، اور تیسری اور آخری مرتبہ ۱۹۸۰ء میں لکھ کر دی۔

سردار محمود علی خان جو ابھی آپ کے سامنے موجود ہیں، اُس نے بیان دیا کہ ۱۹۷۶ء کے متعلق اسے کچھ یاد نہیں، ہاں! ۱۹۸۰ء میں ایک بار اُس نے لکھ کر طلاق دی، مگر علاوہ اس کے وہ حلفیہ بیان کرتا ہے کہ اس نے پوری زندگی میں انجم ظفر کو طلاق نہیں دی۔ اپنی شرعی حتمی رائے سے نوازیں، مہربانی ہوگی۔

جواب – میں نے پشت پر لکھے ہوئے فریقین کے مشترک سوال اور منسلکہ تحریروں کا مطالعہ کیا جن میں ہر فریق نے اپنے طور پر مدرسہ عربیہ نیوٹاؤن کے دارالافتاء سے سوالات کئے ہیں، پھر احتیاطاً دونوں فریقوں سے زبانی بھی ان کا موقف سن لیا، سردار محمود علی خان صاحب کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے صرف ایک مرتبہ ۱۹۸۰ء میں تحریری طور پر اپنی بیوی انجم کو طلاق دی ہے، اور ۱۹۷۶ء کا جو واقعہ انجم صاحبہ بیان کرتی ہیں وہ انہیں یاد نہیں، لہٰذا وہ اس بات پر حلف کرنے کو تیار ہیں کہ انہوں نے صرف ایک طلاق ۱۹۸۰ء میں دی ہے۔ دوسری طرف انجم ظفر صاحبہ پورے وثوق سے کہتی ہیں کہ ۱۹۷۶ء میں ان کے شوہر سردار محمود علی صاحب نے ان کو دو مرتبہ "میں نے تمہیں طلاق دی" کے الفاظ استعمال کرکے طلاق دی، اور اس کے بعد کہا کہ "اب تم اپنی سمجھو" اس کے بعد کچھ افراد کے کہنے سننے سے رجوع ہوگیا، پھر ۱۹۸۰ء میں ایک مرتبہ انہوں نے میرے کہنے پر تحریری طور پر مجھے طلاق دی جس میں انہوں نے لکھا کہ "میں بہوش وحواس طلاق دیتا ہوں۔" ان حالات میں شرعی حکم یہ ہے کہ جب مسماۃ انجم نے خود اپنے کانوں سے دو مرتبہ طلاق کا لفظ سنا ہے، اور تیسری بار تحریر دیکھی ہے تو معروف فقہی قاعدے "المرأۃ کالقاضی"(۲) کے اصول پر اب ان کے لئے سردار محمود علی خان صاحب کے ساتھ بیوی کی حیثیت میں رہنا کسی طرح جائز نہیں، ان پر شرعاً واجب ہے کہ وہ محمود علی خان صاحب سے علیحدہ رہیں، اور انہیں وظائف زوجیت کا موقع نہ دیں، اور جب ان کے لئے یہ امر واجب ہے تو سردار محمود علی خان صاحب کو بھی چاہئے کہ وہ انہیں اپنے ساتھ رکھنے پر اصرار نہ کریں، تاکہ وہ بیوی کو گناہ میں مبتلا کرنے کا سبب نہ بنیں، دیانت کا حکم یہی ہے،(۳) اور اب اسی میں فریقین کے لئے عافیت ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۰/۹/۱۴۰۲ھ

(فتویٰ نمبر ۳۵/۱۵۳۸ د)

---

(۲) وفی رد المحتار ج ۳ ص ۲۵۱ طبع سعید: والمرأۃ کالقاضی اذا سمعته او اخبرها عدل لا یحل لها تمکینه ... الخ

(۳) المرأۃ کالقاضی کے مفہوم اور مسئلہ قضاء اور دیانت کے حکم سے متعلق مزید تفصیل کے لئے ص ۳۶۹، ۳۷۱ پر حضرت والا دامت برکاتہم کا تفصیلی فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

رُخصتی سے پہلے اور رُخصتی کے بعد تین طلاق کی صورت میں مہر کی ادائیگی کی تفصیل

سوال:- زید نے بیوی سے کہا کہ "اگر تو عمر سے بات کرے گی تو تجھے تین طلاق ہے" چنانچہ بیوی نے جان بوجھ کر عمر سے بات کی، کیا طلاق ہوگئی؟ اور مہر کتنا دینا ہوگا؟

جواب:- صورت مسئولہ میں زید کی بیوی پر طلاق مغلظہ واقع ہوگئی،[1] اب وہ زید کے لئے حلالہ کے بغیر ہرگز حلال نہیں ہوسکتی،[2] اور اگر زید نے اب تک اس کا مہر ادا نہیں کیا ہے تو اس پر واجب ہے کہ فوراً بیوی کو مہر ادا کرے۔[3]

اگر یہ طلاق رُخصتی کے بعد دی ہے تو پورا مہر ادا کرنا ہوگا،[4] اور اگر رُخصتی سے پہلے دی ہے تو آدھا۔[5]

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

۱۳۸۸/۸/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۱۸۸/۱۹ الف)

تین طلاق کا حکم اور تین طلاق کے بعد کسی اور فرقے کے عالم سے فتویٰ لے کر بیوی کو اپنے ساتھ رکھنا

سوال ۱:- ایک شخص نے ایک مجلس میں اپنی بیوی کو تین طلاق دے دی چند افراد کی موجودگی میں، نشست تبدیل کرکے۔ یہ طلاق مغلظہ ہوئی یا نہیں؟ اس کے بعد شوہر نے بیوی کو زبردستی لے جاکر مباشرت بھی کی ہوگی، اور عورت اس پر قطعاً راضی نہیں۔

۲- طلاق دینے کے وقت جو افراد موجود تھے وہ اب بھی یہی کہتے ہیں کہ اس عورت کا اب تجھے گھر رکھنا جائز نہیں، اور کچھ افراد کہتے ہیں کہ طلاقیں نہیں ہوئیں، اس عورت کو پاس رکھنا شرعی نقطۂ نگاہ سے قطعاً جائز ہے۔ وہ مرد کہیں شہر سے فتویٰ بھی لے کر آیا ہے اور کہتا ہے کہ عورت میرے نکاح سے باہر نہیں ہوئی۔

---

(۱) دیکھئے حوالہ بالا ص ۳۹۰ و ۳۹۱۔ (۲) حوالہ بالا [illegible]

(۳، ۴) وفي الهندية كتاب النكاح الباب السابع الفصل الثاني ج ۱ ص ۳۰۳ طبع ماجديه: والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين ... حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك إلا بالإبراء من صاحب الحق

(۵) وفي الدر المختار كتاب النكاح باب المهر ج ۳ ص ۱۰۲: ويجب نصفه بطلاق قبل وطء أو خلوة ... اھ

جواب ۱ - صورتِ مسئولہ میں عورت پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اور مغلظہ ہوگئی، لہٰذا اب وہ حلالے کے بغیر سابق شوہر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی، ایسی صورت میں اگر زبردستی شوہر کرے تو وہ گناہِ عظیم کا مرتکب ہے، عورت کو چاہئے کہ وہ جس طرح ممکن ہو اس سے اپنی جان چھڑائے، اور حتی الامکان اسے مباشرت کا موقع نہ دے۔

۲- جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عورت شوہر پر حرام نہیں ہوئی، غلطی پر ہیں، ہمارے چاروں ائمہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد کے مذہب میں حلال ہونے کی گنجائش نہیں ہے، اور ان فقہاء کی عام سے فتویٰ کا ہونا [illegible] مطلب حاصل کرنا سخت ظلم اور شدید گناہ ہے، معاملہ کے ماتحت یہ بیوی اس مسلک سے تعلق رکھتی ہو کسی مسلک سے [illegible] کا فتویٰ اس کے حق میں معتبر ہوگا۔

احقر محمد تقی عثمانی
۱۳۸۸/۲/۲۸ھ

جواب صحیح ہے، اگر شوہر اس سے رجعت کی پر اصرار کرے تو حرام ہے، بچنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عدالت کے ذریعہ شریعت کے مطابق [illegible] نکاح [illegible] رکھے۔ بندہ محمد شفیع

زبان سے تین مرتبہ طلاق دی مگر بعد میں صرف ایک مرتبہ لکھ کر دی تو کیا حکم ہے؟

سوال - زید نے زبان سے اپنی بیوی زینب کو تین مرتبہ یہ کہا کہ "میں نے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی" بعد میں تحریر ایک مرتبہ دی، اس وقت زینب حاملہ تھی۔

جواب - صورتِ مذکورہ میں زید کی بیوی زینب پر تین طلاقیں اسی وقت واقع ہوگئی تھیں جب اس نے زبان سے یہ الفاظ کہے تھے، اس وقت اگر زینب حاملہ تھی تو اس کی عدت بچے کا پیدا ہونا ہے،[۲] بچے کی پیدائش کے بعد وہ جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے، اب وہ زید کے لئے حلال نہیں

(۱) حوالہ کے لئے ص ۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) وفی شرح صحیح مسلم للعلامۃ النووی کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ج ۱ ص ۴۷۸ طبع قدیمی کتب خانہ: وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأتہ انت طالق ثلاثا فقال الشافعی ومالک وابوحنیفۃ واحمد وجماہیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث ... الخ

وفی فتح القدیر کتاب الطلاق ج ۳ ص ۳۳۳ طبع سعید: وذهب جمهور الصحابة والتابعين ومن بعدهم من أئمة المسلمين الى أنه يقع الثلاث وبعد هذا فقد ثبت النقل عن أكثرهم صريحا بإيقاع الثلاث ولم يظهر لهم مخالف فماذا بعد الحق الا الضلال۔ نیز دیکھئے ص ۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

(۳) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۴۲۱ کا حاشیہ نمبر ۲۔

دوسری جگہ نکاح اور صحبت کے بغیر دونوں دوبارہ نکاح بھی نہیں کر سکتے۔(۱)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۳/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹/۳۳۹ الف)

تین طلاق کا مسئلہ اور بیوی کی طرف سے مہر معاف کرنے سے مہر معاف ہو جائے گا

سوال:- آج مورخہ ۱۷ ستمبر ۱۹۷۶ء کو مسمی سید سلطان اختر نے اپنی بیوی شیخ فاطمہ بنت سید یعقوب علی والی کے اور ان کے مطالبہ پر کہ مجھے طلاق دے دو، یہ سمجھ کر کہ اس سے تمہارا اور بچوں کا مستقبل تباہ ہو جائے گا، لیکن پھر اس نے کہا کہ مجھے اس سے کوئی تعلق نہیں ہے، چھوٹی بچی میرے پاس رہے گی اور باقی دو بچے تم لے جاؤ، اور میں نے اپنا مہر اور ہر قسم کا خرچ نان نفقہ معاف کیا، ان کی اس وضاحت اور شدید مطالبہ پر خلع کا فیصلہ ان الفاظ میں کیا: "میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دی، میں نے تمہیں طلاق دی" کیا اب اس صورت میں تم آزاد ہو اور مجھ پر کسی بہن ماں کی طرح حرام ہو، جو دونوں نے قبول کر لیا۔

جواب:- مذکورہ صورت میں تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، اور طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے،(۱) جس کا حکم یہ ہے کہ اب وہ حلالہ کے بغیر شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی،(۳) اور چونکہ عورت نے مہر معاف کر دیا ہے، اس لئے مہر بھی شوہر پر واجب نہیں۔(۴)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۰/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳۰۶/۲۷ ب)

(۱ تا ۳) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

(۴) وفی الهندية كتاب النكاح باب السابع الفصل الثاني ج ۱ ص ۳۰۳ (طبع مكتبه رشيديه) والمهر يتأكد بأحد معان ثلثة الدخول، والخلوة الصحيحة ... حتى لا يسقط منه شيء بعد ذلك الا بالابراء من صاحب الحق
وفي بدائع الصنائع ج ۲ ص ۳۰۱ (طبع سعيد) وصح حطها لكله وبعضه عنه قبل او لا. وفي الدر المختار تحت قوله وصح حطها الحط الاسقاط كما في المغرب ... الخ وفي الشامية تحت كتاب النكاح باب المهر ج ۳ ص ۱۰۲ واذا تأكد المهر ... لا يحتمل السقوط الا بالابراء وفي الهداية باب المهر ج ۲ ص ۲۹۵ (طبع شركت علمية) وان حطت عنه من مهرها صح الحط، لان المهر حقها ... الخ

تین طلاق کا مسئلہ اور عدّت کے اَحکام

سوال:- ایک شخص نے اپنی بی بی سے جہالت میں کہہ دیا کہ ''تجھ کو طلاق دیا، طلاق دیا، طلاق دیا'' اس میں حکمِ شرعی کیا ہے؟ اور عدت اپنے میکے میں گزارے یا اور کہیں؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں آپ کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں، اب وہ حلالہ کے بغیر آپ کے لئے حلال نہیں ہوسکتیں،[1] عدت شوہر کے گھر میں گزارنی چاہئے،[2] لیکن پردہ وغیرہ کا اہتمام کیا جائے۔[3]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۱/۱/۱۳۹۰ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱/۵۹۷ الف)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

غصّے کی حالت میں بھی طلاق واقع ہوجاتی ہے اور صدقہ سے طلاق کا اثر زائل ہونے کا مسئلہ غلط ہے

سوال:- ایک شخص نے غصّے میں اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں، اس طرح کہ ''تم کو طلاق دیا، تم کو طلاق دیا، تم کو طلاق دیا'' اس صورت میں عندالاحناف کس قسم کی طلاق واقع ہوئی؟ اگر شوہر بیوی سے رجعت کرنا چاہے تو کیا صورت ہوگی؟ ایک مولوی صاحب نے بتایا کہ غصّے کی حالت میں طلاق نہیں ہوتی اور غریب و مسکین کو کھلا پلا دینے سے اور عزیزوں پر صدقہ کر دینے سے طلاق کا اثر زائل ہوجائے گا، کیونکہ غصّے میں طلاق دینے کی نیت اس کی نہیں تھی۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں،[4] اب وہ شوہر کے لئے حرام ہوچکی ہے اور حلالۂ شرعیہ کے بغیر اس سے دُوسرا نکاح بھی نہیں ہوسکتا،[5] طلاق غصّے کی

---

(۱) حوالہ کے لئے ص ۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) وفی الدر المختار مع رد المحتار باب العدۃ ج ۳ ص ۵۳۶ طبع سعید: وتعتدان أی معتدۃ طلاق وموت فی بیت وجبت فیہ ولا یخرجان منہ إلا أن تخرج أو ینھدم المنزل أو تخاف انھدامہ أو تلف مالھا ... الخ
وکذا فی الھندیۃ ج ۱ ص: ۵۳۵، والبحر الرائق ج: ۴ ص: ۱۵۴۔

(۳) وفی الدر المختار ج ۳ ص ۵۳۰ طبع سعید، ولا بد من سترۃ بینھما فی البائن ... لئلا یختلی بالأجنبیۃ ... أو کان الزوج فاسقاً فخروجہ أولی ... الخ وکذا فی الھندیۃ ج ۱ ص ۵۳۵ والبحر الرائق ج ۴ ص ۱۵۰

(۴ و ۵) حوالہ کے لئے ص ۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

حالت میں بھی واقع ہو جاتی ہے،[1] اور تین طلاقوں کے بعد رجعت نہیں ہو سکتی،[2] اور صدقہ کرنے سے بھی طلاق کا اثر زائل نہیں ہوتا، جن صاحب نے یہ مسئلہ بتایا ہے، بالکل غلط بتایا ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

١٣٩٧/٦/١٨ھ

(فتویٰ نمبر ۶۳۲/۲۸ ب)

تین طلاق کے لئے تین ماہ میں ہونا ضروری نہیں

سوال:- ایک شخص نے شادی کی اور شادی کے چار پانچ یوم کے بعد اس کی بیوی کے والدین نے بیوی دینے سے انکار کر دیا، اور کہا کہ یہ لڑکا شادی کے قابل نہیں، اس کشمکش میں ایک ماہ گزر گیا، والدین نے شخص کو طلاق پر مجبور کر دیا، اس مجبوری کی حالت میں چند آدمیوں کے سامنے طلاق نامہ لکھوایا اور زبانی دو دفعہ اس نے کہا کہ "میں نے اپنی بیوی کو جدا کر دیا" ایک مہینے کے بعد چند مولوی صاحبان کی طرف سے فتویٰ آیا کہ تمہاری طلاق نہیں ہوئی ہے، چونکہ تین ماہ میں تین طلاق نہیں دی ہے اس لئے تمہاری طلاق واقع نہیں ہوئی، اور پھر اس کی بیوی واپس کر دی سات مہینے سے ساتھ رہ رہی ہے، از روئے شریعت یہ بتایئے کہ طلاق ہوئی ہے یا نہیں؟ جواب تب پاس رکھنا ہے کیسے ہے؟

جواب:- صورت مسئولہ میں اس شخص کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو گئی ہیں، اب وہ بغیر حلالہ کے اس کے لئے ہرگز حلال نہیں ہو سکتی،[3] تین طلاقوں کے لئے تین ماہ میں ہونا ضروری نہیں ہے، ایک وقت میں تین طلاقیں دی جائیں تب بھی واقع ہو جاتی ہیں۔[4]

واللہ اعلم

١٣٩٦/٩/٢ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱۹/۱۹ الف)

"لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تین طلاق" الفاظ اور عدت کے نفقہ کا حکم

سوال:- حاجی فضل احمد صاحب نے اپنی بیوی کو بوجہ جھگڑے کے یہ الفاظ کہے "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تین طلاق"، (ساتھ دو مردوں اور تین عورتوں کی گواہی بھی حسب ذیل تھی) -

١- ایک شخص مسمی عبدالرشید کہتا ہے کہ طلاق کے الفاظ یہ تھے "تین طلاق دیدی ہو"

---

(١) وفي رد المحتار، كتاب الطلاق مطلب في طلاق المدهوش ج ٣ ص ٢٤٤ طبع سعيد: وسيأتي طلاق من غضب خلافا لابن القيم وهذا الموافق عندنا لما مرّ في المدهوش.

(٢) وفي الهداية كتاب الطلاق باب الرجعة ج ٢ ص ٣٩٩ طبع شركت علمية ملتان: وإن كان الطلاق ثلاثا في الحرة أو ثنتين في الأمة لم تحل له حتى تنكح زوجا غيره نكاحا صحيحا ويدخل بها ثم يطلقها أو يموت عنها والأصل فيه قوله تعالى: فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره. الآية

(٣ و ٤) حوالہ کے لئے ص ٣١٣ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ١ تا ٣ ملاحظہ فرمائیں۔

۲- دوسرا شخص مسمی عبدالہاشم کہتا ہے کہ طلاق کے الفاظ یہ تھے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تجھے تین طلاق دیتا ہوں۔" یاد رہے کہ یہ دو گواہ قرابتی ہیں، عینی شاہد نہیں۔

۳- وہ تین عورتیں جو عینی شاہد ہیں کہتی ہیں کہ طلاق کے الفاظ یہ تھے "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ تین طلاق۔"

طلاق بتاریخ ۲۲ اپریل کو دی تھی، عدت کب سے شروع ہوگی؟ اگر طلاق واقع ہوئی ہو، پردہ، خورد و نوش کا کیا انتظام ہوگا؟

جواب- صورتِ مسئولہ میں حاجی فضل احمد صاحب کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اور اب وہ حلالہ کے بغیر ان کے لئے حلال نہیں ہوسکتی،(1) جس دن طلاق دی تھی (۲۲ اپریل) اسی دن سے عدت شمار کی جائے گی،(2) اور عدت تین مرتبہ ایامِ ماہواری کا گزرنا ہے، عدت کے دوران شوہر پر نان و نفقہ اور رہائش کا انتظام کرنا واجب ہے۔(3)

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی

۱۳۸۸/۲/۸ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۱۷/۱۹ الف)

"ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق" الفاظ کا حکم

سوال- آج سے تقریباً پانچ مہینے ہوئے ہیں کہ میں بہنوئی کے مکان پر گیا، وہاں چند رشتہ داروں کے ساتھ بات چیت ہو رہی تھی، دورانِ گفتگو میری بیوی کا تذکرہ آیا، میرے ساتھیوں نے میری بیوی کی بداخلاقی، فحش حرکات کے سلسلے میں بہت کچھ کہا، مجھے اس پر سخت غصہ آیا، میں نے غضبناکی کی حالت میں "ایک طلاق، دو طلاق، تین طلاق" لفظ استعمال کیا، لیکن دیا اور کس کو دیا، اس کا تلفظ نہیں کیا، اس وقت میری بیوی وہاں سے ایک میل دور فاصلے پر سسرال کے ہاں تھی، اور چار ماہ کی حاملہ تھی، اب حضرت والا سے درخواست ہے کہ شرعی حکم سے مطلع فرمادیں۔

نوٹ:- اس سوال کے ساتھ کئی شہادتیں بھی آئی تھیں، جن میں سے چند تو وہی الفاظ کہتے تھے جو کہنے والے نے کہے تھے، اور دو شاہدوں نے لفظ "دیا" کو ذکر نہیں کیا۔

---

(1) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

(2) فی الشامیة ج ۳ ص ۵۲۹ طبع سعید: والظاهر أن ابتداء العدة من وقت وقوع الطلاق ... الخ
وفی الدر المختار ج ۳ ص ۵۲۰ (طبع سعید) ومبدأ العدة بعد الطلاق على الفور.

(3) وفی الفتاوى الهندية كتاب الطلاق الباب السابع عشر في النفقات الفصل الثالث في نفقة المعتدة ج ۱ ص ۵۵۷ طبع مكتبه ماجديه كوئته: المعتدة عن الطلاق تستحق النفقة والسكنى كان الطلاق رجعيا أو بائنا أو ثلاثا حاملا كانت المرأة أو لم تكن كذا في فتاوى قاضي خان.

جواب:- صورتِ مسئولہ میں سائل کی بیوی پر تین طلاق مغلظہ واقع ہوگئیں، اب وہ بغیر حلالہ کے اس کے لئے ہرگز حلال نہیں ہوسکتی، سیاق وسباق نیت اس اثر وجہ کو متعین کرنے کے لئے کافی ہے۔(۲)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

۱۳۸۸/۲/۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۹/۱۸۱ الف)

تین طلاق کے بعد مہر اور پردے کی تفصیل

سوال - میری شادی ۱۹۶۹ء میں ہوئی، پھر میرے شوہر نے ۱۹۹۴ء میں ایک ایک مرتبہ مجھے یہ الفاظ کہے میرا نام در شہوار ہے کہہ کر کہا کہ ”میں نے تم کو طلاق دی“ بچے بڑے ۲۵ اور ۲۶ سال کے ہیں۔

۱- طلاق کے الفاظ جب کہے تو ۲ مرتبہ بڑے لڑکے موجود تھے۔

۲- اور ۲ مرتبہ تنہائی میں کہے۔

مسئلہ عرض یہ ہے کہ اس ایک سال کے عرصے میں ان کی شادی ہوگئی ہے، انہوں نے فتوی دکھا کر کہا کہ اب میرا کوئی تعلق نہیں رہا۔

۳- کچھ عرصے بعد ان کی طرف سے مسئلہ اٹھا کہ پردہ نہ کرو، اور یہ کہ میں نے تم کو طلاق نہیں دی ہے، اگر تم چاہتی ہو تو اب دے دوں گا، اور یہ بھی کہ کورٹ کے ذریعہ دوں گا، وغیرہ دیکھ سے جاؤ۔

۱:- ان کا کہنا ہے کہ میری نیت نہیں تھی کہ طلاق دوں۔

۲- چار مرتبہ صاف کہا ہے کہ ”در شہوار تم کو ایک طلاق“ پھر اس طرح کہا کہ ”تم کو دوسری طلاق“، پھر اسی طرح مختلف مواقع پر ۲ مرتبہ پھر کہا، اب کہتے ہیں کہ ”ہر دفعہ میں نے ایک ہی سمجھ کر کہا ہے، مجھ سے پردہ نہ کرو“

۱:- وہ اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ الگ رہتے ہیں۔

۲- میں اپنے بچوں کے ساتھ الگ گھر میں رہتی ہوں، پردے کی وجہ سے انہوں نے کئی بار گھر میں آکر مارا ہے، گالیاں وغیرہ دی ہیں۔

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۴۱۴ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

(۲) وفي رد المحتار، كتاب الطلاق، باب الصريح، تحت مطلب سن بوش يقع به الرجعي ج ۳ ص ۲۴۸ (طبع سعيد)، ولا يلزم كون الاضافة صريحة في كلامه لما في البحر لو قال طالق فقيل له من عنيت؟ فقال امرأتي، طلقت امرأته. الخ

مجھے فتویٰ دیں طلاق اور پردے کے بارے میں کیا احکام ہیں؟ شادی کے وقت میرا مہر معجّل رائج الوقت ۵ ہزار تھا، اس کا کیا مسئلہ ہوگا؟ وہ بھی مجھے نہیں ملا ہے۔

پہلا فتویٰ مولوی ... سے عبدالوہاب صاحب نے دیا تھا، وہ انہوں نے جلا دیا کہ بیٹی جوان ہے، اُس کے لئے مسئلہ نہ ہو کہ ماں کو طلاق ہوگئی ہے۔

جواب - اگر سوال میں مذکورہ واقعہ درست ہے تو آپ پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں،(۱) اور اب شوہر کو طلاق سے رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں ہے، اور نہ آپ کے درمیان حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے،(۲) آپ دونوں پر واجب ہے کہ ایک دوسرے سے الگ رہیں اور پردہ کریں،(۳) نیز اگر انہوں نے اب تک آپ کو مہر ادا نہیں کیا ہے تو ان کے ذمے ضروری ہے کہ فوراً آپ کو مہر ادا کریں۔(۴)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲/۲/۲/۱۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱ ے ۹۹)

تین مرتبہ طلاقِ صریح کے الفاظ میں نیت اور غصّے کا اعتبار نہیں

سوال - زید نے طیش میں آکر تین بار یہ جملہ کہا کہ "جا میں نے تجھے طلاق دی، طلاق دی، طلاق دی" شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب - صورتِ مسئولہ میں زید کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں،(۵) الفاظ صریح میں نیت اور غصّے کی حالت سے کوئی فرق نہیں پڑتا،(۶) لہٰذا اب زید کی بیوی اس کے لئے حلالہ کے بغیر کسی حال حلال نہیں ہوسکتی، حلالہ کے بغیر نکاحِ ثانی بھی نہیں ہوسکتا۔(۷)

واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۳/۲۴ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(۱ و ۲) دیکھئے حوالہ سابقہ ص:۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

(۳) وفي الدر المختار ج: ۳ ص: ۵۳۲ طبع سعيد: ولا بد من سترة بينهما في البائن وإن ضاق المنزل عليهما أو كان الزوج فاسقا فخروجه أولى ... وكذا في الهندية ج: ۱ ص: ۵۳۵ طبع ماجدية والبحر الرائق ج: ۴ ص: ۱۵۴ (طبع رشيدية).

(۴) وفي الهندية كتاب النكاح الباب السابع الفصل الثاني ج: ۱ ص: ۳۰۳ طبع ماجدية: والمهر يتأكد بأحد معان ثلثة: الدخول والخلوة الصحيحة وموت أحد الزوجين ... الخ

(۵) حوالہ کے لئے دیکھئے ص:۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

(۶) وفي الشامية ج: ۳ ص: ۲۵۰ طبع سعيد: (قوله ولم يشترط ...) لما مر أن الصريح لا يحتاج إلى النية ولكن لا بد في وقوعه قضاء وديانة من قصد إضافة لفظ الطلاق إليها عالما بمعناه. وفي الهندية ج: ۱ ص: ۳۵۴ طبع شركة علمية ملتان: فالصريح قوله أنت طالق ومطلقة وطلقتك فهذا يقع به الطلاق الرجعي ... ولا يفتقر إلى النية لأنه صريح فيه.

(۷) حوالہ کے لئے ص:۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

معاملات میں نہایت سادہ شخص کی طلاق کا حکم

سوال:- سلطان محمد نے رسم و رواج کے مطابق تین پتھر مارے اور کہا کہ "یہ ہیں میری عورت کی طلاقیں، اب یہ مجھ سے آزاد ہے۔" سلطان محمد کو پاگل سمجھا جاتا ہے، ویسے پہاڑ سے جانوروں کے لئے گھاس بھی لاتا ہے، اور یہ شخص خرید وفروخت بھی کرتا ہے، اس نے ایک بکری چالیس روپے پر تین میل دور فروخت کردی ہے، جبکہ اس کے قرب وجوار والے اس سے یہی بکری چار پانچ روپے کم پر طلب کرتے تھے، علی ہذا القیاس اس کے اکثر و بیشتر افعال صحت پر مبنی ہوتے ہیں، چونکہ سادہ ہے اس وجہ سے بیوقوف کہلاتا ہے، مگر درحقیقت اس کے افعال و اطوار پاگلوں جیسے نہیں، سلطان محمد کو عارضہ صرع (مرگی) کا لاحق ہے، یہ عارضہ پانچ دس منٹ تک رہتا ہے اس کے بعد پھر صحیح تندرست ہوجاتا ہے، آیا اس کی طلاقیں واقع ہوئی ہیں یا نہیں؟

جواب:- سوال میں سلطان محمد کے جو حالات بیان کئے گئے ہیں، اگر وہ درست ہیں تو اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوگئیں،(۱) مندرجہ حالات کے پیش نظر اس کو معتوہ کہنا مشکل ہے۔(۲)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۸۸/۲/۲۵ھ

دو یا تین طلاق دینے میں شک ہو اور گواہ تین طلاق کی گواہی دیں تو کیا حکم ہے؟

سوال:- رشید احمد نے گواہ نمبر۱ شہادت علی کو بلوایا اور گواہ نمبر۲ عبدالرشید پہلے سے مزاج پرسی کے لئے آئے ہوئے تھے، رشید احمد صاحب تقریباً ایک برس سے بیمار ہیں، رشید احمد صاحب نے ان دونوں گواہوں کی موجودگی میں طلاق دی، دونوں گواہوں کی گواہی اس کاغذ کی پشت پر درج ہے، لیکن رشید احمد صاحب کا بیان ہے کہ "مجھے یاد نہیں کہ میں نے دو طلاقیں دی ہیں یا تین" اور ثمینہ بیگم کو بھی اس طلاق کی اطلاع نہیں دی گئی، وہ شوہر کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔

کل رات گواہ نمبر۲ سے دوبارہ دریافت کیا تو انہوں نے جو بیان دیا کیفیت کے عنوان کے تحت درج ہے، اب آپ اس کا شرعی حکم بتائیں کہ بیوی شوہر کے پاس رہ سکتی ہے یا نہیں؟

بیان گواہ نمبر۱ - 22-8-1977 بوقت دن کے گیارہ بجے یہ بیان خدا کو حاضر و ناظر جان کر

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص۴۳۰ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر۱ تا ۳۔

(۲) "معتوہ" کی تعریف کے لئے دیکھئے رد المحتار ج ۱ ص ۴۳ و ج ۲ ص ۲۵۹، اور معتوہ کی طلاق کے حکم کے لئے دیکھئے رد المحتار ج ۳ ص ۲۴۳ (طبع سعید)، اور ھدیۃ ج ۱ ص ۳۵۳ (طبع رشیدیہ)

دیتے ہیں۔ گواہ نمبر ۱ صوفی شہادت علی: مجھے گھر سے بلایا گیا اور کہا کہ میں طلاق دے رہا ہوں، میں نے ثمینہ بیگم کو طلاق دی، یہی الفاظ تین دفعہ دہرائے۔ کلمہ طیبہ بھی پڑھا۔ دستخط شہادت علی۔

گواہ نمبر ۲ - عبد الرشید: میں خود آیا تھا اور کہنے لگے کہ میں طلاق دے رہا ہوں، میں نے ثمینہ بیگم کو طلاق دی، یہی الفاظ تین دفعہ دہرائے۔ دستخط عبد الرشید۔

مدعی مفتی صاحب واقعہ کا بیان - رشید احمد خود مختار، میں نے ان دونوں شخص کی موجودگی میں طلاق دی، لیکن مجھے یہ نہیں پتہ کہ طلاق میں نے دو دفعہ دی یا تین دفعہ۔ دستخط رشید احمد۔

کیفیت - میری طبیعت خراب تھی کافی عرصے سے بیمار ہوں اور اس وقت مجھے بہت تیز بخار تھا، حالت ٹھیک نہیں تھی، میں نے کلمہ یا بسم اللہ نہیں پڑھی تھی۔ عبد الرشید۔

جواب - صورت مسئولہ میں اگر صوفی شہادت علی اور عبد الرشید دونوں گواہ ایسے ہیں کہ عام طور سے جھوٹ نہیں بولتے اور ان کی گواہی قابل اعتماد سمجھی جاتی ہے تو ثمینہ بیگم پر تین طلاق واقع ہوگئی ہیں، اب وہ اپنے شوہر پر حرام ہو چکی ہے اور نہ اب طلاق سے رجوع ہو سکتا ہے اور نہ حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح ممکن ہے۔ لما فی الدر المختار: ولو شک أطلق واحدة أو أکثر بنی الأقل[۱]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۳۰ ج)

تین طلاق ایک وقت میں دینے سے تینوں واقع ہو جانے پر ائمہ کا اجماع ہے، تین طلاقوں کے بعد بیوی کو اپنے پاس رکھنا

سوال ۱ - ایک شخص نے اپنی بیوی کو لفظ واحد کے ساتھ تین طلاقیں دیں، اب یہ ایک طلاق پڑی ہے یا تین؟ اس میں کوئی ائمہ کا اختلاف ہے؟

۲ - اگر یہ شخص بغیر نکاح ثانی کے اس کو پھر بیوی بنالے تو شریعت کی رو سے اس کے ساتھ تعلقات رکھنا کیسا ہے؟

جواب ۱:- تین طلاق ایک مجلس میں ایک لفظ سے دی جائیں یا مختلف الفاظ سے، بہرصورت تینوں واقع ہو جاتی ہیں، اور بیوی مغلظہ ہو جاتی ہے، اس مسئلے پر چاروں امام، امام ابوحنیفہ،

---

(۱) الدر المختار فصل فی باب طلاق غیر المدخول بہا ج ۳ ص ۲۹۳ طبع سعید۔ وفی الہندیۃ ج ۱ ص ۳۴۳ طبع رشیدیہ کوئٹہ، ان قال لزوجہ حرمت علی انہا ثلاث وہی عندی علی انہا ثلاث أضع الأمر علی أشدہ فخبرہ عدول حضروا ذلک المجلس وقالوا کانت واحدۃ قال اذا کانوا عدولا صدقہم واخذ بقولہم

امام شافعی، امام مالک اور امام احمدؒ کا اتفاق ہے، چاروں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔(۱)

۲- ایسا شخص حرام کاری کا مرتکب ہے، اس کو راہِ راست پر لانے کے لئے ہر ممکن طریقہ اختیار کرنا چاہئے اور اگر وہ باز نہ آئے تو اس سے میل جول کے خصوصی تعلقات نہ رکھنے چاہئیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۸/۱۱/۲۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲۰۰ ۲۹ ج)

تین طلاق کے بعد بغیر حلالہ دوبارہ نکاح کرنے کا حکم

سوال:- ایک شخص اپنی عورت کو تین عدد طلاقیں دے کر کافی مدت کے بعد بغیر حلالے کے اسی عورت سے نکاح کر لیتا ہے، اب یہ شخص شریعت میں کیا سمجھا جائے گا؟ جو لوگ اس کے نکاح میں شریک تھے ان پر کیا کفارہ ہے؟ اب اگر یہ شخص حلالے کے لئے تیار ہو جائے تو کیا طریقہ ہے؟

۲- اس شخص کے بارے میں علماء کیا فرماتے ہیں کہ جس نے مسجد میں کھڑے ہو کر ایک شخص کو دھوکا دے کر یہ جھوٹ بول کر کہا کہ حلالہ ہو چکا ہے، اور نکاح پڑھوا لیتا ہے، کیا اس نکاح خواں کے پیچھے نماز ہو سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:- تین طلاقوں کے بعد بیوی شوہر پر بالکل حرام ہو جاتی ہے،(۱) اور حلالے کے بغیر دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں رہتا،(۲) لہٰذا جس شخص نے اپنی مطلقہ بیوی کو حلالے کے بغیر نکاح کر کے اپنے پاس رکھا اس کا نکاح باطل ہے،(۳) اور اس کو ساتھ رکھنا حرام ہے، اگر اس نے صحبت کی تو زنا کے حکم میں ہے، اسے فوراً توبہ واستغفار کر کے الگ ہو جانا چاہئے۔ عورت کو چاہئے کہ وہ عدت گزار کر کسی اور شخص سے نکاح کرے، اور وہ شخص مر جائے یا از خود طلاق دیدے، تو اس کی عدت گزار کر پہلے شوہر سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے، اس کے سوا کوئی صورت نہیں۔

۲- جن صاحب نے حلالے کے بغیر پہلے شوہر سے نکاح پڑھا دیا، اگر انہیں پوری بات کا علم تھا کہ عورت مغلظہ ہے اور حلالہ نہیں ہوا، تو توبہ کرنی چاہئے، اور اگر وہ توبہ نہ کریں تو ان کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۱۰/۲۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳۳۵/۲۸ ج)

(۱ تا ۳) حوالہ کے لئے ص ۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۴) دیکھئے حوالہ سابقہ اور ص ۴۱۹ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲۔

"تم کو طلاق دی اور تم کو چھوڑ دیا" کے الفاظ کئی مرتبہ کہے تو کیا حکم ہے؟

سوال:- میرے شوہر نے مجھے کہا کہ "تم کو طلاق دے دی" اور بیسیوں دفعہ یہ کہا کہ "ہم نے تم کو چھوڑ دیا اور چھوڑ دیا"، تو کیا طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب:- اگر سائلہ کا بیان درست ہے اور اس کے شوہر نے واقعۃً یہ الفاظ کہے تھے کہ "تم کو طلاق دے دی اور تم کو چھوڑ دیا"[1] تو اس کے شوہر کی طرف سے اس پر طلاق واقع ہو چکی، اور عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے، عدت تین مرتبہ ایام ماہواری کا گزرنا ہے، اور یہ اس وقت سے شمار ہوں گے جب طلاق دی گئی تھی،[2] اگر اس کے بعد تین مرتبہ ماہواری آچکی ہے تو عدت گزر گئی اور اب سائلہ آزاد ہے، اور کسی مزید انتظار کے بغیر نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۳/۲۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۵۵۶ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

"ان کو طلاق دیتا ہوں" کے الفاظ تین مرتبہ کہنے کے بعد آخری دو جملوں میں تاکید کی نیت کا دعویٰ کرنا

سوال:- میرے شوہر مسمیٰ سید ظفر احمد ولد سید محمد نے "امور خانہ داری" پر گفتگو شروع کی، جس میں ہمارے مابین اختلاف ہوا، یہاں تک کہ بات بڑھی، دورانِ گفتگو میرے شوہر مذکور نے نہایت غضب ناک ہوکر غصے کی حالت میں میرے بھائی کی طرف مخاطب ہوکر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ: "ان کو طلاق دیتا ہوں" یہ جملہ تین مرتبہ دُہرایا ہے۔

دوسرے تیسرے روز مسئلہ کی نزاکت کو سمجھے گئے اور غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد بھی شوہر موصوف نے کہا اور یہی کہتے ہیں کہ "میرا ارادہ تو صرف ایک طلاق کا تھا، میں نے صرف غصے کی حالت میں ایسا کہہ دیا، میرا ارادہ اور میری نیت صرف ایک طلاق کی تھی۔" دوسری خاص بات یہ کہ جس وقت طلاق کے الفاظ اور یہ واقعہ ہوا ہے اُس وقت میں (سائلہ) ایام حمل میں ہوں، بہر حال ایام حمل میں اور غصے کی نہایت شدت کی حالت میں یہ واقعہ ہوا ہے، قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دے کر

---

(۱) "چھوڑ دیا" کے متعلق تفصیل کے لئے ص ۳۲۵ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۲،۱، اور ص ۳۳۳ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۳۰۸ کا حاشیہ نمبر ۳، اور ص ۳۳۱ کا حاشیہ نمبر ۱۔

عنداللہ ماجور ہوں۔

جواب: صورتِ مسئولہ میں آپ پر تینوں طلاقیں واقع ہوگئی ہیں، یعنی اب آپ کے لئے ان کے ساتھ بیوی کی حیثیت سے رہنا جائز نہیں، اور اب حلالہ کے بغیر ان سے دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا، اور طلاق حالتِ حمل میں بھی ہوجاتی ہے۔ لما فی الدر المختار: کرر لفظ الطلاق وقع الکل وإن نوی التاکید دیانۃ. وقال الشامی: أی ووقع الکل قضاءً وکذا إذا أطلق أشباہ أی بأن لم ینو استئنافا ولا تاکیدا، لأن الأصل عدم التاکید (شامی ج ۲ ص ۶۲۰)(۱)۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۹/۱۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۲۹ ج)

عدالت میں تین طلاقوں کی گواہی کے لئے جن گواہوں کی ضرورت ہے وہ گواہ کیسے ہونے چاہئیں؟

سوال: میں مسمی محمد سوار خان ولد افسر خان کی شادی مسماۃ سکینہ بیگم دختر شیر زمان سے ساتھ ایک سال قبل ہوئی تھی، لیکن اسی دوران لڑائی جھگڑے ہوتے رہے اور مجھے بیوی نے قتل کرانے کی کوشش کی، اور یہی کوشش اب تک جاری ہے، جس سے میں مجبور ہوکر اپنی زوجہ مسماۃ سکینہ بیگم مذکورہ کو (اور جو تین چار ماہ حاملہ بھی ہوچکی ہے) تین دفعہ طلاق شرع کے بموجب بقائمی ہوش و حواس طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں، ایسی عورت کو اپنے نکاح میں رکھنا نہیں چاہتا، اور جو حق مہر تھا اس کو ادا کردیا ہے، لہٰذا اب یہ عورت مجھ پر حرام ہے، مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں ہے۔" محمد سوار خان

گواہ: محمد صدیق خان۔ گواہ: محمد حسین خان۔ گواہ: محمد سلیم خان۔

مندرجہ بالا طلاق نامے کی رو سے شرعی حکم کیا ہے؟ اور طلاق کا مسئلہ اگر عدالت میں پیش ہو، اور طلاق دہندہ منکر ہو تو گواہان کی ضرورت ہوگی، شرعاً گواہ کیسے ہونے چاہئیں؟

جواب: مندرجہ پشت طلاق نامے کی رو سے سکینہ بیگم پر تینوں طلاقیں واقع ہوچکی ہیں، اور وہ اپنے شوہر پر طلاقِ مغلظہ سے حرام ہوچکی ہے، اب حلالۂ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح بھی نہیں ہوسکتا، اور گواہوں کے بارے میں جو بات آپ نے پوچھی ہے اس میں بڑی تفصیل ہے، جسے مکمل طور پر یہاں لکھنا مشکل ہے، یہ کام حاکم کا ہے کہ وہ گواہیاں لیتے وقت اس بات کی تحقیق کرے کہ ان میں شرعی

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص:۲۹۳ (طبع سعید)

شرائط پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ ان کی طرف سے استصواب ہو تو حکم بتادیا جائے گا۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۶/۱۲/۸ھ

(فتویٰ نمبر ۲۰۹/۱۰۲۷)

تین طلاق کے بعد عدت کے احکام اور طے شدہ حلالہ کی شرعی حیثیت

سوال:- مسماۃ ساجدہ بجازت شوہر بغیر کسی تنازعہ کے اپنے والدین کے گھر کچھ عرصہ سے رہنے گئی، چند ہی ایام کے بعد ساجدہ کو بذریعہ ڈاک طلاق نامہ موصول ہوا، ساجدہ کے والد نے شوہر زید کو طلاق نامہ دکھایا، زید نے طلاق نامے سے انکار کیا اور بولا کسی دشمن کی کارروائی ہے، زید اپنی بیوی ساجدہ کو پھر اپنے گھر لے گیا، کچھ عرصہ بعد لڑکی پھر اپنے میکے گئی، اب کے پھر زید نے بذریعہ ڈاک طلاق نامہ بھیج دیا، استفسار پر پھر زید نے طلاق نامے سے انکار کیا، تیسری مرتبہ بھی مسماۃ مذکورہ کے ساتھ ایسا ہی ہوا، گو کہ زید نے پہلے تو سب سابق طلاق سے انکار کیا، مگر مزید دریافت اور تفتیش پر اپنے ہم عمر دوستوں اور عزیزوں کو صاف بتادیا کہ اس نے ساجدہ کو طلاق دی ہے اس سے قبل بھی دو مرتبہ طلاق نامے بھجوائے تھے، ساجدہ خاتون اسی مکان میں رہائش پذیر ہے، جس میں شوہر رہتا ہے، زید کے دوتین برادران بھی اسی میں رہتے ہیں، ساجدہ کے والدین اور برادری کے لوگ چاہتے ہیں کہ اس کو والدین کے گھر لے آئیں، اور ساجدہ کا عقد ثانی بکر سے کرکے بکر سے طلاق لینے کے بعد ساجدہ کا نکاح پھر زید سے کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ اول اور دوسری طلاق کے درمیان ساجدہ کے بطن سے ایک بچہ بھی پیدا ہوا ہے جو حیات ہے۔ نمبرا کیا ساجدہ کا اسی مکان میں رہنا جائز ہے جہاں زید وبکر رہتے ہیں؟

نمبر۲:- کیا پہلے سے طے کرکے کہ بکر سے نکاح کے بعد طلاق لے کر زید سے نکاح ہوگا، یہ حلالہ شرعی ہوگا؟

نمبر۳:- اگر متذکرہ بالا صورت جائز ہے تو ان لوگوں سے جو ایسا کرنا چاہتے ہیں ان سے تعلقات رکھنا، ساتھ کھانا پینا شرعاً کیسا ہے؟

نمبر۴:- مابین دو طلاقوں کے جو اولاد ہوئی ہے اُس کا کیا حکم ہے؟

جواب:- صورت مسئولہ میں ساجدہ پر طلاق واقع ہوچکی ہے، اور طلاق کے بعد بچے کی پیدائش سے عدت بھی ختم ہوگئی ہے، لہٰذا اب ساجدہ کا زید کے مکان میں رہنا شرعاً کسی طرح درست

نہیں، بالخصوص جبکہ کم وائف ہی ہے، اور اس میں دوسرے بھائی بھی رہتے ہیں۔

۲- پیشگی طے شدہ پروگرام کے تحت حلالہ کی غرض سے نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں،(۱) حدیث میں اس پر وعید آئی ہے، البتہ بغیر حلالے کی غرض کے دُوسرا شوہر اتفاقاً طلاق دیدے تو عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہوسکتی ہے، لیکن حلالہ کی ضرورت اس وقت ہے جبکہ پہلے طلاق نامے میں ہی تین طلاقیں دی گئی ہوں، اور اگر پہلے طلاق نامے میں تین طلاقیں نہ دی ہوں، بلکہ بعد کے طلاق ناموں کو شمار کرکے تین طلاقیں پوری ہوئی ہوں تو اس کا حکم الگ ہوگا، اس صورت میں پہلا طلاق نامہ بھیج کر دوبارہ مسئلہ پوچھ لیں، اور یہ کاغذ ساتھ ضرور بھیجیں۔

۳- جو لوگ ایسا کرنا چاہتے ہیں انہیں خدا کا خوف اور فہمائش کرنی چاہئے۔

۴- اگر اولاد طلاق کے بعد دو سال کے اندر اندر پیدا ہو جائے تو اس کا نسب طلاق دینے والے شوہر سے ثابت ہوگا، بشرطیکہ عورت نے اس دوران عدت ختم ہونے کا اقرار نہ کیا ہو۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۶/۱۰/۲۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲۲۹ /۲۰ ب)

ایک وقت میں تین طلاق دینے سے ائمہ اربعہ کے نزدیک تینوں واقع ہوجاتی ہیں

سوال:- گزارش یہ ہے کہ میرے (شمیم اختر کے) شوہر نے مجھے ذرا سی معمولی بات پر میرے خط اور خلاف کرنے پر تین طلاقیں لکھ بھیجی ہیں، جو کہ شدید غصے کی حالت میں لکھیں اور میرے نام اور میرے باپ کے پتے پر بھیجنے کے بجائے میری خالہ کے گھر بھیجیں، اب وہ خود بہت شرمندہ ہے اور معافی مانگتا ہے، میں بھی بہت پریشان ہوں، میں نہیں چاہتی کہ علیحدہ ہوں، وہ مجھے فون کرتا ہے اور مجھے بلاتا ہے، بتایئے میرے لئے کوئی گنجائش ہے یا نہیں؟ میری ڈیڑھ سال کی بچی بھی ہے اور میں سخت پریشان ہوں، وہ بھی بہت پریشان ہے۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں شمیم اختر پر اس کے شوہر کی طرف سے تین طلاقیں واقع ہوچکی

---

(۱) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۲۶ کا حاشیہ نمبر۲ و۳ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) في الدر المختار ج ۳ ص ۴۱۴ (طبع سعيد) وكره التزوج للثاني تحريمًا لحديث لعن المحلّل والمحلّل له بشرط التحليل كتزوجتك على ان احللك وان حلت للأوّل لصحة النكاح وبطلان الشرط ... الخ

وفي الهندية ج ۱ ص ۴۷۵ (طبع ...) [illegible] ... الخ

نیز دیکھئے ص ۴۲۰ کا حاشیہ نمبر۱۔

ہیں، اور وہ اپنے شوہر پر حرام ہوچکی ہے، اور بغیر حلالہ کے اس کے لئے سابقہ شوہر سے نکاح بھی جائز نہیں ہے۔[1] امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد چاروں بلکہ جمہور فقہائے اُمت کا یہی مسلک ہے،[2] شمیم اختر پر واجب ہے کہ وہ حلالہ کے بغیر شوہر کے پاس جانے سے مکمل اجتناب کرے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۸/۲۳ھ

(فتویٰ نمبر ۸۶۹/۲۸ ج)

تین طلاقیں مجتمعاً یا متفرقاً دینے سے تینوں واقع ہوجاتی ہیں

سوال - ہمارے ہاں کسی زید نے اپنی بیوی ہندہ کو یکدم تین طلاقیں دے دیں، اور باقاعدہ کچہری سے عرضی نویس سے لکھوا کر دو شہادتیں تحریر کرکے دستخط اپنے بھی اور گواہوں سے بھی کرکے اپنی بیوی کو دے دی، میرے پاس طلاق نامہ لائے، میں نے کہا یہ طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، زید کسی اور مفتی سے فتویٰ لے آیا کہ ایک ہی طلاق رجعی ہوئی ہے، اور میاں بیوی رہنے لگے، گاؤں کے باشندے معترض ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ زید اور ہندہ کے ساتھ کیا برتاؤ شرعاً کرنا چاہئے؟

جواب - تین طلاقیں خواہ بیک وقت دی جائیں یا متفرق اوقات میں، بہرصورت واقع ہوجاتی ہیں،[3] اور ان کے بعد نہ رجوع ہوسکتا ہے اور نہ حلالہ کے بغیر دوبارہ نکاح ممکن ہے،[4] اس مسئلے پر چاروں ائمہ، امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد کا اجماع ہے،[5] لہٰذا اگر زید نے واقعۃً ہندہ کو تین طلاقیں دی تھیں تو ہندہ اپنے شوہر پر حرام ہوگئی اور حلالہ کے بغیر اس سے دوبارہ نکاح بھی جائز نہیں۔[6] بعض ایسے حضرات جو چاروں ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید نہیں کرتے، جمہور اُمت کے برخلاف تین بیک وقت دی ہوئی طلاقوں کو ایک شمار کرکے رجوع کا فتویٰ دے دیتے ہیں، لیکن یہ فتویٰ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کسی فقہ کی رو سے صحیح نہیں ہوتا۔[7] محض خواہش نفس کی خاطر ایسے لوگوں سے فتویٰ لے کر مطلقہ کو اپنے گھر میں رکھ لینا بدترین گناہ ہے، زید اور ہندہ کو فوراً الگ ہوجانا واجب ہے، ورنہ وہ

---

(۱) حوالہ کے لئے سابقہ ص:۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۲۴ کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔
(۳) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۱۱ کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔
(۴) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔
(۵) دیکھئے حاشیہ نمبر ۲
(۶) دیکھئے حاشیہ نمبر ۱ اور ص ۴۱۹ کا حاشیہ نمبر ۱۔
(۷) دیکھئے حاشیہ نمبر ۲۔

ساری عمر حرام کاری کے مجرم رہیں گے، احباب و اقارب کو بھی چاہئے کہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کرکے انہیں سمجھائیں اور اگر وہ باز نہ آئیں تو ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۶/۹ھ
(فتوی نمبر ۲۹/۵۸۶ ب)

تین طلاق کے بعد عدت کے دوران پردے کا اہتمام واجب ہے

سوال:- میاں بیوی کا آپس میں کسی بات پر جھگڑا ہوگیا تھا، اور میاں نے بیوی کو غصے میں آکر ایک ہی دفعہ بول دیا کہ "جاؤ تم مجھ پر تین شرط طلاق ہو، جاؤ تم طلاق ہو اور یہ ماں بہن ہے" صرف ایک دفعہ کہا ہے، لڑکی کے ماں باپ کا نام نہیں لیا اور لڑکی خود موجود تھی، اب یہ عورت اس مرد کے گھر میں رہنے کے قابل ہے یا نہیں؟

جواب:- صورت مسئولہ میں بیوی پر تین طلاقیں واقع ہوچکی ہیں، اور وہ مغلظہ ہوچکی ہے،[1] اب دونوں کے درمیان نکاح بھی حلالہ شرعیہ کے بغیر نہیں ہوسکتا،[2] عدت کے دوران بیوی شوہر کے گھر میں رہے، لیکن پردے کا پورا اہتمام کیا جائے،[3] کیونکہ اب وہ اپنے شوہر کے لئے بالکل اجنبی عورت کے حکم میں ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳/۳/۱۳۹[illegible]ھ
(فتوی نمبر ۳۲۵/۲۸ ب)

طلاق کی تعداد یاد نہیں مگر کم از کم تین بار کا گمان غالب ہو تو کیا حکم ہے؟

سوال:- کسی بات پر میری بیوی سے میرا جھگڑا ہوگیا تھا، دوران جھگڑا میں اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا، اور نہ ہی مجھے کسی بات کا علم تھا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ ماں کے کہنے پر کہ طلاق دے دو، میں نے اچانک اپنی ماں کی آواز پر لفظ "طلاق" کہہ دیا، میرا اندازہ ہے کہ میں نے تین دفعہ کہا ہے، لیکن مجھ کو یہ پتہ نہیں کہ میرے منہ سے لفظ "طلاق" کتنی مرتبہ نکلا؟ اور نہ ہی میں اس کی شہادت دے سکتا ہوں، میں نے اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا تم کو طلاق دی ہے؟ اس نے کہا کہ "میں نے طلاق کے لفظ اپنے کان سے نہیں سنے۔"

(۱ و ۲) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۱۲ کا فتوی اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔
(۳) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۲۶ کا حاشیہ نمبر ۲ و ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

بیوی کا بیان - میرا جھگڑا ہو رہا تھا، میں اس جھگڑے میں اتنی پریشان تھی کہ میرے شوہر نے لفظ "طلاق" کہا یا نہیں کہا میں نے پتہ نہیں، جس کی شہادت میں اللہ اور رسول کو رکھتی ہوں۔ نورالنساء

ماں کا بیان - میں نے لڑکے کے منہ سے لفظ "طلاق" نہیں سنا، میں خدا اور رسول کو گواہ کرتی ہوں۔

جواب :- سوال سے زبانی معلوم ہوا کہ اس نے کئی بار طلاق کے الفاظ کہے، اور کہتا رہا، لیکن صحیح عدد یاد نہیں، غالب گمان اس کا یہ ہے کہ کم از کم تین مرتبہ ضرور کہے ہیں، لہٰذا صورت مسئولہ میں اس کی بیوی پر تین طلاقیں واقع ہو چکی ہیں، اور وہ مغلظہ ہو چکی ہے،[1] اب اس کی بیوی آزاد ہے کہ عدت گزار کر دوسرا نکاح کر سکتی ہے، اب سائل سے اس کا دوسرا نکاح بھی بغیر حلالہ شرعیہ کے نہیں ہو سکتا۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۳/۱۸ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲۸/۲۸ ب)

تین طلاق کے بعد حاملہ کی عدت اور حلالہ کا مسئلہ

سوال - مسمی بشیر احمد نے اپنی زوجہ ہاجرہ کو حالت غصہ میں یہ الفاظ کہے "طلاق، طلاق، طلاق" جبکہ اس کا نہ دلی پہلے سے ارادہ طلاق دینے کا تھا، اور نہ اس وقت، بس غصے میں بغیر سوچے سمجھے تین چار مرتبہ لفظ "طلاق" استعمال کیا۔ بصورت مذکورہ بالا مسماۃ ہاجرہ پر طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کون سی طلاق؟ اور باہمی رضامندی کی کیا صورت ہے؟

مسماۃ ہاجرہ کسی بھی صورت سے (یعنی یہ کہ اگر طلاق واقع ہو گئی تب بھی) بشیر احمد سے علیحدہ ہونے کے لئے تیار نہیں، اور اس وقت مسماۃ ہاجرہ حاملہ بھی ہے، چار بچے زیر پرورش ہیں، کیا صورت میں مسماۃ ہاجرہ بشیر کے گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ رہ سکتی ہے یا نہیں؟

جواب :- صورت مسئولہ میں مسمی بشیر احمد کی زوجہ ہاجرہ پر تین طلاقیں ہو گئی ہیں، یہ طلاق مغلظہ ہے،[3] لہٰذا اب شوہر نہ رجوع کر سکتا ہے اور نہ حلالہ شرعیہ کے بغیر دوبارہ باہم نکاح ہو سکتا ہے،[4] اور طلاق حمل کی حالت میں بھی ہو جاتی ہے،[5] البتہ اس کی عدت بچے کی پیدائش ہے،[6] بچہ پیدا ہونے تک وہ شوہر کے گھر میں پردے کے ساتھ رہے،[7] اور میاں بیوی کی حیثیت میں ایک دوسرے سے ملنا اور

(۱ تا ۴) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۳۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔
(۵) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۳۱ کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔
(۶) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۲۱ کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔
(۷) حوالہ کے لئے ص ۴۲۶ کا حاشیہ نمبر ۲ و ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

اب یہ دوسرے شخص سے نکاح ناجائز ہے، بچے کی پیدائش کے بعد عدت پوری ہوجائے گی، پھر جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے، بچہ کی پرورش کا حق ماں کو ہے، بعد ازاں خود طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہوجائے تو اس وقت وہ کسی دوسرے مرد کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے، اس کے سوا نکاح کی کوئی صورت نہیں۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۹/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۳۱ ج)

رخصتی سے پہلے تین دفعہ لفظ ''طلاق'' استعمال کرنے کا حکم

سوال: علماء کیا فرماتے ہیں اس مسئلے میں کہ جس وقت میری عمر ۳ سال کی تھی میری والدہ نے میرا نکاح ایک غیر مستقل شخص سے جس کا نام میر [illegible] نواز خان تھا، شادی کی رخصتی نہیں ہوئی، عرصہ سے بغیر پتہ چھوڑے کہیں چلا گیا تھا، مذکورہ شخص نے اپنی چالاکی سے میری والدہ سے روپے نقد، زیورات وغیرہ طلب کر کے حاصل کیا، اس شخص نے میری والدہ سے ۱۴ ہزار روپے بھی طلب کئے، میری والدہ اور عزیزوں نے اس شخص پر واضح کیا کہ وہ رخصتی تک کا خرچ ادا کرے تو اس نے میری والدہ کو دھمکیاں دی اور اس نے میری رخصتی کا مطالبہ کیا، جون ۱۹۶۹ء میں ایک تحریر بیٹھے، جبکہ میرے والد صاحب، عزیز و اقارب اور محلے دار بھی موجود تھے، میر نواز خان نے کہا کہ میں تین دفعہ طلاق، طلاق، طلاق کہتا ہوں اس نے مجھ سے تین ہزار روپیہ لے کر کہا کہ آج سے میری ماں بہن ہو'' یہ کارروائی بحضور گواہان ہوئی۔

اب سوال یہ ہے کہ اس وقت میری عمر ۲۱ سال ہے، میں بالغ ہوں اور چاہتی ہوں کہ اپنی پسند سے شادی کروں، میری والدہ بیوہ ہیں، کسمپرسی کی زندگی بسر کر رہی ہوں، اس صورت میں میرے لئے شرعی کیا حکم ہے؟

جواب: اگر سوال میں درج شدہ واقعات درست ہیں اور میر نواز ولد نواز خان نے واقعۃً رضیہ بیگم کو طلاق دی تھی تو ایک طلاق بائن واقع ہوچکی، اور چونکہ اس واقعے کو تین سال گزر چکے ہیں اس لئے عدت بھی ختم ہوگئی، اب رضیہ بیگم جہاں چاہے نکاح کرسکتی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفا اللہ عنہ
۱۳۹۱/۷/۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۸۶۳ ب)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(۱) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۴۳۱ کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) دیکھئے اگلے صفحے کا حاشیہ نمبر ۲۔

اگر خلوت ہوئی ہو تو تین طلاق سے بیوی مغلّظہ ہو جائے گی

سوال:- مسمّی زید نے اپنی بیوی بنت بکر کو ایک رجسٹری بھیجی، آپس میں طویل جھگڑے کی بناء پر بنت بکر نے اسے وصول کرنے سے انکار کر دیا، مسمّی زید نے اسی رجسٹری کی نقل متعلقہ چیئرمین یونین کمیٹی کو بھیجی، جس کی عبارت مندرجہ ذیل تھی "بنت بکر جو کہ میری منکوحہ بیوی ہے جس کے بطن سے میرے نطفے سے کوئی اولاد نہیں ہے، میں چند وجوہات (جن کا ذکر یہاں میں مناسب خیال نہیں کرتا ہوں) کی بناء پر اسے طلاق دے کر اپنی زوجیت سے خارج اور آزاد کرتا ہوں، میں اسے طلاق، طلاق، طلاق دیتا ہوں، وہ میری زوجیت سے خارج ہے اور آزاد ہے... الخ" اس واقعے کو پانچ ماہ گزر چکے ہیں، بنت بکر اب شریعت کی روشنی میں کوئی راستہ متعین کر لیں۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں زید کی طرف سے اس کی بیوی پر تین طلاق واقع ہو گئی ہیں اور وہ مغلّظہ ہو گئی، جس کا حکم یہ ہے کہ اب حلالہ کے بغیر دونوں میں نکاحِ ثانی بھی جائز نہیں ہے، لیکن یہ حکم اس صورت میں ہے جبکہ نکاح کے بعد رخصتی ہو چکی ہو، اور شوہر و بیوی میں خلوت ہو چکی ہو،[1] اور خلوت نہیں ہوئی تھی تو مسئلہ دوبارہ پوچھ لیا جائے۔　　واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

الجواب صحیح　　　　احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
محمد رفیع عثمانی غفرلہ　　　　۱۳۹۱/۲/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۲۶۴ الف)

ایک وقت میں تین طلاق دینے سے تینوں واقع ہونے پر ائمہ کا اتفاق ہے اور اس کے خلاف فتویٰ کا اعتبار نہیں

سوال:- اس سوال کے ساتھ ایک طلاق نامہ منسلک ہے جو سہیل احمد فیضی صاحب نے اپنی بیوی کو دیا اور یونین کونسل کے چیئرمین صاحب کو اس کا نوٹس ارسال کیا۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس طلاق نامہ کی رو سے سہیل احمد صاحب کی اہلیہ پر طلاق واقع ہوئی ہے یا نہیں؟ اور اگر واقع ہوئی ہے تو کونسی؟ نیز یہ کہ سہیل احمد صاحب نے اس طلاق کے بعد طلاق سے رجوع کرنے کا ارادہ بھی ظاہر کیا ہے، کیا شرع میں ان کو رجوع کرنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ جبکہ اس تحریر میں تین طلاق صاف

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۴۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳۔

(۲) وفي الدر المختار، باب طلاق غير المدخول بها ج ۳ ص ۲۹۶ طبع سعيد: وإن فرق بانت بالأولى ولم تقع الثانية بخلاف الموطوءة حيث يقع الكل وعم التفريق، وفي الشامية تحته قوله بخلاف الموطوءة، أي ولو حكما كالمختلي بها فإنها كالموطوءة في لزوم العدة وكذا في وقوع طلاق بائن آخر في عدتها ... الخ

الفاظ میں لکھی ہوئی ہیں، اور انہوں نے نہیں سے تین طلاقوں کے ایک ہونے پر فتویٰ بھی لیا ہے، اس کی کیا حیثیت ہے؟

جواب:- منسلکہ پشت طلاق نامے[1] پر غور کیا گیا، شرعی اعتبار سے اس طلاق نامے کی رو سے نہیں احمد فیضی صاحب کی بیوی خاور سلطانہ صاحبہ پر تین طلاقیں واقع ہوگئی ہیں[2]، اور طلاق مغلظہ واقع ہونے کی بناء پر وہ نہیں احمد فیضی صاحب کے لئے حرام ہو چکی ہیں، اب نہ رجوع ہوسکتا ہے اور نہ نیا نکاح ہوسکتا ہے، قرآن کریم میں ہے "فان طلّقها فلا تحلُّ لهٗ من بعدُ حتّى تنكح زوجًا غيرهٗ" (سورۃ البقرۃ: ۲۳۰) یعنی "پس اگر شوہر اسے تیسری طلاق دیدے تو وہ شوہر کے لئے اس وقت تک حلال نہیں ہوسکتی جب تک کہ وہ کسی اور شوہر سے نکاح نہ کرلے۔" نیز نبی کریم سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت سی احادیث کا یہی تقاضا ہے۔ مثلاً حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایما رجل طلق امراته ثلاثا عند الاقراء او ثلاثا مبهمة لم تحل لهٗ حتّى تنكح زوجًا غيره۔"[3] (سنن البیهقی ج:۷ ص:۳۳۶)۔

اس کے علاوہ تمام صحابہؓ وتابعینؒ کا بھی یہی فیصلہ ہے اور ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ اور ان کے تمام مقلدین قرآن وسنت کے ان دلائل کی روشنی میں اسی بات کے قائل ہیں کہ تین طلاقیں خواہ ایک مرتبہ دی جائیں یا مختلف اوقات میں، ان سے بیوی حرام ہوجاتی ہے، اور جن بعض لوگوں نے اس کے خلاف کوئی فتویٰ دیا ہے، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کسی مذہب کے علماء نے اس کو قابل اعتبار قرار نہیں دیا۔ تفصیلی دلائل مفصل کتابوں میں موجود ہیں، مثلاً ملاحظہ ہو تکملة فتح الملهم ج:۱ ص:۱۵۴ تا ۱۶۱[4]۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں طلاق مغلظہ واقع ہوچکی ہے اور طلاق کی تاریخ سے تین مرتبہ ایام ماہواری گزرنے کے بعد مسماۃ خاور سلطانہ صاحبہ شرعاً آزاد ہیں کہ جہاں چاہیں نکاح کرلیں۔

واللہ اعلم

۱۴۰۶/۳/۲۶ھ

(فتویٰ نمبر ۵۱۷/۳۷ ب)

---

(۱) اصل فتویٰ سے پتہ چلتا ہے کہ طلاق نامہ موجود نہیں ہے، تاہم اس میں شوہر کی طرف سے تین طلاقوں کا ہونا جواب سے واضح ہے۔ (محمد [illegible])

(۲) وفی سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۳۰۱ (طبع حقانیه ملتان) عن مجاهد قال كنت عند ابن عباس فجاءه رجل فقال انه طلق امراته ثلاثا، قال فسكت حتى ظننت انه رادها اليه ثم قال ينطلق احدكم فيركب الحموقة ثم يقول يا ابن عباس يا ابن عباس وان الله قال ومن يتق الله يجعل لهٗ مخرجًا وانك لم تتق الله فلا اجد لك مخرجًا عصيت ربك وبانت منك امراتك.

(۳) (طبع نشر السنة ملتان) باب ما جاء في امضاء الطّلاق الثلاث وان كن مجموعات

(۴) (طبع مكتبة دار العلوم كراچی)

فصل فی الخلع وأحکامہ والطّلاق علی المال

(خلع اور مال کے بدلے طلاق کے احکام)

خلع کے لئے شوہر اور بیوی دونوں کی رضامندی ضروری ہے، نیز خلع کی بنیاد پر فسخِ نکاح کا حکم

سوال - فیصلہ - مدعیہ نے اپنے دعویٰ میں تحریر کیا ہے کہ وہ مدعا علیہ سے شادی شدہ تھی، اس سے دو لڑکیاں اور ایک لڑکا پیدا ہوا، بعد میں مدعیہ کو علم ہوا کہ مدعا علیہ کے اس کی بھاوج کے ساتھ ناجائز تعلقات ہیں، مدعیہ کے منع کرنے پر مدعیہ پر جھوٹا زنا کا الزام لگایا اور زدوکوب کیا، حق مہر ادا نہیں کیا گیا، ان حالات میں مدعیہ اور مدعا علیہ کے درمیان گزارہ نہیں ہوسکتا اور نہ ہی حدود حقوق اللہ قائم رہ سکتی ہیں، مدعا علیہ نے ان الزامات کی تردید کی اور اس نے اس بناء پر مقابلہ کیا۔ اصل میں مدعیہ وہ رقم ہضم کرنا چاہتی ہے جو کہ بوقت نکاح مدعا علیہ نے ادا کی تھی، اس لئے مقدمہ مدعیہ کا فسخ کیا جائے اور ۳۰ ۳/۱۱ـ۱۹ کو مدعا علیہ نے ایک علیحدہ دعویٰ حقوق زن وشوہر دائر کردیا جو مندرجہ ذیل تنقیحات پر ۵/۸ ۳ـ۱۹ کو وضع کی گئی اور کارروائی مثل تنسیخ نکاح پر عمل میں لائی گئی۔

تنقیح نمبر ۴ - مدعیہ نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ تنسیخ نکاح کے عوض اپنا حق مہر معاف کرتی ہے جو کہ ابھی تک ادا نہیں ہوا، اس کے متعلق مدعا علیہ نے کوئی واضح جواب نہیں دیا، اور شہادت جو صفحہ مثل پر ہے وہ اس لحاظ سے کافی ہے کہ مدعیہ کے حق میں تنسیخ نکاح قرار دیا جائے کیونکہ جانبین فریقین مقدمہ بازی فوجداری زنا کے الزام میں کررہی ہے، بیوی کی رائے خاوند کے متعلق اچھی نہیں ہے، اس نے اپنی بھاوج کے ساتھ شوہر کے ناجائز تعلقات کا الزام لگایا ہے، میں اس مقدمے کو صحیح قرار دیتے ہوئے خلع کی بنیاد پر تنسیخ نکاح کی ڈگری اس رقم کے عوض جو کہ مدعا علیہ نے حق مہر دینی ہے دیتا ہوں، وہ رقم کافی ہے۔

دادرسی - میری تمام تنقیحات کا نتیجہ یہ ہے کہ مدعیہ کا مقدمہ بابت تنسیخ نکاح مقدمہ نمبر ۵۶ آف ۲ـ۱۹ مدعیہ کے حق میں ڈگری برخلاف مدعا علیہ کے صادر کیا جاتا ہے، اور اس کے نتیجے میں مدعا علیہ کا مقدمہ حقوق زن وشو مقدمہ نمبر ۵ آف ۳ـ۹ بمعہ خرچہ فسخ کیا جاتا ہے، نیز ڈگری بابت تنسیخ

نکاح یونین کونسل تلہ گنگ کو سات دن کے اندر اندر برائے ضروری کارروائی زیر دفعہ (۸) مسلم فیملی لاز آرڈیننس بھیجی جائے، کھلی عدالت میں سنایا گیا۔ ۱۹۷۵/۱۲/۴ء

دستخط سول جج تلہ گنگ

جواب:- منسلکہ فیصلے کے ساتھ کوئی سوال مستفتی نے نہیں لکھا، اگر مقصد یہ ہے کہ اس فیصلے کی شرعی حیثیت سے آگاہ کیا جائے تو عرض یہ ہے کہ منسلکہ عدالتی فیصلہ ائمہ اربعہ کے مذہب کے مطابق قرآن وسنت کی رو سے شوہر کی رضامندی پر موقوف ہے، کیونکہ اس فیصلے میں خلع کا حکم صادر کیا گیا ہے اور خلع باتفاق امت زوجین کا ایک معاملہ ہے، جو باہمی رضامندی پر موقوف ہوتا ہے، لہٰذا اگر شوہر خلع کرنے پر راضی ہو تو خلع کرلے، اس صورت میں عورت کا نکاح اس سے ختم ہو جائے گا، اور اگر وہ خلع پر راضی نہ ہو تو شرعاً اس کو عورت کو علیحدہ کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، البتہ چونکہ نوبت ایک مقدمہ بازی تک پہنچ چکی ہے اس لئے شوہر کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ خلع کو منظور کر کے بیوی کو الگ کردے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۱۳۹۶/۱۱/۱۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۷/۲۵۲۶ ج)

اگر قصور لڑکی کا ہو تو شوہر خلع کے بدلے بیوی سے رقم لے سکتا ہے

سوال:- بندہ محمد اسحاق کی شادی بچپن میں ہوئی تھی، اس وقت ہم دونوں کے مابین کوئی اختلاف نہیں تھا، اور نہ ہی کوئی ناچاقی تھی، شادی کے عرصہ تین سال بعد ناچاقی ہوئی، اب بندہ بالغ ہے لیکن سسرال والے منکر ہیں، اب انہوں نے یہ شرط رکھی ہے کہ آپ کو گھر داماد بننا ہوگا اور لڑکی کو ہمارے گھر ہی پر رکھنا ہوگا، جب میں نے ان کی یہ شرط منظور کی تو انہوں نے ایک اور شرط لگادی کہ اگر آپ دس تولہ سونا، ۱۲ چھٹانک چاندی کے زیورات لاسکتے ہیں تو ہم لڑکی بھیجیں گے اور ماہانہ خرچ بھی دینا پڑے گا۔ میں نے کہا دوست میرے پاس اتنی رقم نہیں ہے، اگر تمہیں اپنی لڑکی ان شرائط کے بغیر بھیجنی ہے تو میں تیار ہوں، کیونکہ سسرال والوں کی طرف سے تقاضا ہے کہ لڑکی جوان ہوگئی ہے، زیادہ دن تک ہم گھر لڑکی رکھنے کو تیار نہیں ہیں، میں غریب آدمی ہوں بڑی مشکل سے شادی کے بوجھ سے ابھی ہلکا ہوا ہوں، سسرال والے اس پر تقاضا کر رہے ہیں کہ تم فوراً ہماری لڑکی کو چھٹکارا دے دو، میں غریب آدمی ہوں وہ مجھ سے جبراً چھٹکارا حاصل کر رہے ہیں، سسرال والے مالدار ہیں، میری شادی پر خوب خرچ ہوا ہے، لہٰذا سسرال والوں کو کہا کہ مبلغ ۵۰۰۰ روپے نقد دینے کے بعد چھٹکارا دے سکتا ہوں، کیا یہ پانچ ہزار میرے لئے جائز ہوں گے؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں اگر مذکورہ واقعات درست ہیں تو زیادتی لڑکی والوں کی طرف سے ہے، لہٰذا اگر آپ پانچ ہزار روپے پر خلع کریں تو آپ کے لئے جائز ہے، البتہ افضل یہ ہے کہ مہر معاف کروانے پر اکتفاء کریں اور اس سے زیادہ نہ لیں، لما فی الدر المختار: وکرہ أخذ شیء ان نشز وان نشزت لا، ولو منه نشوز أيضًا، ولو بأكثر مما أعطاها على الأوجه "فتح" وصحح الشمني كراهة الزيادة وتعبير الملتقى لا بأس به يفيد أنها تنزيهية وبه يحصل التوفيق (شامی ج۲ ص۵۶۱)۔[۱]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۱/۱۰/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۱۰۴۲ ج)

نفرت کی بناء پر دعویٰ تنسیخِ نکاح کا حکم

سوال:- کیا فرماتے ہیں علمائے کرام و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں؟ فتویٰ چاہتا ہوں۔

مسئلہ:- اگر لڑکی رخصتی سے پہلے تنسیخِ نکاح کے دعویٰ میں یہ بیان دیتی ہے کہ اُسے اپنے خاوند سے نفرت ہوگئی ہے (بغیر کسی جائز شرعی وجہ کے) تو کیا قانونِ اسلام کے مطابق تنسیخِ نکاح کی ڈگری عدالت کو صادر کردینی چاہئے یا نہیں؟ یا پھر دعویٰ تنسیخِ نکاح خارج کرکے لڑکی کو اور ایسا جھوٹا دعویٰ کروانے والوں کو عدالت کو کیا سزا دینی چاہئے؟ اور کیا بغیر کسی جائز شرعی وجہ کے خلع کی بنیاد پر لڑکی تنسیخِ نکاح یا تنسیخِ نکاح کی ڈگری حاصل کرسکتی ہے؟

جواب:- اس مسئلے میں تفصیل ہے، لہٰذا سوال کا جواب اسی وقت دیا جاسکتا ہے جب لڑکی کا مفصل بیان سامنے ہو۔

واللہ اعلم

۴/ ۱۴۲۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳ ۳/۳)

---

(۱) ج۳ ص۴۴۵ (طبع سعید)

﴿فصل فی فسخ النّکاح عند کون الزّوج مفقودًا أو عنّینًا أو متعنّتًا أو مجنونًا﴾

(شوہر کے مفقود، نامرد، متعنّت اور مجنون ہونے کی بناء پر فسخِ نکاح کے احکام)

زوجۂ مفقود کا حکم

سوال:- مسماۃ ہندہ کا شوہر تقریباً چار سال ہوئے کہ لاپتہ ہو چکا ہے، والدین اور بیوی کے ساتھ بنگلہ دیش سے کراچی آیا، حکومت نے ان کو کسی اور جگہ منتقل کر دیا اور بیوی کو کیمپ میں رکھا، اس کے بعد سے لاپتہ ہے، ہر چند تلاشِ بسیار کے بعد بھی کوئی سراغ نہ مل سکا، اب تک ہندہ تنہائی کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہے، ایسی صورت میں ہندہ کیا عقدِ ثانی کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں مسماۃ ہندہ کو یہ حق ہے کہ وہ مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کرے، پہلے یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، پھر اس کے بعد گواہوں سے اس کا مفقود اور لاپتہ ہونا ثابت کرے، بعد ازاں عدالت خود بھی مفقود کی تفتیش اور تلاش کرے اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہو جائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم دے، پھر اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو مفقود کو چار سال کی مدت ختم ہونے پر مردہ تصور کیا جائے گا، اس وقت حاکم کے پاس دوبارہ درخواست دے کر عدالت سے اس کے مردہ ہونے کا حکم حاصل کرے، اور پھر چار مہینے دس دن عدتِ وفات گزار کر وہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے۔ اور یہ ساری تفصیل اس وقت ہے کہ جب کہ عورت مزید چار سال صبر وتحمل اور عفت کے ساتھ گزار سکتی ہو، لیکن اگر عورت کے لئے اتنا عرصہ صبر کرنا مشکل ہو اور گناہ میں مبتلا ہونے کا قوی اندیشہ ہو تو صورتِ مسئولہ میں حاکم کو یہ بھی اختیار ہے کہ وہ چار سال کے بجائے صرف ایک سال انتظار کرنے کا حکم دے، اور ایک سال کے بعد شوہر مذکور

[illegible] طرف سے اس [illegible] طلاق [illegible] تین مرتبہ [illegible]

واللہ اعلم

۱۳۹۷/۱۰/۱۱ھ

(فتویٰ نمبر [illegible])

[illegible]

سوال:- مفقود کی بیوی کے لئے شرعی حکم کیا ہے؟ تفصیل سے وضاحت فرمائیں۔

[illegible] رہائی حاصل کرنا چاہے تو درج ذیل صورت اختیار کر کے حاصل کرنے کی گنجائش ہے۔

[illegible]

[illegible]

[illegible] نفقہ دینے کے بغیر کم از کم ایک ماہ گزرا ہو تو قاضی نکاح ختم کرسکتا ہے۔

[illegible] شمار ہوگی۔

في [illegible] قوله ولا يفرق بينه وبينها [illegible] امرأة المفقود [illegible] حتى [illegible] وطلاق [illegible] ص [illegible] [1]

في شرح [illegible] على مختصر [illegible] فيؤجل أربع سنين [illegible] فإن لم [illegible] نفقتها [illegible] [illegible] على نفسها [illegible] ج ۳ ص ۳۹۵

وفي حاشية [illegible] فيؤجل [illegible] للمفقود [illegible] أربع سنين [illegible] ولا طلب [illegible] لعدم النفقة [illegible] (ج ۲ ص ۴۷۹)[2]

وفي شرح [illegible] ولا [illegible] لعدم [illegible] ولا [illegible] فهي أولى من معدومة النفقة (ج ۲ ص ۶۹۴)[3]

وفي الفقه الإسلامي وأدلته [illegible] الضرر [illegible] لا ضرر ولا ضرار [illegible] المعتمد، وفي قول ثلاث سنوات اهـ (ج ۷ ص ۵۳۳)[4] (باقی اگلے صفحہ پر)

---

(۱) (طبع ماجدیہ کوئٹہ). (۲) (طبع دار الفکر بیروت).
(۳) (طبع دار المعارف بمصر) (۴) (دار الفکر بیروت).

زوجۂ مفقود کا حکم

سوال:- ثریا کی شادی زید سے تقریباً ستر ہ برس ہوئے ہو چکی تھی، کسی جرم کی بناء پر زید کو سات سال سزا ملی، سات سال گزرنے کے بعد زید لاپتہ ہو گیا، ثریا اب بھی انتظار میں ہے، دکام جیل سے پتہ پوچھا جاتا ہے وہ بھی لاعلمی کا اظہار کرتے ہیں، آخر کار ثریا مجبور ہو کر بکر کے گھر رہنے لگی، بغیر نکاح کے، اور بکر سے دو تین بچے بھی حرام طریقے پر پیدا ہو گئے، یاد رہے کہ زید ابھی تک لاپتہ ہے، کیا ثریا بکر سے نکاح کر سکتی ہے کہ اس جرم عظیم سے بچ جائے؟ جو صورت ہو تحریر فرمائی جائے۔

جواب:- ثریا کو چاہئے تھا کہ جونہی اس کا شوہر لاپتہ ہوا تھا وہ فوراً عدالت کی طرف رجوع کر کے اپنا نکاح فسخ کرا لیتی، بہرحال اب اس کو چاہئے کہ بکر سے فوراً میاں بیوی کے تعلقات منقطع کر کے سابقہ عمل پر توبہ و استغفار کرے اور عدالت میں نان نفقہ نہ ہونے اور عصمت کے خطرے کی بنیاد

... وفي الأحوال الشخصية للشيخ محمد أبو زهرة: والتفريق للتضرر من الغيبة هو مذهب مالك وأحمد، لأن المرأة قد تقع في حرمة بسبب غيبته ... ولا بد للتفريق بالغيبة أن تمضي مدة تستوحش فيها الزوجة وتتضرر فعلاً، لأن التفرقة بسبب ذلك هي للضرر المتوقع لا للضرر الواقع فقط، وقد جعل أحمد أدنى مدة يجوز أن تطلب التفريق بعدها ستة أشهر ... من مذهب مالك رضي الله عنه فقد اختلف في الحد الأدنى للضرر، فقيل ثلاث سنين، وقيل: سنة، وبهذا أخذ القانون اهـ (ص: ۳۹۰)

وفي الشرح الصغير: وتعتد زوجة المفقود حرة أو أمة صغيرة أو كبيرة في أرض الإسلام بعد الفحص والتأجيل عدة وفاة على ما تقدم، ابتداؤها بعد الأجل اهـ (ج ۲ ص ۶۹۳) (١)

وفي شرح منح الجليل: ثم بعد التلوم وعدم وجدان النفقة والكسوة طلق وإن كان غائبًا ... يعني أن الغائب البعيد غيبته وليس له مال أو له مال لا يمكنها الوصول به إلا بمشقة حكمه حكم العاجز الحاضر اهـ

وفيه: وله أي الزوج المطلق عليه بعدم النفقة الرجعة لزوجته المطلقة لأنه طلاق رجعي ابن عرفة (ج ۲ ص: ۴۴۳)

وفي آخر فتوى للعلامة هاشم رحمه الله مفتي المالكية بالمدينة المنورة زادها الله شرفًا: وهذا التطليق بعد التلوم بنحو شهر أو باجتهاد عند المالكية يعني في صورة عدم النفقة، ... وإن كان لحوقها الضرر وتضررها بعدم الوطء والعنة مع وجود النفقة فلها الفسخ بعد صبرها سنة في أكثر عند المالكية اهـ (الحيلة الناجزة ص ۲۲) (٢)

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۱۸/۸/۱۲ھ

واللہ تعالیٰ اعلم
عصمت اللہ عصمہ اللہ
۱۳۱۸/۸/۱۴ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد الرؤف سکھروی

الجواب صحیح
بندہ محمد عبداللہ عفی عنہ

الجواب صحیح
محمد عبد المنان عفی عنہ

---

(١) ج ۲ ص: ۶۹۳ (طبع دار المعارف مصر)
(٢) طبع دار الاشاعت کراچی۔

پر تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کردے، عدالت کو اختیار ہوگا کہ وہ معاملے کی تحقیق کرکے زید سے ثریا کا نکاح فسخ کردے، اس کے بعد عدت گزار کر وہ بکر سے نکاح کرسکتی ہیں۔[۱] فقط واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۲/۱۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۴۴۴/۱۸ الف)

حاکم کے پاس مقدمہ لے جانے پر وہ تحقیق کرائے، اس کے بعد ایک سال کی مدت کی مہلت دے، اس مدت میں شوہر نہ آئے تو نکاح فسخ کردے، اس کے بعد ثریا عدت گزار کر شادی کرسکتی ہے۔[۲] محمد عاشق الٰہی

زوجۂ مفقود کے لئے فسخ نکاح کا طریقۂ کار

سوال:- میری بیٹی مختار بیگم کا نکاح مورخہ ۳۱/اگست ۱۹۷۶ء کو بمقام راولپنڈی ہوا تھا، لڑکا (محمد پیارے جان) دبئی میں ملازم تھا، نکاح کے تقریباً دو ماہ بعد وہ واپس اپنی ملازمت پر دبئی چلا گیا، اس دوران لڑکی کو وہ کراچی تک ساتھ لے گیا اور سارا زیور غائب کردیا، لڑکے نے کہا کہ گم ہوگیا ہے، اس پر ہم سے اور ہماری لڑکی سے کوئی جھگڑا نہیں ہوا، اس تاریخ سے آج تک تقریباً دس سال گزر چکے ہیں، ہم نے ان کے تمام رشتہ داروں سے دریافت کرلیا، اس کا کوئی پتہ نہیں، نہ خط ہے، نہ خرچ ہے، بیوہ ہوں میرا کوئی سہارا نہیں، لڑکی جوان ہے میں پریشان ہوں کیا میں اس کا دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہوں؟ (انوری بیگم)

جواب:- صورت مسئولہ میں مختار بیگم کے لئے زیادہ بہتر تو یہ ہے کہ وہ اپنے شوہر کی تلاش جاری رکھے اور فسخ نکاح نہ کروائے، لیکن اگر وہ شوہر کے بغیر صبر نہ کرسکتی ہو یعنی یا تو اس کے نفقہ کا انتظام نہ ہو یا اسے اپنی عفت کے بارے میں خطرہ ہو تو وہ یہ کرسکتی ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کرکے پہلے یہ ثابت کرے کہ میرا نکاح محمد پیارے جان سے ہوا تھا، اس کے بعد گواہوں کے ذریعہ اس کا مفقود اور لاپتہ ہونا ثابت کرے، اس پر حاکم خود بھی اس کی تفتیش اور تلاش کرے، اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہوجائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم دے، اگر ان چار سال کے اندر بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو اس مدت کے اختتام پر شوہر کو مردہ تصور کیا جائے گا، اس کے

(۱، ۲) زوجۂ مفقود کے مسئلے سے متعلق مزید تفصیل و دلائل کے لئے حضرت والا دامت برکاتہم کا [illegible] حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد زبیر)

بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزار کر مختار بیگم دوسری جگہ نکاح کر سکیں گی، لیکن اگر مختار بیگم کے لئے چار سال کی مدت گزارنا بھی ممکن نہ ہو، اور چونکہ اس نے دس سال تک پہلے ہی صبر کیا ہے اور عاجز ہو کر درخواست دی ہے، اس لئے معصیت میں مبتلا ہونے کا قوی خطرہ ہو تو اس صورت میں اس بات کی بھی گنجائش ہے کہ حاکم چار سال کے بجائے صرف ایک سال کے انتظار کا حکم دے اور ایک سال گزرنے کے بعد عورت کے طلب کرنے پر اس کا نکاح فسخ کر دے، اس صورت میں فسخ نکاح کے بعد تین ماہواری عدت گزار کر وہ جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔[۱]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۶/۱۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۵۸۴ ب)

شوہر کے نفقہ نہ دینے یا غائب ہونے کی بناء پر فسخ نکاح کی صورت

سوال:- جس عورت کا خاوند بیوی کو چھوڑ کر چلا جائے، طلاق بھی نہ دے اور اپنے گھر بھی نہ لے جائے، وہ لڑکی کتنی دنوں کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے؟ اگر ایسا نہیں کر سکتی تو کتنے دنوں تک بیٹھی رہے؟

جواب - پہلے خاوند کو تلاش کر کے اس سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہو تو اسے خلع پر راضی کرنے کی کوشش کی جائے، اگر وہ اس پر بھی راضی نہ ہو تو عدالت میں اس کے خلاف نان ونفقہ نہ دینے کی بنیاد پر، اور اگر اس کا پتہ نہ چلے تو اس کے گمشدہ ہونے کی بنیاد پر تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا جائے، عدالت اپنے طور پر اس کی تلاش کرے، اگر پتہ معلوم ہو جائے اور وہ آجائے تو اسے حکم دے کہ یا بیوی کو آباد کرو یا طلاق دو، اگر وہ آباد کرے تو ٹھیک ہے، اور اگر انکار کرے یا اطلاع پانے کے باوجود حاضر عدالت نہ ہو تو عدالت نکاح فسخ کر سکتی ہے، اور اگر عدالت کو تلاش کے باوجود نہ ملے تو چار سال انتظار کے بعد نکاح فسخ کر سکتی ہے،[۲] جب تلاش میں ناکامی ہو جائے تو اس کی تفصیلات معلوم کر لی جائیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۴۰۱/۱۱/ ھ

(فتویٰ نمبر ۳۲/۱۶۷۲ ج)

(۱و۲) تفصیلی حوالے اور دلائل کے لئے ص ۴۴۷ اور ص ۴۴۸ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

ا:- زوجۂ مفقود کا حکم

۲:- شوہر کو مردہ سمجھ کر دوسرا نکاح کرنے کی صورت میں پہلا شوہر واپس آجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال:- ایک عورت جس کا شوہر اگر کہیں گم ہو جائے اور کہیں بھی اس کا پتہ نہ مل سکے تو اس صورت میں عورت شوہر کا کب تک انتظار کرے؟

۲- اگر کسی صورت سے اس بات کی تصدیق ہو جائے کہ اس عورت کا شوہر فوت ہو چکا ہے، (مدت معین کے دوران) تو پھر عدت کب سے شروع ہوگی اور کب ختم ہوگی؟

۳- اگر صورت نمبر ۲ کے مطابق عورت عدت پوری کرکے دوسرا نکاح بھی کر لیتی ہے لیکن اس نے پہلے شوہر کی موت کی غلط فہمی کے باعث یقینی صورت اختیار کر لی تھی، لیکن اب اس کا پہلا شوہر بھی واپس آجاتا ہے، اس صورت میں عورت کس کے نکاح میں رہے گی؟ اول کے یا ثانی کے؟ اگر کسی ایک نکاح کی تنسیخ فوری طور پر ہو تو کون سے نکاح کو ترجیح دی جائے گی۔

جواب:- ایسی صورت میں عورت کو چاہئے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت سے رجوع کرکے شرعی ضابطہ شہادت سے یہ بات ثابت کرے کہ میرا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا، اس کے بعد اس کا لاپتہ ہونا ثابت کرے، پھر حاکم خود بھی شوہر کی تلاش و تفتیش کرے، اور جب پتہ ملنے سے مایوسی ہو جائے تو عورت کو چار سال تک مزید انتظار کا حکم دے، اگر ان چار سال میں بھی مفقود کا پتہ نہ چلے تو ان چار سال کی مدت کے اختتام پر اسے مردہ تصور کیا جائے گا، نیز چار سال ختم ہونے کے بعد چار ماہ دس دن عدت وفات گزار کر عورت کو دوسری جگہ نکاح کرنے کا اختیار ہوگا،[۱] اگر عورت اپنے نفقہ کا انتظام نہ ہونے یا گناہ میں مبتلا ہونے کے اندیشے سے چار سال تک صبر نہ کر سکتی ہو تو شدید ضرورت کے موقع پر حاکم، انتظار کی مدت چار سال کے بجائے ایک سال بھی قرار دے سکتا ہے۔[۲]

۲- اگر شوہر کی وفات کا یقین ہو جائے تو عدت اس کی تاریخ وفات سے چار مہینے دس دن شمار کی جائے گی۔[۳]

۳- ایسی صورت میں بیوی بدستور پہلے شوہر کے نکاح میں رہے گی، دوسرے شوہر سے

(۱، ۲) دیکھئے حیلہ ناجزہ ص ۳۳ اور ۲۲۸ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ۔

(۳) قال الله تعالى: والذين يتوفون منكم ويذرون أزواجا يتربصن بأنفسهن أربعة أشهر وعشرا (سورة البقرة ۲۳۴) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۵۰۱ (طبع سعيد) والعدة للموت أربعة أشهر وعشر من الأيام ... الخ

ساتھ اس کا نکاح خودبخود باطل ہوجائے گا، البتہ[1] پہلے شوہر کو اس کے ساتھ صحبت کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ وہ دوسرے شوہر کی عدت پوری نہ کرلے، عدت[2] کے دوران وہ پہلے شوہر ہی کے پاس رہے گی۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۵/۲۶ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

(فتویٰ نمبر ۶۲۸/۱۹ الف)

۱:- سیلاب میں غائب ہونے والے شوہر سے فسخ نکاح کا حکم

۲:- سیلاب میں شوہر کے غائب ہونے کے گیارہ دن بعد دُوسرے نکاح کا حکم

سوال - پاکستان کے جزیرہ ہاتیہ میں سیلاب کے باشندے ہیں جس پر گزشتہ ۱۲ نومبر کو سیلاب آیا تھا، اس میں صاحبہ نامی عورت کا شوہر گم ہوگیا، اب تک یقینی پتہ نہیں کہ مرگیا یا نہیں؟ غالب خیال ہے کہ مرگیا ہوگا۔ کیا اس پر مفقود کا حکم لگایا جائے گا؟

۲ - اس میں کریمہ کا شوہر عبدالرحیم بھی گم ہے، سیلاب سے گیارہ دن بعد کریمہ کا نکاح ہوگیا، اب یہ نکاح باطل ہے یا فاسد؟

جواب ۱ - صورت مسئولہ میں شوہر پر مفقود ہی کے احکام جاری ہوں گے، کیونکہ اس کی موت کا یقین نہیں ہے، البتہ جس وقت ایسے مفقود کی بیوی فسخ نکاح کے لئے مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ کرے تو حاکم کے لئے یہ گنجائش ہے کہ وہ طوفان کے حالات پر نظر کرکے اگر یہ گمان غالب سمجھے کہ شوہر طوفان میں ہلاک ہوگیا ہے اور اتنی مدت گزر چکی ہے کہ اگر وہ زندہ ہوتا تو اس کی کوئی خبر مل جاتی تو وہ مزید انتظار کئے بغیر بھی تفریق کردے۔ لما فی رد المحتار ومقتضاه انه يجتهد ويحكم بالقرائن الظاهرة الدالة على موته وعلى هذا يبتني ما في جامع الفتاوى حيث قال واذا فقد في المهلكة فموته غالب فيحكم به كما اذا فقد في وقت الملاقاة مع العدو او مع قطاع الطريق أو سافر على المرض الغالب هلاكه أو كان سفره في البحر وما أشبه ذلك حكم بموته لأنه الغالب في هذه الحالات ... لكن لا يخفى أنه لا بد من مضي مدة طويلة حتى يغلب على الظن موته لا بمجرد فقده عند ملاقاة العدو أو سفر البحر ونحوه الا اذا كان ملكا عظيما فانه

(۱، ۲) تفصیل کے لئے دیکھئے "حیلۂ ناجزہ" ص ۶۷ تا ۷۰ "واپسی مفقود کے احکام"۔

اذا مضی حتا تشتهر حیاته فعدا قلنا ان هذا مبنی علی ما قاله الزیلعی تأمل (شامی ج ۳ ص ۵۱۲، بولاق)۔[1]

۲- یہ نکاح بالکل باطل اور کالعدم ہے،[2] کریمہ اور عبداللہ پر واجب ہے کہ فوراً علیحدہ ہوجائیں اور جب تک مذکورہ طریقہ پر عدالت سے سند تفریق حاصل نہ ہو اور عدّت وفات نہ گزر جائے، کریمہ کے لئے کسی دُوسری جگہ نکاح جائز نہیں، اب تک جو نکاح کے تعلقات قائم کئے ان پر دونوں توبہ و استغفار کریں اور نکاح کے معاملے میں باطل اور فاسد میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔[3]

واللہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۰/۱۲/۲۷ھ
(فتویٰ نمبر ۶۵۸/۲۱ الف)

شوہر کے لاپتہ ہونے کی بناء پر بیوی کا نکاح دُوسری جگہ کرنے کی صورت میں پہلا شوہر واپس آجائے تو کیا حکم ہے؟

سوال:- ایک شخص کی ۱۹۳۹ء میں شادی ہوئی تھی، یہ شخص ۱۹۴۰ء میں برطانیہ کی فوج میں بھرتی ہوگیا، جاپان، سنگاپور، ملایا میں جاکر قید ہوگیا، لہٰذا ۵ سال تک لاپتہ رہا، کوئی پتہ نہ چلا مرگیا یا زندہ ہے، گورنمنٹ کے دفتروں سے بھی معلوم کیا مگر کچھ پتہ نہ چلا، چنانچہ نیت سے انتظار کے بعد اس شخص کے وارثوں نے فیصلہ کرایا کہ بڑا بھائی نہ معلوم مرگیا یا زندہ ہے؟ ۵ سال سے کچھ خبر نہیں، لہٰذا چھوٹے بھائی سے نکاح کروادیا، نکاح کے بعد لڑکا بھی پیدا ہوا، جو شخص لاپتہ تھا وہ ۱۹۴۶ء میں قید سے چھوٹ کر آگیا، اب سوال یہ ہے کہ پہلے خاوند کا نکاح باقی رہا یا نہیں؟ پہلا خاوند بیوی کو گھر میں رکھ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر اس شخص نے بیوی کو گھر میں رکھ لیا ہے تو اس کی امامت دُرست ہے یا نہیں؟ براہ کرم جواب دیں۔

جواب:- صورتِ مسئولہ میں عورت بدستور پہلے شوہر یعنی بڑے بھائی ہی کے نکاح میں ہے،[4] اور اس کی واپسی کے بعد اس پر فرض ہے کہ اسی شوہر کے پاس جائے اور اسی کے پاس رہے، اور

---

(۱) رد المحتار کتاب المفقود ج ۴ ص ۲۹۷ (طبع سعید)

(۲) وفی الشامیة کتاب الطلاق باب العدة مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ج ۳ ص [illegible] (طبع سعید) اما نکاح منکوحة الغیر ومعتدته ... لم یقل احد بجوازه فلم ینعقد اصلاً الخ وفی الهندیة کتاب النکاح الباب الثالث ج ۱ ص ۲۸۰ (طبع ماجدیه) لا یجوز للرجل ان یتزوج زوجة غیره وکذلک المعتدة الخ

(۳) وفی الشامیة تحت مطلب فی النکاح الفاسد والباطل ج ۳ ص [illegible] (طبع سعید) انه لا فرق بین الفاسد والباطل فی النکاح بخلاف البیع ... الخ

(۴) تفصیل کے لئے دیکھئے "حیلۂ ناجزہ" ص [illegible] (زوجۂ مفقود کے احکام)۔

وہ پہلا شوہر اسے بیوی بنا کر رکھے تو اس پر کوئی گناہ نہیں بلکہ اسے رکھنا ہی چاہئے اور اس کی غیر حاضری میں چھوٹے بھائی سے جو نکاح ہوا اس کا حکم اور اس سے ہونے والی اولاد کا حکم اس بات پر موقوف ہے کہ پنچایت نے کیا فیصلہ کیا تھا؟ کس بنیاد پر کیا تھا؟ اس پنچایت میں کون لوگ شامل تھے؟ اور انہوں نے پہلے شوہر کو تلاش کرنے کے لئے کیا طریقہ اختیار کیا تھا؟ اگر ان باتوں کا جواب معلوم ہو جائے تو اس نکاح کا حکم بتایا جاسکتا ہے۔

بہرحال اب عورت پر واجب ہے کہ وہ اپنے سابقہ شوہر کے پاس چلی جائے[1] البتہ جب تک دوسرے شوہر کے نکاح کا حکم معلوم نہ ہو جائے اس پہلے شوہر کو چاہئے کہ وہ احتیاطاً تین ایام ماہواری گزرنے تک اس بیوی سے ہم بستری نہ کرے۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۱/۱۲/۳ھ

تقسیمِ ہند و پاک کے وقت فسادات میں لاپتہ ہونے والے شوہر کی بیوی کا حکم

سوال:- خلاصۂ سوال یہ ہے کہ بوقت تقسیم ہند و پاک بیوی دہلی سے پاکستان منتقل ہوئی، اور شوہر وہیں رہا، اب معلوم نہیں کہ وہ فسادات کی نذر ہو گیا یا زندہ ہے؟ بہرحال لاپتہ ہے کہ زندہ ہے یا مردہ؟ اور کہاں ہے، اگر ہے؟ تو اب اس بیوی کی اس کی زوجیت سے کلوخلاصی شرعاً ہو چکی ہے یا نکاح قائم ہے؟ اگر قائم ہے تو کیسے خلاصی ہو؟ ...الخ۔

جواب:- آپ کی ہمشیرہ کا نکاح ابھی مسمّی غلام محمد سے قائم ہے، اگر ان کا کسی طرح پتہ معلوم ہو سکے تو ان سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اور اگر وہ لاپتہ ہو تو کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں شوہر کے مفقود الخبر ہونے کی بناء پر فسخِ نکاح کا دعویٰ کیا جائے۔[3] عدالت کے فسخ کئے بغیر نکاح فسخ نہ ہوگا۔[4]

واللہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۱/۴ھ
(فتویٰ نمبر ۱۸/۱۳۴۴ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(۱،۲) دیکھئے حیلہ ناجزہ ص ۶۷ تا ۷۰ "واپسی مفقود کے احکام"۔
(۳،۴) مذکورہ صورت میں فسخِ نکاح کا مفصل و مدلل طریقہ کار سابقہ [illegible] سے [illegible] حاشیہ [illegible] ملاحظہ فرمائیں۔

زوجۂ غائب غیر مفقود کے فسخِ نکاح کا حکم

سوال - زید نے ہندہ کے ساتھ نکاح کیا، دو چار دن ہندہ کو گھر میں رکھنے کے بعد زید اپنے بڑے حقیقی بھائی کی بیوی زینت کو اغواء کر کے لے گیا اور ہندہ میکے واپس آگئی، اب زید کا کہیں پتہ نہیں ہے، البتہ وہ اپنے والدین کی طرف خط بھیجتا رہتا ہے، ہندہ پانچ سال سے ازدواجی زندگی سے محروم ہے، ہندہ کسی دوسرے مسلمان مرد سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

جواب:- صورت مسئولہ میں چونکہ شوہر کا خط اس کے والدین کے پاس آتا ہے، اس لئے یہ صورت غائب غیر مفقود کی ہے، اس صورت میں اوّل تو ہندہ کو یہ چاہئے کہ وہ زید کے والدین کے ذریعہ زید سے طلاق حاصل کرنے یا خلع کرنے کی کوشش کرے، لیکن اگر وہ اس پر راضی نہ ہو اور ہندہ کے خرچ کا انتظام نہ ہو، یا اس کو اپنی زندگی عفت کے ساتھ گزارنی مشکل ہو تو اس کے لئے مندرجہ ذیل صورت ہوسکتی ہے:-

ہندہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کر کے گواہوں سے زید کے ساتھ اپنا نکاح ہونا ثابت کرے، پھر یہ ثابت کرے کہ وہ مجھ کو نفقہ دے کر نہیں گیا، ورنہ وہاں سے اس نے میرے لئے نفقہ بھیجا، نہ یہاں کوئی انتظام کیا، اور نہ میں نے نفقہ معاف کیا، اور ان سب باتوں پر حلف بھی کرے، عدالت زید کے پاس حکم بھیجے کہ یا تو خود حاضر ہو کر اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو یا اس کو بلالو یا وہیں سے کوئی انتظام کرو، ورنہ اس کو طلاق دے دو، ورنہ اگر تم نے ان باتوں میں سے کوئی بات نہ کی تو پھر ہم خود تم دونوں میں تفریق کردیں گے، اور یہ حکم بذریعہ ڈاک بھیجنا کافی نہیں بلکہ عدالت یہ حکم نامہ دو ثقہ آدمیوں کو دستی کرنے کے حوالے کرے، یہ دونوں شخص زید کو حکم نامہ پہنچا کر اس سے جواب طلب کریں اور جو کچھ جواب تحریری یا زبانی دے اُسے محفوظ رکھ کر عدالت کے سامنے آکر اس کی گواہی دیں، ہاں اگر زید ایسے دُور دراز ملک میں ہو جہاں آدمی بھیجنا ممکن نہ ہو تو پھر آدمی بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ بہرصورت اگر اس تمام کاروائی کے بعد بھی زید کوئی صورت قبول نہ کرے تو عدالت ایک مہینے کے مزید انتظار کا حکم دے اس مدت میں بھی اگر اس کی شکایت رفع نہ ہوئی تو اس عورت کو زید کی زوجیت سے الگ کردے، اس کے بعد ہندہ عدت طلاق گزار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

١٩/٢/١٣٩٠ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶۲/۲۸ الف)

---

(۱) مزید تفصیل اور حوالہ جات کے لئے ص ۴۶۱ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

زوجۂ مفقود کا حکم

سوال: - ایک بیوی کا شوہر تقریباً دو سال سے نہیں ہے، اور کچھ پتہ نہیں چلتا، اب یہ بیوی نان نفقہ کی وجہ سے کسی دوسرے آدمی کے ساتھ نکاح کر سکتی ہے یا نہیں؟

جواب: - صورتِ مسئولہ میں مذکورہ عورت کی خلاصی کی صورت یہی ہے کہ مذکورہ عورت کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں نان ونفقہ نہ ہونے اور مبتلا بالمعصیۃ ہونے کے اندیشے کی بناء پر فسخ نکاح کا مقدمہ دائر کرے، عدالت شوہر مذکور کو عدالت میں حاضر ہونے پر مجبور کرے، اور اگر ثابت ہو جائے کہ وہ نہیں آتا تو اس کی طرف سے یہ عورت کو طلاق دیدے، اس کے بعد عورت عدتِ طلاق گذار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اگر عدالت مذکورہ بالا کارروائی کرے تو اس کا فیصلہ شرعاً نافذ ہوگا، ہاں! دعویٰ دائر کرنے میں اس بات کا خیال رکھا جائے کہ فسخ یا شوہر کے مفقود ہونے نہ ہونے کا دعویٰ نہ ہو بلکہ شوہر پر نان ونفقہ ادا نہ کرنے کا دعویٰ ہو کیونکہ فسخ اور مفقود کے دعووں سے متعلق موجودہ عدالتیں جو فیصلے کرتی ہیں ان میں شرعی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا جاتا۔(۱)

واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۴/۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۶۸/۲۲ الف)

فسخِ نکاح سے متعلق برطانوی شرعی کونسل کے اہم سوالات کے جوابات

سوال: - بخدمتِ اقدس حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ العالی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امید ہے کہ مزاجِ گرامی بخیر وعافیت ہوگا

برطانیہ میں مسلمانوں کے عائلی مسائل کے حل کے لئے شرعی ضرورت کے ماتحت شرعی کونسل کا قیام چند سال ہوئے کیا گیا جس کا عمل جاری ہے، شرعی کونسل وہ عائلی مسائل حل کرنے کی کوشش کرتی ہے جو عموماً فسخ نکاح سے متعلق ہوتے ہیں، برطانیہ میں مابین زوجین کے رونما ہونے والے اختلافات میں یہ بھی ہوتا ہے کہ زوجہ کو مار پیٹ اور دوسری اذیتوں سے تنگ کیا جاتا ہے اور طلاق دے

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص: ۴۴۷ و ۴۴۸ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۱۔

کر علیحدہ بھی نہیں کیا جاتا، بناء بریں زوجہ برطانوی کورٹ سے رجوع کرتی ہے تاکہ کورٹ دونوں کے درمیان علیحدگی کردے، کورٹ اپنی کوشش دونوں کے درمیان میل ملاپ کی کرتی ہے، نا ممکن ہونے پر دونوں کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ کردیتی ہے، چونکہ فیصل عیسائی غیر مسلم ہونے کی وجہ سے اس فیصلے سے عورت شرعاً علیحدہ نہیں ہوتی، اس لئے وہ شرعی کونسل سے رجوع کرتی ہے۔

شرعی کونسل دوبارہ دونوں کے درمیان تنازع کے پیش نظر میل ملاپ کی سعی کرتی ہے، ناکام ہونے کی صورت میں شرعی کونسل کی عدہ کی کمیٹی دونوں کے درمیان نکاح فسخ کرکے شرعی علیحدگی کردیتی ہے۔

مذکورہ صورتِ حال کے بارے میں درج ذیل چند ضروری باتوں میں جناب کی فوری رہبری کی ضرورت ہے، امید ہے کہ جناب زحمت گوارا فرما کر جلد جواب سے نوازیں گے۔

۱- برطانیہ کی کورٹ سے عورت کی علیحدگی کے فیصلے کے بعد شرعی کونسل اگر اس فیصلے پر اس معنی میں مطمئن نہ ہو کہ واقعی دونوں کے درمیان میل ملاپ کی کوئی صورت ممکن نہیں اور علیحدگی کے سوا چارہ کار نہیں تو کیا اس کے بعد بھی شرعی کونسل دونوں کے درمیان علیحدگی کے لئے عمل کاروائی کی شرعاً مکلف ہے؟ یا برطانوی کورٹ کی کاروائی کافی ہے؟

۲- زوجین پاکستانی ہوں اور نکاح بھی پاکستان میں ہوا ہو تو دو صورتیں ہوتی ہیں، ایک - زوج پاکستان میں ہے قانونی رکاوٹوں کی وجہ سے وہ برطانیہ آ نہیں سکتا، اور لڑکی پاکستان رہنے پر تیار نہیں اور لڑکا طلاق دینے پر آمادہ نہیں، اس صورت میں مقدمہ شرعی کونسل میں آتا ہے، اس صورت میں شرعی کونسل اس میں کیا طریقہ اختیار کرے؟

۳- زوجین کا نکاح پاکستان میں قانونی طور پر رجسٹر ہونے کی صورت میں اور لڑکا پاکستان میں ہے اور لڑکی برطانیہ میں اور لڑکی شرعی کونسل سے رجوع کرتی ہے، لڑکا یہ کہتا ہے کہ عقد نکاح پاکستان میں ہوا ہے اس لئے فسخ بھی پاکستان ہی میں ہوگا، ایسی صورت میں شرعی کونسل اس نکاح کے فسخ کرنے کی شرعاً مجاز ہے یا نہیں؟

۴- برطانیہ کی کورٹ میں لڑکی کے فسخ نکاح کے جواب میں زوج اپنے وکیل کی معرفت یہ لکھواتا ہے کہ یہ شادی نبھنے والی نہیں اس لئے اسے فسخ کرنے اور توڑنے میں مجھے حرج نہیں، یہ اور اس کے ہم معنی بات لکھواتا ہے، (ایک کاپی بطور نمونہ ساتھ منسلک ہے) تو کیا اس صورت میں یہ بات لڑکے کی طلاق یا فسخ نکاح پر رضامندی میں شمار ہو کر یہ شرعی جدائی ہوئی یا نہیں؟ ان چند ضروری باتوں

کے بارے میں جناب ہی سے اطمینان ہوسکتا ہے، بنا بریں جناب کی گوناگوں مصروفیت کے احساس کے باوجود زحمت دہی کی گستاخی کر رہا ہوں اور متوقع ہوں کہ جلد جواب سے نوازیں گے۔

محترم حضرت مولانا محمد رفیع مدظلہ کی خدمت میں سلام مسنون اور دعا کی درخواست۔

احقر

یعقوب منشی القاسمی

۴رذیقعدہ ۱۴۱۷ھ

۱۴رمارچ ۱۹۹۷ء

Dear Sirs,

Re. Hashim V Hashim

We have now been instructed by Mr Mohammad Amjad Hashim in relation to the unfortunate breakdown of his marriage. He has, in addition to this, brought with him a copy of the Divorce Petition which he has received from the Court. Mr. Hashim is very upset about the particulars contained in the divorce petition, he denies each and every allegation but realises that the marriage has irretrievably broken down and is therefore prepared to agree to the divorce proceeding on the basis of your client's allegations of behaviour.

Our client is advising us under the Green Form as he is a full time student.

We would be obliged if you could confirm that your client would be prepared to withdraw her claim for costs as we note that she also is instructing you under the Green Form. If your Client is not prepared to withdraw her claim for costs we reserve the right to raise counter allegations at any subsequent hearing in relation to the issue of costs.

We look forward the hearing from you in relation to this. Once we have confirmation from you in relation to the costs issue we will forward the Acknowledgement of service to the court.

جواب: سوال پر غور کیا گیا، اور ذکر کردہ مسائل کی تحقیق کی گئی، ذیل میں نمبروار جواب ملاحظہ ہو:-

۱- اس صورت میں شرعی کونسل کو میاں بیوی کے درمیان نکاح فسخ کرنے کے لئے مکمل شرعی کاروائی کرنا ضروری ہے۔ صرف یہ بات کہ زوجین کے درمیان نباہ مشکل نظر آتا ہے، شرعی کونسل کی طرف سے فسخ نکاح کی بنیاد نہیں بن سکتی، خواہ یہ نتیجہ برطانوی عدالت نے اخذ کیا ہو یا شرعی کونسل نے، بلکہ شوہر کا متعنت ہونا، سخت مار پیٹ کرنا، مفقود ہونا، مجنون ہونا، اور عنّین وغیرہ ہونا اس میں داخل ہیں، اور ان اسباب کی تحقیق کے لئے بھی صرف برطانوی عدالت کی کاروائی کافی نہیں، کیونکہ وہ تو غیر مسلم ہوتا ہے، دوسرے وہ ان شرعی امور کا احاطہ نہیں کرتے کا جو فسخ نکاح کے لئے شرعاً درکار ہیں، پھر اگر معتبر اسباب فسخ میں سے کوئی سبب نہ پایا جائے اور نباہ مشکل ہو تو شرعی کونسل شوہر کو خلع یا طلاق پر

مال پر راضی کرنے کی کوشش کرے، اس سے زائد کوئی کارروائی اس کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے، لہٰذا وہ مقدمہ خارج کردے۔

۲- اگر لڑکا پاکستان میں ہے، اور وہ لڑکی کو پاکستان میں خوش اسلوبی کے ساتھ رکھنے پر تیار ہے، لیکن وہ طلاق دینا نہیں چاہتا تو یہاں فسخِ نکاح کی شرعاً کوئی وجہ نہیں، لہٰذا شرعی کونسل کو بجائے فسخِ نکاح کے، لڑکی کو پاکستان آنے، اور شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادہ کرنا چاہئے، بصورتِ دیگر مقدمہ خارج کردینا چاہئے۔ البتہ اس صورت میں بھی اگر معتبر اسبابِ فسخ میں سے کوئی سبب موجود ہو، مثلاً شوہر مجنون یا عنین ہو تو شرعی کونسل برطانیہ میں رہتے ہوئے بھی شوہر کو نوٹس جاری کرکے فسخِ نکاح کی کارروائی کرسکتی ہے، مگر اس میں تمام شرائط ملحوظ رکھنا ضروری ہے، اور اگر معتبر اسبابِ فسخ میں سے کوئی سبب موجود نہ ہو اور شرعی کونسل شوہر و بیوی کے درمیان خوش اسلوبی سے رہنے کی کوشش کو کامیابی سے ہمکنار ہوتا نہ دیکھے تو پھر باہمی رضامندی سے ان کے درمیان خلع کرادے یا کسی قدر مال کے عوض شوہر سے طلاق دِلوادے۔

۳- اگر یہاں بھی یہ صورت ہے کہ لڑکا خوش اسلوبی سے لڑکی کو پاکستان میں رکھنے کے لئے تیار ہے، لیکن لڑکی برطانیہ سے پاکستان آنا پسند نہیں کرتی تو یہ لڑکی کی غلطی ہے، اس کو چاہئے کہ پاکستان آئے اور شوہر کے ساتھ رہے، لہٰذا شرعی کونسل یہاں بھی لڑکی کو اسی پر آمادہ کرے اور ان کا نکاح فسخ نہ کرے، کیونکہ فسخِ نکاح کی کوئی شرعی وجہ یہاں موجود نہیں ہے، اور اگر کوئی معتبر وجہِ فسخ موجود ہو تو صورتِ مسئولہ میں فسخِ نکاح کی کارروائی برطانیہ میں کی جائے یا پاکستان میں؟ اس معاملے میں کوئی صریح حکم تو کتبِ فقہ میں نہیں ملا، نہ ملنے کی امید ہے، لیکن قواعد کا تقاضا یہ ہے کہ اگر عورت ناشزہ ہو کر برطانیہ میں رہ رہی ہے تو شوہر کا یہ مطالبہ حق بجانب ہے کہ فسخِ نکاح کی کارروائی پاکستان میں کی جائے، لیکن اگر شوہر خود اسے وہاں اپنی رضامندی سے چھوڑ کر چلا گیا ہے، اور اس کے پاس پاکستان جانے کے وسائل نہیں ہیں تو اس صورت میں شرعی کونسل کارروائی کرسکتی ہے، البتہ جہاں شوہر کے حالات کی تحقیق مثلاً جنون یا نامردی کا ثبوت درکار ہو، وہاں وہ متعلقہ ثبوت کی کاپی شوہر کو بھیج کر اس کا موقف معلوم کرلے، اور ضرورت ہو تو اس کام کے لئے پاکستان میں علماء کی مجلس کو اپنا نمائندہ بنا کر بھی حالات کی تحقیق کرسکتی ہے۔

۴- شوہر کے وکیل نے منسلکہ کاپی میں جو الفاظ لکھے ہیں وہ اگرچہ طلاق پر شوہر کی رضامندی کو ظاہر کرتے ہیں، لیکن بذاتِ خود انشاءِ طلاق کے لئے کافی نہیں، کیونکہ ان الفاظ کا ترجمہ یہ ہے کہ "میں وہ محسوس کرتا ہے کہ نکاح ناقابلِ تلافی طور پر ٹوٹ چکا ہے، لہٰذا وہ طلاق کی کارروائی سے اتفاق

کرنے کے لئے تیار ہے" یہاں نکاح ٹوٹنے کے صرف محسوس کرنے کا ذکر ہے، نیز اگلے جملے سے یہ وضاحت ہو رہی ہے کہ طلاق کی کارروائی ابھی نہیں ہوئی گو وہ آئندہ کرنے سے متفق ہے، ان میں سے کوئی لفظ انشاء طلاق کا نہیں ہے۔ البتہ وکیل سے شوہر نے جو الفاظ کہے، یا سے لکھ کر دیئے، اگر وہ انشاء طلاق کے الفاظ ہوں تو انہیں طلاق کے لئے کافی سمجھا جا سکتا ہے، مگر اس کے لئے ضروری ہے کہ ٹھیک ٹھیک وہی الفاظ لکھ کر بھیجے جائیں، منسلکہ پرچے میں وکیل کے الفاظ ہیں، شوہر کے الفاظ نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۸/۱۲/۱۳۹۱ھ

(فتویٰ نمبر ۲۶۰/۶۱)

زوجۂ متعنّت کا حکم

سوال – زید نے ہندہ کو بے عزت کر کے گھر سے نکال دیا، مسلسل سات سال ہو چکے ہیں، نہ تو آج تک نان نفقہ دیتا ہے، نہ زوجیت میں رکھنا چاہتا ہے، معلق کر دیا ہے، ہر چند ثالثین نے سمجھایا کہ اگر رکھنا نہیں چاہتے تو طلاق دے دو، زید کی بات پر راضی نہیں ہوتا، بینوا توجروا۔

جواب – صورت مسئولہ میں ہندہ اور اس کے اولیاء کو چاہئے کہ وہ شوہر سے خلع کرنے کی کوشش کریں، اگر وہ اس پر راضی نہیں، تو مسلمان عدالت میں نان و نفقہ نہ ہونے کی بنیاد پر فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کیا جائے، عدالت شوہر کو حکم دے گی کہ وہ یا تو عورت کے حقوق ادا کرے یا طلاق دے، اگر شوہر ان میں سے کسی صورت پر راضی نہ ہو تو عدالت کو اختیار ہوگا کہ وہ شوہر کے قائم مقام ہو کر عورت کو طلاق دیدے۔[1]

واللہ اعلم بالصواب

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۱/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۶/۱۹ الف)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

---

(۱) اس مسئلے کی مفصل تحقیق اور وجوہات اور فسخ نکاح کا مکمل طریقہ کار حضرت والا دامت برکاتہم کے مصدقہ درج ذیل فتویٰ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (محمد زبیر)

استفتاء: کیا فرماتے ہیں مفتیان کرام مسئلہ ذیل کے بارے میں کہ جو شوہر استطاعت کے باوجود اپنی بیوی کو نان نفقہ نہیں دیتا اور عورت کے پاس نان و نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو اور شوہر طلاق یا خلع کے لئے بھی راضی نہ ہو تو ایسی صورت میں عورت کے لئے مذکورہ شوہر سے خلاصی حاصل کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

(باقی اگلے صفحے پر)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

الجواب حامداً و مصلیاً

۱- اگر کوئی شوہر ایسا ہو جو باوجود استطاعت کے اپنی بیوی کو نان و نفقہ نہیں دیتا اور عورت کے پاس نان و نفقہ کا کوئی انتظام نہ ہو اور شوہر طلاق یا خلع کے لئے بھی تیار نہ ہو تو ایسی صورت میں وہ مالکی مذہب کے مطابق اس شوہر سے عدالت کے ذریعہ خلاصی حاصل کر سکتی ہے۔

۲- خلاصی حاصل کرنے کے لئے عورت ایک مقدمہ کی صورت میں جج کی عدالت میں پیش ہو کر یہ ثابت کرے کہ وہ فلاں کی بیوی ہے اور وہ باوجود استطاعت کے اس کو نان و نفقہ نہیں دیتا اور نہ اس کے پاس نان و نفقہ کا کوئی انتظام ہے، جس سے اس کو سخت "ضرر" لاحق ہے اور وہ اس وجہ سے اس کی زوجیت سے نکلنا چاہتی ہے۔

۳- عورت ''فلاں'' کے ساتھ نکاح اور اس کا مذکورہ دعویٰ گواہوں سے ثابت کرے، اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں یا گواہ ہوں لیکن اس نے پیش نہ کئے تو اگر شوہر عدالت میں حاضر ہو تو اس سے قسم لی جائے گی، اگر اس نے قسم کھانے سے انکار کیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ عورت کا دعویٰ درست ہے، اب جج شوہر سے کہے کہ اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو یا طلاق یا خلع دو، ورنہ ہم تفریق کردیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی کوئی مہلت دیئے بغیر اسی وقت بیوی پر طلاق واقع کردے۔

۴- لیکن شوہر یا اس کا وکیل عدالت میں حاضر نہ ہو جیسا کہ آج کل عموماً ایسا ہی ہوتا ہے، اور عدالت کے بار بار نوٹس اور سمن جاری کرنے اور شوہر کو نوٹس اور سمن کے بارے میں مطلع ہونے کے باوجود وہ حاضر عدالت نہ ہوتا ہو تو اگر بیوی کے پاس گواہ موجود ہوں اور وہ پیش بھی کردے تو جج ان گواہوں کی بنیاد پر بیوی کے حق میں فسخ نکاح کا فیصلہ جاری کردے اور اگر عورت کے پاس گواہ موجود نہ ہوں، یا ہوں لیکن وہ پیش نہ کرے تو شوہر کا بار بار بلانے کے باوجود عدالت میں حاضر نہ ہونا اس کی طرف سے قسم سے انکار (نکول) سمجھا جائے گا اور اس انکار کی بنیاد پر عدالت شوہر غائب کے خلاف اور بیوی کے حق میں فسخ نکاح کا فیصلہ جاری کرلے گی۔

اب یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ شوہر اگر غائب ہو اور عورت کے پاس گواہ موجود نہ ہوں، یا موجود ہوں لیکن عورت نے پیش نہ کئے تو اس صورت میں اس غائب شوہر کے خلاف اور عورت کے حق میں فیصلہ کس طرح کیا جائے گا؟ تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ یہ ''قضاء علی الغائب'' کا مسئلہ ہے، جو مذہب حنابلہ سے لیا گیا، کیونکہ ان کے ہاں غائب کے خلاف فیصلہ جائز ہے، اور یہی موقف حضرات شافعیہ کا بھی ہے، اور ان کے ہاں مدعی کے پاس گواہ موجود ہوتے ہوئے بھی اگر مدعی گواہ پیش نہ کرے، تو مدعا علیہ سے قسم لینا اور اس کی بنیاد پر فیصلہ کرنا درست ہے، یہی موقف حضرات شافعیہ کا بھی ہے، اور حضرات حنفیہ میں سے حضرت امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ بھی اسی کے قائل ہیں، لیکن اگر مدعا علیہ غائب ہو تو اس پر قسم پیش کرنا چونکہ متعذر ہوتا ہے اس لئے بار بار بلانے کے باوجود اس کا عدالت میں حاضر نہ ہونا اس کی طرف سے قسم سے انکار (نکول) سمجھا جائے گا، اور اب اس انکار کی بنیاد پر مدعی کے حق میں فیصلہ جاری کرنے سے پہلے مدعی سے قسم لینا ضروری نہیں، جیسا کہ حنفیہؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔

۵- بیوی کے لئے ضروری ہے کہ وہ درخواست برائے فسخ نکاح نان و نفقہ نہ دینے کی بنیاد پر دے، اور جج اپنے فیصلے میں بھی اسی کو بنیاد بنائے۔ ''خلع'' کا طریقہ ہرگز اختیار نہ کرے، اس لئے کہ یک طرفہ خلع شرعاً کسی کے نزدیک بھی جائز اور معتبر نہیں۔ تاہم اگر کسی فیصلے میں بنیاد فیصلہ فی الجملہ صحیح ہو، یعنی شوہر کا ''تعنت'' ثابت ہو رہا ہو، مگر عدالت نے فسخ کے بجائے خلع کا راستہ اختیار کیا ہو، اور خلع کا لفظ استعمال کیا ہو............ (باقی اگلے صفحہ پر)

(حنابلہ کا مسلک ہے) تو ایسی صورت میں شرعی طور پر تو یکطرفہ فیصلہ درست نہ ہوگا، تاہم فسخ نکاح کی شرعی بنیاد پائے جانے کی صورت میں یہ فیصلہ [illegible] سمجھا جائے گا کہ اس فیصلے کی بنیاد پر نکاح فسخ ہو گیا ہے، اور عورت عدت طلاق گزار کر دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، بشرطیکہ یہ فیصلہ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق ہو۔

یاد رہے کہ اگر یہ فیصلہ معتبر ہونے کی صورت میں عدت کا شمار فیصلہ جاری ہونے کی تاریخ سے ہوگا۔

(عربی حوالہ جات ملاحظہ ہوں)

في المغني لابن قدامة: فإن امتنع المدعى عليه من الحضور وتوارى، فظاهر كلام أحمد جواز القضاء عليه لما ذكرنا عنه في رواية حرب، وروى عنه أبو طالب في رجل وجد غلامه عند رجل فأقام البينة أنه غلامه فقال الذي عنده الغلام: أودعني هذا رجل، فقال أحمد: أهل المدينة يقضون على الغائب يقولون: إنه لهذا الذي أقام البينة وهو مذهب حسن، وأهل البصرة يقضون على غائب يسمونه الإعذار، وهو إذا ادعى على رجل ألفا وأقام البينة فاختفى المدعى عليه يرسل إلى بابه فينادي الرسول ثلاثا فإن جاء وإلا قد أعذروا إليه، فهذا يقوي قول أهل المدينة وهو معنى حسن. قد ذكر الشريف أبو جعفر وأبو الخطاب أنه يقضى على الغائب الممتنع وهو مذهب الشافعي، لأنه تعذر حضوره وسؤاله فجاز القضاء عليه كالغائب البعيد، بل هذا أولى لأن البعيد معذور وهذا لا عذر له اهـ (ج ٩ ص [illegible])[1]

وفي الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف: فإن امتنع من الحضور سمعت البينة وحكم بها في إحدى الروايتين وهو المذهب اهـ (ج ١١ ص ٣٠٢)[2]

وفي الحاوي الكبير للعلامة الماوردي: فإن قال المدعي: لست أجد بينة، فقد اختلف أصحابنا، هل يكون هذا الامتناع من الحضور كالنكول في ردّ اليمين على المدعي أم لا؟ على وجهين: أحدهما أنه لا يجعل نكولا، والوجه الثاني وهو أشبه أن يجعل كالنكول بعد النداء على بابه بسماع الدعوى وإعلامه بأنه يحكم عليه بالنكول لوجود شرط النكول في هذا النداء اهـ (ج ١٦ ص: ٣٠٢)[3].

وفي المبدع: وإن نكل قضي عليه بالنكول نصّ عليه واختاره عامة شيوخنا اهـ (ج ١٠ ص [illegible])[4]

وفي الإنصاف: هو المذهب (ج ١١ ص: ٢٥٤)[5]

وفي الفقه الإسلامي وأدلته: لكن المختار عند الحنابلة القول بعدم ردّ اليمين. (ج: ٦ ص [illegible])[6]

وفي المغني لابن قدامة: وإن قال المدعي: لا أريد إقامتها (البينة) وإنما أريد يمينه، كفى بها استحلف لأن البينة حقه فإذا رضي بإسقاطها وترك إقامتها فله ذلك كنفس الحق اهـ (ج ٩ ص ٨٩)[7] كذا في الإنصاف (ج ١١ ص ٢٦٣) والمبدع (ج ١٠ ص ٢٧) وروضة الطالبين (ج ٢ ص ٣٠) وزاد المحتاج (ج ٣ ص ٥٤١).

وفي البدائع: حتى لو قال المدعي لي بينة حاضرة ثم أراد أن يحلف المدعى عليه ليس له ذلك عنده، وعندهما له ذلك اهـ (ج ٦ ص ٢٢٦)[8]

واللہ تعالیٰ أعلم

عصمت اللہ عصمہ اللہ
دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴
۱۴۱۹/۹/۱۴ھ

الجواب صحیح
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

الجواب صحیح
محمود اشرف غفر اللہ لہ

الجواب صحیح
بندہ عبدالرؤف سکھروی

الجواب صحیح
محمد عبدالمنان عفی عنہ

---

(۱) ج ۱۴ ص ۹۶ (طبع دار عالم الکتب، الریاض).
(۲) (طبع دار احیاء التراث العربی بیروت)
(۳) (طبع دار الکتب العلمیۃ بیروت).
(۴) (طبع المکتب الاسلامی بیروت)
(۵) (طبع دار احیاء التراث العربی بیروت).
(۶) (طبع دار الفکر بیروت)
(۷) ج ۱۴ ص ۲۷ (طبع دار عالم الکتب، الریاض).
(۸) (طبع رشیدیہ کوئٹہ)

نفقہ نہ دینے کی بناء پر فسخِ نکاح کا حکم

سوال – میری بہن کی شادی ہوئے سولہ[16] سال ہوئے، نکاح کے بعد ایک ہفتہ سسرال رہی، پھر والدین کے گھر چلی آئی، شوہر نے آٹھ سال تک کوئی خرچہ وغیرہ نہیں دیا، آٹھ سال بعد پھر بیوی کو لے گئے، تھوڑا عرصہ رکھنے کے بعد پھر گھر سے نکال دیا، اس دوران بیوی کو امیدواری تھی جس سے ایک بچی پیدا ہوئی، جس کی عمر اس وقت دس سال ہے، اس کی پرورش نانا نانی نے کی، بچی کی پیدائش کے بعد ابھی تک لڑکی میکے میں ہے، لڑکی کے باپ نے پھر بھی کوئی خبر نہیں لی، یہاں تک کہ لڑکی کا نانا چند ماہ ہوئے فوت ہو گیا، پھر بھی نہ تو سسرال والوں نے اور نہ ہی بیوی کا خاوند باپ کی تجہیز وتکفین میں شامل ہوا، اب ستم بالائے ستم یہ کہ چند دن ہوئے اطلاع ملی کہ خاوند نے دوسری شادی کر لی ہے، میری بہن کہتی ہے کہ اب میں اپنے شوہر سے خلاصی چاہتی ہوں اور سولہ سال کا اپنا خرچہ اور بچی کے خرچے کا مطالبہ کرنا چاہتی ہوں، نیز بچی کو اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں۔

جواب:- صورت مسئولہ میں آپ کو یہ حق حاصل ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کر کے یہ ثابت کریں کہ آپ کا نکاح فلاں شخص سے ہوا تھا اور یہ کہ وہ اتنے عرصے سے تنہا چھوڑ رکھا ہے اور نہ نفقہ کا انتظام کرتا ہے، اس پر عدالت آپ کے شوہر کو بلوا کر اسے مجبور کرے گی کہ یا تو وہ نفقہ کا انتظام کرے اور تمام حقوق زوجیت ادا کرے، یا آپ کو طلاق دے، اگر آپ کا شوہر دونوں میں سے کوئی بات تسلیم کر لے تو ٹھیک ہے، ورنہ عدالت آپ کا نکاح اس سے خود فسخ کر دے گی، اس کے بعد عدت گزار کر آپ جہاں چاہیں نکاح کر سکتی ہیں(۱)۔ آپ کا اور آپ کی بچی کا پچھلے تمام سالوں کا نفقہ آپ کے شوہر پر دیانۃً واجب ہے، وہ اسے ادا کرنا چاہئے، ادا نہ کرنے سے وہ سخت گناہگار ہوگا، لیکن عدالت کے ذریعہ پچھلی مدت کا نفقہ حاصل کرنے میں جو تفصیل ہے وہ آپ کو پہلے لکھی جا چکی ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۹/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۲۴ ج)

نان ونفقہ نہ ہونے اور عصمت کے خطرے کے پیشِ نظر عورت کے لئے فسخِ نکاح کا حکم

سوال – مسمّیٰ محمد صدیق ولد گل زمان عمر ۱۳ سال کا عقد نکاح بحالت غائب ہونے محمد

(۱) تفصیل اور حوالہ جات کے لئے سابقہ ص: ۴۶۱ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

صدیقی کے ہمراہ زرینہ دختر کا، عمر ۸ سال تخمیناً، بحالت نابالغی بوکالت پدر ہوا، والدین ہی نے ایجاب وقبول کیا، تین سال کے بعد لڑکا بسلسلہ ملازمت امریکہ چلا گیا، دو سال تک لڑکے سے خط وکتابت کا رابطہ قائم رہا، لڑکی جوان ہونے پر ورثاء نے لڑکے کو لکھا کہ رخصتی پوری ہو جائے، لڑکے نے جواب میں لکھ دیا کہ میں یہاں شادی کر چکا ہوں، میری پیدائشی سرٹیفکیٹ بھیج دو، چنانچہ سرٹیفکیٹ بھیج دیا گیا، مگر تین ماہ بعد رجسٹری جس کے ذریعہ سرٹیفکیٹ بھیجا گیا تھا واپس آگئی، اس لڑکی والوں نے لڑکے کو بلانے اور شادی پر زور دیا کہ اندیشہ عصمت دری کا ہے، مگر لڑکے نے مزید خط وکتابت بند کر دی، اس کے بعد متعدد خطوط بھیجے گئے، مگر کسی کا جواب نہ آیا، یہاں تک کہ دو سال گزر گئے، باوجود کوشش بسیار کے لڑکے کا کوئی سراغ نہ مل سکا، اور لڑکی جوان ہے، جس کو گھر پر رکھنا مشکل ہے، جو حکم ہو تحریر فرمایا جائے۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں اگر مندرجہ واقعات درست ہیں تو عورت کو چاہئے کہ وہ نان ونفقہ نہ ہونے اور عصمت کو خطرہ ہونے کی بنیاد پر عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ کرے، عدالت شریعت کے مقررہ اصولوں کے مطابق تحقیق کرے، اگر یہ محسوس کرے کہ عورت حالت مجبوری میں ہے، تو وہ ایک سال صبر کے بعد نکاح فسخ کر سکتی ہے۔(۱)

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱/۱۲ھ

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۴۲/۱۹ الف)

نفقہ نہ دینے کی بنیاد پر فسخِ نکاح کا عدالتی فیصلہ شرعاً درست ہے

سوال - ایک عورت مسماۃ شمیم کی شادی آج سے دس گیارہ برس قبل ایک شخص ڈاکٹر کرامت مرزا سے ہوئی، اور شمیم کے بطن سے ڈاکٹر کرامت کی ایک لڑکی پیدا ہوئی، شادی کے ایک سال بعد ڈاکٹر کرامت مرزا صاحب ولایت چلا گیا، ولایت جانے کے بعد اپنی بیوی اور بچی کی کفالت نہیں کی، اور خرچہ بھی روانہ نہیں کیا، اور نہ کوئی خط وکتابت کی، بیوی سخت پریشان وحیران پھرتی رہی، اس کے بعد اس نے مجبور ہو کر سول کورٹ لاہور میں دعویٰ تنسیخ نکاح دائر کر دیا، عدالت میں فسخ نکاح کا مقدمہ تقریباً آٹھ دس ماہ تک جاری رہا، اس دوران بھی کرامت مرزا نے عدالتی اطلاع پر توجہ نہ دی، نہ صالتاً نہ وکالتاً۔

چنانچہ عدالت نے ضروری کارروائی کے بعد مسماۃ شمیم کے حق میں تنسیخ نکاح کا فیصلہ صادر کر دیا جس کی نقل ہمراہ سوال ہذا مرسل ہے، اس کے بعد مسماۃ شمیم نے تین ماہ عدت گزار کر ایک

(۱) مکمل تفصیل سابقہ فتویٰ ص ۴۶۲ کے حاشیہ میں [illegible] حضرت [illegible] مت برکاتہم کے مصدقہ فتویٰ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

دوسرے شخص مسمّیٰ ڈاکٹر احمد سے نکاح کر دیا، مگر متعلقہ نکاح خواں نے یہ نکاح پڑھنے سے انکار کر دیا اور یہ نکاح ایک دوسرے شخص سے پڑھوا دیا گیا، اس کے بعد یہ عورت مسماۃ شمیم، ڈاکٹر احمد کے گھر آباد ہوگئی اور اس کے بطن سے ڈاکٹر احمد کے دو بچے بھی پیدا ہوئے، چار پانچ سال گزر جانے کے بعد ڈاکٹر احمد کو بعض لوگوں نے شک میں مبتلا کر دیا کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہے اور بعض نے تو یہاں تک وہم ڈال دیا کہ یہ بدکاری ہے، اس کی وجہ سے مسماۃ شمیم کے خاندانی افراد بھی پریشان ہیں، اب فتویٰ مطلوب ہے کہ

۱:- یہ نکاح دُرست ہے یا نہیں؟

۲:- یہ کہ اب اس موجودہ صورت میں صحیح طریقِ کار کیا ہونا چاہئے؟

تنقیح:-

۱- آپ نے عدالت کا پورا فیصلہ ساتھ نہیں بھیجا، پورا فیصلہ روانہ فرمائیے۔

۲- یہ وضاحت ضروری ہے کہ ڈاکٹر کرامت کے نام عدالت نے کوئی نوٹس بھیجا تھا یا نہیں؟ اگر بھیجا تھا تو کس مضمون کا تھا؟ اور اس میں اس کو نان ونفقہ کی ادائیگی کا حکم دیا گیا تھا یا نہیں؟

چونکہ دنوں دارالافتاء میں سوالات بہت زیادہ آگئے تھے، اس لئے آپ کے خط کا نمبر بہت دیر میں آیا، آپ ان سوالات کا جواب ارسال فرمائیں گے اور ساتھ یہ کاغذ بھی واپس بھیج دیں گے تو اِن شاء اللہ جواب جلد روانہ کر دیا جائے گا۔

والسلام

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جوابِ تنقیح -

۱- جواباً عرض ہے کہ عدالت کا فیصلہ مفصل ومکمل بصورت فوٹو اسٹیٹ پہلے بھی ارسال کیا تھا، اب پھر دوبارہ ارسالِ خدمت ہے، اور یہ نقل فیصلہ ہر طرح مکمل اور مفصل ہے۔

۲- دورانِ مقدمہ عدالت نے ڈاکٹر کرامت مرزا کا پتہ معلوم کر کے باقاعدہ بذریعہ رجسٹری کرامت مرزا کے نام نوٹس روانہ کیے، بعدہ دو یا تین مرتبہ نوٹس جاری کیا، جواب نہ ملنے کی صورت میں باقاعدہ طور پر عدالتی کارگزاری کے مطابق اخبار میں بھی اشتہار شائع کرایا، اور اس اشتہاری نوٹس کا اخبار باقاعدہ طور پر کرامت مرزا کو بھجوایا گیا۔

اس کے بعد جب ہر طرف سے عدالت کو عدمِ تعمیل کی وجہ سے مایوسی ہوئی تو پھر کرامت مرزا کے والد سے عدالت نے رابطہ قائم کیا اور اس کو عدالت میں طلب کیا، اس مرتبہ طلبی پر کرامت مرزا کے والد نے قطعی توجہ نہ دی، تمام حالات سے مایوس ہو کر عدالت نے متعلقہ فیصلہ صادر فرما دیا، سوئے اتفاق

سے اس وقت ڈاکٹر کرامت مرزا کے نام جاری کئے گئے نوٹس وغیرہ اور اخبار اشتہار کی کاپی یا اس کی اشاعت کی تاریخ وغیرہ اس وقت معلوم نہیں ہے۔

ممکن ہے کہ اگر عدالت سے پھر اس مقدمے کا نمبر وغیرہ دے کر نوٹس وغیرہ دینے سے متعلق معلومات فراہم ہو سکتی ہیں، مگر یہ معاملہ بہت طویل ہو جائے گا۔ یہ حقیقت ہے کہ نوٹس روانہ کئے گئے، اشتہار شائع ہو گیا، کرامت مرزا کے پتے پر بھیجا گیا، اس کے والد سے رابطہ قائم کیا گیا، اس کے بعد ہی فیصلہ صادر ہوا اور یہ واقعات حقائق ہیں۔

جواب۔ منسلکہ فیصلہ جو آپ نے پہلے ارسال فرمایا تھا اور اس مرتبہ پھر وہی بھیج دیا ہے، عدالت کا پورا فیصلہ نہیں ہے، بلکہ صرف ڈگری کے الفاظ ہیں، جج جو فیصلہ لکھتا ہے اس میں پورے واقعات تفصیل کے ساتھ درج ہوتے ہیں، وہ فیصلہ آپ نے اس مرتبہ بھی نہیں بھیجا، تاہم تنقیحات کے جواب میں جو باتیں آپ نے لکھی ہیں ان کی روشنی میں حکم یہ ہے کہ اگر عورت نے نان ونفقہ نہ ہونے کی بنیاد پر ڈاکٹر کرامت سے نکاح فسخ کرنے کا دعویٰ کیا تھا اور عدالت نے اس کو اسی بنیاد پر حاضر عدالت ہونے کا حکم جاری کیا، لیکن وہ خود حاضر نہ ہوا، اس کے والد اس کی طرف سے پیش ہوئے مگر انہوں نے نان ونفقہ ادا کرنے کے سلسلے میں کسی ایسے معقول انتظام کا وعدہ نہیں کیا جو عدالت کو مطمئن کر سکے تو عدالت کا منسلکہ فیصلہ صحیح ہے، اور اس کی بنا پر ڈاکٹر کرامت سے مسماۃ شمیم کا نکاح فسخ ہو گیا،(۱) اور فسخ نکاح کے بعد اگر عدت گزار کر مسماۃ شمیم نے ڈاکٹر احمد سے نکاح کیا ہے تو یہ نیا نکاح درست ہے، ڈاکٹر احمد کو متردد نہ ہونا چاہئے۔ اور اگر اس کے سوا کوئی اور صورت ہو تو مسئلہ دوبارہ معلوم کر لیا جائے، لیکن اس صورت میں عدالت کا مکمل فیصلہ بھیجنا ضروری ہوگا، منسلکہ فیصلہ مکمل نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

۳-۲-۱۳۹۵ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۶۶۸ ب)

زوجۂ متعنّت کا حکم

سوال۔ ایک لڑکی جس کا خاوند پانچ برس سے نہیں لے جاتا، اور طلاق بھی نہیں دیتا، پانچ بچے اس کے ساتھ ہیں، خرچہ بھی دس سال سے نہیں دیتا، لڑکی کا والد بوڑھا اور غریب ہے، جب کہا جاتا ہے کہ تم اپنی بیوی کو لے جاؤ، وہ کہتا ہے کہ میں نہیں رکھتا اور طلاق بھی نہیں دیتا۔ اس کا شرعی حکم بتادیں۔

جواب۔ صورت مسئولہ میں عورت کو چاہئے کہ شوہر کو طلاق دینے یا خلع کرنے پر راضی

---

(۱) دلائل کے لئے ص ۴۶۱ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

کرے، اگر وہ اس پر رضامند نہ ہو تو عدالت میں اس کے خلاف نان و نفقہ نہ ہونے کی بنا پر فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کرے، عدالت مرد کو بلا کر کہے کہ یا تو تم اپنی بیوی کو اپنے گھر آباد کرو اور اس کے حقوق نان و نفقہ ادا کرو، ورنہ اس کو طلاق دے دو۔ اگر وہ نفقہ دینے پر آمادہ نہ ہو اور ساتھ لے جائے تو مقصد حاصل ہے، اور اگر نہ نفقہ ادا کرے ورنہ طلاق دے تو عدالت اس شوہر سے عورت کا نکاح فسخ کر سکتی ہے، جس کے بعد عدت گزار کر عورت دوسری جگہ نکاح کر سکے گی۔ (۱)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۸/۷/۱۵ھ
(فتویٰ نمبر ۲۹/۷۹۳ ب)

زوجۂ متعنّت کا حکم

سوال:- آپ کا فتویٰ مؤرخہ ۱۳۹۰/۱۲/۲ھ کے مطابق بندی نے برما میں وہاں کے مسٹر عبدالرحیم چودھری صاحب کے ہاں اپنی عاجزی اور بے کسی بیان کر کے شوہر کو یہاں بھیج دینے یا نان نفقہ دینے کے لئے خط بھیجا تھا۔ فی الحال شوہر عبدالرحمن پہاڑی باغیوں میں شامل ہو کر وہیں جنگلات کے اندر زندگی گزار رہا ہے، اور انہوں نے میری خبر پا کر مجھے نان نفقہ دینے کے بجائے مجھ سے روپے مانگا ہے جیسا کہ اس لیٹر سے جو کہ وہاں سے بھیجا ہے حضور والا کو پتہ لگ جائے گا۔ لہٰذا بندی کو خلاصی کی کوئی شرعی صورت بتائی جائے۔ میں تین چھوٹے چھوٹے بچوں سمیت بڑی مصیبت میں ہوں، نہ میں برما جا سکتی ہوں اور نہ شوہر یہاں آنے کو تیار ہے۔

جواب:- صورت مسئولہ میں مسماۃ گورا بائی کو حق ہے کہ وہ عدالت میں اپنے شوہر پر نان و نفقہ کا دعویٰ کرے، عدالت شوہر مذکور کو نفقہ ادا کرنے پر مجبور کرے، اگر وہ اطلاع کے باوجود حاضر نہ ہو یا نان و نفقہ ادا کرنے سے انکار کرے تو عدالت کو حق ہوگا کہ وہ مسماۃ گورا بائی سے شوہر مذکور کا نکاح فسخ کر دے، اگر عدالت اس طور پر مکمل تحقیق کر کے نکاح فسخ کرے گی تو گورا بائی تاریخ فسخ سے عدت کی مدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکے گی۔ (۲)

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۷/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲ ۸۲۱ ب)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(۱ و ۲) تفصیلی طریقہ کار اور حوالہ جات سابقہ ص ۴۶۱ کے فتویٰ اور اس کے حاشیہ نمبر میں ملاحظہ فرمائیں۔

عدمِ ادائیگیٔ نفقہ کو فسخِ نکاح کی بنیاد بنانے کا حکم

سوال: - ابھی میری عمر پانچ سال کی تھی کہ میرے والدین نے میری شادی ایک شخص مسمّی مظفر حسین شاہ ولد نادر شاہ سے کردی، جب چند سال بعد میں بالغہ ہوگئی تو میں نے اپنے خاوند کو نہیں پایا، دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ علاقہ پاکستان میں مزدوری کرکے پیٹ پالتا ہے، بعد میں چند دفعہ گھر بھی آیا تھا، میں نے اس کے ساتھ چلنے کا مطالبہ کیا، مگر وہ انکاری ہوگیا، اور کہا مجھے تمہاری ضرورت نہیں ہے۔ والد صاحب نے جرگہ پنچایت کو جمع کرکے اس سے کہا کہ یا تو بیوی کو ہمراہ لے جا، یا اپنے گھر چھوڑ جا، مگر وہ ایک بات ماننے کو تیار نہیں ہے۔ علیحدہ! میرا والد غریب سفید پوش آدمی ہے، آج تک انہوں نے میرا خرچہ برداشت کیا، اب اگر کوئی صورت ہو تو فرما کر ممنون فرمائیں۔ نیز وہ کہتا ہے کہ اگر ایک ہزار روپیہ دو گے تو طلاق مل جائے گی۔ مگر علیحدہ ایک ہزار روپیہ میں کہاں سے لاؤں؟ بہرصورت اگر اب بھی ہم آپس میں مل جائیں تو تعلقات کے بہتر ہونے کا خیال نہیں، ایسے شوہر پر کیا اعتبار؟ براہ کرم شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

جواب: - صورتِ مسئولہ میں آپ کو حق ہے کہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں نان ونفقہ نہ ہونے کی بناء پر فسخِ نکاح کا دعویٰ دائر کریں، عدالت شوہر کے نام نوٹس جاری کرے گی کہ یا تو بیوی کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ تمہارے نکاح کو فسخ کردیا جائے گا، اگر اس پر شوہر حقوق کی ادائیگی نہ کرے اور طلاق بھی نہ دے، تو عدالت شوہر کے قائم مقام ہوکر آپ کو طلاق دیدے گی، اس کے بعد عدت گزار کر کہیں اور نکاح کرسکیں گی۔[1]

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۲/۲۱ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۱۹/۲۷۵ الف)

بیوی کو جنوبی افریقہ چھوڑ کر خود مستقل پاکستان آنے والے سے بیوی کے فسخِ نکاح کا طریقہ

سوال: - میں ایک مسلمان عورت ہوں، ساکنہ جنوبی افریقہ، میرا خاوند آج سے ڈھائی سال کا عرصہ ہوا ہے کہ میرے اکلوتے لڑکے اسماعیل کو لے کر بغیر رخصت کے وطن ترک کرکے پاکستان میں مقیم ہے، روانگی کے وقت میرے خاوند نے رخصت تو درکنار مجھے اطلاع تک نہیں دی کہ وہ پاکستان

(۱) مکمل تفصیل اور حوالہ جات کے لئے ص ۴۶۰ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ا ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)

جاتے ہیں، نہ میری رہائش اور بود و باش کا انتظام کیا۔ جنوبی افریقہ میں ایک غیر مسلم حکومت ہے، مسلمان قاضی یا پنچ کے عہدے پر کوئی نہیں ہے، لہذا آپ کے شعبہ دارالافتاء سے متوجہ ہوں۔ میرے خاوند نے اپنے قیام کے دوران پاکستان میں عقد ثانی کیا ہے، مزید پاکستان سے جنوبی افریقہ آنے والے مسافروں کی زبانی میرے خاوند نے یہ پیغام مجھے بھیجا ہے کہ میں تمام عمر ان کو طلاق نہیں دوں گا، اور اپنے وطن پیدائش جنوبی افریقہ آنے کا ارادہ بھی ترک کردیا ہے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر مجھ مظلومہ کے لئے کوئی راستہ ہموار فرما کر کوئی فیصلہ صادر فرماویں۔

جواب:- صورت مسئولہ میں آپ جنوبی افریقہ میں علماء کی جماعت سے رجوع کریں، یہ جماعت کم از کم تین دیندار اور مستند علماء پر مشتمل ہونی چاہئے، علماء کی یہ جماعت معاملے کی خود براہ راست تحقیق کرے اور اگر یہ دعویٰ صحیح ثابت ہو کہ مرد باوجود وسعت کے خرچ نہیں دیتا تو یہ جماعت شوہر کے نام نوٹس جاری کرے کہ یا اپنی بیوی کے حقوق ادا کرو، ورنہ ہم نکاح ختم کردیں گے، اس کے بعد بھی اگر وہ کسی صورت پر عمل نہ کرے تو علماء کی یہ جماعت شوہر کے قائم مقام ہو کر طلاق واقع کردے۔ اس طلاق کی عدت (تین حیض) گزار کر آپ جہاں چاہیں نکاح کرسکیں گی۔[1] لیکن علماء کی جس جماعت کے پاس آپ اپنا مقدمہ لے جائیں اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ تمام متعلقہ مسائل سے باخبر ہونے کے لئے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتاب "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة" کا ص ۲۴ سے ص ۳۱ تک، اور ص ۶۳ سے ص ۶۴ تک غور سے مطالعہ کریں اور جس جگہ کوئی الجھن ہو، دوسرے علماء سے رجوع کریں۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۸/۲/۱۳۸۸ھ
(فتوی نمبر ۲۲۸/۱۹ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

شوہر کی ضربِ شدید اور ناقابلِ برداشت جسمانی اذیت کی بناء پر فسخِ نکاح کا حکم

سوال:- بخدمت جناب مفتی صاحب دارالعلوم کراچی

گزارش ہے کہ علمائے دین اس مسئلے میں کیا فرماتے ہیں جو یہ ہے کہ فسخ نکاح کا فیصلہ عدالت نے کیا ہے، اس مسئلے میں ہمیں اطمینان دلایا جائے، عین نوازش ہوگی۔ محمد عرفان ...
دارالعلوم کراچی

(۱) مزید تحقیق اور حوالہ جات کے لئے سابقہ ص ۴۶۱ کا فتوی اور اس کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔

جواب:- منسلکہ فیصلہ احقر نے پڑھا، اس فیصلے میں شوہر کے ضرب شدید اور ناقابل برداشت جسمانی اذیت رسانی کی بنیاد پر مسماۃ شمیم اختر کا نکاح محمد سرور سے فسخ کر دیا گیا، فسخ نکاح کا یہ مالکی مذہب کے مطابق درست ہے، اور فقہائے حنفیہ نے ضرورت کے موقع پر اس مسلک پر عمل کرنے کی اجازت دی ہے، لہٰذا عدالت کے فیصلے کے بعد مسماۃ شمیم اختر کا نکاح محمد سرور سے ختم ہو چکا ہے، اب وہ عدت پوری کرے، یعنی تین مرتبہ ایام ماہواری گزرنے کے بعد کہیں اور نکاح کر سکتی ہے۔

واللہ اعلم

۱۴۰۰/۱۱/۱۸ھ

(فتویٰ نمبر ۳۱/۱۴۹۵ د)

نان و نفقہ نہ دینے کی بناء پر فسخ نکاح کا حکم

سوال:- ممتاز بی بی کی گیارہ سال ہوگئے شادی ہو چکی ہے، ان گیارہ سالوں میں سے ایک سال بمشکل ممتاز بی بی نے سسرال میں گزارا ہوگا، بری طرح کی باتیں ہوئیں، ممتاز بی بی کے شوہر سے کئی بار اپیل کی گئی کہ یا تو طلاق دے دیں یا خرچ دے دیا کریں، یا آپ ہمارے پاس آکے رہا کریں یا آپ ہمیں لے جائیں، تاکہ کوئی فیصلہ ہو جائے، مگر سوائے پریشانی کے عبدالقیوم نے کوئی فیصلہ اس میں نہیں کیا، اور نہ وہ بیوی کو پاس بلاتا ہے اور نہ خرچ دیتا ہے، اس صورت میں شریعت کیا حکم دیتی ہے؟

جواب:- صورت مسئولہ میں ممتاز بی بی کو چاہئے کہ اپنے شوہر کو سمجھا بجھا کر طلاق حاصل کرلے، اگر وہ اس پر راضی نہ ہو تو خلع کر لیں، مثلاً اگر اپنا مہر معاف کر کے اس سے طلاق حاصل کرنے کی کوشش کرے، اگر وہ کسی طرح اس پر آمادہ نہ ہو تو کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں نان و نفقہ نہ دینے کی بنیاد پر دعویٰ دائر کیا جائے، عدالت شوہر کو مجبور کرے گی کہ یا طلاق دو یا نان و نفقہ ادا کرو، اور اگر شوہر ان میں سے کسی بات پر تیار نہ ہو تو شوہر کے قائم مقام کی حیثیت سے عدالت کو طلاق دینے کا اختیار ہوگا۔[2]

واللہ اعلم

۱۳۸۸/۲/۳ھ

زوجۂ متعنّت کا حکم

سوال:- میری شادی محمد سرور کے ساتھ ڈیڑھ سال قبل ہوئی تھی، اور اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی، جس کی عمر دس ماہ ہے، ڈیڑھ سال کا عرصہ محمد سرور کے ساتھ بڑی ہی تکلیف سے گزرا، مجھے

---

(۱) [illegible] نہیں تاہم فتویٰ سے عدالتی فیصلے کے مندرجات کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

(۲) تفصیلی طریقۂ کار اور حوالہ جات سابقہ ص ۴۶۱ کے فتویٰ اور اس کے حاشیہ نمبر ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اکثر مارپیٹ کر گھر سے نکال دیتا تھا، میں والدین کے گھر آجاتی، والدین مجھے روپے، کپڑے وغیرہ دے کر واپس بھیجتے، محمد سرور محنت مزدوری نہیں کرتا، وہ زیادہ تر رات کو کوٹھڑی میں تالا لگا کر چلا جاتا اور صبح آکر تالا کھول دیتا، نہ معلوم کہ رات بھر وہ کہاں رہتا، ایک دن یہ بول کر گھر سے نکال دیا کہ دو سو روپے لے کر آؤ ورنہ ذبح کر دوں گا۔ میرے والدین محنت مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتے ہیں، وہ کہاں تک دیتے رہتے، اب میرے لئے اس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ طلاق لے لوں، لہذا مجھے طلاق دلائی جائے۔ اگر وہ پریشان کرنے کے لئے طلاق نہ دے تو میں کیا عدالت سے اپنا نکاح فسخ کرا سکتی ہوں اور وہ شرعاً معتبر ہوگا؟

جواب – صورت مسئولہ میں پہلے تو اس بات کی کوشش کی جائے کہ شوہر کو خدا کا خوف دلا کر اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ از خود طلاق دیدے، لیکن اگر وہ اس پر آمادہ نہ ہو اور نفقہ وغیرہ بھی ادا نہ کرے تو پھر مسماۃ شمیم اختر کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں دعویٰ دائر کرکے پہلے یہ ثابت کرے کہ اس کا نکاح محمد سرور کے ساتھ ہوا تھا، اور یہ کہ وہ نان ونفقہ ادا نہیں کرتا، حاکم معاملات کی شرعی تحقیق کے بعد اگر یہ دیکھے کہ شوہر نہ نان ونفقہ دیتا ہے، اور نہ اس کا اطمینان دلاتا ہے، تو وہ نکاح فسخ کر سکتا ہے، اس طرح اگر اس نے نکاح فسخ کر دیا تو وہ شرعاً معتبر ہوگا۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۰/۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۳۳۰ /۲۷ د)

زوجۂ متعنّت کا حکم

سوال۔ – ایک عورت کا شوہر عرصہ بارہ چودہ سال سے چلا گیا ہے، وہ فوج میں ملازم اور کراچی میں رہتا ہے، اس درمیان میں ہر طرح کوشش کی گئی کہ وہ بیوی کو اپنے پاس رکھے یا طلاق دے لیکن وہ نہیں مانتا، کیا حکم شرعی ہے؟

جواب – صورت مسئولہ میں عورت کو چاہئے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں نان نفقہ نہ ہونے کی بنیاد پر شوہر کے خلاف تنسیخ نکاح کا دعویٰ دائر کرے، عدالت شوہر کو عدالت میں حاضر کر کے اسے نان ونفقہ اور حقوق کی ادائیگی پر مجبور کرے گی اور اگر وہ راضی نہ ہو یا عدالت میں حاضر نہ ہو تو اسے نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہوگا۔

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

واللہ اعلم بالصواب
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۱/۲/۳ھ
(فتویٰ نمبر ۲۲/۳۶۲ الف)

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۴۶۱ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ا۔

شوہر کے نامرد ہونے کی بناء پر فسخِ نکاح کی شرائط، نیز عدم ادائیگی نفقہ کی بناء پر فسخِ نکاح کا حکم

سوال: رائج الوقت ملکی قوانین میں عدم فراہمی نفقہ اور عدم ادائیگی حقوقِ زوجیت کی صورت میں عورت کو دو سال تک انتظار کرنے کے بعد تفریقِ نکاح کا حق پہنچتا ہے۔ شریعت میں کیا اس طرح کی تحدید ہے؟ اگر نہ ہو تو جرم کے تحقق کے لئے کچھ مدت کا گزرنا ضروری ہے، وہ مدت کتنی ہے؟

(مولانا قاضی) بشیر احمد
(قاضی عدالت باغ ضلع پونچھ، آزاد کشمیر)

جواب: جہاں تک عدم ادائیگی حقوقِ زوجیت کا تعلق ہے شرعاً یہ اس وقت فسخِ نکاح کا موجب ہو سکتی ہے جبکہ شوہر عنّین ہو، اور اس صورت میں عورت کو دعویٰ دائر کرنے کے لئے کسی انتظار کی ضرورت نہیں، البتہ شرط یہ ہے کہ عورت کو نکاح سے قبل شوہر کے عنّین ہونے کا علم نہ ہو، نکاح کے بعد ایک مرتبہ بھی شوہر نے وطی نہ کی ہو، عنّین ہونے کا علم ہونے کے بعد عورت نے شوہر کے نکاح میں رہنے پر ایک مرتبہ بھی رضامندی ظاہر نہ کی ہو، پس اس صورت میں جب قاضی کے پاس معاملہ پہنچے تو وہ شوہر کو ایک سال کی مہلت دے گا، اس ایک سال میں بھی وہ تندرست نہ ہو تو عورت کو فسخ کا اختیار دے گا، اگر وہ اسی مجلس میں تفریق کو اختیار کرے تو نکاح فسخ کر دے گا، عنّین ہونے کے بغیر اگر کوئی شخص حقوقِ زوجیت ادا نہ کرتا ہو تو یہ اس کے لئے گناہ تو ہے لیکن فسخِ نکاح کا سبب نہیں۔ لما فی الدر المختار لحصول حقہا بالوطء مرۃ وقال الشامی وما زاد علیہا فہو مستحق دیانۃ لا قضاء، بحر، عن جامع قاضی خان ویأثم اذا ترک الدیانۃ متعنتا مع القدرۃ علی الوطء باب العنین ج ۳ ص ۴۹۵)۔[1] اور عدم ادائیگی نفقہ کی بنیاد پر فسخِ نکاح کا جو حق عورت کو دیا گیا ہے، یہ مسئلہ مذہب مالکی سے ماخوذ ہے، اس میں دعویٰ کے لئے کوئی انتظار شرط نہیں، ہاں! یہ شرط ہے کہ شوہر خلع پر راضی نہ ہو، اور عورت کے خرچ کا کوئی دوسرا انتظام نہ ہو، ان شرائط کے تحقق کے بعد مذہب مالکی پر عمل کیا جائے گا، اور مذہب مالکی میں اس بنیاد پر فسخِ نکاح کے لئے کسی مدت کے انتظار اور مہلت کی باتفاق مالکیہ ضرورت نہیں (الحیلۃ الناجزۃ ص ۷۴)۔[2]

ھذا ما عندی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۹۷/۶/۱۷ھ
(فتویٰ نمبر ۶۱۸/۲۸ ب)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار باب العنین ج ۳ ص ۴۹۵ (طبع سعید)۔ [illegible] تفصیل کے لئے حیلہ ناجزہ ص ۳۳ تا ۳۹ ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) ص ۷۳، ۷۴ (طبع دار الاشاعت کراچی)۔

صرف مردانہ کمزوری کی بناء پر عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں

سوال - ایک لڑکی بالغہ نے ایک بالغ لڑکے سے نکاح کیا تھا، اس کے بعد لڑکی کہتی ہے کہ میرا شوہر طاقت مردانہ کے اعتبار سے کمزور ہے، میں اس شوہر کے ساتھ رضامند نہیں ہوں، اس سے میں نکاح کو فسخ کرنا چاہتی ہوں، اور لڑکا اقرار کرتا ہے کہ میں تندرست ہوں، اس کا کیا حکم ہے؟ لڑکا کہتا ہے کہ اگر طلاق ہو جائے تو مہر دینا پڑے گا یا نہیں؟

جواب - صرف مردانہ کمزوری سے عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہوتا، جب تک کہ مرد کا بالکل نامرد ہونا ثابت نہ ہو، لہٰذا اس صورت میں اس پر مکمل مہر واجب ہوگا، شوہر کے لئے یہ بھی جائز ہے کہ اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو طلاق دینے کے لئے مہر معاف کرنے کی شرط لگائے، اس صورت میں اگر عورت مہر معاف کردے تو مہر معاف ہو جائے گا۔

(نوٹ) مرد کو چاہئے کہ جب وہ طلاق دے تو طلاق کا لفظ صرف ایک مرتبہ کہے، اور ایک مرتبہ سے زیادہ طلاق نہ دے، تین طلاق دینا ناجائز ہے۔(۱)

واللہ اعلم

۱۳۸۸/۷/۴ھ

نامردی کے دعوے کو رد کرکے صرف ظلم کی بناء پر فسخ نکاح کے عدالتی فیصلے کی شرعی حیثیت

سوال - بیوی نے شوہر کے خلاف دو وجہ سے فسخ نکاح کا دعویٰ کیا، ایک نامردی، دوسرے ظلم کی بناء پر خلع بذریعہ عدالت، عدالت نے نامردی کے سبب کو رد کردیا، اور ظلم کی بناء پر خلع کے دعوے کو تسلیم کرکے نکاح فسخ کردیا، کیا نکاح فسخ ہوگیا؟

جواب - صورت مسئولہ میں لڑکی کے فسخ نکاح کی شرعی صورت صرف یہ تھی کہ شوہر کا نامرد ہونا ثابت ہو جاتا اور علاج کے باوجود اس کی اصلاح نہ ہوتی، لیکن منسلکہ فیصلے میں تصریح کی گئی ہے کہ عورت کا یہ الزام درست ثابت نہیں ہوا، اگر واقعہ یہی ہے تو عورت کو فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے، خلع کی جو بنیاد بیان کی گئی ہے وہ شرعاً درست نہیں، کیونکہ خلع کا معاملہ صرف زوجین کی باہمی رضامندی سے انجام پا سکتا ہے، اگر شوہر اس پر راضی نہ ہو تو اسے خلع پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، اب رہا جس ظلم کی بنیاد پر خلع کا دعویٰ کیا گیا ہے، اس ظلم کے ازالے پر بزور عدالت مجبور کیا جا سکتا ہے، لیکن حنفی فقہ کی رو سے محض ظلم کی بناء پر عدالت شوہر کو خلع پر مجبور کرنے کی مجاز نہیں ہے، قال الامام ابوبکر الجصاص رحمہ

---

(۱) تفصیل کے لئے پچھلا فتویٰ ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) حوالہ کے لئے ص ۳۲۰ اور ۳۲۳ کا حاشیہ نمبر ۱ و ۲ ملاحظہ فرمائیں۔

منه لو كان الخلع إلى السلطان شاء الزوجان أو أبيا إذا علم أنهما لا يقيمان حدود الله لم يسألهما النبي صلى الله عليه وسلم عن ذلك ولا خاطب الزوج بقوله اخلعها بل كان يخلعها منه ويرد عليه حديقته، وإن أبيا أو واحد منهما لما كانت فرقة المتلاعنين إلى الحاكم لم يقل للملاعن خل سبيلها بل فرق بينهما» (احكام القرآن للجصاص ج [illegible] ص ٢٢١)(١) وقال في العالمگيرية «وشرطه شرط الطلاق» (ج [illegible] ص ٤٨٨)(٢) وقال السرخسي «لأنه عقد يعتمد التراضي» (المبسوط ج ٦ ص ١٧٣)(٣) مذکورہ نصوص سے معلوم ہوا کہ صورت مسئولہ میں شرعی حیثیت سے خلع نہیں ہوا، اور عورت کو دوسری جگہ شادی کرنے کی شرعاً اجازت نہیں ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۰/۱۱/۱۹ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتوی نمبر ۲۱/۶۰۳ الف)

نان ونفقہ دینے سے انکار کی بناء پر فسخ نکاح کا حکم

سوال:- مسمی مختار بیگم کی شادی ایک آدمی کے ساتھ ہوئی تھی، خاندان کی مرضی نہیں تھی، لیکن مجبوری کی بناء پر نکاح کر دیا، اور اب تین سال کے بعد کسی وجہ سے لڑکا جو رہا ہے وہ تمام نان و نفقہ سے انکار کرتا ہے، اور یہ بھی کہہ رہا ہے کہ [illegible] تو شریعت میں ایسے آدمی کا کیا حکم ہے اور بیوی کے لئے کیا حکم ہے؟

جواب:- مذکورہ صورت میں مختار بیگم کو چاہئے کہ وہ کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں شوہر کی طرف سے نان ونفقہ نہ دینے کی بناء پر فسخ نکاح کا دعوی کرے۔ حاکم شرعی شرائط کے مطابق شوہر کو حاضر عدالت کرنے کے بعد مجبور کرے کہ وہ مختار بیگم کو نان ونفقہ دے اور اس کے ساتھ نیک سلوک کرے، بصورت دیگر اسے طلاق دے، اگر شوہر حاضر عدالت نہ ہو یا نان ونفقہ اور طلاق دونوں سے انکار کرے تو عدالت شوہر کی طرف سے طلاق دے سکتی ہے، اس کے بعد مختار بیگم تین مرتبہ ایام ماہواری بطور عدت گزار کر جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے۔(۳)

واللہ سبحانہ وتعالی اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۱/۲/۲۸ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

(فتوی نمبر ۲۲/۵۷۲ الف)

---

(۱) ج ۱ ص ۳۹۵ (طبع سہیل اکیڈمی لاہور)

(۲) عالمگیریۃ ج ۱ ص ۳۸۸ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)

(۳) (طبع دار المعرفہ بیروت)

(۳) [illegible]

﴿باب العدّة وأحكامها﴾

(عدّت اور اُس کے اَحکام)

تین طلاق کے بعد عدّت کی مدّت اور نفقہ و سکنیٰ کے اَحکام

سوال - میری بیوی سے رات کو تلخ کلامی ہوئی، اس کی وجہ یہ ہے کہ میری بیوی کو مجھ پر شک تھا کہ میں نے اپنی پڑوسن سے بات کی تھی، لیکن میں نے قسم کھاکر تسلی دے دی تھی، لیکن فجر کی نماز کے بعد دوبارہ پھر تلخ کلامی ہوئی اور میں نے انہیں گھر سے باہر نکال دیا، تو وہ اندر آگئی تو میں نے کہا ''تجھے طلاق ہے، طلاق ہے، طلاق ہے''، کیا اس سے طلاق ہوئی یا نہیں؟ نباہ کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟ نیز بیوی کو چھ سات مہینے کا حمل بھی ہے، اور اگر طلاق ہوگئی ہے تو عدّت اور نان و نفقہ کے بارے میں بھی ذکر کردیں، اور ساتھ رہ سکنے کے بارے میں بھی بتادیں۔

جواب - صورتِ مسئولہ میں آپ کی طرف سے آپ کی بیوی پر طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی ہے، اور اب وہ آپ کے لئے حرام ہوچکی ہے، نہ رجوع ہوسکتا ہے اور نہ حلالۂ شرعیہ کے بغیر دوبارہ نکاح ہوسکتا ہے،[1] اور طلاق حمل کی حالت میں بھی ہوجاتی ہے،[2] اب آپ کی بیوی کی عدّت بچے کی پیدائش پر ختم ہوگی،[3] اس دوران آپ پر ان کا نان و نفقہ اور رہائش کا انتظام واجب ہے،[4] وہ آپ کے گھر میں الگ کمرے میں پورے پردے کے اہتمام کے ساتھ رہیں،[5] میاں بیوی کی طرح آپس میں ملنا بالکل حرام ہے، بچے کی پیدائش کے بعد وہ جہاں چاہیں نکاح کرسکتی ہیں۔

واللہ تعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۳۹ ج)

---

(۱) حوالہ کے لئے سابقہ ص:۳۱۲ کا فتویٰ اور اس کے حواشی نمبر ۱ تا ۳ ملاحظہ فرمائیں۔
(۲) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۳۲۱ کا حاشیہ نمبر ۱ ملاحظہ فرمائیں۔
(۳) حوالہ کے لئے سابقہ ص ۳۱۱ کا حاشیہ نمبر ۲ ملاحظہ فرمائیں۔
(۴) وفي الهندية كتاب الطلاق باب النفقة ج ۲ ص ۵۵۳ (طبع شركت علمية ملتان) والمطلق الرجعي امرأته فلها النفقة والسكنى في عدتها رجعيًا كان أو بائنًا. وكذا في الشامية باب النفقة مطلب في نفقة المطلقة ج ۳ ص ۶۰۹ طبع سعيد. وكذا في الهداية كتاب الطلاق الفصل الثالث في نفقة المعتدة ج ۱ ص ۴۴۵ (طبع ماجدية كوئٹه)
(۵) حوالہ کے لئے سابقہ ص:۴۲۶ کا حاشیہ نمبر ۲ و ۳ اور اگلے صفحے کا حاشیہ نمبر ۳ ملاحظہ فرمائیں۔

خلوت کے بعد خلع کی صورت میں عدت واجب ہے

سوال - میری ایک عزیزہ کی شادی مئی ۱۹۷۴ء میں ہوئی، چند روزہ تعلقات کے بعد لڑکی اپنے بھائی کے گھر آ گئی، اب جبکہ عرصہ دو سال کا ہو گیا لڑکی نے اپنے شوہر کی شکل تک نہیں دیکھی، اور ماہ رواں کے شروع میں خلع لے لیا، اس کی عدت کے بارے میں کیا حکم ہے؟

جواب - اگر شوہر اور بیوی کے درمیان خلوت ہو چکی تھی تو صورت مسئولہ میں آپ کی اس عزیزہ پر عدت واجب ہے[۱] خواہ دو سال سے اس نے شوہر کی صورت نہ دیکھی ہو اور عدت تین ماہواریوں کی تکمیل ہے[۲] اس دوران اس کے لئے اپنے گھر سے باہر نکلنا بالکل جائز نہیں ہے[۳] اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ اس نے اپنے شوہر سے جو خلع کیا ہے وہ شوہر کی رضامندی سے کیا ہو، اگر کوئی اور صورت ہو تو سوال دوبارہ بھیج کر اس کا حکم معلوم کر لیا جائے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۰/۳/۹۶ھ
(فتویٰ نمبر ۳۱۱/۲۸ ب)

شوہر کے گھر عدت گزارنا ضروری ہے

سوال: - ایک خاتون پاکستان کوارٹرز میں رہتی تھیں، ان کے شوہر بیمار ہوئے، ہسپتال میں گئے وہاں انتقال ہو گیا، ان کے بھائی یعنی دیور بورہ پیر اپنے گھر متوفی کو لے آئے، یہیں سے تدفین کی، خاتون کو بھی یہیں عدت کرنے کو کہا، وہ بورہ پیر پر ہی عدت گزار رہی ہیں۔ پاکستان کوارٹرز یعنی ان کے گھر انڈیا سے مہمان آئے، بورہ پیر جانے سے یعنی دیور کے مکان پر کرایے کا اور خرچہ ہونے یہ دوسری پریشانیاں بھی ہیں، یہ مہمان خاتون کے بہن اور بھائی ہیں حقیقی ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ خاتون اپنے گھر میں منتقل ہو کر عدت کے باقی دن پورے کرے، بہن بھائی سب ایک جگہ جمع ہو جائیں۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

جواب: - صورت مسئولہ میں مرحوم کی بیوہ کو اپنے شوہر کے مکان (پاکستان کوارٹرز) ہی

---

(۱) وفی تنویر الأبصار مع الدر المختار ج ۳ ص ۵۰۴ (طبع سعید) وسبب وجوبها عقد النکاح المتأکد بالتسلیم وما جری مجراه) من موت أو خلوة أی صحیحة

(۲) وفی تنویر الأبصار مع الدر المختار ج ۳ ص ۵۰۴ و ۵۰۵ (طبع سعید) وهی فی حق حرة تحیض لطلاق بعد الدخول حقیقة أو حکمًا ثلاث حیض کوامل).

(۳) وفی الدر المختار کتاب الطلاق باب العدة فصل فی الحداد ج ۳ ص ۵۳۶ (طبع سعید) (وتعتدان) أی معتدة طلاق وموت فی بیت وجبت فیه ولا یخرجان منه إلا أن تخرج أو ینهدم المنزل أو تخاف انهدامه ... اھ

میں عدت گزارنی چاہئے تھی، تاہم مذکورہ اعذار کی بنا پر اب بھی وہ دوسرے مکان سے پاکستان کوارٹر اپنے مکان میں منتقل ہوسکتی ہے۔

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۱۶۵/۱۹ الف)

عدت کے دوران سودا سلف کے لئے باہر جانے کا حکم

سوال - ایک خاتون کے شوہر ۲۷ رشوال ۱۴۰۰ھ کو انتقال کر گئے ہیں، گھر میں کوئی مرد نہیں جو گھر کا سودا سلف اور دیگر بازار کے کام کر سکے، ان کا بازار جانا لازمی ہے، شام ۴ بجے سے صبح ۹ بجے تک گھر میں رہتی ہیں، باقی وقت میں وہ سودا سلف لا سکتی ہیں؟ ان کی عدت کب ختم ہوگی؟

جواب - صورت مسئولہ میں مذکورہ خاتون دن کے وقت یعنی طلوع آفتاب کے بعد سے مغرب سے قبل قبل سودا سلف لانے کے لئے گھر سے نکل سکتی ہیں، لیکن رات سے پہلے پہلے گھر واپس آنا ضروری ہے، اور رات گھر ہی میں گزارنی ضروری ہے۔(۲) اگر وہ حاملہ نہیں ہیں تو ان کی عدت چار مہینے دس دن ہیں۔(۳)

واللہ سبحانہ اعلم
[illegible]
(فتویٰ نمبر ۱۵۱/۳۲ ج)

عدت کے دوران گھر سے باہر نکلنے کی ممانعت رسم نہیں، بلکہ شرعی حکم ہے

سوال - ایک صاحب کا انتقال ہو گیا، ان کی بیوہ جن کی عمر ۵۰ سال ہے، عدت گزار رہی تھیں کہ کراچی سے بیوہ کو اپنے بھائی کی علالت اور حالت زیادہ خراب ہونے کی اطلاع ملی، چنانچہ بیوہ نے محلے کی مسجد کے امام صاحب سے اس معاملے میں فتویٰ مانگا تو انہوں نے کہا کہ عدت ایک رسم ہے جس کی مدت ۴ ماہ ۱۰ دن مقرر کی گئی ہے، تاکہ مرنے والے سے حمل وغیرہ ہو تو اس عرصے میں ظاہر

---

(۱) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۵۳۶ (طبع سعید) وتعتدان، أي معتدة طلاق وموت في بيت وجبت فيه ولا يخرجان منه، إلا أن تخرج أو يتهدم المنزل أو تخاف انهدامه ... الخ
وفي الهندية ... كما إذا خافت على متاعها أو خافت سقوط المنزل أو كانت فيها بأجر ولا تجد ما تؤديه. وفي فتح القدير (قوله خافت على متاعها اللصوص) أي فإنها تخرج لأنه عذر (فتح القدير ج ۳ ص ۱۶۷).
(۲) في الدر المختار ج ۳ ص ۵۳۶ طبع سعید، ومعتدة موت تخرج في الجديدين وتبيت أكثر الليل في منزلها لأن نفقتها عليها فتحتاج للخروج حتى لو كان عندها كفايتها صارت كالمطلقة فلا يحل لها الخروج فتح. وجوز في القنية خروجها لإصلاح ما لا بد لها منه كزراعة ولا وكيل لها.
(۳) قال الله تعالى: وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا. (البقرة: ۲۳۴).

ہو جائے، اس کے علاوہ اور کوئی دینی اہمیت نہیں ہے، چونکہ بیوہ اس عمر سے تجاوز کر چکی ہیں اور حقیقی بھائی کا آخری دیدار بھی ضروری ہے، لہٰذا آپ کراچی جا سکتی ہیں۔ چنانچہ وہ محترمہ کراچی چلی گئیں، کچھ دنوں کے بعد بھائی کا انتقال ہو گیا، وہ ابھی تک کراچی ہی میں ہیں، اس کا شرعی حکم صادر فرمائیں۔

جواب۔ مذکورہ امام صاحب نے یہ بات صحیح نہیں کہی کہ "عدت وفات کا اصل مقصد صرف حمل کا معلوم کرنا ہے، نیز یہ کہ عدت کے دوران گھر سے نکلنے کی ممانعت کوئی شرعی حکم نہیں بلکہ محض رسم ہے" امام صاحب کی یہ دونوں باتیں نادرست ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ عدت کے دوران گھر سے نکلنے کی ممانعت ایک شرعی حکم ہے[۱] محض رسم کی بات نہیں، اور صورت مسئولہ میں مذکورہ خاتون کو چاہئے تھا کہ دن کے وقت اپنے بھائی کی عیادت کر آتیں اور رات شوہر کے گھر میں گزارتیں۔ بہرحال اب بھی ان پر واجب ہے کہ وہ فوراً واپس آ کر عدت کے باقی ایام شوہر کے گھر میں پورے کریں۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۶ھ
(فتویٰ نمبر ۹۱۵/۲۸ ج)

سابقہ بیوی کو پردے کے بغیر گھر پر رکھنے کا حکم

سوال۔ زید کی شادی اپنی چچازاد بہن سے ہوئی تھی، تقریباً دس سال سے کوئی اولاد نہیں ہوئی، بقضائے خدا اس کو آنتوں کا مرض ہوا، مرض شدت اختیار کر رہا تھا جس میں فوت ہونے کی زیادہ توقع تھی، عورت نے یہ کہا کہ میری زندگی کی امید نہیں ہے، اس لئے میری زندگی میں زید کی شادی میری چھوٹی بہن سے ہو جائے تو بہتر ہے۔ بہرحال والدین مریضہ و زید یہ طے ہوا کہ زید مریضہ کو طلاق دیدے، زید نے طلاق دے دی، اور دوسری بہن سے شادی ہوئی، قدرت الٰہی مریضہ قدرے صحت یاب ہو جاتی ہے، لیکن وہ دائم مریض ہے، اس صورت میں زید بحیثیت بہن اس کو گھر میں کیا بہن کر رکھ سکتا ہے؟

جواب۔ صورت مسئولہ میں زید کی سابقہ بیوی اب اس کے لئے اجنبی ہو چکی ہے، لہٰذا اسے پردے کے بغیر اپنے گھر رکھنا جائز نہیں[۲]، پردے کے ساتھ دوسری عورتوں کی طرح کبھی کبھی آ جائے تو مضائقہ نہیں، لیکن مستقل طور پر گھر میں رکھنا پردے کے ساتھ بھی مناسب نہیں ہے۔

واللہ اعلم بالصواب
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱۲/۱۰ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۴۴/۱۸ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

---

(۱) [illegible] دیکھئے [illegible] حاشیہ [illegible] ملاحظہ فرمائیں۔　(۲) دیکھئے [illegible] ۴۲۹ [illegible] ۳۶۴

فصل فی الحضانة والنسب
(بچوں کی پرورش اور نسب کے احکام)

سات ماہ بعد پیدا ہونے والی بچی کا نسب ثابت ہے

سوال:- عمر نے ایک عورت کی شادی ہوئی، تین چار ماہ کے اندر اس نے طلاق دے دی، تاریخ نکاح سے پورے سات ماہ بعد اس عورت مطلقہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی، اب یہ لڑکی اس عمر کی جائز اولاد ہے اور اس کی وارث ہوسکتی ہے؟

جواب:- صورت مسئولہ میں وہ لڑکی جو عمر سے نکاح کرنے کے سات ماہ بعد پیدا ہوئی تھی، اس کا نسب عمر سے ثابت ہے،[1] اور وہ عمر کی (بصورت عدم موانع ارث) جائز وارث ہے، کیونکہ وضع حمل کی کم سے کم مدت شرعاً چھ ماہ ہے، کما فی الهداية وأقل مدة الحمل ستة أشهر۔[2]

واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم واحکم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲۶-۱۰-۱۳۹۶ھ
(فتویٰ نمبر ۱۳۱۹/۱۸ الف)

نو سال کی عمر تک بچی کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے
بچی کے نامحرم سے ماں کی شادی کی صورت میں بچی کی پرورش کا حق نانی کو ملے گا

سوال:- میاں بیوی کے مابین ناچاقی کی وجہ سے مرد نے عورت کو طلاق دے دی، عورت مذکورہ کی اس مرد سے ایک بچی بھی موجود ہے، اب صورت مسئولہ یہ ہے کہ بچی کی کفالت کا حق یعنی

(۱) وفي الهندية كتاب الطلاق الباب الخامس عشر في ثبوت النسب ج ۱ ص ۵۳۶ طبع ماجدية وإذا تزوج الرجل امرأة فجاءت بالولد لأقل من ستة أشهر منذ تزوجها لم يثبت نسبه وإن جاءت به لستة أشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سكت. وفي الشامية ج ۳ ص ۵۴۹ طبع سعيد، (قوله و تولد به) أي إن جاءت به بعد النكاح لستة أشهر مختار ... لو لأقل من ستة أشهر من وقت النكاح لا يثبت النسب ولا يرث منه ... اهـ
(۲) هداية ج۲ ص: ۴۳۳ (طبع شركت علميه ملتان)

دودھ پلانے کا حق کس کو ہے؟

۲- اگر عورت نے دوسری جگہ شادی کر لی ہو تو حق حضانت نانی کو حاصل ہے یا نہیں؟ اگر حاصل ہے تو کتنے سال تک نانی کو حضانت کا حق حاصل ہے؟

۳- اگر عورت کی دوسری جگہ شادی کر دینے سے بعد حضانت کا حق نانی کو حاصل ہو تو نانی کی خوشی سے بچی کو دودھ پلانے کے لئے ماں کے پاس رکھ دے تو بچی کے باپ کو شرعاً روکنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ اگر حاصل ہے تو کتنے سال تک نانی کو حضانت کا حق ہے؟ ماں اپنی بچی کو دودھ پلانے کے سلسلے میں دوسرے شوہر کی اجازت سے مدت رضاعت کے اندر ماں سے بچی کو چھین لینے کا حق باپ کو شرعاً حاصل ہے کہ نہیں؟

جواب ۱- بچی جب تک بالغ نہ ہو جائے، اس کی پرورش کا حق اس کی ماں کو ہے،(۱) بشرطیکہ ماں نے کسی ایسے شخص سے نکاح نہ کیا ہو جو بچی کے لئے غیر محرم ہو۔(۲)

۲- اگر عورت نے بچی کے کسی نامحرم شخص سے نکاح کر لیا ہو تو پرورش کا حق نانی کو ملے گا،

---

(۱) وفی [illegible]

[illegible]

وتختلف فی حد الشهوة وفی الولواجیة ولیس لها حدّ مقدر لأنّه یختلف باختلاف حال المرأة .. [illegible]

[illegible] شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے امداد المفتین ص ۷۳۳ میں، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے امداد الاحکام ج ۲ ص ۸۷۷ میں، اور حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عزیز الفتاویٰ ص ۵۶۶ میں اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ لڑکی کے بالغ ہونے تک اس کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے۔ تفصیل کے لئے اکابر کی ان کتب فتاویٰ کی طرف رجوع فرمائیں۔ (محمد زبیر حق نواز)

(۲) وفی [illegible] الصغیر .. الخ

(۳) فی الهندیة [illegible] عنت .. الخ وفی تنویر الأبصار مع الدر المختار ج:۳ ص:۵۶۳،۵۶۲ (طبع سعید) (ثم) أی بعد الأم بأن ماتت او لم تقبل او اسقطت حقها أو تزوجت بأجنبی (أم الأم) وإن علت

اور وہ بھی بچی کے بالغ ہونے تک پرورش کرسکتی ہے۔

۳- ماں اگر نانی کے گھر میں جا کر وہاں رہنا چاہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، لیکن اگر بچی کو ماں نے مستقل طور سے شادی شدہ ماں کے پاس چھوڑ دیا ہو تو باپ کو حق حاصل ہے کہ وہ بچی کو خود اپنی تربیت میں لے لے۔ لما فی الدر المختار لو تزوجت الأمّ بآخر فأمسكته أمّ الأم فی بیت الرابّ فللأب أخذهُ. (شامی ج:۲ ص:۶۳۹)۔[1]

والله سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۹/۹ھ

(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۳۳ ج)

بچیوں کے بالغ ہونے تک اُن کی پرورش کا حق ماں کو حاصل ہے

سوال:- ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی، اور ماں سے اس کی بچیاں عرصہ ڈھائی سال تک زبردستی چھین رکھی ہیں، کیا ماں اپنی بچیوں کو واپس لے سکتی ہے؟ اور کیا ان بچیوں کا باپ خرچ دے گا جبکہ ایک بچی کی عمر ۵ سال اور دوسری کی عمر ۴ سال ہے؟ براہ کرم شرعی حکم سے آگاہ فرمائیں۔

جواب:- طلاق کے بعد بچیوں کی پرورش کا حق بچیوں کے بالغ ہونے تک بچیوں کی ماں کو ہے[2]، البتہ اگر ماں دُوسرا نکاح کرلے یا کوئی اور پرورش کے حق کے لئے مانع ہو تو بات دُوسری ہے[3]، اگر بچیوں کی ماں نے دُوسرا نکاح نہیں کیا، اور کوئی دوسرا مانع بھی موجود نہیں ہے، تو بچیوں کی کفالت چاہیں، وہی ان کی حق دار ہے، اور ان بچیوں کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے۔

والله اعلم

۹/۱۰/۱۴۰۹ھ

(فتویٰ نمبر ۴۰/۱۷۵۸ و)

نکاح کے سات ماہ بعد پیدا ہونے والی بچی ثابت النسب ہے

سوال:- زید کی شادی کے چار ماہ بعد زید کے گھر والوں کو اور زید کو یہ پتہ چلا کہ لڑکی حاملہ ہے، اور حمل کا پتہ چلتے ہی اب سسرال والوں نے میکے والوں سے اس حمل کے بارے میں ذکر کیا تو میکے والوں نے کہا کہ لڑکی کو حمل لڑکے ہی کی طرف سے ہے، اور شادی کے سات ماہ بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی، کیا یہ نکاح صحیح ہے یا نہیں؟ اگر صحیح نہیں ہے تو دوبارہ نکاح کی کیا صورت ہے؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں چونکہ بچی کی ولادت نکاح کے سات ماہ بعد ہوئی ہے، اس

---

(۱) ج:۳ ص ۵۶۵ (طبع سعید)

(۵) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۴۸۸ کا حاشیہ نمبر۱۔

ہے یہ بچی شرعاً زید ہی کی قرار دی جائے گی، اور اس بچی کا نسب زید ہی سے ثابت ہوگا، اور زید کا نکاح صحیح ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۹/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۹۰ /۲۹ ب)

اگر ماں بچے کی پرورش کا اپنا حق ساقط کردے تو اس کے بعد بھی وہ رجوع کرسکتی ہے

سوال - میرے بڑے بھائی جناب سید عمر نے اپنی بیوی مسماۃ حلیمہ خاتون کو طلاق دے دی، جس کو تقریباً دو سال ہوگئے، طلاق کے وقت ایک بچہ تھا جس کی عمر طلاق کے وقت تقریباً ڈیڑھ سال تھی، تو اس وقت یہ فیصلہ طے پایا کہ بچہ ماں کی پرورش میں ایک سال رہے گا اور پرورش کے خرچ چھ ماہ تک دس روپیہ لے گی، چھ ماہ کے بعد سے تیس روپیہ کے حساب سے لے گی۔ میرے بھائی اس حساب سے ادا کرتے رہے، جس کی رسید ہمارے پاس موجود ہے، مگر اب جبکہ ہم لوگ عیدالفطر پر بچے کو لینے گئے تو انہوں نے بچہ دینے سے انکار کردیا، تو کیا قانوناً بچہ اب تک ماں کے پاس رہ سکتا ہے؟

جواب - مذکورہ بچہ جب تک سات سال کی عمر کا نہ ہو اس کی پرورش کا حق ماں کو ہے،[۳] اور شروع میں جو ماں نے صرف ایک سال تک بچہ اپنے پاس رکھنے کا معاہدہ کیا تھا اس سے اس کا حق ساقط نہیں ہوا، بلکہ وہ اب بھی سات سال ختم ہونے تک بچے کو دینے سے انکار کرسکتی ہے، لما فی الدر المختار: ولو اسقطت الام حقها صارت کمیتة ... الخ وفی رد المحتار تحته: وسنذکر عن الرحمتی ان هذا الاسقاط لا یدوم، فلها الرجوع لانّ حقها یثبت شیئا فشیئا، فیسقط الکائن لا المستقبل. (شامی ج:۲ ص:۶۳۶)۔[۴]

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۱۰/۵ھ
(فتویٰ نمبر ۱۰۱۹/۲۸ ج)

متبنّیٰ (لے پالک) نسبی بیٹے کے حکم میں نہیں

سوال - مکرمی جناب مفتی صاحب مدظلہم العالی السلام علیکم مزاج گرامی

لے پالک لڑکے کا مسئلہ معلوم کرنے میں جناب کی طرف سے جواب موصول ہوا تھا، جس پر

(۱و۲) حوالہ کے لئے دیکھئے ص ۴۸۰ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۱و۲۔

(۳) وفی الدر المختار ج ۳ ص ۵۶۶ طبع سعید، والحاضنة اما او غیرها احق به ای بالغلام حتی یستغنی عن النساء وقدر بسبع وبه یفتی ... الخ

(۴) ج ۳ ص ۵۵۹ (طبع سعید)

نہ والد کا نام، نہ تاریخ تھی، مستفتی کو مشتبہ معلوم ہوا، وہیں ارسال خدمت ہے، گستاخی معاف ہو، جناب نے مشورہ دیا شادی کر دو، اول تو عمر کا تقاضا نہیں، نصف نصف کے قریب ہے۔ ۲- جس کو بیٹا بنا کر پالا، پرورش کی، یہ کیسے غیرت گوارا کرے گی کہ اسے شوہر بناؤں؟ ۳- کیا یہ گناہ ہے؟ یا تو کوئی حل نکالو جس سے گناہ نہ ہو، کیا ایسا عمل ہے کہ جو گناہ قابل معافی ہو، خداوند کریم غفور رحیم ہے، بڑے سے بڑے گناہ معاف کر دیتا ہے، وہ کر دے گا۔ ۵- ایک حل یہ سوچا ہے کہ میں اپنی ہمشیرہ کی دختر کے ساتھ شادی کر دوں لیکن جس میں ابھی ۲.۵ سال کا وقت درکار ہے، فریقین رضامند ہیں، پھر تو یہ میرے اور میری ہمشیرہ کا بیٹا ہونے کے ساتھ داماد ہوگا، اب بھی فتویٰ معلوم ہونے پر وہ کوئی پردہ نہیں کرتا ہے، نہ میری محبت اور خدمت اسے جدا کرنے کو تیار، نہ مجھے پردہ کرنے کی بیٹے کی طرف سے پروا، وہ میری ہمشیرہ کو خالہ، بھائیوں کو ماموں کہتا ہے، صرف والد صاحب واسطہ نہیں رکھتے نہ وہ نانا ہوتے ہیں، نہ وہ مجھے ملتے ہیں۔ سب یعنی لڑکا اور میں ایک جگہ میں رہتے ہیں، کوئی حل بتائیے، شب و روز کی یومیہ بازاری ضروریات گھریلو زندگی میں پیش آتی ہیں، کس طرح پوری کرائی جائیں؟ آج کل کے حالات میں وہ کسی کا نہیں کرتا ہے؟ والدین ضعیف ہیں، باہر جاتے نہیں، یہ لڑکا ہی کرتا ہے، آج کل کے نوکر چاکر مرضی کا کام نہیں کرتے، عقل حیران ہے کہ کس طرح زندگی گزرے گی؟ فتویٰ دیتے وقت میری مجبوری پر غور فرمائیے۔

جواب - مسئلے کا شرعی حکم تو وہی ہے جو سابق فتویٰ میں بیان کیا گیا، قرآن کریم نے بڑی تاکید اور صراحت کے ساتھ یہ حکم بیان فرمایا ہے کہ لے پالک بیٹا سگے بیٹے کے حکم میں ہرگز نہیں ہوسکتا،(۱) لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ دونوں پر ماں بیٹے کے شرعی احکام جاری نہیں ہوسکتے، البتہ حسن سلوک کے معاملے میں وہ آپ کے ساتھ ماں جیسا اور آپ اس کے ساتھ بیٹے جیسا معاملہ کریں تو اس میں کچھ حرج نہیں، جہاں تک پردے کا تعلق ہے، نامحرم ہونے کی بناء پر آپ پر اس سے پردہ واجب ہے، اور جو ضروریات آپ نے اس سے وابستہ قرار دی ہیں وہ پردے کے ساتھ بھی پوری ہوسکتی ہیں، آپ کے لئے شریعت کا حکم یہی ہے کہ اس کے ساتھ پردے سے رہیں اور لوگوں کے غلط عمل کی بناء پر شریعت کا حکم نہیں بدل سکتا، اور جب کبھی پردے کی خلاف ورزی ہو اس پر توبہ و استغفار کریں۔ یہاں یہ بھی واضح رہے کہ اگر آپ اپنی ہمشیرہ کی بیٹی سے اس کا نکاح کر دیں گے تب بھی وہ غیر محرم ہوگا، البتہ اگر آپ کی کوئی رضاعی بیٹی ہو تو اس سے نکاح کرنے پر وہ آپ کا محرم بن سکے گا۔ واللہ اعلم

۱۴۰۰/۴/۷ھ

(فتویٰ نمبر ۳۱/۴۹۰ ب)

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ "اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآىِٕهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ" سورۃ الاحزاب.۵.

نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والا ثابت النسب ہوگا

سوال – میری شادی کو سات ماہ ہوئے تھے تو لڑکی پیدا ہوئی، لڑکی سات ماہ کی نہیں تھی پورے نو ماہ کی تھی، کیونکہ اس کے سر کے بال بڑے تھے، ناخن بھی بڑے تھے، لیڈی ڈاکٹر نے کہا ہے کہ لڑکی میری نہیں ہے، میری بیوی کے پیٹ میں پہلے ہی سے بچہ تھا، لڑکی کے والدین کو یہ واقعہ بتادیا وہ اپنی لڑکی کو اپنے گھر لے گئے اور ہم نے گھر سے نکال دیا، تقریباً گیارہ مہینے ہوتے ہیں، کیا میں اس عورت کو اپنے گھر میں رکھ سکتا ہوں؟

جواب – شرعاً اگر نکاح کے بعد چھ مہینے کے اندر بچہ پیدا ہو تو وہ شوہر ہی کا قرار دیا جاتا ہے، اور جب تک آپ کے پاس عورت کے زنا کرنے کا شرعی ثبوت مہیا نہیں ہوتا، صورت مسئولہ میں جو بچہ نکاح کے سات ماہ بعد پیدا ہوا وہ شرعاً آپ ہی کا سمجھا جائے گا، (۲) آپ اپنی بیوی کو دوبارہ گھر میں آباد کر سکتے ہیں، بلکہ یہی کرنا چاہئے۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۸/۹/۱۳۹۶ھ

(فتویٰ نمبر ۲۲/۷۹۰ ب)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

نکاح کے تین ماہ بعد پیدا ہونے والے بچے کے نسب کا حکم

سوال – جو بچہ نکاح کے تین ماہ بعد پیدا ہوا تو وہ جائز ہے یا اس کا نسب ثابت ہوگا؟

جواب – صورت مسئولہ میں بچے کا نسب اس شوہر سے ثابت نہیں ہوگا جس سے والدہ کا صرف تین ماہ قبل نکاح ہوا ہے۔ (۳)

واللہ اعلم

۱۴۰۱/۱۱/۱۵ھ

(فتویٰ نمبر ۳۲۱/۳۳ ب)

طلاق کے بغیر دوسری جگہ نکاح کی صورت میں اولاد کے نسب کا حکم

سوال – ایک شادی شدہ لڑکی اپنے خاوند کو چھوڑ کر دوسرے شخص کے ساتھ چلی گئی اور ا

---

(۳) وفی ... ج ۳ ص ۹۹ ... [illegible] ... لاقل من ستة اشهر ... [illegible] ... ثبت نسبه ... [illegible]

وکذا فی البحر الرائق ج۴ ص۱۵۵، وفتح القدیر ج۳ ص۱۸۰

شخص مرزائی ہے، پہلے خاوند نے طلاق بھی نہیں دی، پہلے سے کوئی اولاد نہیں، اب اس کے اولاد بھی ہے، وہ اولاد حلال کی ہوگی یا حرامی؟ مثلاً اگر وہ مسلمان ہو جائے تو پھر اس کا نکاح درست ہو سکتا ہے اگر پہلے خاوند نے طلاق بھی نہیں دی۔

جواب - صورت مسئولہ میں اس شادی شدہ عورت نے سخت گناہ کا ارتکاب کیا ہے، اس پر واجب ہے کہ فوراً اپنے شوہر کے پاس آ جائے، البتہ جو بچے پیدا ہوئے ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے اصل شوہر کے نکاح میں ہے اس وقت تک وہ بچے اس کے شوہر ہی کے سمجھے جائیں گے[۱]، ہاں اگر شوہر ان بچوں کو اپنی طرف منسوب کرنے سے انکار کرے تو عدالت میں جا کر انکار کر دے، جس پر لعان ہوگا، اور یا تو عورت کو زنا کی سزا دی جائے گی یا دونوں کے درمیان عدالت کی طرف سے نکاح فسخ کر دیا جائے گا، اور بچے شوہر کے بجائے اپنی ماں کی طرف منسوب ہوں گے۔ واللہ سبحانہ اعلم

۱۴۰۱/۱۰/۲۸ھ

(فتویٰ نمبر ۳۲/۱۶۳۶ ج)

---

۲ وفي البحر الرائق کتاب الطلاق باب ثبوت النسب ... ج ۴ ص ۱۶۲ ... [illegible]

فصل فی نفقة الزّوجة والأولاد والآباء والأمّهات وسكناهم

(زوجہ، اولاد اور والدین کے نفقہ اور سکنیٰ کے احکام)

بیوی کے لئے الگ مکان کے انتظام کا حکم

سوال: زید شادی شدہ ہے اور ایک مقامی کالج میں لیکچرر ہے، اور تبلیغی جماعت سے وابستہ ہے، عرصے تک اپنی بیوی کو ساتھ نہیں لے جاتا، وہ بھی میکے میں ہوتی ہے، اور کبھی سسرال میں، جب زید سے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے والدین کی خدمت کے لئے چھوڑی ہے، جبکہ والدین کی خدمت کے لئے گھر میں اور لوگ بھی ہیں، اور کہتا ہے کہ اگر بیوی ساتھ لے جاؤں تو پھر تبلیغی کام نہیں ہو سکتا، دھیان بیوی کی طرف ہوگا، مجھے اس چیز کی ضرورت نہیں ہے، مجھے خداوند کریم کی ضرورت ہے۔ کیا اس کو مکان الگ کرنا ضروری نہیں جبکہ دوسرے رشتہ دار بھی اس بات پر ناراض ہیں، جب کالج سے موسمی چھٹیاں ہو جاتی ہیں تو تبلیغی پروگرام میں چلے کاٹنا چاہتا ہے، زید کے سسرال والے تنگ آ جاتے ہیں، ان دنوں میں بھی بیوی کے حقوق نہیں ادا کرتا، جب گھر آتا ہے تو پھر یا تو مسجد میں سو جاتا ہے یا مکان سے الگ ایک بیٹھک میں سوتا ہے۔

جواب: زید کے اوپر واجب ہے کہ وہ اپنی بیوی کے نان، نفقہ اور رہائش کا اس طرح انتظام کرے کہ وہ کسی کی محتاج نہ رہے، اور رہائش کے لئے ایک مستقل کمرہ جو اس کا خاص ہو اور بیت الخلاء ہونا ضروری ہے جس میں کسی دوسرے کا اشتراک نہ ہو، اس کے علاوہ اس کے اوپر یہ بھی واجب ہے کہ وہ اس کے جملہ حقوق زوجیت ادا کرے، اس کی دل داری کرے، اگر ان حقوق کی ادائیگی کے ساتھ وہ تبلیغ کے لئے جائے تو اس کے لئے جائز اور ثواب ہے، لیکن ان حقوق میں کوتاہی کر کے تبلیغ کے لئے جانا شرعاً جائز نہیں۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۲/۱ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی

( ) وفي الهداية ج ٢ ص ٤٤٠ (طبع سعيد) وعلى الزوج أن يسكنها في دار مفردة ليس فيها أحد من أهله إلا أن تختار ذلك. وفي الدر المختار ج ٣ ص ٥٩٩ وكذا تجب لها السكنى في بيت خالٍ عن أهله ... الخ
وفي [illegible] ج ص ٩٣ [illegible]
يشترك غيرها لأنها تتضرر به ... الخ. وكذا في الهندية ج ص:٥٥٦ (طبع رشيديه كوئٹه)

ماں کے پاس پرورش کے دوران بچوں کا نفقہ باپ پر ہوگا

سوال:- مسلم قوانین میں کہا گیا ہے کہ نابالغ کا خرچہ اور پرورش باپ کا رہے گا اور بچہ ماں کی پاس رہے گی، اگر لڑکا ہے تو سات برس تک، اور لڑکی ہے تو بلوغت تک، خرچہ اور پرورش کے کیا معنی ہیں؟

جواب:- مطلب یہ ہے کہ نان و نفقہ کی ذمہ داری باپ پر ہوگی، اور اس کی تربیت کی پرورش میں بھی باپ کی رائے معتبر ہوگی بشرطیکہ وہ خلاف شرع نہ ہو، لیکن بچے تحویل میں ماں کی رہے گا، وہ اس کو پالے گی۔[۲]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲/۹/۱۳۹۶ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۷۵/ ۲۹ ب)

تنگ دست فاسقہ ماں کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے

سوال:- ایک عورت زنا کا ارتکاب کرتی ہے، وہ اپنے بیٹے کے حسن طریقے سے سمجھانے سے بھی اس فعل بد سے اجتناب نہیں کرتی، بیٹا اور ماں بیٹے میں اس بات پر تنازعہ ہو گیا، اتنے میں ایک بزرگ تشریف لائے اور انہوں نے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ماں اگر کنجری بھی ہو تو بیٹے کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس کی بے عزتی کرے، اتفاق سے اس وقت میں بھی وہاں چلا گیا۔ (پنجاب میں "کنجری" اس عورت کو کہتے ہیں جو حکومت سے لائسنس لے کر پیشہ کرے)۔ لیکن مجھے اس بزرگ کی باتوں سے اتفاق نہیں تھا، میں نے ایک عالم سے رجوع کیا، وہ فرمانے لگے کہ بیٹے کو چاہئے کہ ماں کو احسن طریقے سے سمجھائے، اگر نہ سمجھے تو اس کا مقاطعہ کرے، یعنی قطع تعلق کرے، مقاطعہ کی دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ بیٹا ماں کو نکال دے یا خود نکل جائے، اور ماں نکالی جائے تو بیٹے کی بدنامی ہوگی، اگر گھر میں رہ کر وہ بدکاری کرتی رہے تو بیٹا بھی گنہگار ہوگا، ایسی حالت میں بیٹے کو کیا کرنا چاہئے؟ تاکہ برائی ختم ہو جائے اور بیٹا خدا کے نزدیک بھی مجرم قرار نہ دیا جائے۔

جواب:- ماں اگر تنگ دست ہے تو اس کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے، خواہ وہ کتنی ہی بدعمل ہو

---

(۱) وفی الہندیۃ کتاب الطلاق باب النفقۃ ج ۱ ص ۵۶۰ طبع مکتبہ رشیدیہ: نفقة الأولاد الصغار على الأب لا يشاركه فيها أحد كما لا يشاركه في نفقة الزوجة ... وعلى ... هو ...
وفي البحر الرائق باب النفقة ج ۴ ص ۲۰۱ طبع سعید: وتجب النفقة بانواعها على الحر لطفله الفقير الحر
وفي الشامية أي ان لم يبلغ حد الكسب

(۲) وفي الدر المختار مع رد المحتار كتاب الطلاق باب الحضانة ج ۳ ص ۵۵۵ طبع سعید: الحضانة ... للأم ...
وفيه أيضا ج ۳ ص ۵۶۶ طبع سعید: والحاضنة ... احق به اي بالغلام حتى يستغني عن النساء
وقدر بسبع ... والأم والجدة ... احق بها بالصغيرة حتى تحيض اي تبلغ في ظاهر الرواية ...

[illegible] تو ایک معین [illegible] تب بھی اس کا نفقہ بیٹے پر واجب ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نرمی سے پیش آنا فرض ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے "وان جاهداك على ان تشرك بي ما ليس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما في الدنيا معروفا"[1] [illegible] تب بھی ان کی اطاعت تو نہ کرو لیکن دنیوی زندگی میں ان کے ساتھ نیکی سے پیش آؤ، [illegible] صحیح بخاری کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت [illegible] کو [illegible] ماں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا[2] اور فقہائے کرام نے [illegible] ونفقة الاصول والفروع لحرمة جزء المرء في معنى نفسه فكما لا تمتنع نفقة نفسه بكفره لا تمتنع نفقة جزئه (شامی ج ۳ ص ۶۲۱)[3] اور تفسیر مظہری میں ہے تحت هذه الآية وهي الآية مذكورة الاتفاق على الأبوين الكافرين وصلتهما وان كانا كافرين (مظہری ج ۷ ص ۲۵۲)[4] اور جب [illegible] نفقہ واجب ہے تو محض [illegible] سے ساقط نہیں ہوگا۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں بیٹے پر واجب ہے کہ اپنی ماں کو نفقہ دیتا رہے، [illegible] گھر میں بند کردے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۲/۱۱ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱۶/۲۸ الف)

۱- شوہر کی اجازت کے بغیر بیوی کا گھر سے باہر جانا
۲- بیوی اپنے لئے الگ گھر کا مطالبہ کرسکتی ہے
۳- میکے میں رہنے کی صورت میں شوہر پر نفقہ اور زچگی کے اخراجات لازم نہیں

سوال ۱- کیا بیوی اپنے شوہر کی مرضی کے بغیر گھر سے باہر جا سکتی ہے؟ ایک خاتون

---

(۱) سورۃ لقمان ۱۵

(۲) وفي صحيح البخاري باب صلة المرأة أمها ولها زوج ج ۲ ص ۸۸۴ طبع سعيد عن اسماء قالت قدمت أمي وهي مشركة في عهد قريش ومدتهم اذ عاهدوا النبي صلى الله عليه وسلم مع ابيها فاستفتيت النبي صلى الله عليه وسلم فقالت: ان أمي قدمت وهي راغبة، قال: نعم صلي أمك

(۳) ج ۳ ص ۶۲۱ (طبع سعيد) (۴) (طبع بلوچستان بک ڈپو)

(۵) وفي [illegible] طبع سعيد [illegible]

صفیہ سلطانہ شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے میکے چلی گئی ہے، کیا اس کے لئے یہ جائز ہے؟

۲- صفیہ سلطانہ عرف شاہینہ مذکورہ اور شاء الرحمن کی شادی فریقین کی رضامندی اور ادائیگی سے ہر دو جانب کے مابین طے ہو کر قرار پائی تھی، اب مسماۃ مذکورہ کہتی ہے کہ مجھے شوہر کی شکل اچھی نہیں لگتی، اور شوہر کے ساتھ اس شرط کے ساتھ رہنے کو تیار ہے جبکہ ڈرگ کالونی میں کرایہ کا مکان لے کر دیا جائے، ورنہ ساس وسسر کے ساتھ رہنے کو تیار نہیں ہے، بلکہ شوہر نے اپنے والدین سے علیحدہ رکھا ہوا ہے، پھر بھی یہاں رہنا نہیں چاہتی۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

۳- صفیہ سلطانہ عرف شاہینہ حاملہ تھی، اور یہاں سے جانے کے پندرہ روز کے بعد وضع حمل کے مراحل سے دوچار ہوئی، حالانکہ صفیہ کے شوہر شاء الرحمن نے ان مراحل سے گزرنے کے لئے (یعنی زچگی کے لئے) تین چار اچھے اسپتالوں میں انتظام کر رکھا تھا، لیکن شاہینہ مذکورہ کے والدین نے زبردستی اسے روکے رکھا اور کسی معمولی زچہ خانے میں داخل کرا دیا، اس صورت میں شوہر بیوی کی کفالت کا ذمہ دار ہوگا یا نہیں؟

جواب ۱- شوہر کی اجازت یا مرضی کے بغیر اس کے گھر سے جانا بیوی کے لئے سخت گناہ کی بات ہے،(۱) صورت مسئولہ میں صفیہ سلطانہ پر واجب ہے کہ وہ فوراً شوہر کے گھر آجائے اور اپنے سابقہ عمل پر اللہ سے توبہ واستغفار کرے اور شوہر سے معذرت کرے۔(۲)

۲- بیوی کو حق ہے کہ وہ اپنے لئے ایسے گھر کا مطالبہ کرے جس میں ساس، سسر کا کوئی عمل دخل نہ ہو، لہٰذا صفیہ سلطانہ کا مطالبہ اگر اسی قدر ہے تو بجا ہے اور اس کا پورا کرنا شوہر کے ذمے ضروری ہے، لیکن کسی خاص جگہ کی تعیین کا بیوی کو حق نہیں کہ مثلاً ڈرگ کالونی میں ہی رہوں گی، یہ شرط لگانا بیوی کے لئے ناجائز ہے اور اس کی پابندی بھی شوہر پر واجب نہیں بلکہ علیحدہ مکان کا جہاں بھی شوہر انتظام کردے بیوی کے حق کی ادائیگی ہوجاتی ہے، لما في الدر المختار: وبيت منفرد من دار له غلق كفاها.(۳) وفي البحر عن الخانية بشرط أن لا يكون في الدار أحد من أحماء الزوج يؤذيها. وقال الشاميؒ: فينبغي الافتاء بلزوم دار من بابها ... فعلى المفتي أن ينظر إلى حال أهل زمانه الخ. (شامی ج:۳ ص:۶۰۲)۔(۴)

(۱، ۲) وفي جامع الترمذي باب ما جاء في حق الزوج على المرأة ج: ۱ ص: ۲۱۹ طبع سعيد عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: لو كنت آمرا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها.

وفي الدر المختار كتاب النكاح، باب القسم ج: ۳ ص: ۲۰۸، طبع سعيد: وحقه عليها أن تطيعه في كل مباح يأمرها به.

(۳) الدرّ المختار ج:۳ ص:۶۰۰، ۶۰۱ (طبع سعيد)

(۴) رد المحتار ج: ۳ ص: ۶۰۱، ۶۰۲، طبع سعيد. وفي الهداية كتاب الطلاق باب النفقة ج: ۲ ص: ۴۴۳، طبع سعيد: وعلى الزوج أن يسكنها في دار مفردة ليس فيها أحد من أهله إلا أن تختار ذلك.

۳- صورتِ مسئولہ میں زچگی کا خرچہ شوہر پر واجب نہیں ہے، اور جب تک بیوی شوہر کی اجازت کے بغیر اپنے میکے میں رہے گی اس کا نفقہ بھی شوہر پر واجب نہ ہوگا، اجرة القابلة علی من استأجرها من زوجة وزوج، ولو جاءت بلا استئجار قیل علیہ وقیل علیها (شامی ج ۲ ص ۶۴۹)۔ (۱)

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳۹۷/۹/۶ھ

بیوی کا علاج شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں؟

سوال:- بہشتی زیور میں اور دیگر کتب حنفیہ میں زوجہ کے نان ونفقہ وکسوہ وغیرہ کو مرد کے ذمے واجب لکھا ہے، ساتھ ہی یہ لکھا ہے کہ زوجہ بیمار ہو جائے تو اس کے علاج معالجے کا خرچ شرعاً شوہر پر واجب نہیں بلکہ اپنے پاس سے کرے، ہاں اگر شوہر تبرعاً علاج کرا دے تو وہ اس کا احسان ہے۔

صاحب! سبق پڑھتے وقت یہ خیال پیدا ہوتا تھا کہ بیماری انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے، بعض دفعہ علاج کی فیس، ڈاکٹروں اور دواؤں پر ہزاروں روپے لگ جاتے ہیں، تو بیچاری بیوی کہاں سے خرچ کرے گی؟ اس کا کیا حل ہے؟

جواب:- اس مسئلے میں احقر کو بھی مدت سے تردد ہے، ایک مرتبہ اس مسئلے پر دوسرے فقہاء کی کتابوں کی بھی مراجعت کا اتفاق ہوا، اور یہ عجیب بات نظر آئی کہ سب نے یہی صورتِ حال بیان کی ہے، یعنی علاج کے خرچ کو نفقہ کا حصہ قرار نہیں دیا گیا، لیکن تلاش کے باوجود قرآن وسنت کی کوئی ایسی نص بھی نہیں ملی جس میں یہ صراحت ہو کہ علاج کا خرچہ شوہر پر واجب نہیں، اس لئے احقر کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں نفقے کے ساتھ "بالمعروف" کی قید لگائی گئی ہے، جس کا حاصل یہ معلوم ہوتا ہے کہ نفقہ کا تعین عرف پر مبنی ہے، پچھلے دور میں چونکہ علاج کا خرچہ کچھ زیادہ لمبا چوڑا نہیں ہوتا تھا اس لئے شاید عرف یہ تھا کہ وہ نفقہ میں شامل نہیں، اگر یہ بات درست ہو تو عرف کی تبدیلی سے حکم بدل جانا چاہئے، اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دور میں عرفاً علاج، نفقہ کا حصہ ہے، یوں بھی عقلاً یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر شوہر پر علاج کا خرچہ واجب نہ ہو تو بیماری کی صورت میں عورت کیا کرے؟ جبکہ موجودہ دور میں علاج کا خرچہ اتنا ہوتا ہے کہ ایک ایسی بیوی جس کا کوئی ذریعہ روزگار نہ ہو اس کا تحمل نہیں کر سکتی۔ لیکن یہ ساری باتیں ابھی تک سوچ بچار کی حیثیت میں ہیں، چونکہ کہیں منقول نہیں

---

(۱) الدر المختار ج ۳ ص ۵۷۹، ۵۸۰ (طبع سعید)

(۲) وفی الشامیة کتاب الطلاق باب النفقة ج ۳ ص ۵۷۵ طبع سعید: کما لا یلزمه مداواتها ای اتیانه لها بدواء المرض ولا اجرة الطبیب ولا الفصد ولا الحجامة

دیکھیں، اور نہ دوسرے اہلِ علم سے اس پر مشورہ ہوا، اس لئے احقر کو اس پر جزم نہیں ہے، بہتر ہوگا کہ آپ سوال مندرجہ ذیل حضرات کو بھی بھیج دیں:-

۱:- حضرت مفتی رشید احمد صاحب، دارالافتاء والارشاد ناظم آباد نمبر ۴، کراچی۔

۲:- مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی صاحب، دارالعلوم حقانیہ، ساہیوال ضلع سرگودھا۔

۳:- مفتی عبدالستار صاحب، جامعہ خیر المدارس، ملتان۔

۴:- مولانا مفتی عبدالواحد صاحب، جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور۔

۵:- مولانا مفتی عبدالقادر صاحب، دارالعلوم کبیر والا، ضلع ملتان۔

احقر نے اُوپر اپنی جو سرسری سوچ لکھی ہے، اگر وہ بھی احقر کے بعینہ الفاظ میں ان کو بھیج دیں تو بہتر ہے، ان حضرات کے جو جوابات موصول ہوں ان سے براہِ کرم احقر کو بھی مطلع فرمائیں۔ والسلام۔

(حضرت مولانا) محمد تقی عثمانی (مدظلہم)

بقلم محمد عبداللہ میمن

(فتویٰ نمبر ۸۵/۴۵)

﴿کتاب الأیمان والنذور﴾

(قسم، منّت اور نذر کے احکام)

قسم کا کفارہ اور کسی گناہ پر قسم کھانے کی صورت میں اس گناہ کو ترک کرنا واجب ہے

سوال – چار سال پہلے ایک کام کرنے کا ارادہ کیا، اس سلسلے میں قرآن پاک پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی تھی اور پھر میں نے یہ عہد توڑ دیا، آپ نے فتویٰ میں غریبوں کو کھانا کھلانے کے متعلق لکھا تھا، جن کی تعداد مجھے یاد نہیں، براہ کرم تعداد بتادیں۔

جواب – قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے، یا دس مسکینوں کو کپڑے دیئے جائیں، اور اس کی استطاعت نہ ہو تو تین روزے رکھے جائیں۔ آپ نے اگر قسم توڑنے کے بعد دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا تو کفارہ ادا ہوگیا،[۲] توبہ و استغفار بھی کرلیں، توبہ اگر سچے دل سے کی جائے تو اللہ تعالیٰ بڑے سے بڑے گناہ کو معاف فرمادیتے ہیں، ان شاء اللہ یہ گناہ معاف ہوجائے گا، بشرطیکہ جس کام کے کرنے کی آپ نے قسم کھائی تھی وہ مباح کام ہو، اور اگر وہ کام خود گناہ ہو تو اس کا ترک کرنا واجب ہے،[۳] اور مذکورہ کفارہ اس کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۶/۱۰/۲۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۷/۲۴۴۳ د)

کسی سے ناجائز امر پر قسم کے لئے دباؤ ڈالنے اور لفظ "اللہ" سے قسم منعقد ہونے کا حکم

سوال: کسی شخص کی ساس اور سالے نے خسر کی موجودگی میں اس کی بیوی کی رخصتی کے زمانے میں زبردستی داماد سے ہاتھ پر قرآن رکھ کر یہ عہد لیا کہ "اللہ سے عہد کرو کہ ہماری بہن کی اولاد نہ ہونے تک یہ چوری چھپے رہیں گے اور اپنے دل میں بیوی سے قربت جائز رہے گی"، آیا طلاق

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ ... الآية (المائدة ۸۹)

وفي الدر المختار، كتاب الأيمان ج ۳ ص ۷۲۵ تا ۷۲۶، طبع سعيد: وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين أو كسوتهم بما يصلح للأوساط ... وإن عجز عنها كلها وقت الأداء صام ثلثة أيام ولاء

(۲) وفي الدر المختار ج ۳ ص ۷۲۷ طبع سعيد: ولم يجز التكفير ولو بالمال قبل حنث خلافاً للشافعي في حنث ... الخ
وفي الشامية تحته لأن الحنث هو السبب كما مرّ فلا يجوز إلا بعد وجوده ... الخ

(۳) وفي تنوير الأبصار ج ۳ ص ۷۲۸ (طبع سعيد) ومن حلف على معصية كعدم الكلام مع أبويه أو قتل فلان اليوم وجب الحنث والتكفير

ہوئی، اس کا زور اس بات پر تھا کہ داماد اس بندی سے [illegible] جس کی وجہ سے سخت مخالفت کی اور اس سے انکار کر دیا، اس وجہ سے یہ عہد زبردستی لیا گیا۔

جواب: مذکورہ عہد کرنا جائز نہیں تھا، کیونکہ بیوی سے رشتہ داروں سے [illegible] سے [illegible] یہ عہد ہے اور اس عہد سے بیوی کی حق تلفی ہوتی ہے اور قطع رحمی لازم آتی ہے، لہذا اس کا حکم یہ ہے کہ قسم توڑ دے اور جب [illegible] تو قسم کا کفارہ ادا کرے، اور قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ان کو لباس دے، اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن روزے رکھے،[1] اور یہ کفارہ بھی اس صورت میں واجب ہے کہ اس نے اللہ کی قسم کھا کر یہ عہد کیا ہو، ورنہ اگر اللہ کی قسم نہیں کھائی تو کفارہ بھی واجب نہیں۔[2]

واللہ اعلم [illegible]

[illegible] ۱۵ [illegible] ۳۹۶

(فتاویٰ [illegible])

"قرآن کی قسم" کا حکم اور قرآن اُٹھائے بغیر بھی قسم منعقد ہو جاتی ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلے میں کہ حسن اللہ دو سال سے ایک کارخانے میں ملازم ہے اور شادی شدہ ہے، شاہدہ بھی چند یوم میں کام پر لگی ہے [illegible] دونوں کا آپس میں کوئی رشتہ بھی نہیں ہے، حسن اللہ کارخانے میں چند لوگوں کے ساتھ [illegible] شاہدہ [illegible] اور شاہدہ حسن اللہ سے بچنے کے لئے [illegible] حسن اللہ کا بیان [illegible] شاہدہ کی [illegible] اور شاہدہ کو اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں [illegible] کارخانے [illegible] شکایت کرتی ہے، حسن اللہ کی شکایت [illegible] تسلیم نہیں کرتا [illegible] اور شاہدہ کی موجودگی میں وہاں [illegible] ہاتھ پر قرآن شریف کی کتاب رکھ کر حلفیہ بیان دیتا ہے [illegible] حسن اللہ کا قصور ثابت ہوتا ہے [illegible] حسن اللہ نے [illegible] قرآن شریف کی [illegible] فرماتے ہیں کیا اس بات سے قرآن کریم کی بے حرمتی ہوئی ہے؟ جواب دے کر مشکور فرمائیں۔

جواب: حلف قرآن کریم کو اٹھائے بغیر محض اللہ کی قسم کھانے سے بھی ہو جاتا ہے [illegible]

---

(۱) حوالہ کے لئے دیکھئے پچھلے صفحے کا حاشیہ نمبر ا۔

(۲) وفی تنویر الابصار مع الدر المختار کتاب الایمان ج ۳ ص [illegible] طبع سعید [illegible] والقسم باللہ تعالیٰ [illegible] وباسم من اسمائہ کالرحمن والرحیم والحق او بصفۃ من صفاتہ تعالیٰ [illegible] لا یقسم بغیر اللہ تعالیٰ کالنبی [illegible]
وفی الشامیۃ ج ۳ ص [illegible] طبع سعید [illegible] قولہ لا یقسم بغیر اللہ تعالیٰ عطف علی قولہ والقسم باللہ تعالیٰ ای لا ینعقد القسم بغیرہ تعالیٰ ای غیر اسمائہ وصفاتہ ... الخ

اگر قرآن کریم کو ہاتھوں پر اٹھا کر قسم کھائی جائے تو اس سے قرآن کریم کی بے حرمتی نہیں ہوتی، اور اس طرح بھی قسم صحیح ہو جاتی ہے۔ کذا یؤخذ مما فی رد المحتار ج ۳ ص [illegible] نقلاً عن العینی۔(۱)

واللہ اعلم

۱۳۹۰/۲/۴ھ

(فتویٰ نمبر ۸۲۴/۲۱ الف)

کئی قسموں کے متعدد کفارے دینا لازم ہے

سوال — زید نے قسم کھائی کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا، اپنی بے احتیاطی کی وجہ سے ایفا نہ کرے وہ کام کر گزرا، اب تک کفارہ نہ دیا تھا کہ پھر قسم کھائی کہ یہ کام نہ کروں گا، پھر بے احتیاطی کی وجہ سے ایفا نہ کرکے وہ کام کر گزرا، ھلم جرا۔ آخر میں کفارہ دینے کو جی چاہا، تو اب ایک کفارہ دے گا یا ہر ایک قسم کا الگ الگ کفارہ ہوگا؟

دوسری صورت میں بین الایمان فصل ہوگی یا متصل ہوگی؟

جواب — قسم جتنی مرتبہ کھائی جائے گی خلاف ورزی کی صورت میں ہر قسم کا ایک کفارہ دینا ضروری ہوگا، خواہ صورت یہ ہو کہ دوسری قسم پہلی قسم کی خلاف ورزی کے بعد کھائی گئی ہو۔

فی الدر المختار: وتتعدد الکفارۃ لتعدد الیمین والمجلس والمجالس سواء، ولو قال عنیت بالثانی الأول ففی حلفہ باللہ لا یقبل (شامی ج ۳ ص [illegible])۔(۲) البتہ کفارات میں وصل ضروری نہیں، فصل بھی کرسکتا ہے۔

فقط واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۷/۱۲/۲۰ھ

(فتویٰ نمبر ۱۲۵۶/۱۸ الف)

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی بلندشہری

اللہ تعالیٰ اور قرآن کے لفظ کی قسم کھانے کا حکم اور قسم کا کفارہ کیا ہے؟

سوال — علی حسین جنرل سیکریٹری یونائیٹڈ فیڈریشن پاکستان اور دوسرے رفیق عبدالغنی،

---

(۱) وفی الدر المختار ج ۳ ص [illegible] طبع سعید: قال الکمال: ولا یخفی أن الحلف بالقرآن الآن متعارف فیکون یمینًا، وأما الحلف بکلام اللہ فیدور مع العرف، وقال العینی: وعندی أن المصحف یمین لا سیما فی زماننا، وعند الثلاثۃ المصحف والقرآن وکلام اللہ یمین۔ وکذا فی الفتاوی الھندیۃ کتاب الأیمان، الباب الثانی، الفصل الأول ج ۲ ص ۵۳ (طبع رشیدیہ کوئٹہ)۔

(۲) الدر المختار کتاب الأیمان ج ۳ ص [illegible] طبع سعید، وفی البحر الرائق ج ۴ ص [illegible] طبع رشیدیہ کوئٹہ، وفی البحر عن أبی حنیفۃ: إذا حلف بأیمان فعلیہ لکل یمین کفارۃ، والمجلس والمجالس سواء، ولو قال عنیت بالثانی الأول لم یستقم ذلک فی الیمین باللہ تعالیٰ۔

۲-نوشہ، ۳-ظہیر الدین، ان فریقین نے قرآن پر یہ قسم کھائی تھی کہ ایک دوسرے کے ساتھ رہیں گے، اور ایک دوسرے کے خلاف کوئی کاروائی نہیں کریں گے جو ناجائز ہوگی۔ اس سلسلے میں علی حسین نے فریق دوم کے تینوں افراد کو ۵۰ فٹ جگہ دی اور یہ کہ ڈگری کی رقم ادا کرنا ہوگی جو بھی ہو، تمام خرچہ مدد کریں گے، لیکن غنی ڈگری کی رقم دینے سے انکار کرتا رہا کہ میں نہیں دوں گا، اور علی حسین یہ کہتا رہا کہ ڈگری کی رقم بعد میں دینا ہوگی۔ فریق دوم نے ڈگری کی رقم ادا نہیں کی قسطیں کرائیں۔ ان کو بھی ادا نہیں کیا، بعد میں نوشہ نے ۵۰ فٹ کی جگہ ۱۵ فٹ جگہ دے دی، ظہیر نے رقومات قسطیں کرانے کے باوجود ادا نہیں کیں، اور دوسرے معاملات جو کہ علی حسین کے مفاد کے خلاف ہیں اس میں بھی غنی، نوشہ، ظہیر مداخلت کرتے ہیں، جبکہ قسم پر کہا تھا کہ ہم کسی معاملے میں نہیں بولیں گے۔

۲:- علی حسین نے غصے کے عالم میں دوسرے نادہندگان ڈگری کے سلسلے میں قرآن کی قسم کھائی کہ میں یکمشت ڈگری کی رقم وصول کروں گا اور کورٹ میں لوگوں کو جا کر روپیہ جمع کرنا ہوگا، لیکن دو آدمیوں کا نام زبانی لے لیا محمد یامین اور ممتاز کا اور کہا کہ سب کو ڈگری جمع کرنا ہے۔

۳- ہم چار افراد ایک مسئلے پر گفتگو کر رہے تھے کہ ایک شخص ظہیر الدین آیا اور اس نے کہا کہ چاروں آدمی ہاتھ پر ہاتھ رکھو، پانچوں نے ہاتھ پر اپنا اپنا ہاتھ رکھ دیا اور کہا کہ قرآن درمیان میں ہے کہ حالانکہ قرآن نہیں تھا، اب نیت میں کچھ فتور پائے جاتے ہیں چونکہ ہر ایک کے معاملے میں مداخلت کر رہے ہیں، رقم تیسرے فریق سے حاصل کی گئی تھی اور اس رقم سے اسٹال وغیرہ تعمیر کئے گئے تھے، چونکہ مسئلہ کلام پاک کا ہے، چونکہ فریق دوم، سوم سب قسطیں چاہتے ہیں، در حقیقت فریق اول کو روپیہ کی ادائیگی ان لوگوں کو کرنا ہے جنہوں نے بغیر اپنے مفاد کے روپیہ ہمیں قرض دیا تھا، حالانکہ اگر یہ لوگ روپیہ ادا کرنا چاہیں تو نمبر ۱، ۲، ۳، ادا کر سکتے ہیں، آج ۳ سال سے اس جگہ کی آمدنی سے کافی رقم حاصل کر چکے ہیں۔

جواب:- قسم کھانے کا حکم سمجھ لیجئے، اس سے تینوں مسئلوں کا جواب ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ یا قرآن کریم کی قسم کھانے سے قسم منعقد ہو جاتی ہے،[1] اور اگر یہ قسم کسی ناجائز کام پر نہ کھائی گئی ہو تو اسے توڑنا گناہ ہے، اور اگر کسی ناجائز کام پر کھائی گئی ہو تو توڑنا واجب ہے۔[2] دونوں صورتوں میں اس کا کفارہ دینا ہوگا۔ کفارہ یہ ہے کہ یا دس مسکینوں کو فی کس پونے دو سیر گندم کے حساب سے غلہ یا اس کی

---

(۱) مذکورہ بالا الفاظ سے قسم منعقد ہونے کا حوالہ صفحہ ۴۹۶ کے حاشیہ نمبر ۲، ۳ میں اور "قرآن کریم کی قسم" سے قسم منعقد ہونے کا حوالہ پچھلے صفحہ ۴۹۷ کے حاشیہ نمبر ۱ میں ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) وفی تنویر الأبصار ج ۳ ص ۷۲۸ (طبع سعید) ومن حلف علی معصیة کعدم الکلام مع أبویه أو قتل فلان الیوم وجب الحنث والتکفیر.

قیمت دے، یا دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کے لباس کا انتظام کرے، اور اگر ان میں سے کسی بات کی استطاعت نہ ہو تو تین دن متواتر روزے رکھے۔"(۱) صورت مسئولہ میں جن باتوں پر آپ نے قسمیں کھائی ہیں، ان کی تفصیل سوال سے سمجھ میں نہیں آئی، اس لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ وہ کام جائز ہیں یا ناجائز؟ بہرصورت قسموں کی خلاف ورزی پر مذکورہ کفارہ ادا کریں، اور ہر قسم کے توڑنے پر الگ کفارہ ہوگا۔(۲)

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۹/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۹۴۷ ج)

"تمہارے ہاتھ کا بھرا پانی پیوں تو سور کے خون کے قطرے پیوں" الفاظ سے قسم منعقد نہیں ہوتی

سوال:- تین سال قبل رمضان میں روزہ کھولنے سے ۱۵ منٹ قبل پینے کا پانی رکھتا تھا، اور اس میں برف ڈال دیتا تھا، لیکن آخر رمضان میں ایسا ہوا کہ میں پانی رکھنا اور برف لانا بھول گیا، جب روزہ کھولنے میں ۵ منٹ رہ گئے تو مجھے اس بات کا خیال آیا، مگر گھڑے کے پاس پانی نکالنے گیا مگر گھڑے میں پانی نہیں تھا، پھر میں صحن میں آیا تو دیکھا کہ میرا ایک لڑکا نثار جس کی عمر ۳۶ سال ہے صحن میں کھڑا ہوا ہے، میں نے اس سے کہا نثار تم نل سے پانی لادو، میں برف لے کر آتا ہوں۔ مگر نثار نے پانی لانے سے انکار کردیا، اس پر میں نے کہا کہ تم برف لے آؤ، پانی میں لے آتا ہوں، لیکن اس نے برف لانے سے بھی انکار کردیا، مجھے بہت غصہ آیا اور میں نل پر پانی لینے چلا گیا، اتنے میں میرے دوسرے دو لڑکے نل پر پانی لینے آگئے، ایک نے کہا پانی میں بھر دیتا ہوں، دوسرے نے کہا برف میں لے آتا ہوں، یہ کام دونوں کے سپرد کرکے گھر واپس آگیا، نثار کی جگہ کھڑا تھا جہاں میں چھوڑ کر آیا تھا، میں نے غصے میں کہا "نثار اگر ہم تمہارے ہاتھ کا بھرا ہوا پانی پئیں تو سور کے خون کے قطرے پئیں" پھر ڈیڑھ سال تک ہماری اس سے بول چال بند رہی، اس کے بعد اس نے معافی مانگی، میں نے معاف کردیا، لیکن پانی نہ پینے کی جو قسم کھائی تھی ہنوز اس پر قائم ہوں، اگر کوئی شرعی گنجائش ہو تو تحریر فرمائیں، ورنہ ساری عمر اس پر قائم رہوں گا۔

جواب:- سوال کے خط کشیدہ الفاظ سے شرعی قسم متحقق نہیں ہوئی، لہذا اگر اب آپ نثار کے ہاتھ کا بھرا ہوا پانی پی لیں تو آپ پر کوئی کفارہ عائد نہیں ہوگا، آپ اس کے ہاتھ سے پانی پی سکتے ہیں،

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۴۹۵ کا حاشیہ نمبر۱۔
(۲) حوالے کے لئے دیکھئے ص ۴۹۷ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر۱ ملاحظہ فرمائیں۔

لما في الدر المختار وإن فعله فعليه غضبه أو سخطه أو لعنة الله أو هو زان أو سارق أو شارب خمر أو آكل ربا لا يكون قسماً وفي رد المحتار عن الولوالجية هو يستحل الدم أو لحم الخنزير إن فعل كذا لا يكون يميناً (شامی ج ۳ ص ۵۷)۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۷/۷/۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۵۶۴ ب)

''اگر مزید سونا مانگوں تو کافر ہو جاؤں'' الفاظ سے قسم منعقد ہونے کا حکم

سوال - تقریباً چار سال قبل ایک مرتبہ میں نے بیوی سے کہہ دیا تھا کہ وہ تو (یعنی ذکر طلاق ہو گیا تھا) تب پڑے گی کہ جب تم کفریہ بات کروگی یا تم کفریہ کلمہ کہوگی، یا پہلا فقرہ کہا تھا، آج بیوی سے بات ہو رہی تھی اس کو چھ تولے سونے کا زیور بنوا کر دیں، وہ کہنے لگی کہ ۹ تولے سونے کا زیور بنوادو، پھر اگر بعد میں میں سونا مزید دوں یا یوں کہا کہ اور سونا مانگوں تو کافر ہو جاؤں، اب اگر ۹ تولے سونا لے کر دے دوں اور بعد میں کبھی وہ اور سونا مانگے تو کیا اس سے وہ کافر ہو جائے گی اور پچھلی شرط سے ایک طلاق صریح یا بائن پڑ جائے گی؟

جواب۔ آپ کی بیوی نے جو یہ کہا کہ ''اگر میں بعد میں مزید سونا مانگوں تو کافر ہو جاؤں'' ان الفاظ سے قسم منعقد ہوگئی ہے، یعنی آئندہ اس کے لئے مزید سونا مانگنا ناجائز ہے، اگر وہ مانگے گی تو اسے قسم کا کفارہ دینا پڑے گا، لیکن وہ اس کی بناء پر کافر نہیں ہوگی، اور نہ اس سے اس پر طلاق واقع ہوگی۔ في الدر المختار وإن فعل كذا فهو كافر فيكفر بحنثه لو في المستقبل والأصح أن الحالف لم يكفر. (شامی ج ۳ ص ۵۵)[۲]۔

واللہ اعلم
۱۳۹۷/۶/۱۲ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸/۶۰۵ ب)

---

(۱) الدر المختار مع رد المحتار ج ۳ ص ۷۱۲ طبع سعید۔ وفي الفتاوى الهندية الباب الثاني فيما يكون يميناً وما لا يكون يميناً، الفصل الأول ج ۲ ص ۵۵ طبع رشیدیہ کوئٹہ: لو قال إن فعلت كذا فأنا زان أو سارق أو شارب خمر أو آكل ربا فليس بحالف هكذا في الكافي.

(۲) الدر المختار ج ۳ ص ۷۱۸ طبع سعید۔ وفي الهندية كتاب الأيمان الباب الثاني فيما يكون يميناً وما لا يكون يميناً ج ۲ ص ۵۴ طبع رشیدیہ کوئٹہ: ولو قال إن فعل كذا فهو يهودي أو نصراني أو مجوسي أو بريء من الإسلام أو كافر أو يعبد من دون الله أو يعبد الصليب أو نحو ذلك مما يكون اعتقاده كفر فهو يمين استحساناً كذا في البدائع حتى لو فعل ذلك الفعل يلزمه الكفارة وهل يصير كافراً اختلف المشايخ فيه قال شمس الأئمة السرخسي والمختار للفتوى أنه إن كان عنده أنه يكفر متى أتى بهذا الشرط ومع هذا أتى يصير كافراً لرضاه بالكفر وكفارته أن يقول لا إله إلا الله محمد رسول الله وإن كان عنده أنه إذا أتى بهذا الشرط لا يصير كافراً لا يكفر ... إلخ

قسم کی خلاف ورزی کو دیانۃً بہتر سمجھنے کی صورت میں خلاف ورزی کرنا اور کفارہ دینا بہتر ہے

سوال - ایک لڑکی کو کسی بات کا حلف اس کے والدین نے دباؤ ڈال کر اٹھوایا کہ تم صرف زید ہی کو [illegible] گی، لڑکی نے دباؤ میں آ کر یہ حلف تو اٹھایا مگر اب وہ اس حلف کو توڑنا چاہتی ہے، کیا یہ حلف جو کہ دباؤ میں آ کر اٹھایا گیا ہے، حلف کہلانے کا مستحق ہے؟ اور اس کا گناہ کس کے سر پر ہوگا؟

۲- اگر اس حلف کی کوئی شرعی حیثیت ہے تو اس کو توڑنے کا کیا کفارہ ادا کرنا ہوگا؟

۳- بالفرض اس نے دباؤ سے نہ بھی اٹھایا ہو بلکہ دل سے اقرار کیا ہو، تو کیا کفارہ ہوگا؟

جواب ۱- کسی شخص پر اس کی مرضی کے خلاف کسی بات پر حلف اٹھانے کے لئے دباؤ ڈالنا درست نہیں ہے، لیکن اس طرح اگر کوئی شخص حلف کرے (یعنی اللہ کی قسم کھا کر کسی بات کا وعدہ کرے) تو حلف صحیح ہو جاتا ہے۔[1]

۲- ایسی صورت میں حلف اٹھانے والا اگر حلف کی خلاف ورزی کو دیانۃً بہتر سمجھتا ہے تو اس کے لئے حلف کی خلاف ورزی جائز ہے،[2] لیکن اسے قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔[2] کفارے کا مطلب یہ ہے کہ تین کاموں میں سے کوئی ایک کام کرے، یا دس مسکینوں کو دو وقت کا کھانا کھلائے، یا دس مسکینوں کو متوسط درجے کا لباس دے، اور اگر ان پر قدرت نہ ہو تو تین روزے رکھے۔[3]

۳- اگر دل سے بغیر کسی جبر کے حلف کیا ہو، لیکن بعد میں دیانۃً دوسری جانب کا بہتر ہونا سمجھ میں آیا ہو تب بھی قسم توڑنے کی گنجائش ہے،[2] اس صورت میں بھی وہی کفارہ ادا کرنا ہوگا جس کی تفصیل نمبر۲ میں گزری۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۰/۱۲/۲ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱/۱۱۴۳ الف)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

---

(۱) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۴۹۶ کا حاشیہ نمبر ۲،۳۔

(۲) وفي سنن النسائي: باب من حلف على يمين فرأى غيرها خيرا منها ج ۲ ص ۱۳۳ (طبع قديمي كتب خانه) عن أبي موسى عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: ما على الأرض يمين أحلف عليها فأرى غيرها خيرا منها إلا أتيته. وفي كتاب الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني كتاب الأيمان ج ۳ ص ۹۰: قد بلغنا عن النبي صلى الله عليه وسلم أنه قال: من حلف على يمين فرأى غيرها خيرا منها فليأت الذي هو خير وليكفر عن يمينه. وكذا في الهداية كتاب الأيمان.

(۳) دیکھئے حوالہ سابقہ ص ۴۹۵ کا حاشیہ نمبر ۱۔

قسم کھانے کا حکم اور قسم کے کفارہ کی تفصیل

سوال:- میں نے ایک کام نہ کرنے کے سلسلے میں اللہ کے حضور میں قرآن پاک کی قسم کھائی، اب میں اس کو کرنا چاہتا ہوں، اس کا کیا کفارہ ہے؟

جواب:- اگر اللہ کی قسم کھا کر آپ نے کوئی کام نہ کرنے کا عزم کیا تھا، اور زبان سے کہا تھا تو آپ کے لئے جائز نہیں کہ وہ کام کریں، الّا یہ کہ وہ کوئی نیک کام ہو، بہر صورت اگر وہ کام آپ نے کر لیا تو کفارے کے طور پر یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائیں، یا دس مساکین کو ایک ایک جوڑا کپڑا دیں، اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو تین دن روزے رکھیں۔ ان میں سے جو کام بھی کریں گے کفارہ ادا ہو جائے گا۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۹۰/۱۰/۲۴ھ

(فتویٰ نمبر ۲۱/۱۱۰۵ الف)

جواب صحیح ہے، جس کام کے نہ کرنے کی قسم کھائی تھی اگر وہ کام شرعاً جائز ہے اور اس کے کرنے کی آپ کو ضرورت ہے تو وہ کام کریں پھر کفارۂ قسم دے دیں[2] جس کی تفصیل جواب میں آگئی ہے۔

محمد شفیع عفا اللہ عنہ

نذر کی قربانی کا گوشت خود کھانا جائز نہیں

سوال:- زید نے نذر مانی کہ میرا فلاں کام ہو جائے تو میں بقرعید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے بکرا قربان کروں گا، چنانچہ قربانی کے موقع پر بکرا قربان کیا گیا، اب اس بکرے کا کیا حکم ہے؟ کیا ناذر خود کھا سکتا ہے یا صدقہ کرے؟

جواب:- نذر کی قربانی کا گوشت کھانا جائز نہیں، اگر غلطی سے کھا لیا تو جتنا گوشت کھایا ہے اس کی قیمت کا صدقہ کیا جائے۔ ولا یأکل الناذر منها فإن أکل تصدق بقیمة ما أکل. درمختار مع الشامی ج:۵ ص:۲۸۵۔[3]

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۷/۱۲/۱۴ھ

(فتویٰ نمبر ۱۸/۹۶۸ الف)

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

---

(۱) وفي تنوير الأبصار كتاب الأيمان ج ۳ ص ۷۲۵ و ۷۲۶، طبع سعيد: وكفارته تحرير رقبة أو إطعام عشرة مساكين ... صام ثلاثة أيام ولاء. وفي الهندية كتاب الأيمان فصل في الكفارة ج ۲ ص ۶۱ طبع رشيدية: وهي أحد ثلاثة أشياء إن قدر عتق رقبة يجزئ فيها ما يجزئ في الظهار أو كسوة عشرة مساكين لكل واحد ثوب فما زاد وأدناه ما يجوز فيه الصلاة أو إطعامهم ... فإن لم يقدر على أحد هذه الأشياء الثلاثة صام ثلاثة أيام متتابعات.

(۲) حوالہ کے لئے دیکھئے گزشتہ صفحہ ۵۰۱ کا فتویٰ اور اس کا حاشیہ نمبر ۳،۲ و ۵۔

(۳) الدر المختار ج ۶ ص ۳۲۱ (طبع سعید)

کتابُ الوقف

(وقف کے مسائل)

وقف ہونے کے لئے مالک کا باقاعدہ وقف کرنا ضروری ہے
وقف ہونے کے محض دعوی سے زمین وقف نہیں ہوتی

سوال: عرض یہ ہے کہ آج سے نوے سال قبل ملک مظفر خان کے والد ملک محمد میر جو ہمارے خاندان کے ایک بزرگ میاں احمد کو سوات سے لائے، ایک کوٹھی بنا کر اپنی زمین میں بٹھا دیا، جب وہ فوت ہوئے تو وہیں دفن ہوئے۔ اس کے قریب کافی جگہ جنگل کی صورت میں ہمارے آباؤ اجداد کے دور سے ہی آج تک ملک صاحبان کی ملکیت میں ہے کسی نے اس جگہ کا مطالبہ نہیں کیا، ہمارے بزرگوں کو ۱۹۵۲ء میں علم ہوا کہ یہ جگہ بے آبادی ہے، پٹواریوں کے کاغذات میں اس کا قبضہ ہمارے نام ہے۔ ضرورت کے مطابق ہم یہاں رہائشی مکانات بناتے رہے، ہمارے بزرگ کی قبر کے قریب قبریں بھی ملحق رہیں، نہ ہم نے قبریں بنانے سے کسی کو روکا، نہ ہی ہمیں مکان بنانے سے کسی نے روکا۔ ۱۹۸۰ء میں ہمارے رشتہ دار نذر حسین اللہ بزار ولد غلام حسین نے ایک کوٹھی کی تعمیر شروع کی تو اس گاؤں کے ملک شیر محمد ولد ملک بندہ نے ڈپٹی کمشنر میانوالی کو درخواست دی کہ یہ جگہ قبرستان کے لئے وقف ہے۔ اس پر سماعت شروع ہوئی، ملک عمر حیات، ملک خضر حیات پسران ملک محمد برادر ملک مظفر خان نے عدالت میں جا کر بیان دیا کہ ہمارے آباؤ اجداد نے یہ تمام جگہ ان کے بزرگوں کو دے دی تھی، یہ جو چاہیں اس جگہ پر تعمیر کریں، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔ فیصلہ ہمارے حق میں ہوا جس کا تحریری ثبوت ہے۔ اس کے بعد کوٹھی اور دیگر دو تین مکان تعمیر ہوئے، شہر کے کسی فرد نے کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی۔ مذکورہ مکان تعمیر اور فیصلے کے بارہ سال بعد حافظ محمد رمضان قوم ملیجہ وغیرہ نے کچھ مسئلہ کھڑا کیا اور یہ کہا کہ یہ جگہ قبرستان کی ہے، یہاں مردے دفن ہوتے رہے، اس پر قبریں مسمار کر کے مکان تعمیر کئے گئے۔ برائے کرم یہ بتائیں کہ ان لوگوں کا یہ رویہ کہاں تک درست ہے؟ جبکہ ان کے پاس وقف کے کوئی ثبوت نہیں ہیں۔

جواب: کسی زمین کے وقف ہونے کے لئے ضروری ہے کہ مالک زمین نے اس کو وقف کیا ہو، اور جب تک وقف کرنے کا شرعی ثبوت موجود نہ ہو، کسی زمین کو وقف نہیں کہا جا سکتا۔ محض یہ بات کہ اس زمین میں مردے دفن ہوتے رہے ہیں، اس بات کی کافی دلیل نہیں ہے کہ یہ زمین قبرستان

---

(۱) دیکھئے اگلے فتوی کا حاشیہ نمبر ۔

کے لئے وقف ہے، اور نہ کسی شخص کا محض دعویٰ، وقف کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں جب تک مدعیانِ وقف زمین کے وقف ہونے پر کوئی ایسی شہادت پیش نہ کریں جس سے شرعاً یہ ثابت ہوسکے کہ فلاں مالکِ زمین نے اس کو فلاں فلاں مقاصد کے لئے وقف کیا تھا، اس وقت تک اس کو وقف قرار دینا درست نہیں، اور اس بناء پر جو لوگ اس پر قابض و متصرف چلے آرہے ہیں اور اس کے مملوک ہونے کے دعوے دار ہیں ان کو اس زمین سے بے دخل کرنا یا ان کے مالکانہ تصرفات کو روکنا بھی جائز نہیں ہے۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۴۰۸/۱۱/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۲۴۹۴ /۳۹ ج)

۱:- مہتممِ مدرسہ متولّیٔ وقف ہے یا چندہ دہندگان کا وکیل؟
۲:- زمین کو خریدنے اور اُس کا مالک بننے سے پہلے اسے وقف کرنا

سوال ۱:- مہتممِ مدرسہ بمنزلہ متولّیٔ وقف ہے یا وکیل عن المعطین درحقِ اموالِ مدرسہ؟

۲- اس شہر کی تمام زمین کو حکومت جو شیعہ اثناعشریہ ہے اپنا خالصہ سمجھتی ہے اور لوگوں کے ہاتھ جب تک وہ پہلے سے کچھ بناء وغیرہ کے ذریعہ تصرف نہ کریں خاص زمین کو فروخت بھی نہیں کرتی ہے، اس لئے شہر کے چند آدمی متفق ہوکر کچھ چندہ جمع کرکے ایک قطعہ زمین کو عیدگاہ کے نام سے دیوار کرکے اپنے تصرف میں لائے اور ایک دو بار اس میں نماز بھی پڑھ چکے ہیں، اس کے بعد نماز پڑھنا اس کے اندر متروک ہوگیا ہے۔ اب وہ آدمی جنہوں نے اس کی دیوار بنانے میں چندہ دیا ہے اس بات پر راضی ہوچکے ہیں کہ اس کو مدرسہ میں جو اس کے قریب ہے شامل کردیا جائے، کیونکہ یہ جگہ عیدگاہ کے لئے ناکافی ہے اور عیدگاہ دوسری جگہ بنانا پڑے گی، تو آیا اس زمین کو دینی مدرسے کے تصرف میں لانا شرع کی رُو سے جائز ہے یا نہیں؟

۳- اس زمین کے شرق سے لے کر شمال تک بیرونی جانب بھی کچھ زمین موجود تھی جس کو

---

(۱) وفي أحكام الأوقاف للخصاف ص ۳۳: أرأيت هذه الوقوف التي تقادم أهلها ومات الشهود الذين يشهدون عليها ما السبيل فيها؟ قال: ما كان في يدي القضاة منها وما كان لها رسوم في دواوين القضاة أجريت على الرسوم الموجودة في دواوينهم استحسانا إذا تنازع أهلها فيها وما لم يكن لها رسوم في دواوينهم يعمل عليها فالقياس فيها إذا تنازع أهلها فيها أن يحملوا على التثبت فمن ثبت في ذلك شيء حكم له به [illegible] ج ۳ ص ۴۰

وفي رد المحتار، كتاب الوقف مطلب في الوقف إذا انقطع ثبوته (ج ۴ ص ۳۹۶ طبع سعيد كراچی): إن الأوقاف التي تقادم أمرها ومات شهودها فما كان لها رسوم في دواوين القضاة وهي في أيديهم أجريت على رسومها الموجودة في دواوينهم استحسانا إذا تنازع أهلها فيها، وما لم يكن لها رسوم في دواوين القضاة القياس فيها عند التنازع أن من أثبت حقا حكم له به

وفي الأشباه والنظائر ص: ۲۰۹ لا تثبت اليد في العقار إلا ببيّنة

ان لوگوں نے فقط تکبیر کر کے چھوڑ دیا ہے اور خیال اس وقت یہ تھا کہ اس کو بھی آئندہ عیدگاہ میں شامل کردیں گے، اور اس پر نماز ادا نہیں کی گئی۔ آیا جواز تصرف برائے مدرسہ میں ان دونوں مذکورہ بالا زمینوں میں کچھ تفاوت ہے یا نہیں؟

جواب ۱ - مدرسہ کی زمین، عمارات اور کتابیں وقف ہوتی ہیں، لہٰذا مہتمم ان اوقاف کا متولی ہے، لیکن نقد روپیہ یا استعمالی اشیاء جو مدرسے میں بطور چندہ دی جاتی ہیں وہ وقف نہیں ہوتیں، لہٰذا ان کے حق میں مہتمم مدرسہ کی حیثیت وکیل المعطین کی ہے، کذا یفهم من امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۰۳ سوال نمبر ۶۵۲۔

۲، ۳ - اگر وہ زمین ابھی تک حکومت سے خریدی نہیں گئی تھی بلکہ صرف دیوار بنائی گئی تھی تاکہ اس کی بنیاد پر حکومت سے خریدی جائے تو یہ زمین ابھی عیدگاہ کے لئے وقف نہیں ہوئی، کیونکہ وقف کی صحت کے لئے واقف کا مالک ہونا شرط ہے۔ کما فی رد المحتار ذکر فی البحر ان مفاد کلام الحاوی اشتراط کون ارض المسجد ملکا للبانی (شامی ج ۳ ص ۳۴۰)۔[1]

لہٰذا اب اگر اس جگہ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ عیدگاہ بنانا چاہتے ہیں اور اس زمین میں مدرسہ بنانا مقصود ہے تو ایسا کرنا جائز ہے، اور اس حکم میں وہ زمین بھی داخل ہے جس میں نماز شروع کردی گئی تھی، اور وہ زمین بھی جس میں نماز شروع نہیں کی گئی بلکہ صرف دیوار بنائی گئی تھی۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۱۱/۱۶ھ

مسجد کی تعریف اور تعلیمِ قرآن کے لئے وقف کی گئی جگہ میں امام کا مکان بنانے کا حکم

سوال - ہمارے محلے کی مسجد جو صدیوں پرانی ہے، ایک سو سال ہوئے ایک نابینا حافظ صاحب جو تونسہ شریف پنجاب کے باشندے تھے آکر اس مسجد کے ملحق چھوٹے سے حجرے میں جو ۸ فٹ چوڑا تھا مقیم ہوئے، لیکن استدعا کی کہ ایک بڑا حجرہ ہونا چاہئے جس میں درس قرآن جاری کرسکوں۔ محلے والوں سے تو کچھ نہ ہوسکا، امام صاحب نے اپنی جانب سے ایک کشادہ حجرہ ۴۰ × ۱۲

---

[1] وفی الشامیة ایضاً ج ۴ ص ۳۴۰ طبع سعید: وشرطه شرط سائر التبرعات أفاد ان الواقف لابد ان یکون مالکه وقت الوقف ملکا باتا ... الخ

وفی الهندیة ج ۲ ص ۳۵۳ (طبع رشیدیه کوئٹه) ومنها الملک وقت الوقف ... الخ

وفی البحر الرائق ج ۵ ص ۱۹۹ (طبع رشیدیه کوئٹه) والحاصل ان شرطه الملک وقت الوقف ... الخ

وفی قانون العدل والانصاف ص ۱: یشترط لصحة الوقف ان یکون الواقف اهلا للتبرع عاقلا بالغا وان یکون مالکا للعین الموقوفة. وکذا فی ص ۲۰

مرض وفات کا ہو کر قرآنی تعلیم کے لئے وقف کر دیا اور یہیں رہائش بھی منتقل کر لی، تقریباً پچیس سال درس دیتے رہے، بیسیوں حفاظ اور سینکڑوں ناظرہ خواں طلباء مستفیض ہوئے، آخر داعیٔ اجل کا پیغام آ پہنچا اور ہمیشہ کے لئے اس دار فانی سے عالم جاودانی کو سدھار گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ان کے وفات پا جانے کے بعد مقامی دیہات سے ایک اور حافظ صاحب امام مقرر ہوئے، جب شادی کی تو پردہ دار رہائشی مکان کا مطالبہ کیا، ان کے لئے مسجد سے علیحدہ کسی مقام کا انتظام تو نہیں ہو سکا مگر چند ایک نے یہ تجویز پیش کی کہ اسی قرآنی تعلیم کی جگہ کے صحن میں دو دیواریں ڈال کر کے اور پردہ دار مکان بنا دیا جائے، مگر میں نے بدلائل ذیل اس کی مخالفت کی۔ ۱- سابق امام مرحوم نے جو اپنی جانب سے قرآنی تعلیم کا حجرہ بنا کر وقف کیا، اس کے وقف کا حق پامال کرنے کیا وقف کی روح کو تڑپانے کے مترادف نہ ہوگا؟ اور کیا ہم گناہ گار نہ ہوں گے؟ ۲- ہر انسان کو چاہے وہ مسلمان ہو یا ہندو، سکھ ہو یا عیسائی، یہودی ہو یا مجوسی مسجد کے کسی حصے میں آنے جانے کا حق رکھتا ہے، بشرطیکہ الف- پاگل نہ ہو، ب- ایسا غلیظ بدن نہ رکھتا ہو جس سے دیگر حاضرین کو گھن آئے، ج- نشے کی حالت میں نہ ہو، د- کسی سے دشمنی کا ارادہ نہ رکھتا ہو، وغیرہ وغیرہ، مگر مکان بنانے سے حق چھن جائے گا۔ ۳- صحن حجرہ اتنا وسیع و عریض نہیں جس میں مکان کے علاوہ کسی اور جگہ کے بنانے کی گنجائش ہو تاکہ قرآنی تعلیم جاری کی جا سکے۔ ۴- پردہ دار مکان بن جانے سے صحن حجرہ میں مسجد میں جاتے وقت ہوتے گزرنے کا حق بھی تلف ہوگا۔ ۵- مسجد کے محراب والا کمرہ اور حجرہ متصل ہیں، اور درمیان میں ایک کھڑکی بھی لگی ہوئی ہے جس سے سابق نابینا امام مرحوم بوقت امامت جماعت آمد و رفت رکھتا تھا، اب حجرہ جو رہائشی کمرہ بن جائے اور اس میں بال بچے رہتے ہیں اور اگر امام صاحب بھیڑ بکری بھی رکھتے ہوں تو ان کی آوازیں، کمرے متصل ہونے اور بیچ میں کھڑکی ہونے سے نماز میں خلل واقع ہونے کا احتمال ہے۔ ۶- اپنے شہر میں اور دیگر شہروں میں بھی یہی ہوتا چلا آیا ہے کہ مکان کو قربان کر کے مسجد بنائی جاتی ہے اور حدیث مبارکہ میں ہے کہ جو مسجد بناتا ہے اس کو جنت میں گھر ملتا ہے۔ میں عرض کرتا ہوں اس کا کیا بنے گا جو اس کے برخلاف مسجد کو گھر بناتا ہے؟ اس کو آخرت میں کیا ملے گا؟ ۷- مسجد میں مکان بن جانے سے اس کی ڈیوڑھی کا دروازہ بھی اندرون مسجد ہوگا جبکہ مسجد کا اپنا داخلی دروازہ بھی بالمقابل کھڑے ہونا، اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ کبھی کبھی اتفاقاً نمازیوں کا اور گھر میں آنے جانے والی عورتوں کا آمنا سامنا ہو جائے جو ایک معیوب بات ہے۔

گزارش ہے بندہ اندریں حالات یہ دریافت طلب امر ہے کہ ازروئے شریعت مقدسہ احاطہ مسجد میں جو زیادہ وسیع و عریض بھی نہ ہو، ایک سابق حجرہ قرآنی تعلیم اور اس کے صحن کے تمام حقوق غصب

کرکے یہ حصہ رہائشی مکان بنانا کیسا ہے؟ کیا ہم مکان بنا کر گنہگار تو نہیں ہوں گے؟

جواب — پہلے یہ سمجھئے کہ شرعاً مسجد صرف وہ جگہ ہوتی ہے جس کو بنانے والے نے مسجد قرار دیا ہو، اور صرف نماز پڑھنے کی نیت سے بنایا ہو، لیکن جو جگہ کسی اور مقصد مثلاً تعلیم قرآن کے لئے وقف کی گئی ہو وہ نہ شرعاً مسجد ہوتی ہے اور نہ اس پر مسجد کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ لہٰذا صورت مسئولہ میں صحن مذکورہ کو اگر بانی یا واقف نے مسجد قرار دیا تھا تب تو اس کو نماز پڑھنے کے سوا کسی بھی مقصد کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں، چنانچہ اس میں رہائشی مکان بھی نہیں بن سکتا، لیکن اگر بانی یا واقف نے اس کو مسجد قرار نہیں دیا بلکہ تعلیم قرآن کے لئے یا مسجد کی دیگر ضروریات کے لئے وقف کیا تھا تو اس میں یہ دیکھا جائے گا کہ وقف کی شرائط کیا تھیں؟ اگر اس نے وقف کرتے وقت کوئی ایسی صراحت کردی تھی کہ یہ پوری جگہ تعلیم ہی میں استعمال ہوگی، اساتذہ وغیرہ کے مکانات میں نہیں، تب بھی یہاں مکان بنانا جائز نہیں۔ لیکن اگر وقف میں تعلیم قرآن کی تمام متعلقہ ضروریات کی نیت کی گئی تھی تو اس میں ضرورت کے وقت اساتذہ کا مکان بنانے کی گنجائش ہے، البتہ تعمیر اس انداز سے کرنی چاہئے کہ حتی الامکان نماز میں کوئی خلل واقع نہ ہو، اور بے پردگی کا بھی احتمال کم سے کم ہو۔ واللہ اعلم

۱۴۰۰/۹/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۲۸۸/۳۱)

دارالعلوم دیوبند کے لئے دُکان کا کرایہ وقف ہونے کی صورت میں کون سے دارالعلوم دیوبند کو کرایہ بھیجا جائے؟

سوال — باعث تحریر آنکہ میرے پڑوس میں ایک صاحب جو رحلت فرما چکے ہیں، تقسیم ہند سے پہلے دو دکانیں دارالعلوم دیوبند کے لئے وقف فرما گئے تھے۔ ان دونوں کا کرایہ وصول ہونے کے بعد دارالعلوم کو ترسیل ہوتا رہا ہے، اب چند سالوں سے دارالعلوم کی حیثیت میں نمایاں فرق آگیا اور وہاں دو انتظامیہ قائم ہوگئیں۔ اب صورت حال یہ ہے کہ دارالعلوم کی نئی اور پرانی انتظامیہ دونوں اس کرایہ کے حصول کے لئے متقاضی ہیں، نئی انتظامیہ کا کہنا ہے کہ حسب سابق یہ رقم پرانی عمارت سے دارالعلوم کو ملنی چاہئے، جبکہ پرانی انتظامیہ جس نے جامع مسجد دیوبند میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا ہوا ہے، اس کا کہنا یہ ہے کہ سابقہ عمارت اب وقف نہیں رہی، اس لئے رقم کی ترسیل بھی اس کو نہیں ہو سکتی،

(۱) وفي ... ج ۳ ص ۳۶۶ ... شرائط الواقف معتبرة إذا لم تخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث شاء ما لم يكن معصية ... وكذا ... في فروع ... لأول أن قولهم شرط الواقف كنص الشارع، أي في المفهوم والدلالة ووجوب العمل به

کیونکہ پرانی عمارت کی انتظامیہ نے دارالعلوم کو سوسائٹی ایکٹ کے تحت رجسٹر کرالیا ہے، جس کے تحت وقف املاک کی حیثیت ختم ہو کر سوسائٹی کی ملکیت ہو جاتی ہے، لہٰذا اب جبکہ دارالعلوم وقف ہی نہ رہا تو وقف کے معاملات میں ان کا اطلاق بھی نہ ہوگا۔ صورتِ مسئولہ میں فرمایا جائے کہ رقم سابقہ عمارت کی نئی انتظامیہ کو ارسال کی جائے، یا جامع مسجد میں قائم کردہ دارالعلوم کی (سابقہ انتظامیہ جو دارالعلوم کو وقف سمجھتی ہے) پرانی انتظامیہ کو ارسال کی جائے؟

جواب:- صورتِ مسئولہ میں ہر شخص جو وقف کا متولی ہو، چاہئے کہ دارالعلوم دیوبند کی دونوں قسم کی انتظامیہ میں سے جس کو اپنی تحقیق اور بصیرت کے مطابق دارالعلوم کا جائز متولی سمجھے اس کو وقف کی آمدنی ارسال کر دے، بشرطیکہ وہ دارالعلوم کو ایک مذہبی ادارہ اور اس کی وقف جائیداد کو اس پر وقف ہونا تسلیم کرے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۴۰۸/۸/۱۹ھ
(فتویٰ نمبر ۳۹/۱۲۹۴ و)

مسجد میں تنگی کی بناء پر باہر کی جگہ کو مسجد میں شامل کرنے کا حکم

سوال:- ایک مسجد کا صحن کم ہے، نمازی کثرت سے آتے ہیں اور باہر مسجد کی جگہ جو ایک مسلمان کی ہے وہ بقیمت بھی جگہ نہیں دیتا اور اس جگہ ہوٹل اور دکانیں تعمیر کرتا ہے جو کہ مسجد کے لئے سخت نقصان کا موجب ہیں۔ کیا زبردستی بقیمت جگہ لے کر مسجد میں شامل کر دیں تو درست ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر باہر کی جگہ اس مسلمان کی اپنی ملکیت ہے تو اس پر زبردستی کر کے جگہ کو مسجد میں داخل کرنا جائز نہیں ہے،(۱) ہاں! اس کو راضی کیا جائے کہ وہ جگہ مسجد کو فروخت کر دے، اور بحیثیت ایک مسلمان اس کو چاہئے کہ وہ مسجد کی ضرورت کا خیال کرے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۴۰۱/۱۱/۲۴ھ
(فتویٰ نمبر ۳۲/۱۷۵۰ ج)

---

(۱) وفی مشکوٰۃ المصابیح ج ۱ ص ۲۵۵ (طبع قدیمی) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الا لا تظلموا، الا لا یحلّ مال امرئ الا بطیب نفس منه. رواه البیهقی فی شعب الایمان. وفی حاشیته: ای بالاذن او بالأمر.

فصل فی أحکام المساجد وآدابها

(مسجد کے اَحکام اور آداب کا بیان)

نیچے گودام اور اُوپر مسجد بنانے کا حکم

سوال:- اگر کسی مسجد کے زیرِ زمین حصے میں گودام ہو اور اُوپر کے حصے میں مسجد ہو تو کیا اُوپر کا حصہ بدستور جو بطور مسجد استعمال ہوتا ہے، وہ مسجد کے حکم میں آسکتا ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر بنانے والوں نے شروع سے ہی اس طرح تعمیر کیا کہ نیچے مسجد کی ضروریات کے لئے گودام رکھا اور اُوپر مسجد بنائی تو یہ صورت جائز ہے، لیکن اگر شروع میں اس جگہ کو مسجد بنادیا گیا تھا بعد میں گودام بنانا طے کیا گیا تو یہ جائز نہیں، لما فی الدر المختار وإذا جعل تحته سردابا لمصالحه أی المسجد جاز کمسجد القدس (الی قوله) أما لو تمت المسجدیة ثم أراد البناء منع۔[1]

واللہ سبحانہ اعلم
۳۰/۱۰/۱۳۹۷ھ

جو جگہ مسجد بنائی جائے وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی

سوال:- ایک مدرسہ ہے، اس میں ایک مسجد بھی ہے جو کمروں کے درمیان میں ہے، اور ایک طرف شارعِ عام بھی ہے، ارکانِ مدرسہ کا خیال ہے کہ مسجد کو شارعِ عام کی طرف منتقل کیا جائے، اور یہ شارعِ عام بھی مدرسہ ہی کا ہے، اور قدیم مسجد میں طلباء کے لئے کمرے بنائے جائیں، کیا یہ انتقال جائز ہوگا؟

جواب:- جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن جاتی ہے وہ قیامت تک مسجد ہی رہتی ہے، اور جب تک وہ جگہ بالکل ویران نہ ہو جائے اسے منتقل کرنا جائز نہیں ہوتا۔[2] دُوسری جگہ مسجد کی ضرورت ہو تو الگ

---

(۱) ردالمحتار کتاب الوقف ج ۴ ص ۳۵۸ طبع سعید، وفی الهندیة کتاب الوقف ج ۲ ص ۴۵۵ طبع رشیدیہ کوئٹہ: ولو کان السرداب لمصالح المسجد جاز کما فی مسجد بیت المقدس کذا فی الهدایة.

(۲) وفی الدر المختار ج ۴ ص ۳۵۹ طبع سعید: ولو خرب ما حوله واستغنی عنه یبقی مسجدا عند الامام والثانی ابدا الی قیام الساعة وبه یفتی، حاوی القدسی. وفی الشامیة قوله عند الامام والثانی، فلا یعود میراثا ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلون فیه أو لا وهو الفتوی.

بنائی جاسکتی ہے، اگر یہ جگہ عارضی طور پر نماز پڑھنے کے لئے مقرر کی گئی تھی اور اسے باقاعدہ مسجد نہیں بنایا گیا تھا تو آپ اسے منتقل کرسکتے ہیں۔[1] کذا فی الدر المختار والبحر[2] وسائر کتب الفقہ۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۲/۹ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

(فتویٰ نمبر ۲۳۳/۱۹ الف)

مسجد کو ایک جگہ سے دُوسری جگہ منتقل کرنے کا حکم

سوال:- جمعہ مسجد کو اپنی جگہ سے ہٹانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- جو جگہ ایک مرتبہ مسجد بن گئی اب وہ قیامت تک مسجد ہی رہے گی، اور جب تک اس سے کامل استغناء نہ ہو جائے، یعنی وہ جگہ بالکل ویران نہ ہو جائے مسجد کو وہاں سے منتقل کرنا بالاتفاق جائز نہیں ہے۔ قال أبو یوسف: ھو مسجد أبدًا الی قیام الساعة لا یعود میراثًا ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلّون فیه أو لا وھو الفتوی، کذا فی الحاوی القدسی، وفی المجتبی وأکثر المشائخ علی قول أبی یوسف ورجح فی فتح القدیر قول أبی یوسف بأنه الأوجه. (البحر الرائق ج ۵ ص ۲۷۲)۔[3]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۱/۱۴ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

(فتویٰ نمبر ۱۹ الف)

فضائل کی کتاب پڑھنے کے لئے مسجد کی بجلی، موم بتی وغیرہ استعمال کرنے کا حکم

سوال:- فضائل کی کتاب پڑھنے کے لئے مسجد کی بجلی، موم بتی وغیرہ جلانا اور پنکھے چلانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- اس مسئلے میں اصل مدار وقف کی نیت اور شرط پر ہے، اور اگر واقف کی نیت

---

(۱) دیکھئے گزشتہ صفحے کا حاشیہ نمبر۲۔

(۲) وفی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵[illegible] طبع سعید، [illegible] قال ابو یوسف هو مسجد أبدا الی قیام الساعة لا یعود میراثًا ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانوا یصلّون فیه او لا وهو الفتوی

(۳) البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵[illegible] طبع سعید، وکذا فی الدر المختار ج ۴ ص ۳۵۹ طبع سعید، (۴) دیکھئے سابقہ فتویٰ اور اس کا حاشیہ)

شرط مصرح نہ ہو تو عرف کا اعتبار ہوتا ہے، یعنی اگر مسجد کی روشنی اور پنکھے وغیرہ دوسرے دینی امور میں استعمال کرنا متعارف ہو اور مسجد کے چندہ دہندگان اس پر اعتراض نہ کرتے ہوں تو جائز ہے، اور ہمارے عرف میں اس پر اعتراض نہیں کیا جاتا، اس لئے فتویٰ کی رو سے جائز ہے۔

لما فی العالمگیریة: ولا بأس بأن یترک سراج المسجد فی المسجد الی ثلث اللیل، ولا یترک أکثر من ذلک الا اذا شرط الواقف ذلک أو کان ذلک معتادا فی ذلک الموضع (عالمگیریة قبیل باب الوتر ج:۱ ص:۱۱۰)۔[1]

وفیها أیضًا: ان أراد انسان أن یدرس الکتاب بسراج المسجد ان کان سراج المسجد موضوعًا فی المسجد للصلاة قیل: لا بأس به، وان کان موضوعًا فی المسجد لا للصلاة بأن فرغ القوم من صلاتهم وذهبوا الی بیوتهم وبقی السراج فی المسجد قالوا: لا بأس بأن یدرس به الی ثلث اللیل وفیما زاد علی الثلث لا یکون له حق التدریس کذا فی فتاوی قاضی خان (عالمگیریه کتاب الوقف ج:۲ ص:۴۵۹)۔[2]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۶/۱۱/۱۶ھ
(فتویٰ نمبر ۲۵۵۳/۲۷ ب)

مسجد کے لاؤڈ اسپیکر کو مسجد سے باہر نکال کر جلسے کے لئے استعمال کرنا

سوال:- قصبہ باغ کے مسلمانوں نے چندہ کرکے جامع مسجد کے لئے لاؤڈ اسپیکر خریدا، ضرورت یہ پیش آتی تھی کہ قصبے میں گنجان آبادی کے باعث نماز جمعہ وعیدین اور دیگر مجامع میں اذان یا خطبہ کی آواز لوگوں تک نہیں پہنچتی تھی اور مذہبی وتبلیغی مجالس میں بھی لاؤڈ اسپیکر کی اشد ضرورت تھی، اس ضرورت کے پیش نظر چندہ سے لاؤڈ اسپیکر خرید لیا گیا۔ اب چند سالوں سے بعض دیہات وغیرہ میں اور فوجی مراکز میں جلسے ہوتے ہیں، دیہات میں تو مذہبی اجلاس ہوتے ہیں اور فوج میں تو نری نمائش ہوتی ہے، یا خوشی کے دن کچھ مجلس منعقد ہوتی ہیں، اور خاص قصبہ مذکور میں بھی کبھی کبھی سیاسی مجالس ہوتی ہیں، یہ لوگ مسجد کا لاؤڈ اسپیکر لے جاکر استعمال کرتے ہیں، بعض تو کرایہ بھی نہیں دیتے اور بار بار

---

(۱) (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

(۲) الفصل الاول (طبع مکتبہ رشیدیہ). وفیها ایضا کتاب الکراهیة ج:۵ ص:۳۲۲ هل یجوز ان یدرس الکتاب بسراج المسجد والجواب فیه انه ان کان موضوعا للصلوة فلا بأس به وان وضع لا للصلوة بان فرغوا من الصلوة وذهبوا الی بیوتهم الی ثلث اللیل لا بأس به وان اخر من ثلث اللیل لیس له ذلک کذا فی المضمرات فی کتاب الهبة
وفیها ایضا کتاب الصلوة قبیل باب الوتر ج:۱ ص:۱۱۰ ولا بأس بالجلوس فی المسجد بغیر الصلوة لکن لو بعث به شیء یضمن کذا فی الخلاصة

پریشان کرتے ہیں، کبھی کبھی لاؤڈ اسپیکر خراب ہو جاتا ہے تو راولپنڈی لے جاکر مرمت کرنی پڑتی ہے۔ تو گزارش یہ ہے کہ مذکورہ بالا مجالس میں اس لاؤڈ اسپیکر کا استعمال درست ہے یا نہیں؟ اور نمازِ جمعہ اسپیکر پر پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب — صورتِ مسئولہ میں لاؤڈ اسپیکر کو مسجد سے باہر نکال کر کسی بھی جلسے وغیرہ میں استعمال کرنا درست نہیں ہے۔ لقول الفقهاء ولا يغير رأى الوقف ودخل فيه المقبول المتعارف، ولما في البحر وليس لمتولي المسجد أن يحمل سراج المسجد الى بيته ويجوز الدرس بسراج المسجد ان كان موضوعا فيه لا للصلاة الى ثلث الليل وفيما زاد على الثلث ليس لهم تأخيرها فلا يكون لهم حق الدرس (بحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۰)۔

اور نمازِ جمعہ لاؤڈ اسپیکر پر پڑھ سکتے ہیں۔ واللہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۷ھ
(فتویٰ نمبر ۲۰۲/۱۹ الف)

مسجد کا لاؤڈ اسپیکر رفاہی ضروریات کے لئے استعمال کرنا

سوال — مسجد کا لاؤڈ اسپیکر اور مسجد کو سیلاب زدگان کا امدادی فنڈ جمع کرنے کے لئے اور دیگر اعلانات کرنے کے لئے استعمال کر سکتے ہیں؟

جواب — اصل یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے مسجد کی اشیاء موقوفہ کو مسجد کی ضروریات سے علاوہ استعمال نہ کیا جائے، البتہ جو اشیاء مسجد پر وقف نہ ہوں انہیں چندہ دینے والوں کی اجازت سے کسی اور مقصد میں استعمال کر سکتے ہیں۔ چونکہ جو لوگ مسجد میں لاؤڈ اسپیکر وقف کرتے ہیں ان کی طرف سے اس کی اجازت معتاد و متعارف ہے، اور اس معاملے میں مدار عرف و عادت ہی پر ہے، اس لئے مذکورہ مقصد میں استعمال کی گنجائش ہے۔ لما فی الهندية ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز الى ثلث الليل أو نصفه اذا احتيج اليه للصلاة فيه كذا في السراج الوهاج ولا يجوز أن يترك فيه كل الليل الا في

---

(۱) البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۰ طبع سعيد، وفي الهندية ج ۲ ص ۴۶۲ متولي المسجد ليس له أن يحمل سراج المسجد الى بيته وله أن يحمله من البيت الى المسجد كذا في فتاوى قاضي خان
وفي البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۰ وفي الاسعاف وليس لمتولي المسجد أن يحمل سراج المسجد الى بيته وفي خلاصة الفتاوى ولا يحمل الرجل سراج المسجد الى بيته ويحمل من بيته الى المسجد ج ۱ ص ۲۲۹ طبع مكتبه رشيديه كوئته) بحوالہ امداد الاحکام دیکھئے ج ۳ ص ۱۷۳۔

موضع جرت العادة فيه بذلك كمسجد بيت المقدس ومسجد النبي صلى الله عليه وسلم والمسجد الحرام، أو شرط الواقف تركه فيه كل الليل كما جرت العادة به في زماننا، كذا في البحر الرائق. (عالمگیریة كتاب الوقف باب ۱۱ فصل ۱ ج ۲ ص ۴۵۹)[1] واللہ اعلم

۲۳/۳/۱۳۹۸ھ

۱:- مسجد کو حتی الامکان آباد کرنا ضروری ہے
۲:- ضرورتِ شدیدہ کے وقت مسجد کو منتقل کرنے کی گنجائش ہے
۳:- ضد کی وجہ سے بنائی گئی مسجد کا حکم
۴:- استغناء کی وجہ سے دُوسری مسجد کو سامان دے دینے کے بعد پھر پہلی مسجد کو ضرورت پیش آئے تو کیا حکم ہے؟

سوال:- حکومت برطانیہ کے دور میں یہاں ایک مسجد آباد تھی، جب ہندو لوگ مائگریشن کرکے چلے گئے اور مسلمان بھی وہاں سے ختم ہوگئے تو ایک صاحب نے اس مسجد کو دوسرے گاؤں والوں کو دے دیا، پھر ہندوستان سے یہاں آکر آباد ہوگئے اور انہوں نے ایک اور مسجد بنوادی جس میں جمعہ وغیرہ ہوتا ہے۔ حال ہی میں ایک بی ڈی ممبر نے ایک تیسری مسجد قائم کردی، چند دنوں سے اس میں نماز بھی ہو رہی ہے اور یہ کہا جارہا ہے کہ مسجد ثانی کو نابود کیا جائے۔ سابق مسجد (یعنی سب سے پہلی مسجد) کے متولی کی خواہش ہے کہ اسی سابق مسجد کی جگہ نئی مسجد قائم کی جائے اور وہاں نماز پڑھا کریں کیونکہ ثانی مسجد کے آس پاس صرف چھ سات آدمی رہتے ہیں، وہ لوگ اس مسجد میں بھی چل کر آسکتے ہیں۔ اب غرض یہ ہے کہ ۱- سابق مسجد جو برطانیہ کے دور میں آباد تھی اس کو آباد کیا جائے؟ ۲- دوسری مسجد کو کیا کیا جائے؟ ۳:- تیسری مسجد ضرار ہے؟ ۴- سابقہ مسجد کے ٹین جو دُوسری مسجد میں دیئے گئے ہیں کیا کیا جائے؟

جواب ۱:- جب مسلمانوں کے دوبارہ آباد ہونے کی وجہ سے پہلی مسجد کی ضرورت پیش آگئی تھی تو اسے آباد کرنا چاہئے تھا، اور اب بھی اس کو آباد کیا جائے، لأنه مسجد إلى قيام الساعة على قول الشيخين المفتى به۔[2]

۲- دُوسری مسجد بھی تمام احکام میں مسجد کی طرح ہے، اُسے باقی رکھنا ضروری ہے، ہاں! اگر

---

(۱) (طبع مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) نیز دیکھئے سابقہ فتویٰ اور اس کا حاشیہ۔

(۲) وفي البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ (طبع رشيديه كوئٹه) قال أبو يوسف هو مسجد أبدا إلى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله إلى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه أو لا وهو الفتوى، وكذا في الدر ج ۴ ص ۳۵۸

یہاں سے مسجد کو منتقل کرنے کی ضرورت شدید ہو اور یہاں نماز پڑھنے والے باقی نہ رہیں تو ضرورت شدیدہ کی بناء پر اس کو منتقل کرنے اور اس کا ملبہ و سامان وغیرہ سابقہ مسجد میں سے جانے کی گنجائش ہے۔[1] وفی جامع الفتاوی لہم تحویل المسجد الی مکان آخر ان ترکوہ بحیث لا یصلّی فیہ (رد المحتار ج ۳ ص ۵۱۲).

وقد افتی بجواز ذلک شیخنا التھانوی عند الضرورۃ الشدیدۃ۔ (امداد ج ۲ ص ۶۲۴)

لیکن مسجد کی جگہ کو اس طرح محفوظ کردیں کہ بے ادبی نہ ہو، صرف سامان منتقل کر سکتے ہیں۔

۳- تیسری مسجد بھی تمام احکام میں مسجد ہے، اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔ البتہ اگر بنانے والوں نے واقعۃً ضد کی وجہ سے بنائی ہے اور اس سے دوسری مسجد کو ویران کرنا مقصود ہے تو بنانے والوں پر اس کا گناہ ہوگا، اس صورت میں بھی اس کو مسجد ضرار تو نہیں کہہ سکتے مگر ضد کی وجہ سے اس سے مشابہ ہوں، لیکن اس سے اس کی مسجدیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔[2]

۴- یہ جزئیہ تلاش کے بعد بھی نہیں مل سکا کہ ایک مسجد کا سامان جب استغناء کے وقت دوسری مسجد کو دے دیا گیا ہو پھر پہلی مسجد کو اس کی ضرورت پڑے تو واپس لیا جاسکتا ہے یا نہیں؟ قواعد سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ ٹین وغیرہ دوسری مسجد کے ہوگئے، پہلی مسجد میں نہ لوٹائے جائیں۔ احتیاطاً اس میں دوسرے علماء سے بھی رجوع کرلیا جائے۔

واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی بلندشہری عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۱/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۱۹/۷ الف)

---

(۱) وفی البحر ج ۵ ص ۲۷۲ طبع رشیدیہ کوئٹہ وبہ علم أن الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد وفی جواز نقلها للضرورۃ) وعلی قول ابی یوسفؒ فی تابید المسجد

وفی الشامیۃ ج ۴ ص ۳۶۰ سئل شیخ الاسلام عن أهل قریۃ رحلوا وتداعی مسجدها الی الخراب، وبعض المتغلبۃ یستولون علی خشبه وینقلونه الی دورهم هل لواحد لأهل المحلۃ أن یبیع الخشب بأمر القاضی ویمسک الثمن لیصرفه الی بعض المساجد او الی هذا المسجد؟ قال نعم. وحکی انه وقع مثله فی زمن سیدنا الامام الأجل فی رباط فی بعض الطرق خرب ولا ینتفع المارۃ به وله أوقاف عامرۃ فسئل هل یجوز نقلها الی رباط آخر ینتفع الناس به؟ قال نعم، لأن الواقف غرضه انتفاع المارۃ ویحصل ذلک بالثانی. وفی الشامیۃ ج ۴ ص ۳۵۹ جزم به فی الاسعاف حیث قال ولو خرب المسجد وما حوله وتفرق الناس عنه لا یعود الی ملک الواقف عند ابی یوسف فیباع نقضه باذن القاضی ویصرف ثمنه الی بعض المساجد

(۲) کل مسجد بنی مباهاۃ او ریاء او سمعۃ او لغرض سوی ابتغاء وجه اللہ تعالی أو بمال غیر طیب فهو لاحق بمسجد الضرار [illegible] قال صاحب الکشاف وعن عطاء لما فتح اللہ الامصار علی عمر رضی اللہ عنه امر المسلمین ان یبنوا المساجد وان لا یتخذوا فی مدینۃ مسجدین یضار احدهما صاحبه. هذا لفظه، فالعجب من المتسمین بالمشایخ فی زماننا یبنون فی کل ناحیۃ مساجد طلبا للاسم والرسم والاستعلاء لانفسهم واقتداء بابائهم ولم یتأملوا ما فی هذه الآیۃ والقصۃ من شناعۃ حالهم وسوء فعالهم (الاکلیل ج ۳ ص ۲۹۲، بحوالہ فتاوی محمودیہ ج ۱۰ ص ۱۶۱) فرع [illegible] مستقل وفی [illegible] وفی المسجد [illegible] مخصوص به فلا یعد من ملحقاته (الاکلیل ج ۳ ص ۲۸۳) بحوالہ فتاوی محمودیۃ ج ۱۰ ص ۱۶۳.

دیگر مساجد دور ہونے کی وجہ سے قریب کے علاقے میں مسجد بنانے اور اس کی مخالفت کا حکم

سوال - ہمارے پاس ایک پلاٹ جو کہ کے ڈی اے (گورنمنٹ ادارہ) نے عوام الناس کے رفاہی مقاصد کے لئے مختص کیا ہوا ہے، متذکرہ پلاٹ کے ڈی اے کی جانب سے ابھی تک کسی کو الاٹ نہیں کیا گیا، جس سیکٹر میں یہ پلاٹ موجود ہے، اس علاقے کے چند لوگوں نے کراچی کے دیگر علاقوں کے رہائش پذیر حضرات سے مل کر ایک انجمن برائے تعمیر مسجد و مدرسہ تشکیل دی، یہ انجمن خالصتاً مذہبی ہے اور اس کا تعلق فقہ حنفی سے ہے، کسی سیاسی پارٹی سے اس کا کوئی تعلق قطعاً نہیں ہے۔

اس انجمن نے کے ڈی اے کو متذکرہ پلاٹ برائے تعمیر مسجد و مدرسہ حاصل کرنے کے لئے درخواست دی، اس پلاٹ کو الاٹمنٹ جاری کرنے کے لئے کے ڈی اے کی جانب سے طلب کردہ نو آبجکشن سرٹیفکیٹ (N O C) جو کہ علاقے کے ڈپٹی کمشنر سے لینا ہوتا ہے (یہ سرٹیفکیٹ اس بات کی غمازی کرتا ہے کہ متذکرہ پلاٹ اس انجمن کو برائے تعمیر مسجد و مدرسہ الاٹ کردیا جائے تو اس سے مقامی انتظامیہ کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا)، الحمدللہ سرٹیفکیٹ ڈپٹی کمشنر نے ہماری انجمن کے حق میں جاری کردیا ہے۔

اسی صورت سے انجمن کو گورنمنٹ سندھ کے رجسٹرار آفس سے اپنے اغراض و مقاصد تحریری پیش کرکے رجسٹرڈ کروانا ہوتا ہے، الحمدللہ انجمن نے رجسٹرار کی جانب سے رجسٹریشن سرٹیفکیٹ بھی حاصل کرلیا ہے، قانون کے مطابق مسجد اور مدرسہ کی عمارت تعمیر کرنے کے لئے کل خرچ کا دس فیصد انجمن کے پاس موجود ہونا چاہئے، الحمدللہ سرکاری بینک سے یہ سرٹیفکیٹ بھی حاصل کرلیا گیا ہے۔

مذکورہ بالا تمام سرٹیفکیٹس حاصل کرلینے کے بعد کے ڈی اے کے افسر اعلیٰ نے ہماری الاٹمنٹ کی درخواست وصول کرتے ہوئے اس پر جو حکم تحریر کیا ہے اس کا مفہوم یہ ہے "مکمل کاروائی کرکے الاٹمنٹ کمیٹی کے سامنے فوری پیش کردیا جائے۔ ڈائریکٹر جنرل" نیز انجمن کے ممبران نے اس بات کی تحقیق کرلی ہے کہ مذکورہ پلاٹ کے الاٹمنٹ کے لئے ہماری درخواست سے قبل اور اب تک کسی دوسرے فرد یا ادارے یا انجمن نے کے ڈی اے کو درخواست نہیں دی ہے، لہٰذا انجمن بذات تمام ممبران اور علاقے کے دیگر لوگوں کے مشورے سے اس پلاٹ پر سیمنٹ بلاک کی مسجد تعمیر کردی گئی ہے، اور اس تعمیر شدہ مسجد میں ایک ماہ سے زائد عرصے سے پنج وقتہ نمازیں باجماعت ہورہی ہیں۔ ایک مستند امام دین کے ماتحت علاقے کے بچوں کو دینی تعلیم و ناظرہ قرآن پاک پڑھانے کے لئے بھی انتظام

کردیا گیا ہے، جس میں علاقے کے بچے اور بچیاں بلا معاوضہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

۱- اب جناب والا سے گزارش ہے کہ مندرجہ بالا حقائق کے پیش نظر آپ یہ فرمائیں کہ اس قائم شدہ مسجد میں نمازیں ادا کرنا جائز ہے یا نہیں؟ کیونکہ علاقے کے کچھ افراد اس قائم شدہ مسجد کی مخالفت کر رہے ہیں اور دوسرے لوگوں کو اس مسجد میں نماز ادا کرنے سے روک رہے ہیں، اور ان کی مخالفت یہاں تک ہے کہ حکام بالا سے اپنے اثر و رسوخ استعمال کر کے نعوذ باللہ اس مسجد کو منہدم کروانے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں، ان کا کہنا یہ ہے کہ اس علاقے میں دو مسجدیں کافی ہیں، تیسری کی ضرورت نہیں۔ جبکہ پہلے سے قائم شدہ دونوں مسجدیں اس نئی قائم شدہ مسجد سے کافی فاصلے پر ہیں۔

۲- فریق مخالف اس قائم شدہ مسجد کو منہدم کروا کر اس پلاٹ پر لائبریری یا اس قسم کا کوئی اور سینٹر وغیرہ قائم کرنا چاہتے ہیں۔ پوچھنا یہ ہے کہ ان کا یہ پروگرام از روئے شرع کیسا ہے؟ جبکہ انجمن (جس کے تحت یہ مسجد قائم ہے) کے پروگرام میں یہ بات واضح ہے کہ اس پلاٹ پر مسجد کے ساتھ ساتھ ایک بڑا دینی مدرسہ قائم کیا جائے گا، جس کے ساتھ مسجد ہونا شدید ضروری ہے۔

جواب- جب دوسری مسجدیں فاصلے پر ہیں، تو اس جگہ مسجد بنانے کی کوشش باعث اجر و ثواب ہے، اور جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں انہیں اس سے باز آنا چاہئے۔ اس تمہید کے بعد سوالات کا جواب درج ذیل ہے:-

۱:- نماز پڑھنا جائز ہے۔

۲- مسجد کی تعمیر کی مخالفت جبکہ اس کی ضرورت ہو اور اس کی قانونی کاروائی جاری ہو، کسی طرح جائز نہیں، بلکہ وبال کا اندیشہ ہے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۴۰۸/۹/۲ھ
(فتویٰ نمبر ۳۹/۱۷۹۸ و)

مسجد کو اُونچا کرنے کی غرض سے مسجد کے نیچے بنے ہوئے کمروں کا حکم

سوال- ایک جامع مسجد پہاڑی علاقے میں آج سے تقریباً چالیس برس پہلے تعمیر ہوئی تھی، پہاڑی علاقے کی ڈھلوانی سطح کی وجہ سے اس مسجد کے نیچے چار پانچ کمرے بنائے گئے تاکہ ہموار جگہ بن جائے، اور اس کے اوپر جامع مسجد تعمیر کی گئی، اس وقت کے بعد کچھ عرصہ تک نیچے والے کمرے قائم

وفی مشکوة المصابیح، باب المساجد ومواضع الصلوة ج ۱ ص ۶۸ طبع قدیمی کتب خانہ کراچی
عن عثمان رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی للہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ متفق علیہ

رہے، بعد میں جوں جوں مسجد کی ضروریات بڑھتی گئیں وہ کمرے کرایہ پر دے دیئے گئے، اب اس مسجد کا خطیب زید ہے، کمیٹی مسجد والوں نے ان کمروں کے ساتھ مسجد سے باہر لیٹرین، غسل خانہ وغیرہ بنادیا ہے تاکہ زید اپنے بال بچوں سمیت ان زیر مسجد کمروں میں رہے، کیونکہ رہنے کے لئے ان کمروں کے علاوہ اور کوئی جگہ نہیں ہے، اور ان کمروں کی صفائی وغیرہ اور لیٹرین، غسل خانے پر تقریباً چار ہزار روپے سے زائد رقم بھی خرچ کی جاچکی ہے، اور زید نے عام حالات کے تحت جبکہ مسجد کے نیچے دکانیں اور مکانات وغیرہ ہوتے ہیں، اس معاملے میں کوئی احتیاط نہ کی، اب جب اس نے اس معاملے میں مسائل کو دیکھا تو تردد میں پڑگیا کہ اب کیا کیا جائے؟ یہ کمرے فارغ بھی نہیں چھوڑے جاسکتے، اور اب یہاں سے بال بچوں کو واپس بھیجنے میں مسجد کمیٹی والوں کے معاملے میں کچھ فتنہ وفساد کا بھی خطرہ ہے۔ اب دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ ان مجبوریوں کی بناء پر زید مسجد کے نیچے اپنے بال بچوں کے ساتھ رہ سکتا ہے یا تحت الثریٰ تک مسجد ہونے کی وجہ سے کسی صورت میں بھی بال بچوں کے ساتھ مسجد کے نیچے والے کمروں میں نہیں رہ سکتا، بصورت دیگر ان کمروں کو کسی اور کرایہ دار کو جو بال بچے دار ہو کرایہ پر دے سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب - جس جگہ پر یہ کمرے بنائے گئے ہیں اگر وقف کرنے والے نے اس جگہ کو مسجد پہلے بنادیا تھا اور کمرے بعد میں تعمیر کئے تب تو یہ کمرے مسجد کے ہیں اور انہیں رہائشی مکان میں تبدیل نہیں کیا جاسکتا، لیکن اگر واقف نے شروع سے ہی یہ تصریح کی تھی کہ نیچے کے کمرے امام کی رہائش یا مسجد کی مصالح میں سے کسی اور مصلحت کے لئے وقف ہوں گے اور ان کی تعمیر کے بعد جب جگہ ہموار ہوجائے گی تو اس پر مسجد تعمیر کی جائے گی، اور صرف اوپر کا حصہ مسجد ہوگا، نیچے کا نہیں، تو اس صورت میں یہ نیچے کے کمرے امام کی رہائش کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ اس صورت میں یہ کمرے مصالح مسجد کے لئے وقف تو ہوں گے لیکن ان پر مسجد کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

لما في الهداية: ولو كان السرداب لمصالح المسجد جاز كما في مسجد بيت المقدس، وروى الحسن عنه أنه قال: إذا جعل السفل مسجدًا وعلى ظهره مسكن فهو مسجد لأن المسجد مما يتأبد وذلك يتحقق في السفل دون العلو، وعن محمد على عكس هذا لأن المسجد معظم وإذا كان فوقه مسكن أو مستغل يتعذر تعظيمه، وعن أبي يوسف أنه جوز في الوجهين حين قدم بغداد ورأى ضيق المنازل فكأنه اعتبر الضرورة وعن محمد أنه حين دخل الري أجاز ذلك كله. (هداية اولين ج ۲ ص ۶۲۵)(۱) وفي الدر المختار: لو بنى فوقه بيتًا للامام

(۱) هداية كتاب الوقف ج ۲ ص: ۶۲۴ و ۶۲۵ (طبع شركت علميه ملتان)

لا یصیر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدیة ثم أراد البناء منع (شامی کتاب الوقف أحکام المسجد)[1]، وراجع أیضاً امداد الفتاوی[2] وامداد المفتین[3]۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۹/۲۸ھ
(فتویٰ نمبر ۹۹۶/۲۸ ج)

قبلے سے بائیس درجے انحراف پر بنائی گئی مسجد کا حکم

سوال:- گوجرہ منڈی ضلع لائل پور کی جس مسجد کے بارے میں دریافت کیا گیا تھا کہ اس کا رُخ پرانی مسجد سے ۲۲ درجہ جنوب کو پھرا ہوا ہے، جناب نے فرمایا تھا کہ صفوف کا نشان پرانی مسجد کے مطابق لگایا جائے، منتظمین حضرات صفوں کے نشان پرانی مساجد کے مطابق لگانے کے لئے تیار نہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ رُخ پرانی مساجد سے زیادہ سمت قبلہ کی جانب ہے، دراصل بات یہ ہے کہ اس طرح تعمیر مسجد سہو نہیں بلکہ عمداً کی گئی ہے، رُخ درست کرنے والے صاحب پرویز مسلک کے تھے جیسے کہ علامہ مشرقی نے بھی کہا تھا کہ ہندوستان اور پاکستان کی تمام مساجد کا رُخ غلط ہے، پرانی مسجد کا رُخ، یہ مسجد تعمیر کرتے ہوئے غلط جان کر ترک کیا گیا تھا، اب اگر کوئی شخص نماز جماعت میں ذرا رُخ بدل کر جماعت میں شریک ہوجائے تو کیا جائز ہے؟ اور اس کی نماز درست ہے یا نہیں؟ اور مذکورہ مسجد کے رُخ پر نماز پڑھنے پر اس کا دل نہ مانتا ہو۔

جواب:- کوشش اس بات کی کرنی چاہئے کہ اہل مسجد سمت قبلہ کے سلسلے میں متفق ہوکر یہ رُخ صحیح کرلیں، تاہم اگر اہل مسجد اس پر آمادہ نہیں ہیں تو ۲۲ درجے انحراف سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔[4] دفع شر کے لئے اسی رُخ پر نماز پڑھ لینے کی گنجائش ہے جس رُخ پر تمام اہل محلہ نماز پڑھ رہے

---

(۱) فتاوی شامیة ج ۴ ص ۳۵۸ (طبع سعید کراچی).
(۲) امداد الفتاوی ج ۲ ص: ۶۸۳ (طبع مکتبه دار العلوم کراچی).
(۳) امداد المفتین ص ۸۱۱ (طبع دار الاشاعت کراچی)
وفی البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ (طبع رشیدیه کوئٹه)، لو بنی بیتاً علی سطح المسجد لسکنی الامام فانه لا یضر فی کونه مسجداً لأنه من المصالح ... الخ
وفی الدر المختار ج ۴ ص ۳۵۷ و ۳۵۸ (طبع سعید)، وإذا جعل تحته سرداباً لمصالحه أی المسجد جاز کمسجد القدس ولو جعل لغیرها او جعل فوقه بیتاً وجعل باب المسجد الی طریق وعزله عن ملکه لا یکون مسجداً اھ
وفی الفتاوی التاتارخانیة ج ۵ ص ۸۴۴ طبع ادارة القرآن والعلوم الاسلامیة کراچی، وفی النوازل ولو جعل العلو مسجداً والسفل وقفاً علی المسجد واخرجه من یده یجوز وکذلک لو جعل السفل مسجداً للناس والسرداب وقفاً علی ذلک واخرجه من یده یصح لأنه لله تعالی وکذا فی الهندیة ج ۲ ص ۴۵۵
نیز دیکھئے امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۶۸۳ تا ۶۸۵۔
(۴) تفصیل کے لئے "جواہر الفقہ" از مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں رسالہ "سمت قبلہ" خصوصاً ج ۱ ص ۲۴۳ تا ۲۴۴ ملاحظہ فرمائیں۔

ہیں، امام کے رخ سے منحرف ہو کر اپنا الگ رخ کرنا اس کے مقابلے میں زیادہ برا ہے۔

واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۸/۵/۱۸ھ

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع

بوقت ضرورت مسجد سے پانی لینے کی نیت سے چندہ دینے کا حکم

سوال - مسجد کے اخراجات میں چندہ اس نیت سے دیا کہ جب پانی کی ضرورت ہوگی تو مسجد سے لے جائیں گے، اس صورت میں مسجد سے پانی لے جانا جائز ہوگا یا نہیں؟

جواب - اگر چندہ دہندگان میں یہ بات معروف ہو کہ ضرورت کے وقت اہل محلہ بھی وہاں سے پانی لے سکیں گے تو گنجائش ہے، ورنہ نہیں۔(۱)

واللہ اعلم

۱۳۹۷/۹/۱۰ھ

(فتویٰ نمبر ۳۰/۹۳۶ ب)

مسجد میں نکاح کی تقریب میں ویڈیو اور مووی بنانے کا حکم

سوال - گزارش یہ ہے کہ چونکہ نکاح خوانی عموماً مسجد میں ہوتی ہے، اور نکاح کی رسم بعد تقریبات ویڈیو اور مووی فلم پر ریکارڈ کی جاتی ہیں، تاکہ آئندہ مستقل بذریعہ کیسٹوں کے دوبارہ یاد تازہ رہ سکے۔ کیا عام مسجدوں میں ویڈیو فلموں کی کیسٹیں تیار کرنا جائز ہے؟

جواب:- درست نہیں۔

واللہ اعلم

۱۴۰۹/۳/۱۶ھ

(فتویٰ نمبر ۳۰/۵۰۶ ب)

مسجد کمیٹی کے اوصاف
اور کیا بے نمازی مسجد کمیٹی کا ممبر بن سکتا ہے؟

سوال:- ایک شخص مسجد کی انتظامی کمیٹی کا ممبر بننے کے لئے خود کو پیش کرتا ہے، اصرار کرتا ہے اور ممبر بن جاتا ہے، حالانکہ مذکورہ شخص متعلقہ مسجد میں کسی بھی وقت کی نماز ادا کرتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا، جس سے خیال ہوتا ہے کہ شاید کسی نظری اختلاف کے باعث کسی دوسری مسجد میں جاتا ہوگا۔ اگرچہ دیکھا نہیں گیا، مگر عام رائے یہی ہے کہ موصوف چونکہ نماز کا پابند نہیں اس لئے کسی بھی مسجد میں جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، اب سوال یہ ہے کہ:-

---

(۱) وفی الشامیة ج:۳ ص ۳۴۰ (طبع سعید) انّ المعروف کالمشروط وکذا فی البحر الرائق ج ۲ ص ۴۳ (طبع دار المعرفة بیروت)

۱- ایسے شخص کا کسی ایسی مسجد میں جس میں وہ قطعاً نماز ادا نہیں کرتا، انتظامی کمیٹی کا ممبر بننا کیسا ہے؟

۲- ایسے شخص کا مستقل نمازیوں پر مشتمل کمیٹی کے کاموں میں دخل اندازی کرنا کیسا ہے؟

۳- ایسے شخص کا مسجد کی ملک یا جدید دکو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کروانا یا مستقل نمازیوں پر مستقل کمیٹی کے مشترکہ فیصلے کے خلاف استعمال کروانا کیسا ہے؟

جواب:- مسجد کا انتظام نیک، متقی لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہئے[۱]، اور کم سے کم نماز کا پابند ہونا تو نہایت ضروری ہے۔ جو شخص نماز کا پابند نہ ہو، اہل نمازیوں کی موجودگی میں اس کو مسجد کی انتظامیہ کا رکن بنانا درست نہیں۔ بالخصوص جبکہ وہ خود اس رکنیت کا طالب ہو، اور مسجد کی مصالح کے خلاف کام کرتا ہو[۲]۔

واللہ اعلم

۱۴۱۰/۱/۹ھ

(فتویٰ نمبر ۵۲/۴۱ الف)

خانقاہ کے "تسبیح خانہ" کے لئے چندہ کرنے کا حکم

سوال:- ایک خانقاہ ہے اس میں ایک تسبیح خانہ ہے جس میں بچھانے کے لئے ایک قیمتی قالین خریدنے کے لئے چندہ کیا جاتا ہے، لہٰذا اس میں چندہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- تسبیح خانے میں کوئی عمل اگر بدعت کا نہ ہوتو اس کی ضرورت کے لئے چندہ جائز ہے، لیکن چندہ جبر کر کے نہ ہو[۳]۔

واللہ اعلم

محمد تقی عثمانی

الجواب صحیح

العبد محمد عاشق الٰہی

۱۳۸۸/۲/۳ھ

وقتی ضرورت کے لئے بنائی گئی مسجد کی جگہ پر دُکان تعمیر کرنے کا حکم

سوال:- ایک کارخانہ دار نے کارخانے کے کونے میں ایک جگہ نماز کے لئے بنا رکھی تھی،

---

(۲) وفي الهندية ج ۲ ص ۴۰۸ طبع ماجدية كوئٹه: الصالح للنظر من لم يسأل الولاية للوقف وليس فيه فسق يعرف هكذا في فتح القدير. وفي الإسعاف لا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه الخ. وفي الشامية ج ۴ ص ۳۸۰ طبع سعيد، قوله غير مأمون الخ في الإسعاف ولا يولى إلا أمين قادر بنفسه أو بنائبه لأن الولاية مقيدة بشرط النظر وليس من النظر تولية الخائن لأنه يخل بالمقصود. وكذا في الهندية ج ۲ ص ۴۰۸، وقانون العدل والانصاف ص ۱۲۸.

(۳) وفي المشكوة ج ۱ ص ۲۵۵ طبع سعيد: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ألا لا تظلموا ألا لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه. رواه البيهقي في شعب الايمان وفي حاشيته أي بالاذن أو بالأمر

جہاں اشخاص کے لوگ غیر منظم شکل میں انفرادی طور پر نماز ادا کرتے تھے، اب کارخانہ ختم ہو چکا ہے اور وہ جگہ مویشیوں کی منڈی میں تبدیل ہو گئی ہے، کیا اس جگہ پر دکان وغیرہ تعمیر کر سکتے ہیں جہاں نماز پڑھی جاتی تھی؟ کیا یہ فیکٹری والا اس زمین کو کسی دوسرے کام میں لا سکتا ہے؟

جواب: دراصل دار و مدار اس بات پر ہے کہ زمین کے مالک نے اس جگہ کو مسجد بنانے کی نیت سے وقف کیا تھا یا نہیں؟ اگر مسجد بنانے کی نیت سے وقف کیا تھا تب تو اس جگہ کو کسی اور کام میں نہیں لایا جا سکتا، اور اگر اس نیت سے وقف نہیں کیا تھا، بلکہ وقتی ضرورت کے لئے اس جگہ کو نماز کے لئے مخصوص کیا تھا، تو یہ جگہ بحکم مسجد نہیں ہوئی اور ضرورت ختم ہونے پر اسے دوسرے کام میں لایا جا سکتا ہے۔ (۱)

والله اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۶/۵/۲۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۱۶/۱۹ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع

مسجد کے کسی حصے کو درس گاہ میں شامل کرنے اور مسجد میں دینی تعلیم دینے کا حکم

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے دین شرع متین اندریں مسئلہ کہ ایک درس گاہ جس میں حفظ و ناظرہ قرآن مجید زیر تعلیم ہے، مسجد سے متصل ہے، ایک پختہ صحن جو داخل مسجد ہے، جس میں گرمی، سردی ہر دو موسم میں سایہ اور دھوپ میں نماز پڑھی جاتی ہے، زیر تعمیر درس گاہ اس کے مشرقی جانب بالکل ملحق ہے، اگر درس گاہ اپنی جگہ ایک کمرہ اور برآمدہ کی شکل میں تعمیر کریں تو درس گاہ ناکافی ہوگی۔ اس لئے منتظمین کا خیال ہے کہ درس گاہ والی پوری جگہ میں ایک ہی کمرہ بنایا جائے اور برآمدے کی چھت جو ایک دو صفوں کی مقدار جگہ پر مشتمل ہوگی صحن مسجد سے لے لی جائے، اس طرح مسجد کی زیب و زینت وغیرہ میں کوئی نقصان نہ ہوگا، بلکہ بوقت ضرورت بارش یا گرمی میں اس جگہ نماز پڑھی جا سکے گی جس سے نمازیوں کو فائدہ ہوگا۔ کیا ایسی صورت میں مسجد کی جگہ بہ نیت تعمیر برآمدہ درس گاہ چھت ڈال

---

(۱) وفي حلبي كبير ص: ٦١٤ ولو اتخذ في بيته موضعًا للصلوة فليس له حكم المسجد اصلاً
وفي الهندية ج ٢ ص ٤٥٥ (طبع ماجديه كوئته) [illegible] من وقت الامر بيوم او شهر او سنة ففي هذا الوجه لا يصير هذا المسجد مسجدًا لو مات يورث عنه كذا في الذخيرة. وفي الهندية ايضًا ج ٢
ص: ٤٥٥ (طبع ماجديه كوئته) من جعل مسجدًا تحته سرداب أو فوقه بيت ... فله ان يبيعه وان مات يورث عنه
وفي التاتارخانية ج: ٥ ص ٨٤٣ وان جعل وسط داره مسجدًا وأذن للناس بالدخول فيه فله أن يبيعه
[illegible]

جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:- مسجد کے کسی حصے کو درس گاہ میں شامل کرنا جائز نہیں ہے،(۱) البتہ اگر کسی جگہ برآمدہ بنانا مسجد کے لئے بھی مناسب اور مفید ہو تو بہ نیت تعمیر مسجد وہاں برآمدہ بنا سکتے ہیں، وہ برآمدہ مسجد ہی کا جزء ہوگا، درس گاہ کا نہیں، اور ضرورت کے وقت اس میں دینی تعلیم کا کام بھی کیا جا سکتا ہے۔(۲) لیکن یہ بات ہر کس و ناکس پر واضح رہنی چاہئے کہ یہ برآمدہ مسجد کا ہے، درس گاہ کا نہیں ہے، جس کی بہتر صورت یہ ہے کہ برآمدے کو درس گاہ سے بالکل متصل بنانے کے بجائے برآمدے اور درس گاہ کے درمیان تھوڑی سی جگہ امتیاز کے لئے چھوڑ دی جائے۔

واللہ سبحانہ اعلم
۸/۱۰/۱۳۹۰ھ
(فتویٰ نمبر ۳۴ ے ۱۳۰)

متعارف اور عام طریقے سے ہٹ کر بنائے گئے مسجد کے منبر کو توڑنے یا برقرار رکھنے کا حکم

سوال:- جناب عالی! آپ کے پاس ایک استفتاء مورخہ ۳۰ جولائی ۱۹۸۵ء کا بھیجا

---

(۱) وفي البحر الرائق ج ۵ ص ۲۵۱ طبع ماجدیہ کوئٹہ: قال ابو يوسف هو مسجد ابدا الى قيام الساعة لا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه او لا وهو الفتوى.
وفي الدر المختار ج ۴ ص ۳۵۸ طبع سعيد كراچي: ولو خرب ما حوله واستغني عنه يبقى مسجدا عند الامام والثاني ابدا الى قيام الساعة وبه يفتي، حاوي القدسي. وفي الشامية: فلا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيه او لا وهو الفتوى.

(۲) [illegible] مندرجہ ذیل شرائط کی پابندی کرکے مسجد میں تعلیم دینا جائز ہے:
۱- مدرسہ زیر تعمیر ہونے کی وجہ سے مسجد میں تعلیم عارضی طور پر دی جارہی ہو۔
۲- بچے تمیزدار اور عقل مند ہوں، مسجد کا پورا پورا احترام کرتے ہوں، مسجد کو گندا اور ناپاک نہ کرتے ہوں۔
۳- [illegible] انتظام کرنا ضروری ہے، مدرسہ کا انتظام ہونے تک مسجد میں تعلیم دینا شرائط بالا کے ساتھ جائز ہے۔
وفي خلاصة الفتاوى ج ۴ ص ۲۲۹ طبع رشيدية كوئته: والمعلم الذي يعلم الصبيان باجر اذا جلس في المسجد يعلم الصبيان لضرورة الحر وغيره لا يكره وفي نسخة القاضي الامام وفي اقرار العيون جعل مسألة المعلم كمسألة الكاتب والخياط فان كان يعلم حسبة لا بأس به وان كان باجر يكره الا اذا وقع ضرورة. كما في الهندية ج ۱ ص ۱۱۰ وفتح القدير ج ۱ ص ۳۶۹ والفتاوى الخانية ج ۱ ص ۶۵ والاشباه والنظائر ج ۲ ص ۲۳.
وفي الدر المختار: ويحرم ادخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم والا فيكره.
وفي البحر الرائق ج ۲ ص ۳۵: هؤلاء المكتبون الذين تجتمع عندهم الصبيان واللغط فلا ولو لم يكن لغط لانهم في صناعة لا عبادة اذ هم يقصدون الاجارة ليس هو لله بل للارتزاق ومعلم الصبيان القرآن كالكاتب ان كان لاجر لا وحسبة لا بأس به. وكذا في الاشباه والنظائر ص ۲۳۱.
نیز دیکھئے کفایت المفتی ج ۷ ص ۱۰۰ (جدید ایڈیشن دارالاشاعت)۔ (محمد زبیر حق نواز)

متعلق (منبر مسجد خیر البشر) بھیجا گیا تھا، جس کا آپ نے جواب تحریر فرمایا تھا، اس استفتاء میں کچھ باتیں غلط درج کی گئی تھیں، مثلاً یہ کہ مؤذن جب خطبے کے وقت اذان دیتا ہے تو اس کا چہرہ امام کے پاؤں کے سامنے نہیں ہوتا بلکہ منبر کی اونچائی فرش سے صرف ساڑھے تین فٹ ہے لہٰذا مؤذن کا پیٹ اور سینے کا حصہ امام کے پیروں کے سامنے ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ یہ منبر بنانے والوں نے مسجد نمرہ کے منبر کی نقل میں نہیں بنایا، ہدایت منبر کی نشاندہی کے طور پر یہ عرض کیا تھا کہ ایسا منبر مسجد نمرہ اور سعودی عرب کی مساجد میں تعمیر کیا گیا ہے۔ تیسری بات یہ کہ مسجد نمرہ کے منبر کی جو تاریخ اس استفتاء میں بیان کی گئی ہے، آرکیٹیکٹ کے ذہن میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔ اس بناء پر براہ کرم یہ فرمائیں کہ کیا اس منبر کو توڑنا ضروری ہے؟ اور اگر اس کو برقرار رکھا جائے تو کیا شریعت کے خلاف کام ہوگا؟ ذیل میں منبر کی شکل کا نقشہ دے رہا ہوں:-

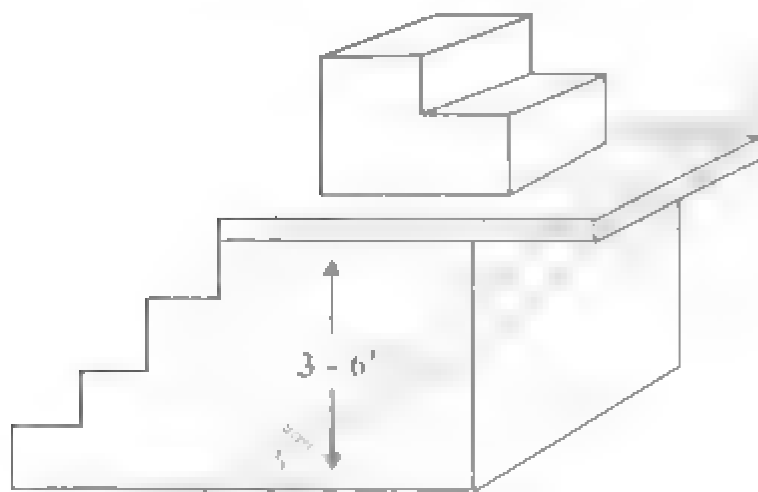

مسجد خیر البشر میں تعمیر کیا گیا منبر

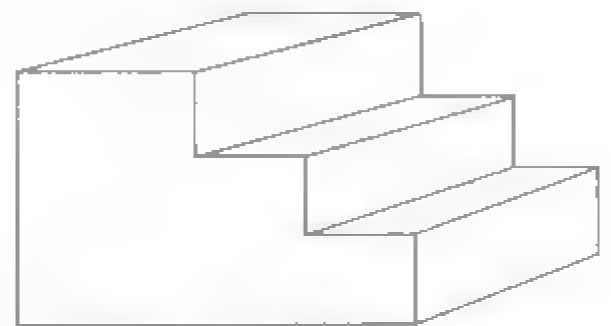
مساجد میں عام طور پر تعمیر کیا گیا منبر

جواب:- پہلے سوال سے یہ مترشح تھا کہ منبر تین سیڑھیوں سے زائد پر مشتمل ہے، نیز یہ کہ اس پر امام کے کھڑے ہونے کی صورت میں اس کے پاؤں مؤذن کے چہرے کے محاذی ہو جاتے ہیں، اس لئے اسے خلاف مسنون کہا گیا تھا۔ اب جو صورت سامنے آئی ہے اس میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں، اس لئے اس منبر کو ناجائز، مکروہ یا بالکلیہ خلاف سنت نہیں کہا جا سکتا، اور جبکہ منبر بن چکا ہے تو اسے توڑنا واجب نہیں، اور اس کو برقرار رکھنے کی صورت میں اسے خلاف شرع نہیں کہہ سکتے۔ اگر سوال بننے سے قبل کیا جاتا تو مشورہ معروف طریقے کا منبر بنانے ہی کا دیا جاتا، کہ وہ اقرب الی السنۃ ہے، تاہم جب منبر بن چکا ہے تو اب اس کو توڑنا ضروری نہیں ہے، اور اس مسئلے پر خواہ مخواہ زیادہ بحث و مباحثہ اور فتنہ و مجادلہ کی ہرگز ضرورت نہیں۔

واللہ سبحانہ اعلم

١٤٠٦/١/١٣ھ

(فتویٰ نمبر ٣٧/٨٨ الف)

مسجد کی چھت پر امام کے لئے حجرہ بنانے کے مسئلے میں فتاوی لکھنویہ اور عزیز الفتاوی و امداد المفتیین میں تضاد کی تحقیق

سوال:- کیا مسجد کی چھت پر امام مسجد کا حجرہ بنانا جائز ہے؟ فتاوی لکھنویہ میں جائز اور عزیز الفتاوی و امداد المفتیین اور آداب مساجد میں ناجائز لکھا ہے۔ آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب: امداد المفتیین میں یہ مسئلہ نہیں ملا، البتہ آداب المساجد میں عدم جواز مذکور ہے، مگر اس کا حوالہ نہیں ہے۔ اور حضرت مولانا عبدالحی صاحب نے جو جواز لکھا ہے وہ بھی مطلقاً نہیں ہے، بلکہ چند شرائط کے ساتھ جائز ہونا لکھا ہے۔ (ص:۲۳۰)

اور وہ شرائط مندرجہ ذیل ہیں:-

۱- وقف کرنے والے نے یہ حصہ خاص طور سے مسجدیت سے مستثنیٰ قرار دے دیا ہو، اور تعمیر مسجد سے پہلے پہلے حجرہ بنوا دیا ہو یا اپنی نیت کا اعلان کر دیا ہو۔

۲:- اور یہ استثناء مصالح مسجد کی وجہ سے ہو۔

یہی حکم کتب فقہ میں مذکور ہے جیسا کہ درمختار کی کتاب الوقف میں ہے: لو بنى فوقه بيتا للإمام لا يضر لأنه من المصالح، أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع، ولو قال عنيت ذلك لم يصدق۔ (شامی ج:۳ ص ۵۱۲)[1]۔

اب یہ مسئلہ رہ جاتا ہے کہ وہ حجرہ بحکم مسجد ہوگا یا نہیں؟ سو اس بارے میں صحیح یہی ہے کہ وہ بحکم مسجد نہیں ہوگا جیسا کہ آداب المساجد میں ذکر کیا گیا ہے۔

عزیز الفتاوی میں جو حضرت مفتی عزیز الرحمن صاحب نے لکھا ہے کہ "وہ حکم مسجد ہوگا، اس سے بول و براز اس پر جائز نہیں ہوں گے" (ج ۵ ص ۳۵)[2]۔ اس کا منشاء یہ ہو تو یہ ہے کہ اس حجرے سے مسجد سے غایت اتصال کے سبب تقاضائے ادب و احترام یہ ہے کہ بول و براز سے اس کو بچایا جائے، ورنہ یہ توجیہ نہ ہو تو پھر اس میں تسامح ہوا ہے۔ کیونکہ اس حکم کی دلیل آپ نے یہ بیان فرمائی ہے:-

وبه صرح في الإسعاف فقال: وإذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أو كان وقفا عليه صار مسجدا اهـ شرنبلالية. قال في البحر: وحاصله أن شرط كونه مسجدا أن يكون سفله وعلوه مسجدا لينقطع حق العبد. (شامی ج ۳ ص ۳۵۷)[3] جائز ہے۔ یہ دلیل اس لئے صحیح نہیں

---

(۱) ردّ المحتار کتاب الوقف ج:۳ ص ۳۵۸ ,طبع سعید)

(۲) عزیز الفتاوی ص ۲۱۰ (طبع دار الاشاعت کراچی)

(۳) شامی ج:۳ ص ۳۵۷ (طبع سعید)

کہ اس میں "صار" کی ضمیر "سفل وعلو" کی طرف نہیں بلکہ "مسجد" کی طرف راجع ہے، جیسا کہ سیاق کلام سے یہ بات واضح ہو رہی ہے، کیونکہ ذکر مسجد کی مسجدیت کا ہے، سفل وعلو کی مسجدیت کا نہیں، اور اس امر کی تصریح حضرت تھانویؒ نے بھی بالفاظ ذیل فرمائی ہے:-

> غالباً آپ نے مرجع ضمیر صار کا سرداب وعلو کو سمجھا ہے، سو یہ مرجع نہیں ہے، بلکہ مرجع اس کا وہ مسجد ہے جس کے مصالح کے لئے سرداب وعلو بنی یا وقف کیا گیا۔[1] (امداد الفتاویٰ ج ۲ ص ۵۹۶)

اور آخری عبارت میں "ان یکون سفلہ وعلوہ مسجدا" کا مطلب "موقوفا علی مصالح المسجد" ہے۔

بہرکیف! یہ ثابت ہوا کہ حجرۂ امام کا بنانا بشرائط مذکورہ جائز ہے، اور ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے اگر حجرہ بنایا جائے تو وہ حکم مسجد نہیں ہے، البتہ تقاضائے احترام مسجد بہتر یہ ہے کہ اس میں بول وبراز نہ کیا جائے، خصوصیت سے جبکہ حجرہ مسجد سے اتنا متصل ہو کہ اس کی بدبو اور دوسرے اثرات مسجد تک پہنچ کر ایذاء کے موجب ہوں، تو اس صورت میں بول وبراز کرنا مکروہ ہوگا۔ واللہ سبحانہ اعلم

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفی عنہ

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۷۹/۱۲/۲۴ھ[2]

مسجد کی چھت پر امام کے لئے حجرہ بنانے کا حکم

سوال:- مسجد کی چھت پر امام کے لئے حجرہ بنانا جائز ہے یا نہیں؟

جواب:- درمختار کتاب الوقف میں ہے: ولو بنی فوقه بيتا للإمام لا يضر لأنه من المصالح أما لو تمت المسجدية ثم أراد البناء منع ولو قال عنيت ذلك لم يصدق تاترخانية فإذا كان هذا في الواقف فكيف بغيره فيجب هدمه ولو على جدار المسجد

علامہ شامیؒ اس کے تحت فرماتے ہیں: قوله أما لو تمت المسجدية أي بالقول على المفتى به أو بالصلاة فيه على قولهما وعبارة التاترخانية وإن كان حين بناه خلّى بينه وبين النّاس ثم جاء بعد ذلك يبني لا يترك اهـ وبه علم أن قوله في النهر وأمّا لو تمت المسجدية ثم أراد هدم ذلك البناء فإنّه لا يمكّن من ذلك الخ فيه نظر لأنّه ليس في عبارة التاترخانية ذكر الهدم وإن كان الظاهر أن الحكم كذلك (شامي ج ۳ ص ۴۱۲)۔[3]

---

(۱) ج ۲ ص ۶۸۴ (طبع مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔

(۲) یہ فتویٰ حضرت والا دامت برکاتہم کے درجہ تخصص (تمرین افتاء) کی کاپی سے لیا گیا ہے۔ (محمد زبیر)

(۳) ردّ المحتار ج ۴ ص ۳۵۸ (طبع سعید)

عالمگیریہ میں ہے: الصعود علی سطح کل مسجد مکروہ ولهذا اذا اشتد الحر يكره أن يصلوا بالجماعة فوقه الا اذا ضاق المسجد فحينئذ لا يكره الصعود على سطحه للضرورة (عالمگیریة ج ۱ ص:۳۵٦)۔[1]

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجدیت کے مکمل ہونے سے پہلے اگر ایسا کیا جائے تو جائز ہے ورنہ نہیں، فتاوی لکھنویہ میں جو حکم لکھا ہے وہ صرف چارپائی بچھانے کا ہے، اور انہوں نے جو استدلال کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف کے وقت وہاں چارپائی بچھائی تھی، وہ خود محلِ نظر ہے، کیونکہ اعتکاف کی وجہ سے چارپائی بچھانا عذر ہے، اس پر عام حالات کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

واللہ اعلم
۱۳۷۹/۱۲/۲۳ھ[2]

مسجد کی تعمیر سے بچی ہوئی اینٹیں اِمام کے مکان پر لگانے کا حکم

سوال:- مسجد تعمیر کرنے پر جو پُرانی اینٹیں بچ جائیں تو کیا امام مسجد کے مکان میں اُنہیں لگانا جائز ہے؟

جواب:- لگا سکتے ہیں۔

واللہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۱ھ

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی

۱:- کیا امام صاحب یا مہتمم کو مسجد کمیٹی کی میٹنگ میں بلانا ضروری ہے؟
۲:- نماز کی گستاخی کرنے والے کو مسجد کمیٹی کا ممبر بنانے کا حکم

سوال - کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین مندرجہ ذیل مسائل کے بارے میں کہ:-

۱- کسی مسجد ومدرسہ کی ایک ہی کمیٹی بنی ہوئی ہو اور اس مسجد ومدرسہ کا مہتمم بھی ایک ہی ہو، اس مسجد ومدرسہ کی تعمیر وانتظامی امور کی کوئی میٹنگ ہو تو کچھ ممبر حضرات امام ومہتمم صاحب کی میٹنگ میں شمولیت ضروری سمجھیں مگر کچھ ممبر صاحبان یہ دلیل دے کر شامل نہ ہونے دیں کہ امام ومہتمم صاحب چونکہ کمیٹی کے ملازم ہیں، ماہانہ تنخواہ لیتے ہیں، لہذا تنخواہ دار ملازم امام صاحب ومہتمم صاحب کو مسجد و

(۱) عالمگیریة کتاب الکراهیة ج:۵ ص:۳۲۲ (طبع رشیدیه)
(۲) یہ فتویٰ حضرت والا دامت برکاتہم کی تمرینِ افتاء (درجہ تخصص) کی کاپی سے لیا گیا ہے۔ (محمد زبیر)۔

مدرسہ کی میٹنگ میں بیٹھنے کا کوئی حق نہیں۔ جواب سے مطلع فرمادیں کہ جو شخص ایسا عقیدہ اپنے امام صاحب سے متعلق رکھتا ہو یعنی امام صاحب کو کمیٹی کا ملازم سمجھتا ہو وہ شخص مسجد و مدرسہ کی کمیٹی کا ممبر رہ سکتا ہے یا نہیں؟ ایسے ملازم امام کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟

۲- اور یہ کہ جو شخص بغیر جماعت کے صرف اپنے گھر میں اکیلا نماز پڑھنے والا ہو اور وہ یہ کہے کہ میں ایک روز صبح کی نماز باجماعت ادا کرنے کے لئے مسجد میں گیا وہاں نماز میں اتنی دیر لگ گئی کہ میری زندگی کے سارے معمولات الٹ پلٹ ہوگئے، یعنی معمولات کا ناس ہوگیا، اس دن سے پھر میں نے کبھی بھی نماز باجماعت کی ہمت نہیں کی۔ جواب سے مطلع فرمادیں کہ مذکورہ بالا الفاظ کہنے والے کو مسجد کمیٹی کا ممبر یا عہدیدار بنایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۳- اور یہ کہ مذکورہ بالا شخص امام مسجد کی غیر حاضریوں کو نوٹ کرنے کے لئے تو مسجد کے محراب کے پاس آکر دیکھے کہ امام صاحب آج کی نماز میں حاضر ہیں کہ نہیں؟ مگر جماعت کی نماز میں شریک نہ ہو، یعنی مذکورہ کام کے لئے تو وقت نکالے مگر نماز باجماعت کے لئے وقت نکالنا اس کے معمولات میں فرق ڈالتا ہو، ایسے شخص کو مسجد کمیٹی کا ممبر اور عہدیدار بنانا چاہئے یا نہیں؟

۴- یہ کہ مسجد و مدرسہ کی تعمیر و تنظیمی میٹنگ میں امام صاحب و مہتمم صاحب کو شامل کرنا ضروری ہے یا اس کو ملازم سمجھتے ہوئے الگ رکھنا ضروری ہے؟ ہماری تعلیم اور آئین اس کے لئے کیا حکم دیتا ہے؟

جواب ۱:- کمیٹی کے ذمہ ضروری نہیں ہے کہ وہ امام صاحب یا مہتمم صاحب کو ضرور اپنی میٹنگ میں بلائیں، البتہ بلانا اچھا ہے، اور اگر کوئی بات ایسی ہو کہ امام صاحب کی موجودگی میں کرنا کمیٹی مناسب نہ سمجھے تو امام صاحب کو ضرور شرکت کا مطالبہ نہیں کرنا چاہئے، البتہ امام صاحب کو "تنخواہ دار ملازم" کے الفاظ سے یاد کرنا بڑی بے ادبی کی بات ہے، جس سے احتراز لازم ہے۔

۲- ایسے شخص نے بڑی گستاخی کی بات کہی، اگر وہ اس سے توبہ نہ کرے تو وہ کمیٹی کا ممبر بننے کا اہل نہیں۔

۳:- ایضاً۔

۴:- نمبر ۱ میں اس کا جواب آگیا۔

واللہ سبحانہ اعلم
۱۳۹۹/۹/۲۹ھ
(فتویٰ نمبر ۳۰/۱۰۳۰ ۲)

بعض غیر مسلم ممالک میں مساجد محدود ہونے اور نمازیوں کی کثیر تعداد کے پیش نظر ایک مسجد میں کئی جماعتیں کرانے کی شرعی حیثیت

(از حضرت مرتب) استاذ محترم حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم سے یہاں امریکہ سے مذکورہ مسئلہ سے متعلق ایک سوال آیا، حضرت والا دامت برکاتہم کی ہدایت سے مولانا مفتی مجید شہید نے اس کا جواب لکھا، حضرت والا دامت برکاتہم نے رائے معلوم کرنے کے لئے یہ جواب حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کے پاس بھیجا، حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے مفتی مجید شہید کے جواب کی تصدیق و تصویب فرمائی، بعد میں حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے دوبارہ غور فرما کر مستقل دوسرا جواب لکھا، جو مفتی مجید شہید کے جواب سے مختلف تھا، حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کی یہ دوسری تحقیق مفتی محمد صاحب نے حضرت والا دامت برکاتہم کی رائے معلوم کرنے کے لئے حضرت والا کے پاس بھیجی، اس پر حضرت والا دامت برکاتہم نے خود مستقل جواب تحریر فرمایا، یہ تمام تحریرات ترتیب وار ذیل میں پیش کی جارہی ہیں۔ (محمد زبیر)

حضرتِ والا دامت برکاتہم کا خط بنام حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ

بگرامی خدمت حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

امریکا کی مساجد میں جماعتِ ثانیہ کا حکم:

حضرت کے پاس امریکا سے ایک سوال آیا تھا، اس کے جواب میں ایک تحریر ہمارے ایک رفیق نے بطور تجویز لکھی ہے، احقر کا رجحان اس تحریر کے موافق ہے، لیکن مستفتی کو باقاعدہ جواب دینے سے پہلے آنجناب کی رہنمائی کا طالب ہے، براہ کرم اس سلسلے میں اپنی رائے سے مطلع فرمائیں، نیز اگر تکرار جماعت کی اجازت ہو تو اذان ثانی کا کیا ہوگا؟ کیا اس کا بھی تکرار کیا جائے گا۔ والسلام

(حضرت مولانا) محمد تقی عثمانی (مدظلہم)

بقلم. محمد عبداللہ میمن

سوال:- بعض غیر مسلم ممالک مثلاً امریکا میں یہ صورت حال درپیش ہے کہ مساجد محدود ہیں، جمعہ کے نمازیوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے تمام نمازی مسجد میں نہیں سما سکتے ہیں اور مسجد کے پہلو اور اطراف وجوانب میں بھی نمازیوں کے کھڑے ہوکر نماز پڑھنے کی قانوناً اجازت نہیں ہے، ایسی صورت حال عموماً جمعہ کے موقع پر پیش آتی ہے۔ بعض مقامات میں یہ تنگی اس سے پیش آتی ہے کہ

وہاں کی عمارت میں جتنی جگہ ہے قانوناً ایک تعداد محدود ہوتی ہے، اس سے زیادہ افراد کا جمع ہونا قانوناً منع ہوتا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ ایسی صورت حال میں ایک ہی مسجد میں ایک سے زیادہ مرتبہ جماعت کی اجازت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

(جواب از مفتی مجاہد شہیدؒ زیر ہدایت حضرت والا دامت برکاتہم)

جواب:- اس مشکل کا اصل حل تو یہ ہے کہ اس علاقہ کو چاہئے کہ جہاں سابقہ مسجد میں توسیع ممکن ہو وہاں توسیع کی جائے تاکہ تمام نمازی ایک ہی جماعت میں شریک ہوسکیں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو اور مساجد تعمیر کرنے کا اہتمام کیا جائے۔

جہاں یہ دونوں باتیں مشکل ہوں تو مسجد میں گنجائش کم ہونے کی صورت میں ایک بار پوری مسجد بھر کر جماعت ہوجانے کے بعد جو لوگ جگہ میں گنجائش نہ ہونے کی بناء پر پہلی جماعت میں شریک نہیں ہوسکے ان کے لئے اسی مسجد میں دوبارہ جماعت کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ جن فقہاء نے تکرارِ جماعت سے منع کیا ہے انہوں نے ممانعت کی دو علتیں ذکر کی ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

۱- اگر تکرارِ جماعت کی اجازت دے دی جائے تو پہلی جماعت کی اہمیت کم ہوگی، جماعت اولیٰ کی تعداد اور اس میں تقلیل ہوگی، اور یہ بات تکرارِ جماعت سے ممانعت کی محض ایک حکمت نہیں، بلکہ علت ہے، اس لئے کہ جن صورتوں میں تکرارِ جماعت کی اجازت ہے، فقہاء نے اس اجازت کو مذکورہ علت نہ ہونے پر متفرع فرمایا ہے، مثلاً مسجد شارع میں جماعت ثانیہ کا جواز، بعض فقہاء سے بلا تداعی تکرارِ جماعت کا جواز، غیر اہل محلہ کے نماز پڑھنے کی صورت میں اہل محلہ کے لئے جماعت ثانیہ کا جواز اور بلا اذان واقامت تکرارِ جماعت کا جواز اسی علت کے نہ ہونے کی بناء پر ہے، چنانچہ بدائع الصنائع میں ہے: "ولأن التكرار يؤدي إلى تقليل الجماعة لأن الناس إذا علموا أنهم تفوتهم الجماعة فيستعجلون فتكثر الجماعة وإذا علموا أنها لا تفوتهم يتأخرون فتقل الجماعة وتقليل الجماعة مكروه بخلاف المساجد التي على قوارع الطرق لأنها ليست لها أهل معروفون فأداء الجماعة فيها مرة بعد أخرى لا يؤدي إلى تقليل الجماعات وبخلاف ما إذا صلى فيه غير أهله لأنه لا يؤدي إلى تقليل الجماعة لأن أهل المسجد ينتظرون أذان المؤذن المعروف" (بدائع ج۱ ص ۱۵۳)[1]۔

---

(۱) (طبع ایچ ایم سعید)

امام سرخسی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "ولنا أنا أمرنا بتكثير الجماعة وفي تكرار الجماعة في مسجد واحد تقليلها لأن الناس اذا عرفوا انهم تفوتهم الجماعة يعجلون للحضور فتكثر الجماعة واذا علموا انه لا تفوتهم يؤخرون فيؤدّى الى تقليل الجماعات وبهذا فارق المسجد الذى على قارعة الطريق لأنه ليس له قوم معلومون فكل من حضر يصلّى فيه فاعادة الجماعة فيه مرة بعد مرة لا تؤدّى الى تقليل الجماعات ... الخ" (المبسوط للسرخسی ج:۱ ص:۱۳۶)۔(۱)

۲- بعض فقہاء نے تفرق کلمۃ المسلمین کو علت قرار دیا ہے، چنانچہ امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: "واذا كان للمسجد امام راتب ففاتت رجلًا أو رجالا فيه الصلوٰة صلّوا فرادى ولا أحب أن يصلّوا فيه جماعة فان فعلوا اجزأتهم الجماعة فيه وانما كرهت ذلك لهم لأنه ليس مما فعل السلف قبلنا، بل قد عابه بعضهم، قال الشافعي: وأحسب كراهية من كره ذلك منهم انما كان لتفرق الكلمة وان يرغب رجل عن الصلوٰة خلف امام جماعة فيتخلف هو ... الى أن قال ... فأما مسجد بنى على ظهر الطريق أو ناحية لا يؤذن فيه مؤذن راتب ولا يكون له امام معلوم ويصلّى فيه المارّة ويستظلون فلا اكره ذلك فيه لأنه ليس فى المعنى الذى وصفت من تفرق الكلمة وأن يرغب رجال عن امامة رجل فيتخذون اماما غيره" (الأم ج:۱ ص:۱۵۴)۔(۲)

مذکورہ صورت میں یہ دونوں علتیں موجود نہیں، لہٰذا ایسی صورت میں تکرارِ جماعت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن یہ اجازت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ مسجد میں جتنے افراد کی گنجائش ہے پہلی جماعت میں اتنے افراد موجود ہوں، جگہ خالی نہ ہو، اگر پہلی جماعت میں گنجائش ہوتے ہوئے پیچھے رہ گئے دوسری جماعت میں شریک ہوں گے تو وہ پہلی جماعت میں شریک ہونے میں سستی کے گناہ کے مرتکب ہوں گے۔

واللہ اعلم
احقر محمد مجاہد عفی عنہ
۱۴۱۲/۸/۱۸ھ

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے مذکورہ جواب کی تصدیق وتصویب

جواب صحیح ہے۔ تکرارِ اذان کا تو جواز معلوم نہیں ہوتا، خارج از مسجد جماعت کے لئے مسجد محلّہ

(۱) ج:۱ ص:۱۳۵ و ۱۳۶ (طبع دار المعرفہ بیروت)۔ (۲) (طبع دار المعرفة بيروت)

کی اذان کافی ہو جاتی ہے، تو مسجد میں جماعت ثانیہ کے لئے بطریق اولیٰ کافی ہوگی۔

تکرارِ اقامت کے جواز میں تردد ہے، بلا عذر جماعت ثانیہ میں اقامت کے ساتھ زیادہ کراہت اور مزدلفہ میں مغرب وعشاء کے درمیان عدمِ اقامت، ان دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ یہاں بھی اقامت ثانیہ نہ ہو۔

رجحان اس طرف ہو رہا ہے کہ اگر دونوں جماعتوں کے درمیان کسی وجہ سے زیادہ فصل ہوا ہو تو اقامت دوبارہ کہی جائے ورنہ نہیں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ر رمضان ۱۴۱۶ھ

(اس تصدیق وتصویب کے بعد حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے دوسرا جواب تحریر فرمایا، یہ جواب حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ نے اپنے اس خط کے ساتھ حضرت والا دامت برکاتہم کو بھیجا)

حضرت والا دامت برکاتہم کے نام

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کا خط

بگرامی خدمت حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب عثمانی زید مجدہٗ!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چند سال قبل مسجد امریکہ میں اقامت جماعت ثانیہ سے متعلق آپ کی طرف سے ایک سوال کا جواب تصویب کے لئے آیا تھا، میں نے تصویب کردی تھی، آپ کی طرف جواب ارسال کرنے کے بعد انہی دنوں میں نظر ثانی کے بعد جواب تبدیل کردیا تھا، یہ یاد نہیں کہ اس کی نقل آپ کو بھیجی تھی یا نہیں، اب احسن الفتاویٰ کی تبویب کے دوران وہ مسئلہ سامنے آیا تو اس خیال سے کہ شاید اس کی نقل آپ کو نہ بھیجی گئی ہو جواب ارسال کی جاتی ہے۔

(حضرت فقیہ العصر مفتی) رشید احمد (صاحب مدظلہم)

بقلم: محمد

دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

۲۷ر محرم ۱۴۲۲ھ

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ کا جواب

جماعت ثانیہ کی کراہت دو علتوں "تقلیل الجماعۃ وتفریق وتشتت" سے معلول قرار دینے اور

یہ تفصیل کرنا کہ جہاں یہ علتیں پائی جاتی ہوں وہاں کراہت ہے ورنہ نہیں، درست نہیں، اس لئے کہ یہ حکمتیں ہیں، علتیں نہیں، اسی لئے کسی فقیہ نے نہ یہ تفصیل بیان فرمائی ہے اور نہ اس تفصیل کو مدارِ حکم ٹھہرایا ہے۔

اس تفصیل کا مقتضیٰ یہ ہے کہ یہ حکم صورت مسئولہ کے ساتھ خاص نہ ہو، بلکہ اس کے علاوہ مسجد محلہ میں بھی اگر کچھ لوگ کبھی کسی معقول عذر کی بناء پر جماعت سے رہ جائیں تو ان کے لئے جماعت ثانیہ بلاکراہت جائز ہو، بلکہ واجب ہو، کیونکہ اس کی مصلحت تو سبب تکثیر جماعت ہے، جبکہ کبھی کبھار ایسے کرنے سے یہ لازم نہیں آتا، ولا قائل به احد۔

صحیح حل - مسجد میں سب کے بیک وقت جماعت میں شریک نہ ہوسکنے کی دو وجوہ ہوسکتی ہیں:-

۱- قانوناً محدود اجتماع سے زیادہ پر پابندی نہیں، مگر مسجد میں گنجائش نہیں۔

۲- قانوناً محدود تعداد سے زیادہ اجتماع ممنوع ہے، مسجد میں گنجائش ہے۔

صورتِ اُولیٰ کا حکم:

جماعت ثانیہ جائز نہیں، کیونکہ فقہاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ نے تصریح فرمائی ہے کہ ایسی صورت میں صفیں قریب قریب بنائی جائیں اور پچھلی صف کے نمازی اگلی صف کے نمازیوں کی پشت پر سجدہ کریں۔

قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالى: وإن سجد للزحام على ظهر مصل صلاته التي هو فيها جاز، وإن لم يصلها بل صلى غيرها أو لم يصل أصلا أو كان فرجة لا يصح

قال العلامة ابن عابدين رحمه الله تعالى: وفي الكلام إشارة إلى أن المستحب التأخير إلى أن يزول الزحام كما في الحلابي، وإلى أنه لا يجوز غير الظهر لكن في الزاهدي يجوز على الفخذين والركبتين بعذر على المختار وعلى اليدين والكمين مطلقا وإلى أنه لا يجوز على ظهر غير مصلي كما قال الحسن لكن في الأصل أنه يجوز كما في المحيط وفي تتمة الزاهدي يجوز على ظهر كل مأكول اهـ (رد المحتار ج۱ ص۵۰۳)(۱)۔

صورتِ ثانیہ کا حکم

اس صورت میں بھی جماعت ثانیہ مطلقاً جائز نہیں، البتہ صحیح صورت جو نصوص فقہیہ سے ثابت ہے، یہ ہے کہ غیر اہل محلہ پہلے جماعت کریں اور اہل محلہ بعد میں جماعت کریں، اس صورت میں یہ بھی شرط نہیں کہ پہلی جماعت کے وقت مسجد میں کوئی جگہ خالی نہ رہے۔

(۱) طبع ایچ ایم سعید

یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ مسجد سے باہر قانونی حدود میں تعداد سے اندر کی جگہ جماعت کا انتظام کیا جائے، اس سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ مسجد کی توسیع اور تعداد بڑھانے کی کوشش کریں۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۲۹ر رمضان ۱۴۱۶ھ

حضرت مفتی رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ کے اس جواب پر جناب مفتی محمد صاحب نے اپنے اس خط میں حضرتِ والا دامت برکاتہم کی رائے دریافت کی۔

(خط از مفتی محمد صاحب)

بگرامی خدمت قابلِ صد احترام حضرت شیخ الاسلام صاحب مدظلہم!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

یہ مسئلہ اب بھی قابلِ غور ہے، اگر جناب والا اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کر اس کے متعلق اپنی رائے سامی سے مطلع فرمادیں تو خدا [illegible] شفقت اور بہت احسان ہوگا۔

محمد ومعاونین تبویب

دار الافتاء والارشاد ناظم آباد کراچی

[illegible] ۱۴۲۲ھ

(حضرتِ والا دامت برکاتہم کا جواب)

گرامی قدر مکرم جناب مولانا محمد صاحب مدظلہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حضرت والا کی دوسری تحریر پہلے مجھے نہیں ملی تھی، آپ نے بھیج دی، جزاکم اللہ تعالیٰ خیرا۔ چونکہ آپ نے احقر ناکارہ کی رائے معلوم فرمائی ہے اس لئے عرض ہے کہ احقر کی رائے کا رجحان اب بھی اسی تحریر کی طرف ہے جو مولانا محمد مجاہد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ نے لکھی تھی، یہ بات کہ فقہاء نے کراہیت تکرار کی جو وجوہ لکھی ہیں وہ حکمت ہیں، علت نہیں، اس وقت درست ہوتی جب تکرار جماعت کی ممانعت پر کوئی نص صریح ہوتی۔ لیکن حضرت نے نقل عمل کی حکایت کی ہے وہ کوئی نص صریح نہیں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک عمل سے استدلال کیا گیا ہے، جو ممانعت پر صریح نہیں، لہٰذا جس جگہ ان مفاسد کا معدوم ہونا یقینی ہو جو فقہاء کرام نے بیان فرمائے ہیں، وہاں تکرار جماعت اس بات سے تو ممنوع معلوم ہوتا ہے کہ دوسرا ان کی پشت پر سجدہ کیا جائے، جبکہ سجدہ رکن صلوٰۃ ہے، پھر بھی ان

ممالک میں سے بعض جگہوں پر مسئلہ حل ہوتا نظر نہیں آتا، بالخصوص جبکہ مسئلہ مجتہد فیہا ہے، تو اس میں گنجائش ہونی چاہئے۔

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۴۲۲ھ

۱:- مسجد کی تعریف
۲:- کیا جس مسجد میں ہفتے میں چند نمازیں ہوتی ہوں وہ بحکمِ مسجد ہے؟

سوال ۱:- مسجد کی کیا تعریف ہے۔

۲- کیا ایک جگہ جہاں ہفتے میں پانچ دن ایک یا دو وقت کی نماز ہوتی ہو، حکم مسجد میں ہے؟

جواب ۱و۲:- ہر وہ جگہ جسے اس کے مالک نے مسجد کے لئے وقف کردیا ہو، اس کے زبانی یا تحریری طور پر وقف کردینے سے مسجد بن جاتی ہے اور اس پر مسجد کے احکام جاری ہوجاتے ہیں، خواہ اس میں نماز پڑھی جائے یا نہیں۔ وهذا عند أبي يوسف فانه يكتفي عنده القول بالوقف في المسجد خلافا لمحمد وقال الشامي وقدم في التنوير والدرر والوقاية وغيرها قول أبي يوسف وعلمت أرجحيته في الوقف والقضاء (شامی)۔[1]

واللہ اعلم وعلمہ اتم واحکم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۷/۱۱/۴ھ
(فتویٰ نمبر ۲۰۹/۱۸ الف)

الجواب صحیح
بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

۱:- امام صاحب کا مسجد کے محراب میں دروازہ کھول کر آمد و رفت رکھنا
۲:- مچھر مارنے کے لئے بدبودار دوا مسجد میں استعمال کرنے کا حکم

سوال ۱:- پہلے امام صاحب اپنے حجرے کے مشرقی دروازے سے نکل کر پیچھے رستے پر ہوتے ہوئے سیڑھیاں چڑھ کر مسجد کے برآمدے سے ہوکر مسجد میں نماز پڑھانے آتے تھے اور واپس جاتے تھے، جب سے نئے سورتی امام صاحب آئے ہیں، انہوں نے مشرقی دروازہ کو بند کروا دیا ہے اور محراب کی طرف دروازہ کھلوا کر محراب سے ہوکر آتے ہیں، اور مسجد کے محراب کے دروازے کو اپنے گھر میں آنے جانے کا راستہ بنالیا ہے، کیا یہ مناسب ہے؟

---

(۱) فتاوی شامية ج:۴ ص ۳۵۶ (طبع سعيد كراچی)

۲:- مچھروں کی تکلیف سے بچنے کے لئے مچھر مارنے والی کوئی دوا جس میں بدبو یا خوشبو ہوتی ہے چھڑکنا کیسا ہے؟

جواب ۱:- دونوں امام صاحبان کے طریقے ٹھیک تھے، شرعاً دونوں میں کوئی حرج نہیں، جس طریقے میں سہولت ہو اُسے اختیار کرلیا جائے۔ [1]

۲:- مچھر مارنے کے لئے ایسی دوائیں اب ملنے لگی ہیں جن میں بدبو نہیں ہوتی بلکہ خوشبو ہوتی ہے، مسجد میں ایسی دوا استعمال کی جائے۔ [2]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم
۱۳۹۷/۶/۲۰ھ

تعمیرِ مسجد کے لئے غیر مسلموں سے چندہ لینے کا حکم

سوال:- بلاک ایچ شمالی ناظم آباد میں ایک جامع مسجد زیرِ تعمیر ہے، اس میں علاقے کے لوگوں کے علاوہ دُوسرے حضرات بھی سرمایہ پیش کرتے ہیں، اب زیرِ غور مسئلہ یہ ہے کہ اگر ان میں بعض غیر مسلم مگر اہلِ کتاب حضرات کی جانب سے رقم پیش کی گئی تو تعمیر کے لئے لینا دُرست ہے یا نہیں؟

جواب:- اگر یہ احتمال نہ ہو کہ کل کو اہلِ اسلام پر احسان رکھیں گے، اور نہ یہ احتمال ہو کہ اہلِ اسلام ان کے ممنون ہوکر ان کے مذہبی شعائر میں شرکت یا ان کی خاطر سے اپنے شعائر میں مداہنت کرنے لگیں گے تو قبول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ وہ اپنے مذہب کی رُو سے بہ نیتِ ثواب چندہ دے رہا ہو۔ [3] (کذا فی امداد الفتاوی ج:۲ ص:۲۰۴ و ۲۰۶)۔ [4]

واللہ سبحانہ اعلم
احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۱۳۸۸/۲/۱ھ
(فتویٰ نمبر ۱۷۲/۱۹ الف)

الجواب صحیح
محمد عاشق الٰہی بلندشہری

---

(۱) دار لمدرس المسجد مملوكة أو مستأجرة متصلة بحائط المسجد هل له أن ينقب حائط المسجد ويجعل من بيته بابًا الى المسجد وهو يشترى هذا الباب من مال نفسه فقالوا: ليس له ذلك وان شرط على نفسه ضمان نقصان ظهر في حائط المسجد كذا في جواهر الاخلاطى. (عالمگيرية كتاب الكراهية باب اداب المسجد ج:۵ ص:۳۲۰ طبع رشيديه). وفى الدر المختار كتاب الصلوٰة ج:۱ ص:۶۵۶ (طبع سعيد كراچى) وكره تحريمًا اتخاذه طريق بغير عذر. نیز دیکھئے: امداد الفتاوی ج:۲ ص:۵۶۷ و ۵۶۸ (طبع مکتبہ دارالعلوم کراچی)

(۲) وفى مشكوٰة المصابيح باب المساجد ص:۶۸ (طبع سعيد) عن جابر رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: من أكل من هذه الشجرة المنتنة فلا يقربن مسجدنا فان الملائكة تتأذى ممّا يتأذى منه الانس. (متفق عليه).

(۳) وفى البحر الرائق ج:۵ ص:۱۹۰ (طبع رشيديه كوئٹه) لو وقف على مسجد بيت المقدس فانه صحيح لأنه قربة عندنا وعندهم.

وفى ردّ المحتار ج:۴ ص:۳۴۱ (طبع سعيد كراچى) (وان يكون قربة فى ذاته) .... ان شرط وقف الذمى أن يكون قربة عندنا وعندهم كالوقف على الفقراء أو على مسجد القدس ..... الخ. وكذا فى فتح القدير ج:۵ ص:۴۱۷. نیز دیکھئے تفسیر معارف القرآن حضرت مفتیِ اعظم پاکستان قدس اللہ سرہٗ ج:۴ ص:۳۳۱۔

(۴) امداد الفتاویٰ ج:۲ ص:۶۶۳ تا ۶۶۶ (طبع مکتبہ دارالعلوم کراچی)۔ (محمد زبیر)

مسجد میں گم شدہ بچے یا چیز کے اعلان کا حکم

سوال:- گم شدہ بچے یا اور کوئی چیز اگر گم ہو جائے، مسجد میں لاؤڈ اسپیکر میں اعلان کیا حکم رکھتا ہے؟

جواب:- مسجد میں گم شدہ چیز کا اعلان کرنے سے حدیث میں ممانعت آئی ہے[1]، فقہاء نے بھی اسے مکروہ قرار دیا ہے، ویکرہ ..... انشاد الضالّة (شامی)[2]۔ لہٰذا اعلان ضروری کرنا ہو تو مائیکروفون کو مسجد سے باہر لے جا کر اعلان کرنا چاہئے۔

واللہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۳۸۷/۱۲/۴ھ

الجواب صحیح

محمد عاشق الٰہی عفی عنہ

مسجد میں مٹی کا تیل جلانے کا حکم

سوال:- دیہات کی مسجدوں میں روشنی کے لئے مٹی کا تیل استعمال کیا جاتا ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز؟ یہ بھی مشہور ہے کہ مٹی کے تیل کی وجہ سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

جواب:- مٹی کا تیل جلانے سے چونکہ بدبو ہوتی ہے اور حدیث میں ہر بدبو کا کام مسجد میں کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے، یہاں تک کہ کچی پیاز کھا کر مسجد میں آنے کو منع کیا گیا ہے کہ اس سے فرشتوں کو تکلیف ہوتی ہے[3]، اس لئے فقہاء نے مسجد میں مٹی کا تیل جلانے کو ناجائز بتایا ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔[4] دیکھئے امداد الفتاویٰ ج:۲ ص:۶۱۴[5]۔ و رسالہ آداب المساجد[6] ص:۱۹، مؤلفہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ۔

واللہ اعلم

۱۳۹۷/۱/۲۱ھ

(فتویٰ نمبر ۱۳۴/۲۸ الف)

---

(۱) فی مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ص:۲۸ (طبع قدیمی کراچی) عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من سمع رجلًا ینشد ضالّۃ فی المسجد فلیقل لا ردّھا اللہ علیک، فان المساجد لم تبن لھذا. نیز دیکھئے: مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح ج:۲ ص:۱۹۹۔

(۲) ردّ المحتار ج:۱ ص:۶۶۰ (طبع سعید). وفی الھندیۃ کتاب الکراھیۃ ج:۵ ص:۳۲۱ (طبع رشیدیہ) حرمۃ المسجد خمسۃ عشر ..... والخامس أن لا یطلب الضّالّۃ فیہ ..... الخ.

(۳) فی مشکوٰۃ المصابیح باب المساجد ص:۶۸ (طبع سعید) عن جابر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: من أکل من ھذہ الشجرۃ المنتنۃ فلا یقربن مسجدنا فان الملائکۃ تتأذی ممّا یتأذی منہ الانس.

(۴) وفی الدرّ المختار ج:۱ ص:۶۵۲ (طبع سعید کراچی) فلا یجوز الاستصباح بدھن نجس فیہ.

(۵) امداد الفتاویٰ احکام المسجد ج:۲ ص:۶۹۸ (طبع مکتبہ دار العلوم کراچی).

(۶) آداب المساجد ص:۲۰ و ۲۱ (طبع دار الاشاعت کراچی). (محمد زبیر حق نواز)

مسجد میں غیر حاضر شخص کے لئے جگہ روکنا

سوال:- میں کسی مسجد میں کسی بھی حیثیت سے کام کرتا ہوں اور اس مسجد میں نماز کے وقت سے پہلے کئی ایسے خاص آدمیوں کے لئے جگہ مخصوص کردوں جو اذان کے بعد مسجد میں تشریف لاتے ہیں، اور اس طرح دُوسرے نمازی جو وقت سے بہت پہلے مسجد میں پہنچتے ہیں اُن کے لئے تکلیف کا سبب بنتے ہیں۔ اس طرح جگہ کا روکنا جائز ہے یا نہیں؟ جن کے لئے جگہ روکی جاتی ہے اُن کی نماز میں کچھ فرق آتا ہے یا نہیں؟

جواب:- اس طرح مسجد میں کسی غیر حاضر شخص کے لئے جگہ روکنا دُرست نہیں، البتہ جو شخص پہلے آکر کچھ دیر مسجد میں بیٹھ گیا ہو، پھر کسی ضرورت سے وہاں اپنی کوئی چیز چھوڑ کر چلا جائے تو واپس آنے پر وہ اُس جگہ کا زیادہ مستحق ہوگا۔[1]

واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

۱۳/۱۰/۱۳۹۷ھ

(فتویٰ نمبر ۱۰۵۲/۲۸ ج)

تعمیرِ مسجد کے لئے ملازم کی تنخواہ سے پیسے کاٹنے کا حکم

سوال:- عمر، زید کے پاس ملازم ہے، تنخواہ دینے کے موقع پر زید بغیر رضامندیٔ عمر کے اس کی تنخواہ سے کچھ رقم تعمیرِ مسجد کے لئے کاٹ لیتا ہے، جس پر عمر ناراض ہے اور لوگوں کے سامنے اس کا اظہار بھی کرتا رہا ہے، مگر بوجہ خوف کے کہ کہیں ملازمت نہ چھوٹے زید کے سامنے بیان نہیں کرتا، کیا از رُوئے شرع یہ رقم کاٹ لینا جائز ہے؟ اور اگر مدرسہ کے لئے اس طرح چندہ کیا جائے تو کیا حکم ہے؟

جواب:- چندہ خواہ مسجد کا ہو یا مدرسہ کا، جب تک دینے والا رضامندی اور خوش دِلی کے ساتھ نہ دے اس وقت تک اسے لینا جائز نہیں ہے،[2] اور نہ اسے تعمیرِ مسجد میں صَرف کرنا چاہئے۔ صورتِ مسئولہ میں زید کا یہ عمل شرعاً دُرست نہیں، بالخصوص جبکہ عمر کا اس سے ناراض ہونا معلوم ہوچکا۔[3]

واللہ سبحانہ اعلم

احقر محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۱۴/۱/۱۳۸۸ھ

(فتویٰ نمبر ۵۵/۱۹ الف)

الجواب صحیح

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

---

(۱) ویکرہ .... تخصیص مکان لنفسہ، ولیس لہ ازعاج غیرہ منہ ولو مدرسا، واذا ضاق فللمصلی ازعاج القاعد ولو مشتغلا بقراءۃ أو درس. (الدر المختار ج:۱ ص:۶۶۲ طبع سعید کراچی). (وقال العلامۃ الشامی تحتہ) وینبغی تقییدہ بما اذا لم یقم عنہ علی نیۃ العود بلا مھلۃ کما لو قام للوضوء مثلاً ولا سیما اذا وضع فیہ ثوبہ لتحقق سبق یدہ تأمل. وفی الھندیۃ کتاب الکراھیۃ ج:۵ ص:۳۲۱ (طبع رشیدیہ کوئٹہ) حرمۃ المسجد خمسۃ عشر .... والعاشر ان لا یضیق علی أحد فی الصف.

(۲و ۳) وفی مشکوۃ المصابیح ج:۱ ص:۲۵۵ (طبع سعید کراچی) قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: الا، لا تظلموا، ألا لا یحل مال امریٔ الّا بطیب نفس منہ. رواہ البیھقی فی شعب الایمان. وفی حاشیتہ: أی بالاذن أو بالأمر. (محمد زبیر)

سود پر تاریخی فیصلہ

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

ترجمہ

ڈاکٹر مولانا محمد عمران اشرف عثمانی صاحب

مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴